

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

# فتاوى قاسميه

منتخب فتاوى

حضرت مولانا مفتي شبير احمد القاسمي

خادم الافتاء و الحديث جامعه قاسميه  
مدرسه شاهي مرادآباد، الهند

(جلد ۱)

## المجلد السابع عشر

الايمان والنذور الحدود الجهاد والهجرة القطة،  
الإمارة والسياسية القضاء، الوقف إلى باب  
المساجد

۷۸۶۷ ————— ۷۴۰۳

ناشر

مكتبه اشرفيه، ديوبند، الهند

01336-223082

## مكمل اجمالي فهرست ايك نظر مين

رقم المسأله	عنوانات
المجلد الأول	١ ١٧٢ مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.
المجلد الثاني	١٧٣ ٥٥٧ بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر، إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.
المجلد الثالث	٥٥٨ ١٠٠٥ بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلى باب ما يتعلق بالكتابة.
المجلد الرابع	١٠٠٦ ١٤١٥ بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلى باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوك والاحسان، الأدعية والأذكار.
المجلد الخامس	١٤١٦ ١٩٣٥ الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.
المجلد السادس	١٩٣٦ ٢٤٥٧ الجماعة، المساجد، الإمامة.
المجلد السابع	٢٤٥٨ ٢٩٦٤ بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلى سجود التلاوة.
المجلد الثامن	٢٩٦٥ ٣٤٢٣ بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراك الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلي باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والندور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرابحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربو ا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الودیعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحیة بتمام أنواعها، العقیقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلى باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقي بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلى باب السابع، ما يتعلق باللحیة.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة، مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصیة، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل



## فہرست عناوین

صفحہ	مسئلہ نمبر	۱۸ کتاب الایمان والندور
۲۴		(۱) باب الایمان
۲۴	۷۴۰۳	قسم کا دار و مدار الفاظ پر ہے یا نیت پر؟
۲۶	۷۴۰۴	قسم میں الفاظ کا اعتبار ہے یا نیت کا؟
۲۷	۷۴۰۵	جس بستی میں نہ جانے کی قسم کھائی وہاں سے گزرنے کا حکم
۲۸	۷۴۰۶	مجبوری میں قرآن کی قسم کھانا
۲۹	۷۴۰۷	صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا
۳۰	۷۴۰۸	قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھانا
۳۲	۷۴۰۹	غصہ میں قرآن لے کر شادی نہ کرنے کی قسم کھانا
۳۳	۷۴۱۰	اولاد کی قسم کھانا
۳۴	۷۴۱۱	یبین لغوی کی ایک صورت
۳۵	۷۴۱۲	چوری ہونے پر تمام محلہ والوں سے طلاق مغلطہ کی قسم دلوانا
۳۶	۷۴۱۳	بچہ پیدا نہ ہونے دینے کی قسم کھانا
۳۸	۷۴۱۴	”مجھے قسم ہے“ کے الفاظ سے حائث ہونا
۳۸	۷۴۱۵	ان قبلتنی فتقبیلک ایای حرام سے قسم کا انعقاد
۴۰	۷۴۱۶	اگر تم نے فلاں عورت سے بات کی تو قسم ہے؟
۴۱	۷۴۱۷	قسم کھا کر کہنا کہ ”میری جیب میں کتنے روپے ہیں“ صحیح بتانے پر سب دیدوں گا
۴۲	۷۴۱۸	گھر بجانے کی خاطر جھوٹی قسم کھانا
۴۳	۷۴۱۹	چوری کرنے کے بعد جھوٹی قسم کھانا
۴۴	۷۴۲۰	کلمہ کی قسم کا حکم
۴۶	۷۴۲۱	کلمہ کی قسم کا شرعی حکم
۴۷	۷۴۲۲	کلمہ کی قسم کی تلقین کا حکم
۴۸	۷۴۲۳	”ہم کھا رہے ہیں کلمہ کی قسم“ کہنا
۵۰	۷۴۲۴	بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھانا؟

۵۱	..... تمہارے یہاں کھایا تو سور کا گوشت کھایا۔	۷۴۲۵
۵۲	..... بیٹی کے گھر نہ جانے کی قسم توڑنے پر کفارہ	۷۴۲۶
۵۳	..... بھائی سے نہ بولنے کی قسم کھانا۔	۷۴۲۷
۵۴	..... دیورانی اور جیٹھانی کا آپس میں نہ بولنے کی قسم کھانا	۷۴۲۸
۵۶	..... بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا۔	۷۴۲۹
۵۶	..... گھر کھانا نہ کھانے کی قسم کھانا۔	۷۴۳۰
۵۷	..... حلال جانور کے گوشت کو اپنے اوپر حرام کرنا۔	۷۴۳۱
۵۸	..... قسم کھانی کہ اگر اس لڑکی سے شادی نہ ہوئی تو کبھی شادی نہ کرونگا	۷۴۳۲
۵۹	..... کسی عورت سے نکاح کی قسم کھانے کے بعد عورت کا دوسرے سے نکاح ہو جانا۔	۷۴۳۳
۶۰	..... دوسری شادی نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد دوسری شادی کرنا۔	۷۴۳۴
۶۱	..... لڑکے کا شادی نہ کرنے کی قسم کھا کر شادی کرنا	۷۴۳۵
۶۲	..... ہندوستان میں نہ رہنے کی قسم کھانا	۷۴۳۶
۶۳	..... ہندو کے قتل کی قسم کھانا	۷۴۳۷
۶۵	..... قسم کا کفارہ۔	۷۴۳۸
۶۶	..... ۱۵۰ مرتبہ قسم توڑنے کا کفارہ	۷۴۳۹
۶۶	..... کفارہ قسم ادا کرنے کا طریقہ	۷۴۴۰
۶۷	..... دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی شکل	۷۴۴۱
۶۹	..... قسم کی خلاف ورزی اور کفارہ کا مستحق	۷۴۴۲

۷۰	(۲) باب النذور	
۷۰	..... کیا محض دل میں ادارہ کر لینے سے نذر منعقد ہو جاتی ہے؟	۷۴۴۳
۷۱	..... کیا نذر پوری کرنا واجب ہے؟	۷۴۴۴
۷۲	..... نذر پوری کرنے کا شرعی حکم	۷۴۴۵
۷۳	..... نذر مان کر اس سے رجوع کرنا۔	۷۴۴۶
۷۴	..... نذر میں ایک کام پر تین چیزوں کے معلق کرنے کا حکم	۷۴۴۷
۷۶	..... کام پورا ہونے سے پہلے نذر نہ ہوگی	۷۴۴۸
۷۷	..... نذر پوری نہ ہونے پر بکروں کی قربانی کرنا	۷۴۴۹
۷۸	..... نذر کی تکمیل کے لیے متعینہ مکان ضروری نہیں	۷۴۵۰
۷۹	..... نذر ذبح اور نذر راضیہ کا فرقہ	۷۴۵۱

۸۳	.....	۷۴۵۲
۸۴	.....	۷۴۵۳
۸۵	.....	۷۴۵۴
۸۶	.....	۷۴۵۵
۸۷	.....	۷۴۵۶
۸۸	.....	۷۴۵۷
۸۹	.....	۷۴۵۸
۸۹	.....	۷۴۵۹
۹۱	.....	۷۴۶۰
۹۲	.....	۷۴۶۱
۹۳	.....	۷۴۶۲
۹۴	.....	۷۴۶۳
۹۵	.....	۷۴۶۴
۹۶	.....	۷۴۶۵
۹۷	.....	۷۴۶۶
۹۸	.....	۷۴۶۷
۱۰۰	.....	۷۴۶۸
۱۰۰	.....	۷۴۶۹
۱۰۱	.....	۷۴۷۰
۱۰۲	.....	۷۴۷۱
۱۰۳	.....	۷۴۷۲
۱۰۴	.....	۷۴۷۳
۱۰۵	.....	۷۴۷۴
۱۰۶	.....	۷۴۷۵
۱۰۷	.....	۷۴۷۶
۱۰۷	.....	۷۴۷۷
۱۰۸	.....	۷۴۷۸
۱۰۹	.....	۷۴۷۹

۱۱۰	اولیاء کی قبروں پر مرغا بکرا ذبح کرنے سے متعلق سوالات	۷۲۸۰
۱۱۱	بیماری سے شقیلیابی ہونے پر بزرگ کے مزار پر بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا	۷۲۸۱
۱۱۲	دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا	۷۲۸۲
۱۱۳	صدقہ بکرے کا کریں یا قیمت کا؟	۷۲۸۳
۱۱۴	نذر کے بکرے کی قیمت سے نذر پوری کرنا	۷۲۸۴
۱۱۴	کیا بکرا صدقہ کرنے کی نذر میں قیمت ادا کرنا کافی ہے؟	۷۲۸۵
۱۱۶	نذر شدہ جانور کی قیمت کھلانے کے علاوہ دوسرے کاموں میں لانا	۷۲۸۶
۱۱۷	نذر کے جانور کا مصرف	۷۲۸۷
۱۱۸	صدقہ نافلہ اور نذر معین و غیر معین کے بکرے کا مصرف	۷۲۸۸
۱۱۹	نذر کا بکرا کون کون کھا سکتا ہے؟	۷۲۸۹
۱۲۰	کیا نذر کا کھانا مالدار رشتہ دار کھا سکتے ہیں؟	۷۲۹۰
۱۲۱	کیا نذر کے گوشت کا مصرف صرف فقراء ہیں؟	۷۲۹۱
۱۲۲	منت کی شیرینی کے مستحق کون؟ مسجد میں منت کی شیرینی لے جانا	۷۲۹۲
۱۲۳	غرباء میں تقسیم کی نیت کے بعد گوشت کا خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا	۷۲۹۳
۱۲۴	ناذر کے اہل خانہ کا نذر شدہ بکرے کا گوشت کھانا	۷۲۹۴
۱۲۵	بیماری کا بکرا فقیروں کے لیے بھی ناجائز	۷۲۹۵

<b>۱۹ کتاب الحدود</b>	
۱۲۶	(۱) باب القصاص والدية

۱۲۶	مسلمان کو قتل کرنے والے کی معافی کی کیا صورت ہے؟	۷۲۹۶
۱۲۷	ساڑھے سات ماہ کے حمل کو نکلا کر پھینکنے والی عورت کا حکم	۷۲۹۷
۱۲۸	زانیہ بیوی کو چاقو سے مارنے والا شخص قاتل ہے	۷۲۹۸
۱۲۹	زانی و زانیہ کی سزا	۷۲۹۹
۱۳۰	لڑکی کے زنا کا دعویٰ کرنے سے زنا کا ثبوت	۷۵۰۰
۱۳۲	غیر اسلامی ممالک میں زانی کی سزا	۷۴۰۱
۱۳۴	زنا کا کفارہ کیا ہے؟	۷۵۰۲
۱۳۵	بدکاری سے عورت حرام نہیں ہوتی	۷۵۰۳
۱۳۶	کیا شراب کو بڑھاوا دینے والے کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟	۷۵۰۴



۱۳۸	..... چیخ و پکار سے ہونے والی موت کا ذمہ دار کون؟	۷۵۰۵
۱۴۰	..... کیا حکومت کا ساتھ دینے والا شخص واجب القتل ہے؟	۷۵۰۶
۱۴۱	..... حادثہ کے بعد ذمہ دار ڈرائیور ہے یا مالک جبکہ مالک کے ذمہ دار ہونیکا کا معاہدہ ہو ..	۷۵۰۷
۱۴۲	..... ایکسڈینٹ کی صورت میں کیا ڈرائیور پر دیت واجب ہے، اور دیت کی مقدار؟	۷۵۰۸
۱۴۳	..... حادثہ کا شکار ہونے والے کے ورثاء کیلئے سرکاری امداد حاصل کرنا .....	۷۵۰۹
۱۴۴	..... حادثہ میں مرنے والے کے معاوضہ کا حکم .....	۷۵۱۰
۱۴۵	..... حکومت سے ملنے والی امدادی رقم کا مستحق کون ہے؟	۷۵۱۱
۱۴۶	..... مقتول کے ورثاء کا مال پر صلح کرنا .....	۷۵۱۲
۱۴۸	..... بطورتاوان دی گئی رقم کا حکم .....	۷۵۱۳

۱۴۹	<b>(۲) باب التعزیر</b>
-----	------------------------

۱۴۹	..... غلط مسئلہ بتانے پر بطورتاوان دعوت کھانا	۷۵۱۴
۱۵۱	..... طلبہ سے غیر حاضری پر مالی تاوان لینا	۷۵۱۵
۱۵۲	..... غیر حاضری کی بنا پر طلبہ سے فیس لینا	۷۵۱۶
۱۵۳	..... مدارس واسکولوں میں طلبہ سے لیٹ فیس وصول کرنا	۷۵۱۷
۱۵۴	..... بطور سزا یا غلطی پر مالی جرمانہ وصول کرنے کا حکم	۷۵۱۸
۱۵۵	..... شوہر کا بیوی کی طرف سے دائر کیے گئے جھوٹے مقدمے کا خرچہ بیوی سے وصول کرنا	۷۵۱۹
۱۵۷	..... ڈاکٹر سے جرمانہ وصول کرنے کی ایک شکل	۷۵۲۰
۱۵۸	..... پچاس ہزار کے مالی جرمانہ کا حکم	۷۵۲۱
۱۵۹	..... پنچائیت کے عائد کردہ مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت	۷۵۲۲
۱۶۱	..... سٹیٹ والوں کا کسی شخص کو مالی یا جسمانی سزا دینا	۷۵۲۳
۱۶۲	..... مالی جرمانہ و دیگر مسائل	۷۵۲۴

	<b>۲۰ کتاب الجہاد</b>	
۱۶۴	<b>(۱) باب الهجرة</b>	

۱۶۴	..... ہجرت کی شرعی حیثیت	۷۵۲۵
۱۶۵	..... اسلام میں جہاد مدافعتیہ ہے یا جارحانہ بھی؟	۷۵۲۶
۱۶۶	..... مسلمانوں پر جہاد کب فرض ہے؟	۷۵۲۷

۱۶۸	..... کیا ہندوستانی مسلمانوں پر جہاد فرض ہے؟	۷۵۲۸
۱۷۰	..... کیا ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں؟	۷۵۲۹
۱۷۱	..... کیا کفار سے جہاد کرنا اکراہ میں داخل ہے؟	۷۵۳۰
۱۷۳	..... کفار ہندوؤں میں یا حربی؟	۷۵۳۱
۱۷۴	..... کیا ہندوؤں کا لوٹا ہوا مال مالِ غنیمت ہے؟	۷۵۳۲
۱۷۵	..... کسی لڑائی میں غیروں کا مال آجائے تو کیا حکم ہے؟	۷۵۳۳

## ۲۱ کتاب اللقطۃ

۱۷۷	(۱) باب اللقطۃ	
۱۷۷	..... لقطہ کا حکم	۷۵۳۴
۱۷۸	..... ملتقط فقیر کا لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے	۷۵۳۵
۱۷۹	..... نامعلوم شخص کے کبوتر گھر آجائیں تو ان کا حکم	۷۵۳۶
۱۸۰	..... نامعلوم شخص کی مرغی گھر آجائے تو اس کا حکم	۷۵۳۷
۱۸۱	..... اسٹیشن پر ملنے والی سونے کی چین کا حکم	۷۵۳۸
۱۸۲	..... لقطہ کی رقم مسجد میں لگانا	۷۵۳۹
۱۸۳	..... گمشدہ روپے اٹھا کر مسجد میں دینا	۷۵۴۰
۱۸۴	..... لقطہ کے جانور پر خرچ کی گئی رقم کہاں سے وصول کریں؟	۷۵۴۱
۱۸۵	..... نابالغ لڑکے نے پائی ہوئی رقم ضائع کر دی	۷۵۴۲

## ۲۲ کتاب الإمارة والسیاسة

۱۸۷	..... امت کی قیادت و امامت میں اسلام کا نقطہ نظر	۷۵۴۳
۱۸۹	..... قرآن وحدیث سے ہٹ کر اسلامی قانون بنانا	۷۵۴۴
۱۹۰	..... برادری کے صدر کا دوسری شادی کے متعلق دستور شائع کرنا	۷۵۴۵
۱۹۱	..... ہندوستان میں بیت المال قائم کرنا کیسا ہے؟	۷۵۴۶
۱۹۳	..... ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟	۷۵۴۷
۱۹۴	..... وندے ماترم اور قومی ترانہ کے الفاظ عقیدہ کے خلاف تو نہیں	۷۵۴۸
۱۹۶	..... حکومت کا مسلمانوں میں پسماندہ وغیر پسماندہ کی تقسیم کرنا	۷۵۴۹
۱۹۸	..... سفیر کا چندہ کرنے کے لیے دو پاسپورٹ بنوانا	۷۵۵۰

۱۹۸	.....	بغیر لائسنس کے ہندوستان میں اسلحہ رکھنا	۷۵۵۱
۲۰۰	.....	عالم دین کے الیکشن لڑنے سے متعلق چند سوالات	۷۵۵۲
۲۰۲	.....	مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا کیسا ہے؟	۷۵۵۳
۲۰۳	.....	کیا عورتیں میڈی کا رکن بن سکتی ہیں؟	۷۵۵۴
۲۰۴	.....	عورتوں کا الیکشن میں کھڑے ہونا	۷۵۵۵
۲۰۵	.....	عورت ووٹ لینے یا دینے کی حقدار ہے یا نہیں؟	۷۵۵۶
۲۰۵	.....	ائمہ حضرات کے لیے حکومتی امداد حاصل کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟	۷۵۵۷
۲۰۷	.....	سیاسی عالم کا غیر مسلم اور ادھا کرشن کی تصویر دینا	۷۵۵۸
۲۰۸	.....	کیا آئین ہند کے حامی باطل کے حامی ہیں	۷۵۵۹
۲۰۹	.....	چیرمین پریئرک کی تعمیر کیلئے حکومت سے ملنے والی رقم کو وہیں صرف کرنا لازم ہے ...	۷۵۶۰
۲۱۰	.....	چیرمین کا کسی ضرورتمند کو گریڈ یا لیک کی زمین بغیر معاوضہ کے دینا	۷۵۶۱
۲۱۱	.....	سرکاری گاڑیوں کی مرمت کا خرچہ سرکار سے وصول کرنا	۷۵۶۲
۲۱۲	.....	چک بندی کی شرعی حیثیت	۷۵۶۳
۲۱۴	.....	عراق کے کویت پر غاصبانہ قبضہ کرنے سے متعلق چند سوالات	۷۵۶۴
۲۱۹	.....	کفیل کا حکومت کا فنڈ خود استعمال کرنا	۷۵۶۵
۲۲۰	.....	۶۰ سال سے اوپر عمر والی بیواؤں اور بوڑھوں کو منجانب سرکار ملنے والی امداد کا حکم	۷۵۶۶
۲۲۱	.....	حکومت سے روپیہ ملنے کی ایک جائز صورت	۷۵۶۷
۲۲۲	.....	فساد زدہ لوگوں کا حکومتی امداد لینا	۷۵۶۸
۲۲۳	.....	دوکانداروں کے لیے حکومت کا تعاون لینا	۷۵۶۹
۲۲۳	.....	مکان وغیرہ کی تعمیر کے لیے مالداروں کا حکومتی امداد لینا	۷۵۷۰
۲۲۴	.....	سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا	۷۵۷۱
۲۲۶	.....	نو مسلمہ کا اپنا ہندو نانی نام بتا کر ووٹ حاصل کرنا	۷۵۷۲

### ۲۳ کتاب القضاء

۲۲۸	(۱) باب ما يتعلق بنفس القضاء	
۲۲۸	.....	غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور
۲۲۸	.....	نظام قضاء کی اہمیت
۲۳۰	.....	غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء
۲۳۲	.....	واجب الطاعة کا مصداق

۲۳۳	..... ایک اہم شبہ	
۲۳۴	..... شبہ کا ازالہ اور بلاد کی اقسام	
۲۳۷	..... غیر اسلامی ممالک میں امیر و قاضی بننے کیلئے ہر حلقہ کے اہل حل و عقد کی رضا شرط ہے ...	
۲۳۸	..... قضاء اور قاضی شرعی کی حقیقت	۷۵۷۴
۲۳۸	..... قضاء کی حقیقت	
۲۳۹	..... شرعی قاضی کی حقیقت	
۲۴۰	..... اہلیت قضاء کی شرائط	
۱۴۱	..... قضاء کی تعریف میں الزام کا مصداق	
۲۴۳	..... قوت منقذہ قاضی شرعی کا جزء لاینفک اور صفت لازمہ نہیں	
۲۴۴	..... قاضی اور مفتی میں فرق	
۲۴۵	..... قاضی کا حلقہ عمل اور دائرہ اختیار	۷۵۷۵
۲۴۷	..... غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر	۷۵۷۶
۲۴۹	..... ولایت الکا فر علی المسلم کا مسئلہ	
۲۵۰	..... غیر اسلامی حکومت میں مسلم امراء کی طرف سے قاضی کا تقرر	
۲۵۲	..... ترا ضی مسلمین سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے اس سے قاضی جمعہ مراد نہیں	
۲۵۳	..... ترا ضی مسلمین سے تقرر قاضی پر اشکال	
۲۵۴	..... جو ابات	
۲۵۴	..... قوت عسکری اور قوت قاہرہ نظام قضاء کے لیے شرط نہیں	
۲۵۵	..... جو ابات	
۲۵۶	..... ہندوستان کے نظام قضاء پر اکابر کی عدم موافقت کیوں ہوئی؟	
۲۵۶	..... جو ابات	
۲۵۸	..... اکابر مفتیان کا فتویٰ	
۲۵۸	..... الحجلیۃ الناجزۃ لکھنے کی وجہ	۷۵۷۷
۲۶۰	..... تلفیق کی بحث	
۲۶۲	..... نظام قضاء کے بعد مذہب مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کی عدم ضرورت	۷۵۷۸
۲۶۳	..... مقام واحد میں تعدد قضاة	۷۵۷۹
۲۶۵	..... آخر میں ایک اہم مشورہ	
۲۶۵	..... محکمہ شرعیہ کی حیثیت	۷۵۸۰

۲۶۶	..... محکمہ شرعیہ کی حیثیت	۷۵۸۱
۲۶۸	..... قضاء قاضی کے لیے کن امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؟	۷۵۸۲
۲۶۹	..... امارت شرعیہ سلطان کے قائم مقام ہے یا قاضی کے؟	۷۵۸۳
۲۷۰	..... قاضی یا امام کا تبع شرعیات اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا لازم ہے	۷۵۸۴
۲۷۲	..... دھوکہ باز کو قاضی متعین کرنا	۷۵۸۵
۲۷۳	..... کیا فیصلہ کی کاپی ہر فریق کو ملنی چاہیے؟	۷۵۸۶
۲۷۴	..... فیصلہ کے لیے فریقین کا موجود ہونا لازم ہے	۷۵۸۷
۲۷۵	..... ناحق فیصلہ کرنے کا حکم	۷۵۸۸
۲۷۷	..... حکموں کا فیصلہ	
۲۸۰	..... شریعت کے خلاف فیصلہ صادر کرنے والی پنچایت میں شرکت کا حکم	۷۵۸۹
۲۸۰	..... قضاء اور تحکیم کے بعض مسائل	[۷۵۹۰]
۲۸۳	..... جائیداد کے لیے درفریق میں جھگڑے کا فیصلہ	۷۵۹۱

۲۸۷	<b>(۲) باب الشهادة</b>
-----	------------------------

۲۸۷	..... دعویٰ بغیر گواہی کے قبول نہیں	۷۵۹۲
۲۸۸	..... فاسق کی شہادت مقبول ہے یا مردود؟	۷۵۹۳
۲۸۹	..... کیا فاسق اور قرآن کریم کی قسم کھانے والے کی گواہی معتبر ہے؟	۷۵۹۴
۲۹۱	..... بیوی کا شوہر کے خلاف طلاق کے بارے میں جھوٹی گواہی دینا	۷۵۹۵
۲۹۲	..... البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر	۷۵۹۶
۲۹۳	..... مقدمہ میں گواہوں کو پیش کرنا کس کے ذمہ لازم ہے، مدعی کے یا مدعی علیہ کے	۷۵۹۷
۳۹۳	..... گونگی یا ولی لڑکی کا اشارے سے اپنے حمل کو دو آدمیوں کا بتلانا	۷۵۹۸
	..... مشرقی یوپی کا معاملہ مدعی علیہ کے اخراجات کے تحمل نہ ہونے کے باوجود	۷۵۹۹
۲۹۵	..... مغربی یوپی میں دائر کرنا	
۲۹۶	..... ایک جگہ کی شرعی پنچایت کے فیصلہ کو روک کر دوسری جگہ اپیل کرنا	۷۶۰۰
۲۹۷	..... باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں کہاں کہاں معتبر ہے	۷۶۰۱
۲۹۷	..... ووٹ کے متعلق چند ضروری مسائل	۷۶۰۲
۳۰۰	..... ووٹ کی شرعی حیثیت	۷۶۰۳

۲۴ کتاب الوقف		
(۱) باب ما يتعلق بنفس الوقف		
۳۰۱	وقف کی جائیداد کا مالک کون؟	۷۶۰۴
۳۰۲	موقوفہ زمین اللہ کی ملک ہے	۷۶۰۵
۳۰۳	وقف کا مالک ہونا ضروری ہے	۷۶۰۶
۳۰۵	ارادہ ظاہر کرنے سے وقف تام نہیں ہوتا	۷۶۰۷
۳۰۶	زبانی وقف کرنے سے مسجد کا حکم	۷۶۰۸
۳۱۰	صرف بنیاد رکھنے سے شرعی مسجد کا حکم	۷۶۰۹
۳۱۱	بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم	۷۶۱۰
۳۱۲	میرے مکان میں مسجد بنا لیا اور اس کے بدلہ مجھ کو کوئی زمین دیدینا کہنے کا حکم	۷۶۱۱
۳۱۴	نہ بیچنے کی شرط لگا کر مسجد کو زمین وقف کرنا	۷۶۱۲
۳۱۵	جس جگہ کو مسجد کے نام سے خریدا گیا ہو وہ مسجد ہے یا نہیں؟	۷۶۱۳
۳۱۸	زمین وقف کرنے کے بعد اپنی ملکیت میں لینا	۷۶۱۴
۳۱۹	موقوفہ زمین میں مالکانہ حقوق کسی کو حاصل نہیں ہوتے	۷۶۱۵
۳۲۱	پانچ پانچ روپے کے اسٹام پیپر پر لکھا ہوا اقرار نامہ	۷۶۱۶
	وقف تام ہونے کے بعد وقف کے رشتہ دار کا غاصبانہ طور پر فائدہ اٹھانے	
۳۲۵	سے متعلق مختلف احکام	
۳۲۸	صدقہ جاریہ کی رقم سے تعمیر عمارت کو منہدم کر کے اس میں کاشت کر نیک حکم	۷۶۱۷
۳۲۹	والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر جائیداد سے اپنی ضرورت پوری کرنا	۷۶۱۸
۳۳۰	وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہنے کا حکم	۷۶۱۹
۳۳۲	کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام وقف کی آمدنی کا حکم	۷۶۲۰
۳۳۴	متعینہ مصارف پر صرف کرنا لازم ہے	۷۶۲۱
۳۳۵	وقف کی شرط کا حکم	۷۶۲۲
۳۳۶	وقف کی شرائط کو پورا کرنے کا حکم	۷۶۲۳
۳۳۷	وقف کی غرض کے خلاف وقف کے استعمال کا حکم	۷۶۲۴
۳۳۹	غرض الوقف کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے	۷۶۲۵
۳۴۰	شرائط وقف کی رعایت لازم لیکن استبدال کی شرط معتبر نہیں	۷۶۲۶

۳۴۳	.....	قبرستان کے لیے زمین وقف کر کے اس سے رجوع کرنا۔	۷۶۲۷
۳۴۴	.....	سرکاری زمین پر مدرسہ قائم کرنا۔	۷۶۲۸
۳۴۵	.....	سوال و جواب	۷۶۲۹
۳۴۶	.....	پٹہ کی زمین پر مدرسہ کی تعمیر	۷۶۳۰
۳۴۷	.....	جائیداد مدرسہ کو دے یا بھائی کو؟	۷۶۳۱
۳۴۸	.....	اپنی ملکیت کی زمین پر مدرسہ قائم کرنا۔	۷۶۳۲
۳۴۹	.....	محکمہ سٹوڈین کے قبضہ میں آنے والی موقوفہ جائیداد کا حکم	۷۶۳۳

۳۵۱	<b>(۲) باب الوقف علی الأولاد</b>	
-----	----------------------------------	--

۳۵۱	.....	وقف علی الأولاد	۷۶۳۴
۳۵۲	.....	وقف علی الأولاد کی ایک صورت	۷۶۳۵
۳۵۴	.....	وقف علی الأولاد کا حکم	۷۶۳۶
۳۵۶	.....	اولاد اکبر کے انتقال کے بعد مکان موقوفہ کا مالک کون؟	۷۶۳۷
۳۵۹	.....	وقف کی شرط کی پابندی لازم ہے	۷۶۳۸
۳۶۰	.....	تولیت میں وقف کی شرائط کا حکم	۷۶۳۹
۳۶۳	.....	وقف علی الأولاد کی صورت میں نسل ختم ہونے پر متولی کون ہوگا؟	۷۶۴۰
۳۶۶	.....	وقف علی الأولاد میں وقف کی اولاد کے علاوہ کا متولی بننا	۷۶۴۱
	.....	وقف علی الأولاد کا متولی کون ہو؟ اس کو فروخت کرنے اور اس میں کس کو رہائش کا اختیار ہے؟	۷۶۴۲
۳۶۷	.....	وقف علی الأولاد کا اختیار ہے؟	۷۶۴۳
۳۷۰	.....	وقف علی الأولاد جائیداد کو میراث کی طرح تقسیم کرنا	۷۶۴۴
۳۷۳	.....	وقف علی الأولاد کی جائیداد کی تقسیم	۷۶۴۵
۳۷۴	.....	وقف علی الأولاد جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ	۷۶۴۶
۳۷۵	.....	وقف علی الأولاد میں مذکور مومنٹ سب شامل ہوتے ہیں	۷۶۴۷
۳۷۶	.....	وقف علی الأولاد میں تولیت کا حق کس کس کو حاصل ہے؟	۷۶۴۸
۳۷۸	.....	اولاد ذکور کی عدم موجودگی میں اولاد اناث متولی بنے گی	۷۶۴۹
۳۷۹	.....	وقف علی الأولاد سے متعلق ایک جامع فتویٰ	۷۶۵۰
۳۸۲	.....	وقف علی الأولاد میں شرعی وراثت کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں ہے	۷۶۵۱
۳۸۳	.....	وقف کی اولاد کا موقوفہ علی الأولاد مکان پر دوسری منزل تعمیر کرنا	۷۶۵۱

۳۸۴	وقف علی الاولاد دینی کی بیع	۷۶۵۲
۳۸۵	وقف علی الاولاد جائیداد کو فروخت کرنا	۷۶۵۳
۳۸۷	وقف علی الاولاد جائیداد کو ضائع ہونے کے خطرہ سے فروخت کرنا	۷۶۵۴

۳۸۸	<b>(۳) باب ولایة الوقف</b>
-----	----------------------------

۳۸۸	کیا تولیت میں حق وراثت جاری ہوتی ہے؟	۷۶۵۵
۳۸۹	واقف کے ورثہ کی موجودگی میں غیر کا متولی بننا	۷۶۵۶
۳۹۱	واقف کی اولاد میں بیٹا متولی ہوگا یا پوتا؟	۷۶۵۷
۳۹۲	باشرع متولی پر الزام لگا کر تولیت سے ہٹانا	۷۶۵۸
۳۹۳	فاسق مسجد کا متولی ہو سکتا ہے یا نہیں؟	۷۶۵۹
۳۹۴	جو شخص مسجد کا حساب و کتاب نہ دے اس کو متولی بنانا	۷۶۶۰
۳۹۵	تولیت وقف کا حقدار خائن شخص نہیں ہے	۷۶۶۱
۳۹۷	متولی کا نااہل کو جائز نہیں بنانا	۷۶۶۲
۳۹۹	رشوت دے کر اپنے نام تولیت کرانا	۷۶۶۳
۴۰۰	واقف کی شرط کے خلاف اولاد یا ناث کی مذکور اولاد کو متولی بنانا	۷۶۶۴
۴۰۴	وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر عمل کرنا لازم ہے	۷۶۶۵
۴۰۵	وقف کے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنے والے متولی کو ہٹانا	۷۶۶۶
۴۰۷	متولی کا کہنا کہ مسجد ہم نے اپنے فائدے کے لیے بنوائی ہے کیسا ہے؟	۷۶۶۷
۴۰۸	وقف علی الخیر کو وقف علی الاولاد میں تبدیل کرنا	۷۶۶۸
۴۱۰	حسب مصراح واقف منتظمین کا جائیداد موقوفہ میں ترمیم و تعمیر کرنا	۷۶۶۹
۴۱۱	وقف علی الاولاد مکان کو متولی کا فروخت کرنا یا کرائے پر دینا	۷۶۷۰
۴۱۴	متولی کا مسجد کے سامان میں خیانت کرنا	۷۶۷۱
۴۱۵	متولی مسجد کی خیانت اگر ثابت ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	۷۶۷۲
۴۱۷	متولی کو مسجد پر یا لگانہ قبضہ اور ناجائز تصرف کا حق حاصل نہیں	۷۶۷۳
۴۱۸	سودا و مسجد کی رقم استعمال کرنے والے متولی کا حکم	۷۶۷۴
۴۲۰	واقف کی غرض کے خلاف موقوفہ زمین میں تصرف کرنا	۷۶۷۵

۴۲۲	<b>(۴) باب بیوع الأوقاف</b>
-----	-----------------------------

۴۲۲	وقف کی زمین فروخت کرنا	۷۶۷۶
-----	------------------------	------



۴۲۳	..... زیادتی آمدنی کی غرض سے وقف کی زمین فروخت کرنا	۷۶۷۷
۴۲۴	..... ناقابل انتفاع موقوفہ زمین کو بیچ کر قابل انتفاع زمین خریدنا	۷۶۷۸
۴۲۵	..... مسجد کی زمین کو فروخت کرنا	۷۶۷۹
۴۲۶	..... تکمیل وقف کے بعد ہبہ کرنا	۷۶۸۰
۴۲۷	..... موقوفہ زمین کو فروخت کرنا	۷۶۸۱
۴۲۹	..... موقوفہ زمین کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری زمین خریدنا	۷۶۸۲
۴۳۰	..... مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا	۷۶۸۳
۴۳۱	..... مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنا	۷۶۸۴
۴۳۱	..... مسجد کی زمین کب فروخت کرنا جائز ہے؟	۷۶۸۵
۴۳۳	..... مسجد کی زمین بضرورت فروخت کرنا	۷۶۸۶
۴۳۴	..... مسجد کی خستہ زمین فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا	۷۶۸۷
۴۳۵	..... کیا مسجد شرعی بننے کے بعد اسے بیچا نہیں جاسکتا؟	۷۶۸۸
۴۳۷	..... مسجد شرعی کے تحقق کے بعد اس کی خرید و فروخت کا حکم	۷۶۸۹
۴۳۸	..... تعمیر مسجد کے لیے زمین کو فروخت کرنا	۷۶۹۰
۴۴۱	..... تعمیر ضرورت کے پیش نظر مسجد کا مکان فروخت کرنا	۷۶۹۱
۴۴۳	..... مسجد کے پرانے بلبے کا حکم	۷۶۹۲
۴۴۵	..... مسجد فروخت کر دینا اور سامان مسجد اپنے کاروبار میں لگانا	۷۶۹۳
۴۴۶	..... مسجد کی زمین فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنا	۷۶۹۴
۴۴۸	..... مسجد کے نام پر دیئے گئے پلاٹ کو فروخت کر کے دوسری مسجد میں لگانا	۷۶۹۵
	..... مسجد بنانے کی غرض سے خریدی گئی زمین کی قیمت ادا کرنے سے قبل مسجد کی تعمیر	۷۶۹۶
۴۵۰	..... مدرسہ کی زمین کس کے ہاتھ فروخت کی جائے	۷۶۹۷
۴۵۲	..... مدرسہ کی زمین بیچ کر اپنا فرضہ وصول کرنا	۷۶۹۸
۴۵۴	..... آبادی کے لیے قبرستان فروخت کر کے دوسری جگہ اس کی زمین خریدنا	۷۶۹۹
۴۵۵	..... قبرستان کو فروخت کرنا	۷۷۰۰
۴۵۶	..... وقف کردہ ذاتی قبرستان کی خالی زمین کو فروخت کرنا	۷۷۰۱
۴۵۷	..... برانے قبرستان کی خرید و فروخت	۷۷۰۲
۴۵۷	..... خمس مکان میں قبرستان کی جگہ آگئی اس کو خریدنا	۷۷۰۳
۴۵۸	..... چہار دیواری کے لیے قبرستان کی کچھ زمین فروخت کرنا	۷۷۰۴

۴۵۹	قبرستان کے درخت فروخت کر کے چہار دیواری قائم کرنا.....	۷۷۰۵
۴۶۰	قبرستان کی چہار دیواری کیلئے زمین کو فروخت کرنا.....	۷۷۰۶
۴۶۲	<b>(۵) باب استبدال الأوقاف</b>	
۴۶۲	مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا.....	۷۷۰۷
۴۶۳	مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا.....	۷۷۰۸
۴۶۴	مسجد منتقل کرنے کا حکم.....	۷۷۰۹
۴۶۵	کیا مسجد کی زمین کو تبدیل کرنے کی شرعا گنجائش ہے؟.....	۷۷۱۰
۴۶۶	مسجد کے موقوفہ مکان کو دوسری مسجد میں تبدیل کرنا.....	۷۷۱۱
۴۶۷	مسجد اور اس کی زمین کا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا.....	۷۷۱۲
۴۶۹	مسجد کی زمین کا تبادلہ کرنا.....	۷۷۱۳
۴۷۱	مسجد کی زمین کا تبادلہ کب جائز ہے؟.....	۷۷۱۴
۴۷۲	نماز کے لیے مخصوص مسجد کی جگہ کو دوسرے مقصد میں استعمال کرنا.....	۷۷۱۵
۴۷۳	مسجد کی جگہ تبدیل کرنا.....	۷۷۱۶
۴۷۴	مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم.....	۷۷۱۷
۴۷۶	واقف کی اجازت سے مسجد کی زمین کو دوسری زمین سے بدلنا.....	۷۷۱۸
۴۷۷	مسجد کے لیے دی گئی زمین کو دوسری بری زمین سے تبدیل کرنا.....	۷۷۱۹
۴۷۹	مسجد کے مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنا.....	۷۷۲۰
۴۸۰	مسجد کی آراضی موقوفہ کا استبدال.....	۷۷۲۱
۴۸۲	مسجد کی زمین کا دوسری جگہ سے تبادلہ کرنا.....	۷۷۲۲
۴۸۳	مسجد کے کونے کو عذر کی بناء پر مسجد سے خارج کرنا.....	۷۷۲۳
۴۸۴	مسجد کا بعض حصہ سڑک میں شامل کر کے دوسری جانب زمین لینا.....	۷۷۲۴
۴۸۷	مسجد کا حصہ قیمت یا بلا قیمت پڑوسی کو دینا.....	۷۷۲۵
۴۸۹	نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے درمیان کی مسجد کے تبادلہ کا مسئلہ.....	۷۷۲۶
۴۹۰	واقف کے وارث کا موقوفہ مکان کو ایک ہزار روپے کے بدلہ لینا.....	۷۷۲۷
۴۹۱	مسجد کی زمین میں ذاتی رقم سے رہائشی مکان تعمیر کرنا.....	۷۷۲۸
۴۹۲	مسجد کی دیوار توڑ کر اس کو پختہ بنا کر اپنے مکان کی چھت ڈالنا.....	۷۷۲۹
۴۹۳	مسجد کے ماتحت مدرسہ یا دینی ہال بنانا.....	۷۷۳۰

۴۹۵	..... مسجد کو مدرسہ اور وضو خانہ میں تبدیل کرنا	۷۷۳۱
۴۹۷	..... مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا	۷۷۳۲
۴۹۷	..... نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے اس زمین میں مسجد مدرسہ بنانا	۷۷۳۳
۴۹۸	..... مسجد کے وضو خانہ پر اسکول کا حکم	۷۷۳۴
۴۹۹	..... مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا	۷۷۳۵
۵۰۰	..... خفیہ طور پر مسجد کی زمین میں ہسپتال یا اسکول بنانا	۷۷۳۶
۵۰۲	..... مسجد میں اسکول قائم کرنا	۷۷۳۷
۵۰۵	..... مسجد و مدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا	۷۷۳۸
۵۰۶	..... مسجد کی موقوفہ زمین میں اسکول بنانا	۷۷۳۹
۵۰۷	..... کارپارکنگ کی منزل کو مسجد بنانا	۷۷۴۰
۵۰۸	..... مسجد کی جگہ مندر بنانے کی حمایت کرنا	۷۷۴۱
۵۰۹	..... مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا	۷۷۴۲
۵۱۱	..... مسجد کی زمین مندر بنانے کے لیے دینا جائز نہیں	۷۷۴۳
۵۰۲	..... مسجد کا کچھ حصہ دوکان بنانے میں لینا	۷۷۴۴
۵۱۳	..... وقف کردہ مکان کو وقف تمام ہونے کے بعد بدلنا	۷۷۴۵
۵۱۴	..... مسجد کی زمین پر رفاہی ہسپتال قائم کرنا	۷۷۴۶
۵۱۶	..... غیر وقف شدہ مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا	۷۷۴۷
۵۱۸	..... مدرسہ کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا	۷۷۴۸
۵۲۰	..... مدرسہ کی زمین پر سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا	۷۷۴۹
۵۲۱	..... پرانی قبروں پر مدرسہ کا بیت الخلاء بنانا	۷۷۵۰
۵۲۲	..... موقوفہ قبرستان میں دوکان، کارخانہ وغیرہ کی تعمیر	۷۷۵۱
۵۲۴	..... مزار پر لینٹریڈال کر مدرسہ بنانا	۷۷۵۲
۵۲۵	..... کیا قبرستان میں بنائی گئی مسجد میں پڑھی گئی نمازیں واجب الاعدہ ہیں؟	۷۷۵۳
۵۲۵	..... مدرسہ کو مسجد بنانا	۷۷۵۴
۵۲۶	..... مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا	۷۷۵۵
۵۲۷	..... مدرسہ کے نام سے دی گئی زمین پر مسجد اور قبرستان بھی بنانا	۷۷۵۶
۵۲۹	..... وقف شدہ غیر مستعمل کنواں پر مدرسہ کی تعمیر کرنا	۷۷۵۷
۵۳۱	..... مدرسہ کی زمین پر مسجد تعمیر کرنے کا حکم	۷۷۵۸

۵۳۲	..... گرام سماج کی زمین میں مدرسہ بنانا	۷۷۵۹
۵۳۳	..... موقوفہ بوسیدہ قبرستان پر دینی مدرسہ بنانا	۷۷۶۰
۵۳۴	..... مدرسہ کی آراضی کو مزار میں شامل کرنا	۷۷۶۱
۵۳۵	..... مدرسہ کی جگہ پر قبرستان بنانا	۷۷۶۲
۵۳۶	..... مدرسہ کو منتقل کرنا	۷۷۶۳
۵۳۸	..... مسجد و مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا	۷۷۶۴
۵۳۹	..... مدرسہ کی زمین پر اسکول کھولنا	۷۷۶۵
۵۴۰	..... قبرستان میں پلر لگا کر اس پر مسجد بنانا	۷۷۶۶
۵۴۱	..... قبرستان کی آراضی میں مسجد تعمیر کرنا	۷۷۶۷
۵۴۲	..... بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا	۷۷۶۸
۵۴۳	..... بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا	۷۷۶۹
۵۴۴	..... قبرستان کی زمین کو مسجد میں صرف کرنا	۷۷۷۰
۵۴۵	..... قبرستان کی خالی جگہ میں اتفاق رائے سے مسجد بنانا	۷۷۷۱
۵۴۶	..... قبرستان کی افتادہ زمین میں مسجد بنانا	۷۷۷۲
۵۴۷	..... قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا	۷۷۷۳
۵۵۰	..... قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانے کا حکم	۷۷۷۴
۵۵۴	..... بہت پرانی قبروں پر مسجد بنانا	۷۷۷۵
۵۵۵	..... مملوکہ قبرستان میں توسیع مسجد باجارت مالکان	۷۷۷۶
۵۵۶	..... بوسیدہ قبروں کو مسجد کی توسیع میں داخل کرنا	۷۷۷۷
۵۵۶	..... پرانے قبرستان میں مسجد بنا کر نماز پڑھنا	۷۷۷۸
۵۵۸	..... قبرستان کی خالی زمین پر عبادت گاہ بنانا	۷۷۷۹
۵۵۹	..... پندرہ سال پرانی قبروں کو ختم کر کے مسجد بنانا	۷۷۸۰
۵۶۰	..... قبرستان یا میونسپل بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا	۷۷۸۱
۵۶۲	..... قبرستان میں مسجد یا کار پارکنگ بنانا	۷۷۸۲
۵۶۳	..... قبر برابر کر کے مسجد کی صف میں شامل کرنا	۷۷۸۳
۵۶۴	..... قبرستان میں مسجد و مدرسہ کی تعمیر کی شرعی حیثیت	۷۷۸۴
۵۶۶	..... ۳۱ سال سے خالی پڑے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنانا	۷۷۸۵
۵۶۷	..... قبر کو مسما کر کے اس پر مسجد یا مدرسہ بنانا	۷۷۸۶

۵۶۸	..... پرانے قبرستان میں مدرسہ و مسجد قائم کرنا	۷۷۸۷
۵۷۰	..... افتادہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا	۷۷۸۸
۵۷۱	..... بوسیدہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا	۷۷۸۹
۵۷۳	..... دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مردے دفن کرنا یا مسجد بنانا	۷۷۹۰
۵۷۴	..... نجی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر	۷۷۹۱
۵۷۶	..... قبرستان کے اوپر مدرسہ بنانا	۷۷۹۲
۵۷۶	..... قبرستان میں پلر قائم کر کے مدرسہ بنانا	۷۷۹۳
۵۷۸	..... پرانا مقوقہ قبرستان کو ناجائز قبضے سے بچانے کیلئے اس پر دینی مدرسہ بنانا	۷۷۹۴
۵۷۹	..... افتادہ قبرستان کو غلاظت چھینکنے کی وجہ سے مدرسہ میں منتقل کرنا	۷۷۹۵
۵۸۱	..... قبرستان کی جگہ مدرسہ بنانا	۷۷۹۶
۵۸۲	..... ذاتی قبرستان میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کرنے کے لیے مکتب بنانا	۷۷۹۷
۵۸۳	..... بوسیدہ قبرستان میں اسکول بنانا	۷۷۹۸
۵۸۵	..... بوسیدہ قبرستان میں لڑکیوں کا اسکول بنانا	۷۸۹۹
۵۸۷	..... افتادہ قبرستان میں مکتب بنانا اور عید کی نماز ادا کرنا	۷۸۰۰
۵۸۸	..... پرانے قبرستان میں عید گاہ بنانے کا حکم	۷۸۰۱
۵۹۰	..... عید گاہ کی توسیع کے لیے قبرستان کی جگہ لینا	۷۸۰۲
۵۹۱	..... قبرستان کی وقف شدہ زمین میں عید گاہ بنانا	۷۸۰۳
۵۹۲	..... پرانے قبرستان کو جنازہ گاہ بنانا	۷۸۰۴
۵۹۳	..... ویران قبرستان میں وقتی طور پر قربان گاہ بنانا	۷۸۰۵
۵۹۵	..... قبرستان کی زمین میں لیٹرین کا گٹر بنانا	۷۸۰۶
۵۹۶	..... بوسیدہ قبرستان جو گندگی چھینکنے کا مرکز ہے اس کو کس کام میں لایا جائے؟	۷۸۰۷
۵۹۷	..... قبرستان میں مسجد کا کمرہ بنا کر فیکلی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا	۷۸۰۸
۵۹۸	..... صدیوں پرانی قبر کو برابر کر کے اس پر مکان تعمیر کرنا	۷۸۰۹
۵۹۹	..... مملوکہ زمین میں ساٹھ سالہ پرانی قبر پر تعمیر کرنا	۷۸۱۰
۶۰۰	..... زیر ملکیت قبرستان کو اپنی ضرورت میں صرف کرنا	۷۸۱۱
۶۰۱	..... قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا	۷۸۱۲
۶۰۲	..... قبرستان کی جگہ پر اپنا کارخانہ بنانا	۷۸۱۳
۶۰۲	..... قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنے، لکڑیاں ڈالنے، وغیرہ کا حکم	۷۸۱۴

۶۰۳	.....	قدیم قبرستان کو طعام گاہ بنانا	۷۸۱۵
۶۰۴	.....	پرانے قبرستان کو شادی ہال بنانا	۷۸۱۶
۶۰۶	.....	بوسیدہ قبرستان میں شادی ہال اور ہسپتال بنانا	۷۸۱۷
۶۰۸	.....	قبرستان کے اوپر لیٹنٹ ڈال کر روڈ بنانا اور بدلے میں دوسری زمین لینا	۷۸۱۸
۶۰۹	.....	قبروں کو مٹا کر پختہ راستہ بنانا	۷۸۱۹
۶۱۰	.....	پختہ راستہ بناتے وقت قبر آجائے تو کیا کریں؟	۷۸۲۰
۶۱۱	.....	قبرستان عامہ کی چہار دیواری توڑ کر لب سڑک دوکان بنانا	۷۸۲۱

۶۱۳	<b>(۶) باب المساجد</b>
-----	------------------------

۶۱۳	.....	مسجد کا محافظ کون اور مسجد شرعی	۸۸۲۲
۶۱۴	.....	مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار کون؟	۷۸۲۳
۶۱۵	.....	موجودہ زمانے میں کسی مسجد کو مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی سے موسوم کرنا حکم	۷۸۲۴
۶۱۶	.....	حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت کہاں کہاں ہے؟	۷۸۲۵
۶۱۷	.....	کیا حرمین شریفین میں نماز کی فضیلت عورتوں کے لیے بھی ہے؟	۷۸۲۶
۶۱۸	.....	کعبۃ اللہ کے چاروں طرف کا مطاف اور مسقف عمارت بھی مسجد حرام ہی ہے	۷۸۲۷
۶۱۹	.....	کیا ایک دفعہ نماز پڑھنے سے شرعی مسجد بن جائے گی	۷۸۲۸
۶۲۱	.....	ذاتی زمین میں مسجد بنا کر نماز کی اجازت دینے سے کیا مسجد شرعی ہو جائے گی؟	۷۸۲۹
۶۲۲	.....	نو تعمیر مسجد کو مسجد کا حکم کب حاصل ہوگا؟	۷۸۳۰
۶۲۳	.....	کیا مسجد شرعی ہونے کے لیے وقف ضروری ہے؟	۷۸۳۱
۶۲۴	.....	مسجد کے لیے وقف شدہ زمین پر مسجد بنانا	۷۸۳۲
۶۲۵	.....	وقف تام ہونے سے قبل اس پر مسجد تعمیر کرنا	۷۸۳۳
۶۲۸	.....	مسجد اور اس کے متعلق چند مسائل	۷۸۳۴
۶۳۱	.....	مسجد شرعی بننے کے بعد نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا	۷۸۳۵
۶۳۳	.....	دو سو سال پرانی مسجد جس کے مقوقف ہونے کا ثبوت نہ ہو مقوقف کہلائے گی؟	۷۸۳۶
۶۳۴	.....	کیا عید گاہ مسجد کے حکم میں ہے؟	۷۸۳۷
۶۳۵	.....	جہاں سے سارے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ان کی مساجد کا حکم	۷۸۳۸
۶۳۶	.....	مسجد شرعی بنا کر داماد کے نام رجسٹری کرنا	۷۸۳۹
۶۳۸	.....	مسجد کی زمین اپنے نام رجسٹری کرانے کا حکم	۷۸۴۰

۶۴۰۰	..... مسجد سے دستبرداری یا منتقلی	۷۸۴۱
۶۴۱	..... گھر کے مقابلے میں مسجد کی جماعت میں شرکت کا حکم	۷۸۴۲
۶۴۲	..... مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب کب حاصل ہوگا	۷۸۴۳
۶۴۳	..... محراب سے آگے کا حصہ مسجد میں شامل نہیں	۷۸۴۴
۶۴۵	..... قبرستان کے پتھوں بیچ بنی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم	۷۸۴۵
۶۴۶	..... بابر مسجد کی حفاظت کے لیے تحریک چلانا	۷۸۴۶
۶۴۷	..... کیا بابر مسجد کے لیے چلائی جانے والی تحریک اسلامی ہے؟	۷۸۴۷
۶۴۸	..... بابر مسجد کی اراضی تا قیامت مسجد ہے	۷۸۴۸
۶۵۰	..... کیا مسجد کی مسجد تہ کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے؟	۷۸۴۹
۶۵۱	..... چالیس دن نماز نہ پڑھنے یا مورتیاں نصب کرنے سے مسجد تہ ختم نہیں ہوتی	۷۸۵۰
	..... واقف نے اگر وقف کے وقت نیچے دوکان وغیرہ کی نیت کی اور اوپر مسجد	۷۸۵۱
۶۵۲	..... بنانے کی تو یہ درست ہے؟	۷۸۵۲
۶۵۳	..... کیا مسجد میں مالکانہ تصرف کا حق ہے؟	۷۸۵۳
۶۵۵	..... کسی شخص کا اپنی مسجد میں آنے سے روکنا اور اس میں نماز جمعہ و عیدین کا حکم	۷۸۵۴
۶۵۶	..... مسجد کو اپنی جاگیر سمجھنا	۷۸۵۵
۶۵۷	..... واقف کے درثناء کا یہ دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے	۷۸۵۶
۶۶۰	..... فتنہ برپا کرنے والے کو مسجد سے روک دیا جائے تو کیا اس میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے	۷۸۵۷
۶۶۱	..... بے پردگی اور دیگر منکرات سے بچنے کے لیے مسجد کا دروازہ اور کھڑکی بند کرنا	۷۸۵۸
۶۶۳	..... ہال کو عارضی طور پر مسجد بنانا	۷۸۵۹
۶۶۴	..... کسی ہال میں باجماعت نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملتا	۷۸۶۰
۶۶۶	..... سہ منزلہ عمارت کے مالک کا دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کرنا	۷۸۶۱
۶۶۷	..... مدرسہ کی دیوار پر لینسٹ ڈال کر نماز پڑھنا	۷۸۶۲
۶۶۸	..... صحن مسجد، برآمدہ اور چھت پر جماعت	۷۸۶۳
۶۶۹	..... ایسی جگہ پر مسجد بنانا جس کے نیچے کاروبار ہوتا ہو	۷۸۶۴
۶۷۱	..... فرم میں مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟	۷۸۶۵
۶۷۱	..... جماعت خانہ کی جگہ پر زبردستی دوکان بنانا	۷۸۶۶
۶۷۲	..... جس جگہ پر تین سال نماز پڑھی جائے اس پر بیت الخلاء بنانا	۷۸۶۷
۶۷۴	..... قدیم نماز گاہ میں بیت الخلاء بنانا	۷۸۶۸



## ۱۸ کتاب الأیمان والندور

### ۱ باب الأیمان

#### قسم کا دار و مدار الفاظ پر ہے یا نیت پر؟

**سوال [۷۴۰۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے چچا بسلسلہ ملازمت سعودی عرب گئے ہوئے تھے جب وہ آئے تو انہوں نے اپنے بھتیجے پر شک ظاہر کیا کہ اس نے اپنی چچی سے ناجائز تعلقات کر رکھا ہے، لہذا اس سلسلے میں بچانے اپنے بھتیجے سے گفتگو کی تو اس نے چچی سے ناجائز تعلقات ہونے سے انکار کر دیا، تو بچانے کہا کہ قسم کھا، کہا کہ تو طلاق کی قسم کھا، لہذا بھتیجے کی دو چچی ہیں (۱) اختر (۲) نسیم، نسیم وہ چچی ہیں جن کا اس سے تعلق ہونے کا شک ہے، لہذا بھتیجے چار پائی کی ایک جانب بیٹھا اور دوسری جانب اس کا چچا بیٹھا، اب بھتیجے اس طرح قسم کھاتا ہے، اپنی زبان سے کہتے ہوئے: اختر کی چچی سے میرے ناجائز تعلقات ہوئے تو میری بیوی کو تین طلاق ہیں، اور اختر کی لفظ کو وہ زبان سے ادا کرتا ہے اور اس کا نفس لفظ بھی سنتا ہے، لیکن اس کا چچا اختر کی لفظ نہیں سنتا، باقی الفاظ سنتا ہے، اور اب بھی وہ آتا جاتا ہے، چونکہ وہ کہتا ہے کہ میرے اس سے ناجائز تعلقات اگر ہیں تو اپنی بیوی کو طلاق دیدوں گا، اس خوف سے کہ کہیں طلاق نہ ہو جائے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی، حالانکہ اس لڑکے سے نسیم کے ناجائز تعلقات ہیں، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی۔



خط کشیدہ الفاظ زبان سے ادا کیے لیکن دل سے نہیں کیے، بلکہ لفظ اختری ہی ادا کیا زبان سے، جبکہ لفظ اختری کو اس کے چچا نے نہیں سنا

المستفتی: مستری محمد حنیف دھامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جب بھتیجے نے قسم کھاتے وقت صراحتاً اختری کا نام لیا ہے گرچہ اس کا ناجائز تعلق نسیمہ کے ساتھ ہے جس کی بنا پر اس کو قسم کھانی گئی تھی، لیکن اس نے اس کے خلاف اختری سے ناجائز تعلق نہ ہونے کی قسم کھائی، لہذا اپنی قسم میں حانث نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ قسم میں صریح الفاظ کے مقابلے میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے چاہے اس کے چچا مخاطب نے اس کا لفظ نہ سمجھا ہو۔

الأیمان مبنیة على الألفاظ لا على الأغراض، وفي الشامي: أي الألفاظ العرفية، وقوله: لا على الأغراض: أي المقاصد والنيات. (شامي، كتاب الأیمان مبحث مهم فی تحقیق قولهم الأیمان مبنیة على الألفاظ ..... زکریا دیوبند ۵/۲۸، کراچی ۳/۷۴۳)

الأیمان مبنیة على الألفاظ العرفية، والأغراض التي تدل عليها هذه الألفاظ أما الأغراض العرفية الزائدة على الألفاظ فإنها غير معتبرة. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الأیمان مبحث الأصول التي تعتبر في الأیمان، دار الفكر ۲/۸۸)

والمعتبر في الأیمان الألفاظ، دون الأغراض. (البحر الرائق باب الیمین فی الدخول والخروج ..... زکریا دیوبند ۴/۵۰۱، کوئٹہ ۴/۲۹۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵/۲/۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۲۰)

## قسم میں الفاظ کا اعتبار ہے یا نیت کا؟

**سوال [۷۴۰۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ کا فرزند عربی سوم میں زیر تعلیم تھا کہ اسی اثنا میں اس کی طبیعت کافی ناساز ہوگئی تو احقر نے یہ نذر مانی کہ یا اللہ اگر میرا فرزند صحیح ہو جائے گا تو فراغت کے بعد اسے ایک سال کے لیے تبلیغی جماعت میں بھیجوں گا، الحمد للہ اس کی طبیعت بھی صحیح ہوگئی، اور دورہ حدیث شریف سے فراغت بھی ہوگئی، فراغت کے بعد سے بندہ کئی سالوں سے مستقل کہہ رہا ہے کہ جماعت میں جاؤ مگر وہ جماعت میں جانا پسند نہیں کرتا ہے، آیا ایسی صورت میں اس کی تلافی کی شکل میں رقم کی اتنی مقدار کہ جتنی ایک سال کی جماعت میں خرچ ہوتی ہے کسی دینی کام میں دیدینے سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے یا نہیں، یا کوئی اور بہتر صورت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد صلاح الدین سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ اپنے فرزند سے ناامید نہ رہیں، کبھی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات ڈالیں گے کہ وہ خود چلا جائیگا، آپ نے اپنی نذر میں یہ قید نہیں لگائی ہے کہ فراغت کے بعد اسی سال میں بھیجیں گے، لہذا اس نذر میں گنجائش ہے کہ فراغت کے کئی سال کے بعد سال بھر کے لیے بھیجا جاسکتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسی کو ہی سال بھر کے لیے بھیجا جائے، اور اس کے لیے حکمت عملی اختیار کی جائے، کہ حضرت مولانا لاٹ صاحب سے ملاقات کرائی جائے اور اجتماعات میں ان لوگوں کی صحبت اور خدمت میں کچھ ایام گزارے اس سے ان شاء اللہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں بات ڈال دے اور وہ خود چلا جائے جس سے آپ کی نذر پوری ہو جائے۔

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب أي

فرض ..... وهو عبادة مقصودة ..... و وجد الشرط المعلق به لزم الناذر

لحدیث من نذر و سمی فعلیہ الوفاء بما سمی . (تنویر مع الدر المختار علی الرد، کتاب الأیمان، مطلب: فی أحكام النذر، زکریا دیوبند ۵/۵۱۵-۵۱۶، کراچی ۳/۷۳۵)

أما أصل الحكم فالناذر لا يخلو من أن يكون نذر و سمی أو نذر ولم  
يسم فإن نذر و سمی فحكمه وجوب الوفاء بما سمی . (بدائع، کتاب النذر،  
حكم النذر، زکریا دیوبند ۴/۲۴۱، کراچی ۵/۹۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۷/۱۲ یقعدہ ۱۴۳۲ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۷/۱۱/۱۴۳۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۲۸)

## جس بستی میں نہ جانے کی قسم کھائی وہاں سے گزرنے کا حکم

**سوال [۷۴۰۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں بستی میں نہیں جاؤں گا مگر اور جگہ جانے کا راستہ ٹھیک اس بستی کے بیچ سے ہو کر پیدل اور سائیکل وغیرہ کا ہے، اس کے علاوہ جو راستہ ہے نہایت خطرناک ہے تو کیا ہم اس بستی کے بیچ سے گزر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد عرفان صدیقی، بانکہ، بھگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر بے خیالی میں اس بستی سے ہو کر گزرے گا تو کفارہ یمین ادا کرنا لازم نہ ہوگا، اور اگر بالارادہ اس بستی سے ہو کر گزرے گا تو قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

رجل حلف لا يخرج من الري إلى الكوفة فخرج من الري يريد مكة وطريقه على الكوفة قال محمد: إن كان حين خرج من الري نوى أن يمر بالكوفة فهو حانث. (بدائع، کتاب الأیمان، ألفاظ اليمين المعلق، زکریا دیوبند ۳/۶۹، کراچی ۳/۴۲، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۷۸، جدید ۲/۸۵، البحر الرائق زکریا

دیوبند ۴/۵۲۳، کوئٹہ ۴/۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۰۶)

## مجبوری میں قرآن کی قسم کھانا

**سوال [۷۰۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مجبوری کی بنا پر قرآن کی قسم کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور مجبوری کیا سمجھی جائیگی؟  
المستفتی: محمد شعیب، مقبرہ اول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قرآن مجید کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے جو ناجائز ہے۔

عن سعد بن عبیدة قال: سمع ابن عمر رجلا يحلف "لا والكعبة"  
فقال له ابن عمر: إني سمعت رسول الله يقول: من حلف بغير الله فقد  
أشرك. (سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب اليمين بغير الله، النسخة الهندية  
۴/۶۳، دار السلام رقم: ۳۲۵۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/۸۶-۸۷، رقم: ۵۵۹۳)

ولو قال بالقرآن أو بالمصحف أو بسورة كذا من القرآن فليس  
بيمين لأنه حلف بغير الله تعالى. (بدائع الصنائع، كتاب الأيمان، ما لا يجوز الحلف  
به، زكريا ۳/۱۷، کراچی ۳/۸)

أو قال بالقرآن أو قال بالمصحف أو قال بسورة من القرآن فليس ذلك  
بيمين. (تاتارخانية الفصل الثاني، ألفاظ الأيمان كوئٹہ ۴/۴۱۹، زكريا ۶/۱۶، رقم: ۸۷۳۷)  
لیکن قرآن کی قسم کا عرف اور رواج ہو جانے کی وجہ سے قسم کھانے سے منعقد ہو جائیگی،  
مگر گنہگار ہوگا، لہذا اس قسم کے خلاف کرنے کی صورت میں کفارہ بھی دینا واجب ہوگا۔ (مستفاد:

عزیز الفتاویٰ ۱/۵۶۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۲۳، ڈائجیل ۱۳/۳۸، احسن الفتاویٰ ۵/۳۸۸)

الأیمان مبنیة على العرف. (شرح الحموی على الأشباه والنظائر ص: ۹۶)  
والأصح أن يقول: الأیمان مبنیة على العرف و العادة فما تعارف  
الناس الحلف به يكون يمينا. (المسوط، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۱۳۳)  
الأیمان مبنیة على العرف فما تعورف الحلف به فيمين و مالا فلا.....  
قال الكمال: ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا. (الرد  
مع الرد، زكريا ۵/۴۸۴-۴۸۵، كراچی ۳/۷۱۲)

اگر کوئی سخت مجبوری ہی درپیش ہو کہ کسی کا حق تلف ہو رہا ہو یا ظلم ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ  
کی ذات کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

قال رسول الله ﷺ: ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بأبائكم فمن كان حالفا  
فليحلف بالله أو ليصمت. (مسلم شريف كتاب الأيمان، باب النهي عن الحلف بغير الله،  
النسخة الهندية ۲/۴۶، بيت الأفكار رقم: ۱۶۴۶، صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب  
لا تحلفوا بأبائكم، النسخة الهندية ۲/۹۸۳، رقم: ۶۳۹۱، ف: ۶۶۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۱۶)

## صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا

**سوال [۷۰۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: میرے اوپر ایک عورت کے ساتھ زنا کا الزام لگایا گیا ہے جبکہ یہ بات بالکل غلط  
ہے، لہذا میں نے قرآن پاک ہاتھوں میں رکھ کر قسم کھائی ہے کہ میں نے کبھی بھی اس سے زنا  
نہیں کیا ہے، لہذا جواب دیں کہ صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نعیم کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر اپنی قسم میں سچا ہے تو عند اللہ آپ پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یمن لغو کو بھی معاف فرمایا ہے۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ [المائدة: ۸۹]

عن عطاء بن أبي رباح قال: كنت أنا وعبيد بن عمير الليثي عند عائشة رضي الله عنها - زوج النبي ﷺ - فسألها عبيد عن قول الله عز وجل: "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ، قالت: حلف الرجل على علمه، ثم لا يجده على ذلك فليس فيه كفارة. (السنن الكبرى للبيهقي، الأيمان، باب من حلف على شيء وهو يرى أنه صادق ثم وجده كاذباً، دار الفكر ۱/ ۴۹۴ رقم: ۲۰۵۰۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۲/۱۱/۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۷/ذیقعد ۱۴۱۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۹۸)

## قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھانا

**سوال [۷۴۰۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ ایک قطعہ زمین و ایک دوکان کے کرایہ دار چلے آ رہے ہیں اس کا دخل ہم سب لوگوں نے تنویر حسین کو دیدیا تھا، اور دخل کے کاغذ کو ۲۲/۱۱/۲۳/۹۳ کو لکھوا کر دونوں بہنوں اور پانچ بھائیوں نے جو اس جگہ کے کرایہ دار تھے، دخل کے کاغذ پر سب لوگوں نے دستخط اپنے اپنے کر دیئے تھے، جگہ کے مالک اصل حقدار، وارثان عبد الغفار سے اس جگہ کے دخل لینے پر تنویر حسین کا جھگڑا ہو گیا کہ تم نے اس جگہ کا دخل کیوں دیا یہ جگہ ہماری تھی، کرایہ داروں سے ہم دخل خود لیتے، جھگڑا اتنا بڑھا کہ بات پولیس تک پہنچ گئی، احمد نور ولد عبد الغفار نے مجھ اسلام سے تھانہ میں کلام پاک کی قسم کھلوائی کہ اس کاغذ پر تم سب لوگوں کے دستخط ہیں یا نہیں؟ دستخط تو ہم سب لوگوں کے تھے، لیکن میں نے ان دستخطوں سے پولیس کے روبرو منع کر دیا کہ یہ

دستخط ہمارے نہیں ہیں اور نہ کوئی دخل تنویر حسین کو دیا ہے، دخل ہمارے پاس ہے تو اس مسئلہ میں مجھے کیا کرنا ہوگا جو کہ میں نے کلام پاک کی جھوٹی قسم کھائی ہے۔

المستفتی: محمد اسلام رفعت پورہ مردآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** پولیس کے خوف سے آپ نے قصداً قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھائی اور دستخط سے انکار کیا حالانکہ آپ کے دستخط ہوئے تھے، اس کی وجہ سے آپ پر گناہ ہوا اور آپ کی جھوٹی قسم کی وجہ سے دوسرے کا جو نقصان ہوا ہے پہلے اس کی تلافی کرنا لازم ہے، اس کے بعد آپ پر توبہ کرنا لازم ہے۔

وہی غموس إن حلف علی کاذب عمدًا..... ویأثم بہا فتلز مہ التوبۃ.

(درمختار، کتاب الأیمان زکریا ۴۷۴/۵-۴۷۵، کراچی ۷۰۵/۳-۷۰۶)

عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من اقتطع مال امرئ مسلم بيمين كاذبة، لقي الله وهو عليه غضبان، قال عبد الله: ثم قرأ رسول الله مصداقه من كتاب الله "إن الذين يشترون بعهد الله و أيمانهم ثمنا قليلا أولئك لا خلاق لهم في الآخرة ولا يكلمهم الله. (صحيح البخارى، كتاب التوحيد ۱۱۰۹/۲ رقم: ۷۱۴۵، ف: ۷۴۴۵)

عن عبد السله بن عمرو رضی اللہ عنہما قال: جاء أعرابي إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! ما الكبائر، قال: ..... اليمين الغموس قلت: وما اليمين الغموس: قال: الذي يقتطع مال امرئ مسلم، هو فيها كاذب. (صحيح البخارى، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين ۱۰۲۲/۲ رقم: ۶۶۵۳ ف: ۶۹۲۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۸۲/۳۲)

## غصہ میں قرآن لے کر شادی نہ کرنے کی قسم کھانا

**سوال [۷۴۰۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی عورت نے قرآن کریم کو ساتھ لے کر غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی، تو اگر یہ شادی کر لے گی تو کون سا کفارہ واجب ہوگا، اور گنہگار ہوگی یا نہیں؟ اور اس کا شادی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شادی نہ کرنے کی قسم گناہ پر قسم ہے، اس کا توڑ دینا ضروری ہے، اور شادی کر کے اپنی قسم کا کفارہ ادا کریں، یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلا دیں، یا ان کو جوڑا لے کر دیں، یا اس کی قیمت دیں، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین روز بلا ناغہ روزہ رکھیں۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ﴾ [المائدة: ۸۹]

عن إبراهيم قال: قال عبد الله: من حلف بالقرآن فعليه بكل آية يمين. (المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور في الرجل يحلف بالقرآن، ما عليه في

ذلك، مؤسسة علوم القرآن ۵۳۷/۷ رقم: ۱۲۳۶۲)

عن أبي مالك قال: الأيمان ثلاثة: يمين تكفر، ويمين لا تكفر، ويمين لا يؤاخذ بها، فأما التي تكفر فالرجل يحلف على قطعة رحم أو معصية الله. (الدر المنثور ۲/ ۵۵۱، تحت الآية ۸۹ من سورة المائدة)

ونوع لا يجوز حفظها وهو أن يحلف على ترك طاعة أو فعل معصية.



(عالمگیری، کتاب الأیمان، الباب الاول، فی تفسیرھا الخ، زکریا قدیم ۵۲/۲، جدید ۵۷/۲)  
 لا ینخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینا (وقوله) و عند  
 الثلاثة المصحف والقرآن و کلام الله یمین. (الدر المختار، کوئٹہ ۵۶/۳،  
 کراچی ۷۱۲/۳، زکریا ۴۸۴/۵-۴۸۵)

ومن حلف علی معصیة کعلم الکلام مع أبویہ (الی قوله) و جب الحث  
 و التکفیر. (تنویر الأبصار مع لدر المختار، زکریا دیوبند ۵۰۶/۵، کوئٹہ ۶۸/۳، کراچی ۷۲۸/۳)  
 و کفارتہ تحریر رقبہ أو إطعام عشرة مساکین أو کسوتهم بما یستر عامه  
 البدن و إن عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة أيام و لا ء. (تنویر الأبصار مع لدر المختار  
 زکریا ۵۰۲/۵ تا ۵۰۵، کوئٹہ ۶۶/۳، کراچی ۷۲۵/۳ تا ۷۲۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم  
 کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۱۶ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۵۳/۲۳)

## اولاد کی قسم کھانا

**سوال [۷۴۱۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
 بارے میں: میرے سالے کی شادی عنقریب ہونے والی ہے میں نے اپنے سالے کو کہا تھا  
 کہ تم اگر اپنے ہونے والے سر کے ساتھ کپڑا پسند کرنے جاؤ گے تو میں اپنے لڑکے کی قسم  
 کھاتا ہوں کہ میں شادی میں شامل نہیں ہوں گا، لیکن وہ ہونے والے سر کے دباؤ میں آ کر  
 کپڑا پسند کرنے کو دوکان پر چلا گیا، اب اگر میں کسی وجہ سے شادی میں شامل ہو گیا تو اولاد کی  
 قسم کا کیا کفارہ ہے، روزہ یا پیسہ یا اور کچھ؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: بارون رشید جھوکا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اولاد کی قسم کھانا شرعاً جائز نہیں ہے لیکن پھر بھی

ایک قسم کے نذر اور وثیقہ کے درجے میں ہو جاتا ہے، اس لیے کفارہ واجب ہو جاتا ہے، اور قسم کا کفارہ الگ الگ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دونوں وقت کھانے کا پیسہ دینا ہے۔

عن عبد السله بن عمر أن رسول الله ﷺ أدرک عمر بن الخطاب وهو یسیر فی ركب یحلف بأبيه فقال، ألا إن الله ینهاکم أن تحلفوا بأبائکم من کان حالفا فلیحلف بالله أو لیصمت . (بخاری شریف، کتاب الأیمان والنذور، باب لاتحلفوا بأبائکم ۹۸۳/۲، رقم: ۶۳۹۱، ف ۶۶۴۶)

و حاصلہ أن الیمین بغيره تعالیٰ تارة یحصل بها الوثیقة - إلى - و إنما كانت الوثیقة فیہ أكثر من الحلف بالله تعالیٰ فی زماننا لقللة المبالاة بالحث ولزوم الکفارة. (شامی، کتاب الأیمان کراچی ۷۰۵/۳، زکریا دیوبند ۵/۴۷۴)

قولہ عشرة مساکنین و تحته فی الشامیة: أی تحقیقا أو تقدیرا حتی لو أعطی مسکینا واحدا فی عشرة أيام کل یوم نصف صاع یجوز. (شامی، کراچی ۷۲۵/۳، زکریا ۵/۵۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ رزی الحج ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۶/۴۰)

## یمین لغوی ایک صورت

**سوال [۷۴۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نامی ایک شخص سے بکر نے کہا کہ بستر پر ایک چھوٹے بچے نے پیشاب کر دیا ہے، تیسرے شخص نے زید سے کہا بچے نے پیشاب نہیں کیا ہے، زید کو بکر کی بات پر یقین تھا، نیز بچے کا پیٹ ایسے رنگ کا تھا، جس سے پیشاب کا اثر معلوم ہو رہا تھا، زید کو بالکل یقین تھا کہ بچے نے پیشاب کیا ہے، اسی پر زید نے کہا خدا کی قسم اگر بچے نے پیشاب نہیں کیا ہے تو میں حائث ہو جاؤں گا جب غور سے دیکھا گیا تو بچے نے پیشاب نہیں کیا تھا، از روئے شرع زید

حادث ہوگا یا نہیں؟ اگر حادث ہوا تو اب کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: محمد نعیم دودھ والے، محلہ لال باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مذکورہ میں زید حادث نہیں ہوا بلکہ یقین

لغو ہوگئی۔

﴿لَا يُوَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ [المائدہ: ۸۹]

لغو وهو أن يحلف على أمر في الماضي أو في الحال وهو يظن أنه كما قال والأمر بخلافه بأن يقول والله قد فعلت كذا وهو ما فعل ويظن أنه فعل (إلى قوله) نرجوا أن لا يواخذ بها صاحبها. (ہندیہ، کتاب الايمان، الباب

الأول في تفسيرها الخ، زكريا قديم ۵۲/۲، جديد ۵۷/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ

۱۴۱۵/۵/۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۴۳)

**چوری ہونے پر تمام محلہ والوں سے طلاق مغلظہ کی قسم دلوانا**

**سوال [۷۴۱۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی آدمی کی کوئی چیز چوری ہوگئی یا کوئی قیمتی مال وجائیداد کا کسی نے نقصان پہنچایا، صاحب مال گاؤں کے آدمی کو جمع کر کے مندرجہ ذیل شرائط کی قیود لگا کر سب سے قسم لیتا ہے:

کہ میں مسجد میں (خدا کے گھر) حلفیہ قسم کھاتا ہوں کہ میں نے مال چوری نہیں کیا یا نقصان نہیں پہنچایا، اگر چوری کیا یا نقصان پہنچایا، یا اس کے بارے میں کہ کس نے کیا اگر مجھے

معلوم ہے تو میری زوجہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوں، اور جب میں نکاح کروں میری بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوں، اور کمیٹی جو سزا مقرر کرے منظور ہے، اور آخرت کی سزا الگ۔

بہتوں نے ان شروط کے ساتھ حلف کھانا نہیں چاہا، کیا طوعاً و کرہاً اس جیسا حلف لینا

صاحب مال کے لیے یا کمیٹی کے لیے جائز ہے؟

المستفتی: غلام نبی کپال، ساؤتھ ۲۴ / پرگنہ ویسٹ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اس طریقہ پر قسم لینے سے فقہاء نے ممانعت فرمائی ہے، اس لیے مال کی تلاش کے لیے دوسرا جائز طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس میں بہت سے باعزت لوگوں کی آبروریزی بھی ہوگی۔

رجل أراد أن يحلف غيره ليس له أن يحلفه بالطلاق و العتاق والأيمان المغلظة. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الأیمان، فصل فی تحلیف الظلمة، زکریا جدید ۱۱/۲، وعلی هامش الهندية زکریا ۱۳/۲)

والتحلیف بالطلاق و العتاق والأیمان المغلظة لم يجوزہ اکثر مشائخنا و فی الخانیة: و إن أراد المدعی تحلیفه بالطلاق و العتاق فی ظاهر الروایة لایجیبہ القاضی إلی ذلك؛ لأن التحلیف بالطلاق و العتاق حرام، و منهم من جوزہ فی زماننا، و الصحیح ما فی ظاهر الروایة، و فی کتاب الحظر و الإباحة من التاتارخانیة: و الفتویٰ علی عدم التحلیف بالطلاق و العتاق. (البحر الرائق، کتاب الدعویٰ زکریا ۷/۳۶۲، کوئٹہ ۷/۲۱۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۰۲/۲۵)

## بچہ پیدا نہ ہونے دینے کی قسم کھانا

**سوال [۷۴۱۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہوئی، شادی کے بعد بچہ بھی ہوا، دوسرا بچہ بھی جلدی ہو گیا، تیسرا حمل بھی ہو گیا تو زید اور ہندہ میں جھگڑا ہوا، زید نے حلیفہ قسم کھالی اب بچہ پیدا نہیں ہونے دیں گے، دینیوی ترکیب

کے مطابق روک لگاتا ہے اب تیسرے بچے کو تقریباً تین سال ہو گئے ہیں، اب زید اور ہندہ دونوں چاہتے ہیں کہ بچے پیدا ہوں، لیکن زید نے قسم کھالی ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: زید سلیم پور دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ایسی قسم معصیت کی قسم ہے اس پر قائم رہنا درست نہیں، اس کے خلاف عمل کیا جائے، اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کر دے، اور کفارہ میں دس مسکین کو دونوں وقت کھانا یا اس کی قیمت دیدی جائے، اور قیمت میں ہر ایک فقیر کو ایک صدقہ کی قیمت دیدی جائے۔

عن سعید بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتني القسمة، لا أكلمك أبداً، كل مالي في رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك و كلم أخاك، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يمين عليك، ولا نذر في معصية الرب، ولا في قطعة الرحم، ولا فيما لا تملك . (المستدرک، کتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۲۷۸۹/۸ رقم: ۷۸۲۳)

عن طاؤس عن أبيه أنه كان يقول: إن حلف رجل على معصية الله فليكفر وليدعه حتى يكون له أجر ما ترك، و أجر ما كفر عن يمينه. (مصنف عبد الرزاق الأيمان، باب من حلف على يمين فرأى غيره خيراً منها، المجلس العلمي ۴۹۷/۸، رقم: ۱۶۰۳۹)

علق النذر بما هو معصية كقوله إن كلمت أبي فعلي نذر فهو كما علقه بمباح إن أبهم وكان عليه أن يحنث نفسه ويكفر الخ. (بزازيه، كتاب الأيمان، فيل الفصل الثالث في يمين الطلاق، زكريا جديد ۱/۱۷۷، وعلى هامش الهندية ۲۷۲/۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۵۰۹)

## ”مجھے قسم ہے“ کے الفاظ سے حانث ہونا

**سوال [۷۴۱۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد سے کہا کہ اگر میں نے تیرے گھر جا کر کھانا کھایا تو مجھے قسم ہے، پھر زید نے خالد کے گھر جا کر کھانا کھالیا تو زید حانث ہوگا یا نہیں؟ یعنی یہ واضح فرمائیں کہ لفظ ”مجھے قسم ہے“ سے قسم منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ”مجھے قسم ہے“ کے الفاظ سے قسم منعقد ہو جاتی ہے، لہذا زید کے خالد کے گھر جا کر کھالینے سے زید حانث ہو گیا، اس پر کفارہ کی ادائیگی لازم ہے۔

و کذا لو قال: علیہ یمین ..... یکون یمینا کذا فی فتاویٰ

قاضیخان . (ہندیہ، کتاب الأیمان، الباب الثانی زکریا قدیم ۵۳/۲، جدید ۵۸/۲)

و کذا قوله علی یمین ..... فی قول أصحابنا الثلاثة . (بدائع الصنائع،

زکریا ۱۵/۳، کراچی ۷/۳-۸)

و کذا لو قال: علیہ یمین ..... أن لا یفعل کذا یکون یمینا . (حانیہ،

زکریا جدید ۶/۲)

ولو قال: علی یمین ..... فهو یمین . (تاتاریخانیہ زکریا ۱۱/۶ رقم: ۸۷۲۸،

وعلی هامش الہندیہ ۴/۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۱/۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۰۷/۴۰)

## إن قبلتني فتقبيلك إياي حرام سے قسم کا انعقاد

**سوال [۷۴۱۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: لو قال رجل لامرأته: ”إن قبلتني فتقبيلك إياي حرام“ ثم بعد أيام تقدم إليها ليقبلها فقبلته فهذا يمين أم لا؟ ومن يحنث الرجل أو المرأة؟ أجبوا من فضلکم بنص من الفقه.

المستفتی: شہید اللہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مرد کے اپنی بیوی سے ”إن قبلتني فتقبيلك إياي حرام“ کہنے سے مرد کے حق میں یمین منعقد ہو جائے گی، لہذا اگر بیوی نے اس کو بوسہ لے لیا تو اپنی قسم میں حانث ہو جائیگا۔

عن سعيد بن جبیر أن ابن عباس قال: في الحرام يكفر، وقال ابن عباس لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة. (صحيح البخارى، التفسير يأيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك، النسخة الهندية ۲/۷۲۹، رقم: ۴۷۲۱، ف: ۴۹۱۱)

عن الضحاک، أن أبابکر و عمرو ابن مسعود قالوا: من قال لامرأته: هي عليه حرام، فليست عليه بحرام، و عليه كفارة يمين. (المصنف لابن أبي شيبة، لطلاق، من كان يقول: الحرام يمين وليس بطلاق، مؤسسة علوم القرآن ۹/۶۰۴، رقم: ۱۸۵۰۷-۱۸۵۱۰)

و من حرم شيئاً ثم فعله كفر ليمينه لما تقرر أن تحريم الحلال يمين قوله: أى لأجل الحنث فيها لأن السبب الحنث لا اليمين، قوله: لما تقرر الخ، أى فى قوله تعالى: يا أيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك تبغى مرضات أزواجك والله غفور رحيم، قد فرض الله لكم تحلة إيمانكم، فبين الله تعالى أن نبيه صلى الله عليه وسلم حرم شيئاً مما هو حلال، قلت: تقبيل المرأة زوجها حلال والرجل حرمه على نفسه بقوله، ومنه أى من تحريم الحلال قولها لزوجها أنت على حرام أو حرمتك على نفسى فلو طأوعته فى الجماع أو أكرهها كفرت. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الأيمان كوثه ۲/۳۳۶-۳۳۷، وهكذا فى الشامى زكريا ديوبند ۵/۵۰۸-۵۰۹، كراچي

۷۲۹/۳-۷۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کیم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۵۶/۳۸)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳۰/۴/۱ھ

## اگر تم نے فلاں عورت سے بات کی تو قسم ہے؟

**سوال [۷۴۱۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں:

لو قالت امرأة لزوجها ”إن كلمت فلانة في التليفون فعليك القسم“ ثم كلمها في التليفون، فهذا القسم ينعقد أم لا؟ ومن يكون حالفا الرجل أو المرأة ومن يحنث الرجل أو المرأة؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بیوی نے جس وقت شوہر سے یہ کہا ہے کہ تم نے اگر فلاں عورت سے ٹیلی فون پر بات کی تو تم پر قسم ہے، اگر شوہر نے اس کے جواب میں ہاں کہہ دیا تو یہ یمنین ہوگی اور قسم کھانے والا مرد ہوگا اور اس عورت سے ٹیلی فون پر بات کرنے سے حانث ہو جائے گا لیکن اگر مرد نے ہاں نہیں کہا تو یہ کلام لغو ہو جائے گا۔

ولو قال عليك عهد الله إن فعلت كذا فقال نعم، فالحالف المجيب، وتحتته في الشامية: ولا يمين على المبتدئ، وإن نوى اليمين أي لإسناده الحلف إلى المخاطب فلا يمكن أن يكون الحالف غيره. (الدرمع الرد، كتاب الأيمان، قبيل مطلب: حلف لا يدخل فلان داره، زكريا ۶۷۷/۵، كراچی ۸۴۹/۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶۲/۷-۲۶۳، هندية، زكريا قديم ۶۰/۲، جديد ۶۶/۲)

ومقصود الزوجة هنا هو الاستحلاف كما لا يخفى، وفي الشامي:

قال: فإن نوى الاستحلاف فلا شيء على واحد منهما أي لأن المخاطب لم



یجبہ بقولہ: نعم حتی یصیر حالفا. (شامی، مطلب: قال: لتفعلن کذا قال، نعم، زکریا دیوبند ۶/۵، ۶۷۶/۳، کراچی ۸۴۹/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

۱۴۳۰/۴/۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۶)

قسم کھا کر کہنا کہ ”میری جیب میں کتنے روپے ہیں، صحیح بتانے پر سب دیدوں گا“

**سوال [۷۴۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی قسم کھائے کہ میری جیب میں کتنے روپے ہیں اگر آپ نے صحیح بتا دیا تو سب روپے آپ کو دیدوں گا؟ زید نے اس مسئلہ کا جواب دیا کہ اگر بتانے والا شخص اس طرح کہے کہ آپ کی جیب میں ایک روپیہ ہے، دو روپیہ ہے، تین روپیہ ہے چار روپیہ ہے، اسی طرح پچاس تک کہہ دے اور اس کی جیب میں صرف چالیس روپے لگیں تو اس قسم کے کھانے والے کو چالیس روپیہ دینا ضروری ہے، اور اگر نہیں دے گا تو وہ حانث ہو جائے گا، اس لیے کہ اس قسم کے کھانے والے نے مطلق بولا تھا، کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے اگر صحیح بتا دیا تو سب آپ کا: اس لیے اس کو دینا واجب ہے، ہاں اگر قسم کھانے والا اس طرح کہتا ہے کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے ایک مرتبہ میں اگر آپ نے صحیح بتا دیا تو سب آپ کا، تو اس صورت میں اگر بتلانے والا ایک مرتبہ میں نہیں بتلاتا تو وہ حانث نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس نے قید لگا دی ہے، ایک مرتبہ میں بتلانے کی؟

المستفتی: شاہد جمال، مونا تھ بھجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** متکلم کا یہ جملہ کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے صحیح بتا دیا تو سب روپیہ آپ کو دیدوں گا تو عرف و تعامل میں ایسی گفتگو کا مدار ایک مرتبہ کہنے پر ہے، ایک عدد بتانے پر ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ ایک سے لے کر اربوں

تک گنتا چلا جائے اور اس کے جیب میں چالیس روپے ہوں تو ایسی صورت میں قسم کھانے والا منکلم اگر وہ بتلا دینے والے کو پیسہ نہ دے تو وہ حائث نہ ہوگا، اس کی قسم نہیں ٹوٹی اور یہ کہا جائیگا کہ بتلانے والا بتلا ہی نہیں پایا۔

الأصل أن الأيمان مبنية إلى قوله: وعندنا على العرف، وتحتة في الشامية: لأن المتكلم إنما يتكلم بالكلام العرفي أعنى الألفاظ التي يراد بها معانيها التي وضعت لها في العرف وقوله في الشامية ومعناه أن اللفظ إذا كان عاما يجوز تخصيصه بالعرف. (شامی، کتاب الأیمان، مبحث مهم في تحقيق قولهم: الأيمان مبنية على الألفاظ، ذكر ياديو بند ۵/۲۸، ۵، کراچی ۳/۴۳، ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹ صفر ۱۴۲۶ھ

۱۴۲۶/۲/۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۰۹)

## گھر بچانے کی خاطر جھوٹی قسم کھانا

**سوال [۷۴۱۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت ہے اس کا شوہر اس پر شک کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھ کو قسم ہے، اگر وہ قسم کھاتی ہے تو جھوٹی قسم کھانی پڑتی ہے، اور اگر نہیں کھاتی ہے تو گھر بگڑتا ہے، اس صورت میں کیا کرے؟

المستفتی: عبدالقادر، متعلم جامع الہدیٰ گل شہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت میں جھوٹی قسم کھانے کی بالکل اجازت نہیں ہے، بلکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے، اس لیے صورت مذکورہ میں قسم کھانے کی اجازت نہیں ہے، البتہ اپنے شبہ کو کسی اور طریقہ سے ختم کرے یا اس کو ظاہر کر کے معافی مانگ لے، گھر گاڑنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے فریقین اپنے معاملہ کو زمری سے سلجھانے کی کوشش کریں اور جن باتوں پر شوہر

کوشک ہے ان کو اپنے اندر سے بالکل دور کرنے کا عہد کرے۔

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال: الكبائر: الإشراک باللہ  
..... والیمنین الغموس. (صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب الیمنین الغموس،  
النسخة الهندية ۹۸۷/۲، رقم: ۶۴۱۹، ف: ۶۶۷۵)

غموس تغمسه فی الإثم ثم فی النار وهی کبيرة مطلقا لكن إثم  
الکبائر متفاوت إن حلف علی کاذب عمدا کوالله ما فعلت کذا عالما  
بفعله أو حال کوالله ماله علی ألف بخلافه، ووالله إنه بکر عالما بأنه غیره  
ویأثم بها. (در مختار مع الشامی، کتاب الأیمان، کراچی ۷۰۶/۳، زکریا ۴۷۴/۵  
- ۴۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۴/۶/۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۸/رجب المرجب ۱۴۱۴ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۳۶)

## چوری کرنے کے بعد جھوٹی قسم کھانا

**سوال [۷۴۱۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: ایک شخص نے کسی کا سامان چوری کیا اور پھر اس سے پوچھنے پر اس نے انکار  
کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھائی تو ایسی صورت میں اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا یا نہیں؟  
المستفتی: شبیم اختر رریاوی مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** چوری کا انکار کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھانے سے  
کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے، البتہ سخت گناہ کا مرتکب ہوا ہے، حدیث شریف میں جھوٹی قسم  
کھانے پر سخت وعید آئی ہے، اس لیے توبہ واستغفار کرے۔

عن أبی وائل عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال: من حلف علی یمین

کاذبا لیتقطع مال رجل أو قال: أخيه لقي الله وهو عليه غضبان. (بخاری شریف، الشهادات، باب قول الله عزوجل ”إن الذين يشترون بعهد الله الخ، النسخة الهندية ۳۶۸/۱، رقم: ۲۶۰، ف: ۲۶۷۶)

وهی غموس إن حلف علی کاذب عمدا کوالله ما فعلت عالما بفعله ..... ویأثم بها فتلزمه التوبة، وفي الشامية: إذ لا كفارة فی الغموس یرتفع بها الإثم فتعینت التوبة لیتخلص منه. (شامی، کتاب الأیمان، زکریا دیوبند ۴۷۴-۴۷۶، کراچی ۳/۷۰۵-۷۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۳/۷/۱۴۲۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۳/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۸۳/۳۳)

## کلمہ کی قسم کا حکم

**سوال [۷۴۲۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی شخص کو کلمہ کی قسم بالجبر والا کراہ اس طرح کھلائی گئی کہ اگر میں فلاں مسجد میں امامت کروں یا فلاں کام کروں تو جب بھی کسی لڑکی سے نکاح کروں اس کو طلاق مغلظہ واقع ہو، قسم کھانے والے شخص نے بعد میں دونوں کام کیے، اب اگر وہ کسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی آسان تر شکل کیا ہوگی، قسم کھانے والا شخص نوجوان ہے اور اس کو شادی کی اشد ضرورت ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ شدید ضرورت مثلاً نکاح ہی لے لیجئے کی بنا پر ائمہ اربعہ حقہ میں سے کسی دوسرے امام کے فتویٰ پر کسی خاص جزئیہ میں عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقدوس قاسمی نیرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) مذکورہ صورت میں کلمہ کی قسم منعقد ہو چکی

ہے اس لیے کہ قسم کے انعقاد کا مدار الفاظ پر ہے نیت پر نہیں ہے۔

وأما اليمين بالله فلا يتوقف عليها أى على النية فينقصد إذا حلف عامداً أو ساهياً أو منخبطاً أو مكرهاً، وكذا إذا فعل المحلوف عليه كذلك الخ. (الأشباه والنظائر ص: ۴۸)

والمعتبر فى الأيمان الألفاظ دون الأغراض . (البحر الرائق، الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج، زكريا ديوبند ۴/۵۰۱، كوئٹہ ۴/۲۹۸)

ہاں البتہ کلمات کی قسم کے بعد کسی عورت کے زوجیت میں آنے کی شکل اور حیلہ بھی موجود ہے کہ حالف کا نکاح کوئی دوسرا آدمی فضولی بن کر اس سے اجازت لیے بغیر کسی عورت سے کر دے اور اطلاع ملنے پر زبان سے اس نکاح کو قبول نہ کرے اور نہ ہی زبانی اجازت دے بلکہ خاموشی میں بیوی کا مہر ادا کر دے، یا اس کے ساتھ ہم بستری کر لے تو یہ نکاح فضولی کے لیے اجازت فعلی ہے، جو معتبر ہے؛ اس لیے اس طریقہ سے شادی کی صورت بن جائے گی اور بیوی پر طلاق بھی نہیں پڑے گی۔

والحيلة فيه عقد الفضولى (إلى قوله) و كيفية عقد الفضولى أن يزوجه فضولى فأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه لا بالقول فلا تطلق. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الفكر مصرى قديم ۱/۹۱، دار الكتب العلمية بيروت جديد ۲/۶۰)

حلف لا يتزوج فزوج فضولى فأجاز بالقول حنث وبالفعل لا يحنث و به يفتى. (الدر مع الرد، باب اليمين فى الضرب ..... مطلب: حلف لا يتزوج فزوج فضولى زكريا ۵/۶۷۲، كراچی ۳/۸۴۶)

(۱) کسی خاص فرد کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۷ صفر ۱۴۱۴ھ

۲۷ صفر ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۳۲)

## کلمہ کی قسم کا شرعی حکم

**سوال [۷۴۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کلمہ کی قسم کی شرعی حیثیت کیا ہے اگر کسی کافر کو قسم کھلا دی تھی پھر کسی موقع پر اس نے اسلام قبول کر لیا، اور اس نے نکاح کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے برعکس کسی مسلم نے یہ قسم کھائی تھی پھر بد قسمتی سے وہ حالت کفر میں لوٹ گیا اور پھر ایمان قبول کر لیا اس کے بعد اس نے نکاح کر لیا تو پہلی والی شکل میں اور دوسری والی شکل میں اس قسم کا حکم اور اس کا اثر توباتی نہ رہے گا؟

المستفتی: شمس احمد سنچل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** کلمہ کی قسم کی حیثیت یہ ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان یہ کہے گا کہ میں جب بھی نکاح کروں گا عورت پر طلاق ہے، عقد نکاح کرتے ہی عورت بائٹہ ہو جائے گی، لہذا کسی بھی عورت سے نکاح کے بعد ہم بستر نہیں ہو سکتا ہے، کلمہ کی قسم کسی کافر کو کھلا دی گئی تھی، بعد میں وہ مسلمان ہو گیا تو اس کے حق میں یہ قسم لغو قرار پائے گی کیونکہ کافر فروعات شرعیہ کا مکلف نہیں ہے۔

إن الكفار مخاطبون بالعقوبات سوى حد الشرب وبالمعاملات .  
(شامی الجہاد، باب استیلاء الکفار، مطلب: فی أن الأصل فی الأشياء الإباحة، زکریا ۶/۲۶۸، کراچی ۴/۱۲۸)

برخلاف اگر یہ قسم کوئی مسلمان کھالیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے، پھر ارتداد کے بعد اسلام میں لوٹ آتا ہے تو کلمہ کی قسم اس کے حق میں معتبر ہوگی۔

ثم اعلم أن مما يبطل التعليق ارتداد الزوج ولحاقه بدار الحرب عنده  
خلافاً لهما . (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق، زکریا ۴/۳۵، کوئٹہ ۴/۲۱)

قوله خلاف لهما أى للصاحبين فعندهما لا يبطل التعليق لأن زوال الملك لا يبطله وله أن بقاء تعليقه باعتبار قيام أهليته وبالارتداد ارتفعت

العصمة فلم يبق تعليقه لفوات الأهلية فإذا عاد إلى الإسلام لم يعد ذلك التعليق الذي حكم بسقوطه. (شامی، باب التعليق، قبیل مطلب: فی مسألة الکفر زکریا ۴/۶۰۰، کراچی ۳/۴۹/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۰۱)

## کلمہ کی قسم کی تلقین کا حکم

**سوال [۷۴۲۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک استاذ نے ایک دن اپنے شاگرد کو اچانک بلایا اور بلا کر یہ کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں اور کہا کہ جس طرح میں کہوں اسی طرح تم بھی کہتے رہنا تو استاذ صاحب نے اپنی زبان سے یہ کہا کہ اگر میں فلاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کروں گا تو شاد گردنے بھی ساتھ ساتھ ایسا ہی کہا پھر استاذ نے کہا اگر میں نے فلاں گناہ کا ارتکاب کر لیا تو جب جب میں شادی کروں میری بیوی کو تین طلاق، تو اسی طرح شاگرد نے اپنے استاذ کے کلمات کو دہرایا، اور میں اس قسم کے نتیجے سے واقف نہیں تھا اور مجھ سے اس گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہو گیا، لہذا مفتی صاحب میں بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا ہوں کہ اگر نکاح نہیں کرتا ہوں تو زنا کاری میں مبتلا ہونے کا پختہ یقین ہے، اس لیے مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اگر نکاح کے جواز کی کوئی صورت ہو تو اس کو تحریر فرمادیں اور یہ بھی گزارش ہے کہ اگر چند صورتیں ہوں تو تمام کو تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** یہاں پر کلمہ والی قسم کا ثبوت نہیں ہوا ہے اس لیے کہ سوال نامہ میں ایک دوسرے کو تلقین کی شکل ہے، انشاء کی شکل نہیں ہے، اور کلمہ کی قسم منعقد ہونے اور طلاق واقع ہونے کے لیے انشاء لازم ہے، اور یہاں انشاء کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ تلقین ہے اس لیے مذکورہ واقعہ میں کسی بھی لڑکی سے نکاح کرنے پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولکن لا بد فی وقوعه قضاء و دیانہ من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناہ ولم یصرفہ إلى ما یحتملہ كما أفادہ فی الفتح و حققہ فی النہر احترازاً عما لو کمر مسائل الطلاق بحضرتها أو کتب ناقلاً من کتاب امرأتی طالق مع التلفظ أو حکى یمین غیرہ فإنه لا یقع أصلاً ما لم یقصد زوجته و عما لو قلنتہ لفظ الطلاق فتلفظ بہ غیر عالم بمعناہ فلا یقع أصلاً علی ما أفتی بہ مشائخ أو زجنڈ. (شامی، کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب فی قول البحر: إن الصریح یحتاج فی وقوعه دیانہ إلى النیة، زکریا دیوبند ۴/۶۱، کراچی ۲۵۰/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۵/صفر المظفر ۱۴۳۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۵۹/۲۰)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۵/۲۲/۱۴۳۳ھ

## ”ہم کھارہے ہیں کلما کی قسم“ کہنا

**سوال [۷۴۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں پڑھتا ہے اس مدرسہ میں اتفاق سے دو طالب علموں میں جھگڑا ہو گیا ان میں ایک طالب علم زید کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا، لہذا اس نے زید کو اپنا ہمزہ سمجھ کر دوسرے سے انتقام لینے کا پلان بتلا دیا کہ میں اس کو فلاں موقع پر اس طرح غنڈوں سے پٹائی کرواؤں گا، زید نے سوچا کہ اس میں ایک مومن بھائی کی جان کا خطرہ ہے، لہذا اس نے یہ راز فاش کر دیا، اور اس کو آگاہ کر دیا تاکہ مد مقابل سے ہوشیار رہے، پس وہ ہوشیار رہنے لگا، جس کی وجہ سے مارنے والے طالب علم کا ارادہ ناکام ہو گیا، اب یہ ناکام شخص غصہ میں بھرا ہوا زید کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے اس کو ہمارا زبتلایا؟ زید گھبرایا اور جھوٹ بول دیا، کہ میں نے نہیں بتلایا، تو اس نے کہا کہ اچھا کھا وکلما کی قسم کہ میں نے نہیں بتلایا، زید مارے خوف کے انکار نہیں کر پایا، اور زبان سے اتنا کہہ دیا کہ ہاں ہم کھارہے ہیں کلما کی قسم، حالانکہ



دل میں بالکل نیت قسم کھانے کی نہیں تھی، تو کیا صورت مذکورہ میں قسم متحقق ہوگئی اور کیا وہ جب جب نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی؟ زید ابھی غیر شادی شدہ ہے اور جوانی کے اس مرحلہ میں ہے کہ اگر نکاح نہ کرے تو عین یقین ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا، تو ایسی شکل میں اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر قسم نہیں ہوئی، جیسا کہ اس کا کہنا ہے کہ میں نے یہ الفاظ کہا کہ ہاں قسم کھا رہے ہیں کے علاوہ زبان سے کچھ کہا ہی نہیں، اور دل میں بھی صرف یہ نیت تھی کہ اس شہر (جہاں کا معاملہ ہے) کی لڑکی سے جب جب شادی کروں تو اس کو طلاق تو کیا اس کی یہ نیت معتبر مانی جائے گی؟

المستفتی: محمد الیاس کٹک اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صرف کلمہ کی قسم کھاتا ہوں اور کھا رہا ہوں اور کھالیا ہوں کے الفاظ سے کلمہ والی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں زید کسی بھی عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر اس طرح کہتا ہے کہ میں جب جب نکاح کروں گا تو بیوی کو طلاق ہے، تو کلمہ والی طلاق ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۴۰۷، جدید ڈائجیل ۱۳/۹۹) الأیمان مبنیة علی الألفاظ لا علی الأغراض۔ (الدر مع الرد، الأیمان،

زکریا دیوبند ۵/۵۲۸، کراچی ۳/۷۴۳)

الأیمان مبنیة علی الألفاظ العرفیة، والأغراض التي تدل علیها هذه الألفاظ أما الأغراض العرفیة الزائدة علی الألفاظ فإنها غیر معتبرة۔ (الفقه علی المذاهب الأربعة، دار الفکر ۲/۸۸)

والمعتبر فی الأیمان الألفاظ دون الأغراض۔ (البحر الرائق، کوئٹہ

۲۹۸/۴، زکریا ۴/۵۰۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/۲۲/۱۴۱۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱/۲۲/۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۱۳/۲۸)

## بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھانا؟

**سوال [۷۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص محمد عظیم نے اپنے بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے کہ اگر میں اپنے بہن بھائیوں سے ملوں تو اپنی اولاد سے زنا کروں، آج محمد عظیم کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور کچھ عزیز و اقرباء اس بات پر بضد ہیں کہ محمد عظیم اور اس کے بھائی بہن میں میل کرا دیں، کیا ایسی حالت میں میل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عظیم محلہ اصالتپورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** محمد عظیم نے بڑی گندی قسم کھائی ہے چاہیے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں سے میل جول کر لے اور ایک کفارہ قسم ادا کر دے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من حلف علی یمین فرأى غیرہا خیرا منها، فلیأت الذی ہو خیر، ولیکفر عن یمینہ.

(صحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینا، فرأى غیرہا ..... النسخة الهندیة

۴۸/۲ بیت الأفكار رقم: ۱۶۴۹)

عن سعید بن المسیب أن أخوین من الأنصار كان بینہما میراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنی القسمة، لا أکلمک أبدا، کل مالی فی رتاج الکعبة، فقال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: إن الکعبة لغنیة عن مالک، کفر یمینک وکلم أخاک، فإنی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول:

لا یمین علیک، ولا نذر فی معصیة الرب، ولا فی قطیعة الرحم، ولا فیما لا

تملک . (المستدرک، کتاب الأیمان، دار البشائر الإسلامیة ۲۷۸۹/۸ رقم: ۷۸۲۳، سنن أبی

داؤد، الأیمان والنذور، باب فی قطیعة الرحم، النسخة الهندیة ۴۷۱/۲، دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

من حلف علی معصیة مثل أن لا یصلی أو لا یکلم أباه أو لیقتلن فلانا ینبغی أن یحنت نفسه و یکفر عن یمینہ. (ہدایہ، کتاب الأیمان، باب ما یکون یمینا و مالا یکون یمینا، اشرفی ۲/۸۲۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۶۲/۲۸)

## تمہارے یہاں کھایا تو سور کا گوشت کھایا

**سوال [۷۴۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی نے غصہ کی حالت میں اپنے لڑکے سے کہا کہ تمہارے یہاں اگر کھانا کھایا تو سور کا گوشت کھایا تو کیا کفارہ ہوگا؟

المستفتی: عبید الرحمن سنگا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے بندہ کو حرام کرنے اور حرام کہنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی جگہ بچہ حلال ہی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ [التحریم: ۱]

لہذا سوالنامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر تمہارے یہاں کھانا کھایا تو سور کا گوشت کھایا، اس سے نہ کھانا کھانا اس کے حق میں حرام ہوگا اور نہ ہی قسم منعقد ہوگی، اور نہ ہی کفارہ لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/۱۶۲، جدید ڈیجیٹل ۱۳/۵۲)

لو قال إن أكلت هذا الطعام فهو علي حرام فأكله فلا حنث عليه.

(شامی، کتاب الأیمان، مطلب: فی تحریم الحلال، زکریا ۵/۵۰۸، کراچی ۳/۷۲۹)

ولو قال: هو يأكل الميتة إن فعل كذا لا يكون یمینا. (تاتارخانیہ،

الایمان، الفصل الثانی، ألفاظ الیمین، کوئٹہ ۴/۲۳ زکریا ۶/۲۰ رقم: ۸۷۴۸، المحيط  
البرہانی المجلس العلمی ۶/۷۱ رقم: ۶۷۷۲)

التعلیق بما تسقط حرمتہ بحال ما کالمیتة والخمر، و الخنزیر لایکون  
یمینا . (البحر الرائق، الأیمان، زکریا ۴/۸۳ کوئٹہ ۴/۲۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۸۲)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۶/۶/۱۴۱۵ھ

## بٹی کے گھر نہ جانے کی قسم توڑنے پر کفارہ

**سوال [۷۴۲۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: ایک شخص نے اپنی شادی شدہ لڑکی سے لڑائی کے دوران کہا ”قسم کھاتا ہوں  
اللہ پاک کی کہ میں تیرے گھر پر نہیں جاؤں گا“ اب اگر باپ قسم توڑتا ہے بٹی کے گھر پر  
جاتا ہے تو اس کا کفارہ کیا دینا پڑیگا، روزہ رکھا جائیگا یا صدقہ دینا پڑیگا؟ پہلے لڑکی کے گھر  
جایا جائے یا کفارہ دیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** کفارہ لڑکی کے گھر جانے سے پہلے واجب نہیں ہوگا  
اور کفارہ ادا کرنے میں تفصیل یوں ہے کہ دس فقیروں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا یا اس کی  
قیمت یا دس فقیروں کو جوڑے دیدیئے جائیں، یا غلام آزاد کر دیا جائے، ان امور میں اختیار ہے  
جو چاہے اختیار کر سکتا ہے لیکن اگر ان میں سے کسی کی بھی طاقت نہیں ہے تب تین روزہ رکھنے کی  
اجازت ہوگی، اب صاحب معاملہ خود ہی سمجھ لے کہ وہ دس فقیروں کو کھانا یا اس کی قیمت دے سکتا  
ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتا ہے تو روزہ رکھنا کافی نہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۳/۲۲۳)

﴿كَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ  
كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ إِيمَانِكُمْ

إِذَا حَلَفْتُمْ . [المائدة: ۸۹] ﴿ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۲۳۶۷)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۳/۱۸ھ

## بھائی سے نہ بولنے کی قسم کھانا

**سوال [۷۲۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی مجھ سے لڑتی ہے غلط الفاظ بولتی، طرح طرح کے جھوٹے الزام لگاتی ہے، کئی مرتبہ مجھے مارا بھی ہے، محلہ والوں نے کئی بار فیصلہ بھی کر دیا، مگر وہ اپنی ان عادات سے باز نہیں آئی، اور ایک میرا حقیقی بھائی ہے، اس کی بیوی کو میرے اوپر الزام لگاتی ہے کہ تیرا تعلق اس سے ناجائز ہے، اور یہ کہتی ہے کہ تم اپنے بھائی کو چھوڑ دو میں تمہارے بھائی سے نہیں ملنے دوں گی، اس بارے میں کئی آدمیوں کے سامنے مجھے مجبوراً قسم دلائی، اور میں نے قسم کھالی کہ میں اپنے بھائی سے نہیں بولوں گا، یا اس کے بچوں سے بھی نہیں بولوں گا، اس قسم سے کیا کفارہ ہوتا ہے؟ کیونکہ میں اپنے بھائی سے بولنا چاہتا ہوں، قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: ذاکر حسین ولد شوکت حسین محلہ اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ اپنے بھائی سے بول لیں اس کے بعد دس مسکینوں کو دونوں وقت کفارہ میں کھانا کھلا دیں اس کے بعد بولنے میں گنہگار نہیں ہوں گے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من حلف علی یمین فرأی غیرہا خیراً منها، فلیأت الذی ہو خیر، ولیکفر عن یمینہ.

(صحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمیناً، فرأی غیرہا ..... النسخة الهندیة

۴۸/۲، بیت الأفكار رقم: ۱۶۴۹)

عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتني القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالي في رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك وكلم أخاك، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يمين عليك، ولا نذر في معصية الرب، ولا في قطعة الرحم، ولا فيما لا تملك . (المستدرک، کتاب الأیمان، دار البشائر الإسلامية ۸/ ۲۷۸۹، رقم: ۷۸۲۳، سنن أبی داؤد، الأیمان والنور، باب فی قطعة الرحم، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۱، دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

من حلف على معصية مثل أن لا يصلى أو لا يكلم أباه أو ليقتلن فلانا ينبغى أن يحث نفسه ويكفر عن يمينه لقوله عليه السلام: من حلف على يمين ورأى غيرها خيرا منها فليأت بالذى هو خير ثم ليكفر عن يمينه . (هدايه، کتاب الأیمان، باب ما يكون يمينا و مالا يكون يمينا، اشرفى ۲/ ۸۲)

اگر کھانا کھلانے کی صورت نہ ہو تو دس مساکین میں سے ہر ایک کو ایک صدقہ فطر کی قیمت دیدیں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۹۶)

## دیورانی اور جیٹھانی کا آپس میں نہ بولنے کی قسم کھانا

**سوال [۷۲۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو عورتیں جو کہ قریبی رشتہ دار یعنی دیورانی جیٹھانی ہیں، آپس میں جھگڑے کی شدت میں دیورانی نے قسم کھالی کہ میں تم سے کبھی نہ ملوں گی، لیکن ایک شادی کے موقع پر حالات ایسے بنے کہ لڑائی ختم کر کے ملنا پڑ گیا وہ بھی اس طرح کہ جھٹانی اور اس کے شوہر دیورانی کے پاس گئے اور کہا کہ کشیدگی ختم کرنے کے لیے تمہاری قسم کا کفارہ ادا کریں گے لہذا

براہ کرم آگاہ فرمائیں کہ اس طرح قسم کھالینے سے کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: عبداللطیف مغل پورہ اول مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** دیورانی اگر جیٹھانی سے بولے گی تو کفارہ قسم ادا

کرنا ہوگا، اور کفارہ قسم دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کرنا ہے۔

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ﴾ . [المائدة: ۸۹]

عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتني القسمة، لا أكلمك أبداً، كل مالي في رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك وكلم أخاك، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يمين عليك، ولا نذر في معصية الرب، ولا في قطعة الرحم، ولا فيما لا تملك . (المستدرک، کتاب الأیمان، دار البشائر الإسلامية ۲۷۸۹/۸ رقم: ۷۸۲۳، سنن أبي

داؤد، الأیمان والنذور، باب في قطعة الرحم، النسخة الهندية ۲/۴۷۱ دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

ومن حلف لا يكلم فلانا فكلمه، وهو بحيث يسمع إلا أنه نائم

حث . (هدايه، کتاب الأیمان، باب اليمين في الكلام، اشرفی ۲/۴۹۳)

وكفارة اليمين (إلى قوله) وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام

في كفارة الظهار. (هدايه اشرفی ۲/۴۸۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۷۵)

## بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا

**سوال [۷۴۲۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ بیوی سے صحبت نہیں کروں گا، دو ماہ اس پر کاربند رہا اس کے بعد صحبت شروع کر دی، اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟  
المستفتی: افضال احمد کنگھڑ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مذکورہ میں شخص مذکور پر اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ﴾. [المائدة: ۸۹]

عن عدی قال: قال رسول الله ﷺ: إذا حلف أحدكم على اليمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليكفرها، وليأت الذي هو خير. (صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يميناً فرأى..... النسخة الهندية ۴/۸، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۵۱)

والمعقودة ما يحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أو لا يفعله وإذا حث في ذلك لزمته الكفارة. (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفی ۲/۴۷۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کاتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۸/۱۲/۲۰۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۶۸)

## گھر کھانا نہ کھانے کی قسم کھانا

**سوال [۷۴۳۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے قسم کھائی کہ گھر کھانا نہیں کھاؤں گا چھ ماہ تک نہیں کھایا، اس کے بعد



کھانا شروع کر دیا، اس کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: افضال احمد کنگھڑ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اب بعد میں جب گھر میں کھانا کھالیا ہے تو اپنی قسم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو چکا ہے، اور آئندہ ہمیشہ گھر کھانا کھا سکتا ہے، اور کفارہ دس فقیروں کو جوڑا یا دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کرنا ہے۔

﴿وَلَكِنْ يَأْخُذْكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ [المائدة: ۸۹]

و منعقدہ ما يحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أو لا يفعله و إذا

حُثَّ فِي ذَلِكَ لَزِمَتْهُ الْكُفَّارَةُ. (هدایہ، کتاب الأیمان، اشرفی ۲/ ۴۷۸)

وإن شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوبا فما زاد و أذناه ما يجوز فيه

الصلاة و إن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار. (هدایہ، الأیمان

باب ما يكون يمينا و مالا يكون يمينا، اشرفی ۲/ ۴۸۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ رزی الحجہ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۶۳)

## حلال جانور کے گوشت کو اپنے اوپر حرام کرنا

**سوال [۷۴۳۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر کوئی شخص غصہ کی حالت میں حلال جانور کے گوشت کے بارے میں کہہ دے کہ خنزیر کا گوشت کھاؤں، اگر میں اس گوشت کو کھاؤں تو وہ کس طرح گوشت کھائے، قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: منظور احمد امام مسجد بازید پور میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اس طرح کسی حلال چیز کو حرام کرنے سے حرام نہیں ہوتی بلکہ یہ قسم ہو جاتی ہے، جب کھائے گا تب اس پر کفارہ یمین واجب ہو جائیگا، یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا یا کپڑا ایک ایک جوڑا دینا۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ، قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾. [التحریم: ۱-۲] ﴿وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾. [المائدة: ۸۹]

**تحريم الحلال يمين.** (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۷۰) ومنها أن يحرم على نفسه شيئا حلالا كأن يقول هذا الطعام علي حرام فإنه لا يحرم عليه ولكن إن أكله تلتزمه كفارة اليمين. (كتاب الفقه على المناهب الأربعة، دار الفكر ۲/۷۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۴ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۵/۲۴)

**قسم کھائی کہ اگر اس لڑکی سے شادی نہ ہوئی تو کبھی شادی نہ کروں گا**

**سوال [۷۴۳۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے نے ایک لڑکی کے سامنے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تم سے میری شادی نہیں ہوئی تو زندگی بھر اپنی شادی نہیں کروں گا، لیکن اب وہ لڑکا اس لڑکی کی شادی کسی دوسرے کے ساتھ ہو جانے پر اپنی شادی بھی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اب جو اس نے قسم کھائی تھی اس سلسلے میں وہ کیا کرے؟

المستفتی: محمد یونس محلہ اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** کسی دوسری لڑکی کے ساتھ پہلے نکاح کر لے اور اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کر دے اور کفارہ میں دس غریبوں کو کھانا کھلا دینا کافی ہے، اور کھانے کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

﴿كَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ

كِسْوَتُهُمْ﴾ [المائدة: ۸۹]

عن عبد اللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ ﷺ: من حلف علی یمین، فرأى خیراً منها، فلیأت الذی هو خیر، ولیکفر عن یمینہ. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۰۴، رقم: ۶۹۰۷)

حلف لا یتزوج النساء فتزوج امرأة یحنت. (فتاویٰ عالمگیری، الأیمان،

الباب الثامن فی الیمین فی البیع والشراء والتزوج، زکریا قدیم ۲/۱۱۸، جدید ۲/۱۲۸، مبسوط، دار الکتب العلمیة بیروت ۳۰/۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۲۱/۲۶)

کسی عورت سے نکاح کی قسم کھانے کے بعد عورت کا دوسرے سے نکاح ہو جانا

**سوال [۷۴۳۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کو ہندہ نے قسم کھلائی کہ تم کو مجھ سے شادی کرنی ہوگی اور ہندہ نے زید کو قرآن کی قسم کھلائی اور زید نے قسم کھالی، اب ہندہ کی شادی دوسری جگہ ہوگئی اب زید پریشان ہے کہ میں نے جو قسم کھائی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس کے کفارہ دینے کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ کے مطابق زید کو ہندہ ہی نے قسم کھلائی

ہے جس میں ضمناً قسم کا تعلق ہندہ کی رضامندی اور ہندہ کے داعیہ کے ساتھ متعلق ہے، اور اب جب ہندہ کی رضامندی باقی نہیں رہی اور اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا ہے اور زید آخر تک نکاح پر آمادہ رہا ہے تو زید حائش نہ ہوگا اور زید پر کفارہ بھی لازم نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر زید نے بعد میں ہندہ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا ہوتا اور ہندہ نے زید کے انکار کرینکی وجہ سے دوسری جگہ نکاح کیا ہوتا تو حکم دوسرا ہوتا۔

كما استفادة من الفتح: ومن حلف ليهن عبده لفلان فوهبه ولم يقبل  
بر في يمينه والأصل أن إسم عقد المعاوضة كالبيع والإجارة والصراف  
والسلم والنكاح والرهن والخلع بإزاء الإيجاب والقبول معا. (فتح القدير،  
الأيمان، باب اليمين في تقاضى الدرهم، دار الفكر ۲۰۲/۵-۲۰۳، زكريا ۱۸۹/۵، كوثه ۴/۶۸،  
الدرع لرد كراچی ۳/۸۴۵-۸۴۶، زكريا ديوبند ۵/۶۷۱-۶۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۳۳)

## دوسری شادی نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد دوسری شادی کرنا

**سوال [۷۴۳۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص کسی کا شرعی حق ادا نہ کرے تو دوسرا فریق غلط بیان اور کسی طریقہ سے اپنا حق وصول کر لے تو اس میں کیا کوئی گناہ ہوگا، مثلاً کسی عورت کی کوئی جائیداد ہے، جو خاص عورت ہی کے نام ہے، شوہر اس کا کرایہ لے لے عورت کو نہ دے، اور اگر عورت جائیداد فروخت کرنا چاہے تو اس پر بھی شوہر اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جبکہ شوہر اپنی پہلی عورت کی زندگی میں دوسرا نکاح کر چکا ہے بغیر کسی شرعی مجبوری کے صرف نئی اور پرانی کے چکر میں باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ معاہدہ کر چکا ہو کہ تمہاری زندگی میں ایسا نہیں ہوگا، ان تمام حالات کو مد

نظر رکھتے ہوئے عورت اپنا حق کراہیہ کسی طرح لے لے تو کیا کوئی مضائقہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ کو اپنی جائیداد میں مالکانہ تصرف کا حق ہر وقت ہے، چاہے آپ فروخت کر دیں یا کراہیہ وصول کر لیں۔  
المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة كيف شاء الخ.

(بیضاوی شریف، رشیدیہ ۷/۱)

ہاں البتہ شوہر سے مشورہ لینا مستحسن ہے، رہا شوہر کا دوسری بیوی سے شادی کرنا سواں کو ہر وقت اختیار ہے اس میں آپ کو اعتراض کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے شوہر کو اجازت ہے۔  
﴿فَإِنْ كُحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاتٍ وَرُبَاعَ﴾ [النساء: ۳] ﴿﴾  
اگر شوہر نے کتاب اللہ ہاتھ میں لے کر قسم کھائی ہے تو قسم توڑنے کی بنا پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من حلف علی یمین فرأی غیرہا خیرا منها، فلیأت الذی ہو خیر، ولیکفر عن یمینہ ویفعل. (سنن الترمذی، الأیمان، باب ما جافی الکفارة قبل الحنث، النسخة الهندیة ۲۷۹/۲، دار السلام رقم: ۱۵۳۰)

من حرم علی نفسہ شیئا مما یملکہ لم یصر محرما وعلیہ إن استباحہ کفارة یمین. (ہدایہ، کتاب الأیمان، باب ما جاء ما یكون یمینا و ما لا یكون یمینا، اشرفی ۴۸۲/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ  
(الف فتاویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۶۰)

**لڑکے کا شادی نہ کرنے کی قسم کھا کر شادی کرنا**

**سوال [۷۴۳۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک لڑکا ایک لڑکی سے پیار کرتا تھا جب لڑکی کی دوسری جگہ شادی ہونے لگی تو لڑکے نے اس لڑکی کے سامنے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تم نے مجھ سے شادی نہیں کی تو میں زندگی بھر کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کروں گا، لڑکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اس نے دوسری جگہ شادی کر لی، لڑکی کی بے وفائی کو دیکھتے ہوئے کافی عرصہ کے بعد لڑکے نے بھی شادی کر لی اب لڑکے نے جو قسم قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کھائی تھی اس کے لیے وہ لڑکا کیا کرے؟

المستفتی: محمد یونس اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مذکورہ میں قسم کھانے والے لڑکے کا نکاح دوسری لڑکی کے ساتھ ہو چکا ہے لیکن قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے، اور قسم کا کفارہ دس فقیروں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے یا اس کی قیمت دینا ہے۔

﴿وَلَكِنْ يَأْخُذْكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاِيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعَمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ [المائدة: ۸۹]

المنعقدة ما يحلف على امر في المستقبل ان يفعله او لا يفعله و إذا

حدث في ذلك لزمته الكفارة. (هدايہ، كتاب الأيمان، اشرفی ۲/۴۷۸)

عن عدی قال: قال رسول اللہ ﷺ: من حلف على يمين، فرأى غيرها خيرا

منها، فليأت الذي هو خير وليكفر عن يمينه. (صحیح مسلم، الأيمان والنور، باب نذب من

حلف على..... النسخة الهندية ۲/۴۸ بيت الأفكار رقم: ۱۶۵۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۲۵)

ہندوستان میں نہ رہنے کی قسم کھانا

**سوال** [۷۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص کے لڑکوں میں آپس میں لڑائی کی نوبت آگئی، شخص مذکور کے سامنے لڑائی تو اللہ تعالیٰ نے ٹال دی، مگر شخص مذکور کو بہت صدمہ ہوا، اسی صدمہ میں اس نے تین مرتبہ ان الفاظ میں قسم کھالی ”قسم اللہ کی مجھے ہندوستان میں نہیں رہنا ہے“ لہذا قسم مذکور کا کفارہ تحریر فرمادیں، کیونکہ شخص مذکور کا ارادہ بدل گیا ہے، اب شخص مذکور ہندوستان میں رہنا چاہتا ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز برتن بازار شاہی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب شخص مذکور نے اپنی قسم کے خلاف

ہندوستان میں رہنے کا ارادہ کر لیا ہے تو اس پر کفارہ قسم واجب ہو چکا ہے۔

كما استفادہ من الشامی: و تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا.

(شامی، کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ۴/۶۰۹)

(وقولہ) حلف لا یسکن هذه الدار (إلی قولہ) إنما یعدُّ ساکنا إذا کان

قصده العود. (شامی، کراچی ۳/۷۵۲، زکریا ۵/۵۴۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ شوال ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۰۸)

## ہندو کے قتل کی قسم کھانا

**سوال [۷۴۳۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے ۸۰ء میں ایک ہندو شخص کو جان سے مارنے کی قسم کھائی تھی، اب وہ ہندو گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے ایسی صورت میں اپنی قسم کا کفارہ کس طرح ادا کروں؟

المستفتی: محمد جاوید قاضی ٹولہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** عن عدی بن حاتم قال: قال رسول اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: من حلف على يمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذي هو خير  
وليكفر عن يمينه. (صحيح مسلم، الأيمان والنذور، باب نذب من حلف على ..... النسخة  
الهندية ۴۸/۲ بيت الأفكار رقم: ۱۶۵۱)

ومن حلف على معصية كعدم الكلام مع أبويه أو قتل فلان وإنما قال  
اليوم لأن وجوب الحنث لا يتأتى الا في اليمين المؤقتة أما المطلقة فحنثه  
في آخر حياته فيوصى بالكفارة بموت الحالف ويكفر عن يمينه بهلاك  
المحلف عليه غاية وجب الحنث والتكفير لأنه أهون الأمرين. (درمختار،  
كتاب الأيمان، كراچی ۷۲۸/۳، زكريا ديوبند ۵۰۶/۵-۵۰۷)

ومن حلف على معصية مثل أن لا يصلى أو لا يكلم أباه أو ليقتلن  
فلانا ينبغي أن يحنث نفسه ويكفر عن يمينه. (هدايه، باب ما يكون يمينا و مالا  
يكون يمينا، اشرفى ۴۸۲/۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کی قسم کھالے تو اس قسم کا  
توڑنا اور کفارہ دینا لازم ہوتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں قسم کھانے والے کو چاہیے کہ وہ مذکورہ  
ہندو کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دے، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے، کفارہ کی ادائیگی کی  
صورت یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ان کو کپڑے پہنادے یا ان کی قیمت لگا کر  
الگ الگ مسکینوں کو دیدے، اگر کھانا کھلانے اور کپڑے پہنانے کی طاقت نہ ہو، تو تین دن  
کے لگاتار روزے رکھے۔

و کفارتہ تحریر رقبہ أو إطعام عشرة مساکین أو کسوتهم بما یستر  
عامۃ البدن و إن عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة أيام و لاء. (تسویر مع الدر،  
کتاب الأیمان ۵۰۲-۵۰۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ:

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۷ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ

۱۴۱۰/۱۱/۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۲۲)



## قسم کا کفارہ

**سوال [۷۴۳۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے پڑوس میں میا بیوی میں نا اتفاقی چل رہی تھی، بقرعید کا ٹائم تھا، عورت نے قسم کھائی کہ میں عید کے دن نہ پکاؤں گی، اور نہ کھاؤں گی، میں کچھ پکاؤں یا کھاؤں تو اپنے بچوں کا گوشت پکاؤں، لہذا سب نے کہہ سن کر مغرب کے بعد کھانا کھلا دیا اس میں بقرعید کا گوشت تھا، دن میں اس نے کچھ نہیں پکایا، دوسرے دن قربانی بھی ہوئی، اور اس نے پکایا بھی کھایا بھی، سب نے کہا اس کا کفارہ چلا جائیگا، اس نے تین دن کی قسم کھائی تھی کہ بقرعید کا گوشت نہیں پکاؤں گی، بقرعید کے دن تو سب نے یہ کہہ کر کھلا دیا کہ اب بقرعید کا دن ختم ہو گیا مغرب کے بعد دوسرا دن شروع ہو جاتا ہے لیکن اس نے پکایا نہیں تھا اور جگہ سے آیا ہوا تھا، تو اب اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

المستفتی: قاری سلامت جان، مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قسم کے بعد بقرعید کی شام کو گوشت کھانے کی وجہ سے قسم ٹوٹ گئی ہے اس کا کفارہ دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے، یا اس کا پیسہ الگ الگ دس فقیروں کو دینا ہے، ایک فقیر کو ایک صدقہ فطر کی قیمت دیدی جائے۔

﴿وَلَكِنْ يُوَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْاِيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تَطْعَمُوْنَ اٰهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ [المائدة: ۸۹]

وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار. (هداية، الأيمان، باب ما يكون يمينا و ما لا يكون يمينا، اشرفی ۲/ ۴۸۱)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۸۷)

## ۱۵۰ مرتبہ قسم توڑنے کا کفارہ

**سوال [۷۴۳۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسم کھائی کہ فلاں حرام کام نہیں کروں گا لیکن اس حرام کام کو غالباً ۱۵۰ مرتبہ کیا تو اس کا کفارہ کتنا ہوگا؟

المستفتی: محمد رفیع کاشی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سب کا ایک کفارہ ادا کرنا کافی ہے۔ (مستفاد:

فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۸۸)

کفارات الأیمان، إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد، قال صاحب الأصل: هو المختار عندی. (شامی، کتاب الأیمان، مطلب: تتعدد الكفارة لتعدد اليمين، زكريا ۴/۸۶، ۳/۷۱۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰/۱۲/۱۴۱۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ شوال ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۹۸)

## کفارہ قسم ادا کرنے کا طریقہ

**سوال [۷۴۴۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے غصہ میں قسم کھائی تھی کہ میں گھر نہیں جاؤں گا، تو ان کے عزیزان کو پکڑ کر لے آئے گھر کے اندر، لہذا قسم ٹوٹ چکی ہے، اب کفارہ ادا کرنا ہے وہ کیسے ادا کریں، کیونکہ اس سے پہلے کفارہ کے متعلق معلوم کیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا کہ پانچ آدمی صبح کو اور پانچ شام کو کھلا دیں، لیکن گھر پر کھانے کا کوئی بندوبست نہیں اب کیا کریں، کیا کھانے کی

قیمت لگا کر دام بانٹ دیئے جائیں، یا روزہ رکھ لے، اور کتنے رکھے جائیں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا

دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا ہے، البتہ گھر میں کھانے کا بندوبست نہ ہونے کی صورت میں دس مسکینوں کو دو وقت کے کھانے کی قیمت ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہے، پانچ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی جو بات ہے وہ صحیح نہیں ہے، اور مالی کفارہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوئے روزہ رکھ کر کفارہ ادا کرنا جائز نہیں۔

﴿وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ﴾ [المائدة: ۸۹]

ولو غدى مسكينا و اعطاه قيمة العشاء أجزأه و كذا إذا فعله في عشرة مساكين.

(شامی، کتاب الأیمان، مطلب: كفارة اليمين زكريا ۵/۵۰۳، کراچی ۳/۷۲۶، الجوهرة النيرة، دار الكتاب ديوبند ۲/۲۷۸، كوئٹہ ۲/۲۹۲، ہندیہ، زكريا قديم ۲/۶۳، جديد ۲/۶۹)

وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاء. (در مختار مع

الشامی زكريا ۵/۵۰۵، کراچی ۳/۷۲۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۶ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

۱۴۲۰/۲/۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۰/۶۰۷)

## دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی شکل

**سوال [۷۴۴۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) قسم کا کفارہ دس آدمیوں کو کھانا کھلانا ہے اگر دس آدمیوں کو دو پہر اور دس آدمیوں کو رات میں کھلایا جائے تو اس طرح دونوں وقت کی خوراک ایک مانی جائیگی یا ایک

ہی وقت کی خوراک دس آدمیوں کو کھلائی جائے، کیا ایک ہی دن میں دس مسکینوں کو کھلائی جائے گی یا وقفہ وقفہ سے ایک یا دو مسکین کو کھلائی جائے؟

(۲) خدا کو راضی کرنے کے لیے کوئی چیز بتادیں جبکہ میں تو بہ نفل واستغفار کی کثرت بھی رکھتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قسم کا کفارہ دس مسکینوں میں سے ہر ایک مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ دینا ہے، یا اگر کھانا کھلایا جائے تو دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے، لیکن اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جنہیں صبح کو کھلایا ہے شام کو بھی انہیں کو کھلانا لازم ہے اگر شام کو دوسرے کو کھلائیں گے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا، اس لیے آسان شکل یہی ہے کہ الگ الگ دس مسکینوں کو دونوں وقتوں کے کھانے کا پیسہ دیدیا جائے اور خدا کو راضی کرنے کے لیے کثرت کے ساتھ ذکر واستغفار کیا جائے اور ساتھ میں اللہ سے امید رکھی جائے۔

أو إطعام عشرة مساکین، قال فی الشامیة: وفي الإطعام إما التملیک أو الإباحة فیعشیہم ویغدیہم (إلی قولہ) وإذا غدی مسکینا وعشی غیرہ عشرة أيام لم یجزہ لأنه فرق طعام العشرة علی عشرين کما إذا فرق حصۃ المسکین علی مسکینین (وقولہ تحقیقا أو تقدیراً) حتی لو أعطی مسکینا واحدا فی عشرة أيام کل یوم نصف صاع یجوز. (شامی، زکریا ۵/۵۰۳، کراچی ۲۷۶/۳، ونحوہ فی التاتاریخانیة ۶/۳۰۳)

ویجوز دفع القیمة..... ولو غداہم و عشاہم فی یوم واحد أو عشاہم فی یوم آخر أو غداہم فی یومین أو غداہم و أعطاہم قیمة عشاہم الخ. (تاتاریخانیة ۶/۳۰۲-۳۰۳، رقم: ۹۴۳۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

۲۳/۵/۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۲۱)

## قسم کی خلاف ورزی اور کفارہ کا مستحق

**سوال [۷۴۴۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کسی شخص کے روبرو قسم کھائی اور پھر اپنی قسم توڑ دی تو قسم کے کفارہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ اور قسم کے کفارہ کے لیے غرباء زیادہ مستحق ہیں یا مدرسہ کے طلباء؟  
المستفتی: محمد قمر سلیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قسم کھانے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہے ہاں البتہ خلاف پہلو میں خیر غالب ہو تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا حلال اور جائز ہے، اس میں گناہ بھی نہیں اور قسم کے کفارہ کا پیسہ غرباء اور مدرسہ کے طلباء میں سے جس کو چاہیں دے سکتے ہیں، البتہ غریب طلبہ کو دینے میں زیادہ فضیلت ہے، اس لیے کہ کفارہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کا تعاون بھی ہو جاتا ہے۔

عن عدی بن حاتم قال: قال رسول اللہ ﷺ: إذا حلف أحدكم على اليمين فرأى غيرها خيرا منها، فليكفرها وليأت الذي هو خير. (صحيح مسلم، الأيمان، باب نذب من حلف يميناً، النسخة الهندية ۴۸/۲، بيت الأفكار رقم: ۱۶۵۱)  
وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أحوج أو من دار الحرب إلى دار الإسلام  
أو إلى طالب علم، وفي المعراج: التصديق على العالم الفقير أفضل. (شامی، زکریا ۳/۳۰۴، کراچی ۲/۳۵۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶/۱۱/۱۴۲۳ھ

۱۶/۱۱/۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۵۱/۳۶)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ۲ باب النذر

### کیا محض دل میں ادارہ کر لینے سے نذر منعقد ہو جاتی ہے؟

**سوال [۷۴۳۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی میں نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب اس کو شفاء عطا فرمائیں گے تو کچھ روپیہ صدقہ کروں گا، اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی، لہذا اس وقت محلّہ کی مسجد میں تعمیر کام جاری ہے، یہ روپیہ اگر مسجد میں دیدوں تو صدقہ ادا ہو جائے گا؟ اگر ادا نہیں ہوگا تو صحیح مصرف تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد علی مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** محض دل میں ارادہ کر لینے سے نذر منعقد نہیں ہوتی، بلکہ زبان سے کہنا بھی ضروری ہے۔

النذر لا تکفی فی إيجابہ النیة بل لابد من التلفظ بہ. (الأشباہ والنظائر ص: ۸۹)  
لہذا مذکورہ صورت میں صدقہ واجب نہیں ہوگا، ہاں دل میں ارادہ کے ساتھ زبان سے بھی کہا ہے تو واجب ہے، اور کسی نادار فقیر کو دینا ضروری ہے، مسجد میں جائز نہیں ہے۔

فرکن النذر: هو الصیغة الدالة علیہ، وهو قوله: لله عز شانہ علی کذا، أو علی کذا، وهذا هدی، أو صدقة، أو مالی صدقة أو ما أملك صدقة أو نحو ذلك. (بدائع الصنائع، کتاب النذر، زکریا دیوبند ۴/۲۶، دار

الکتب العلمیة بیروت ۶/۳۳۳، کراچی ۵/۸۱)

المسألة الأولى فی حقيقة النذر: وهو التزام الفعل بالقول مما

يكون طاعة لله عز وجل، من الأعمال قربة. (أحكام القرآن لابن عربي، دار الكتب العلمية ۳۵۲/۱، کراچی ۱۸/۲، بحوالہ محمودیہ ذابھیل ۵۹/۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۳/۲۳۳)

## کیا نذر پوری کرنا واجب ہے؟

**سوال [۷۴۴۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شوگر کے مریض نے منت مانی کہ اگر اللہ مجھ کو اس مرض سے شفا عطا فرمادے تو میں حج کروں گا، ڈاکٹر مریض سے کہتا ہے کہ اب تمہارا شوگر اس مرحلہ میں ہے کہ تم کو اب دوا کی ضرورت نہیں، صرف کھانے پینے میں احتیاط کرنے سے شوگر کنٹرول میں رہے گا، کیا ایسی صورت میں حج کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مذکورہ حج کی ادائیگی خود کرنا ضروری ہے یا کسی دوسرے کے ذریعہ بھی کرانا جائز ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) اپنے مرض سے شفایابی کی شرط پر منت مان لینے کی صورت میں جب اللہ تعالیٰ اسے شفا دیدے تو اس پر اپنی منت کو پوری کرنا واجب ہو جاتا ہے، لہذا حج کی منت ماننے والا مریض جب شفا یاب ہو گیا اور سفر حج پر قادر بھی ہے تو اب اس پر حج ادا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

﴿وَلْيُؤْفُوا نُذُورَهُمْ﴾ [الحج: ۲۹]

و كذا لو قال عليّ حجة سواء كان النذر مطلقاً أو معلقاً بشرط بأن قال إن فعلت كذا فله عليّ أن أحج حتى يلزمه الوفاء إذا وجد الشرط. (عالمگیری،

كتاب الحج، الباب السابع عشر في النذر بالحج زكريا قديم ۲۶۲/۱ جدید ۳۲۷/۱)

(۲) جب منت ماننے کی وجہ سے حج فرض ہو گیا تو اب خود اسے ادا کرنا بھی لازم ہو گیا، ہاں اگر وہ از خود کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس حج فرض کو دوسروں کے ذریعہ کروانا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۵۶۸)

وإنما شرط عجز المنوب للحج الفرض لا للنفل . (کثر الدقائق کتاب الحج، باب الحج عن الغير مکتبہ مجتہدانی دہلی ۹۴، ہندیہ زکریا قدیم ۱/۲۵۷، جدید ۱/۳۲۱) وقوله لله علي حجة سواء: لأن الحج لا يكون إلا لله تعالى، وسواء كان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال: إن فعلت كذا فله علي أن أحج حتى يلزمه الوفاء به إذا وجد الشرط ولا يخرج عنه بالكفارة. (بدائع الصنائع کتاب الحج، بیان من نذر أن الحج زکریا ۲/۷۲-۴۷۳، کراچی ۲/۲۲۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۹۱۸)

## نذر پوری کرنے کا شرعی حکم

**سوال [۴۳۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک ہزار روپے اپنے ساتھی کو بطور امانت رکھنے کے لیے دیئے کچھ دنوں بعد میرا ساتھی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ رقم چوری ہو گئی، مگر چھان بین کے بعد وہ خود اقرار کرتا ہے کہ میں نے خرچ کر لیے تھے، اب مجھے رقم کی واپسی کی بہت ہی کم امید تھی، میں نے اسی دوران نذرمانی کہ اے اللہ! اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہو جاتا ہے تو وہ رقم جو میرے ساتھی کے پاس ہے، اگر اس نے دیدیا تو بغیر ثواب کی نیت کے غریبوں پر تقسیم کر دوں گا، اب خدا کے فضل سے میرا داخلہ بھی مطلوبہ جگہ میں ہو گیا، اور میرے ساتھی نے رقم بھی واپس کر دی، اب سوال یہ ہے کہ کیا نذر منعقد ہو گئی؟

(۲) میں نے نذرمانی کہ اے اللہ! اگر میرا فلاں مدرسہ میں داخلہ ہو گیا تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا، اب میرا داخلہ ہو گیا ہے، تو اب سوال ہے کہ مجھے روزے رکھنے پڑیں گے؟  
المستفتی: پی زیڈ، اسکم کرناٹک



## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) مذکورہ صورت میں آپ کا فلاں مدرسہ میں داخلہ ہو جانے اور آپ کے ساتھی کا رقم واپس کر دینے کی وجہ سے نذر منعقد ہوگئی، لہذا واپس کردہ رقم غریبوں پر تقسیم کرنا ضروری ہے۔

من نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط وکان من جنسہ واجب أى فرض وهو عبادة مقصودة ووجد الشرط المعلق به لزم النافذ. (شامی، زکریا ۵/۵۱۵، کراچی ۳/۷۳۵)

(۲) نیز آپ کا مطلوبہ مدرسہ میں داخلہ ہو جانے کی وجہ سے روزے کی نذر بھی منعقد ہوگئی، اس لیے ایک ماہ کے روزے رکھنا آپ پر لازم ہے۔

من نذر وسمی فعلیہ الوفاء بما سمي (الحديث) کصوم و صلاة و صدقة لقوله تعالى 'وليوفوا نذورهم (الحج: ۲۹). (شامی، زکریا ۵/۵۱۶، کراچی ۳/۷۳۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۲/۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۹۵/۲۴)

## نذر مان کر اس سے رجوع کرنا

**سوال [۷۴۴۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں ایک گائے مدرسہ میں طلبہ کو کھانے کے لیے دوں گا، پھر ایک سال تک وہ کام پورا نہیں ہوا، اتنے میں اس نے وہ حدیث سن لی کہ ”لا تسندروا فإن النذر لا یغنی من القدر شیئا“ (نذر سے مقصود کے حصول اور عدم حصول میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے) تو اس نے اپنی منت سے رجوع کر لیا، پھر رجوع کے بعد سے دو سال بعد بفضلہ تعالیٰ وہ کام پورا ہو گیا تو کیا اب وہ منت پوری کرنی ضروری ہے یا نہیں؟ کیا کام پورا ہونے سے پہلے منت سے رجوع کرنا جائز ہے؟

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** منت ماننے سے وہ لازم اور تام ہو جاتی ہے پھر کبھی بھی اس منت سے رجوع کرنے سے رجوع نہیں ہوتا ہے، لہذا زید نے جب منت مان لی ہے تو منت لازم ہو گئی ہے، پھر جب دو سال کے بعد مقصد پورا ہو گیا ہے تو نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ [الحج: ۲۹]

والنذر فی معنی الطلاق والعتاق لأنه لا یحتمل الفسخ بعد وقوعه.

(البحر الرائق کتاب الصوم فصل فی النذر کوئٹہ ۲/۲۹۶ زکریا ۲/۵۱۸، التفسیر المظہری زکریا ۶/۲۰۶)

والنذر ..... ولا یحتمل الفسخ بعد وقوعه. (المبسوط للسرخسی، دار

الکتب العلمیۃ بیروت ۲۴/۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

۱۴۲۳/۷/۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۸)

## نذر میں ایک کام پر تین چیزوں کے معلق کرنے کا حکم

**سوال [۷۴۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے نذر مانی کہ اگر میں فلاں گناہ کروں تو میرے ذمہ بیس رکعت نماز، پانچ سو روپیہ اور ایک ہفتہ کے روزے ہیں، مذکورہ مسئلہ میں مندرجہ ذیل باتیں معلوم کرنی ہیں:

(۱) مذکورہ مسئلہ میں زید نذر بھی پوری کر سکتا ہے اور کفارہ بیمن بھی دے سکتا ہے؟

مذکورہ نذر ایک شمار ہوگی یا تین؟

(۲) اگر ایک شمار ہوگی تو بیس رکعت ادا کرنے کے بعد بھی کفارہ بیمن دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے نذر کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ پانچ سو روپیہ اپنے پاس سے نکالنے

ہیں، مالدار کو بھی دے سکتا ہے؟ رفاہ عام لائبریری میں بھی خرچ کر سکتا ہے؟ یہ نیت لغو ہوگی یا پوری نذر لغو ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بیس رکعت نماز، اور پانچ سو روپے اور ایک ہفتہ کے روزے، ان تینوں چیزوں کو نذر کرتے وقت ایک چیز کے ساتھ معلق کر دیا ہے، اس طریقے سے ایک شرط کے ساتھ متعدد چیزوں کو معلق کرنے کی صورت میں جب وہ شرط پائی جائے جس پر متعدد چیزوں کو معلق کیا گیا ہے تو وہ تمام چیزیں لازم ہو جاتی ہیں، لہذا مذکورہ صورت میں جب زید نے فلاں گناہ کر لیا ہے، تو اس کے اوپر بیس رکعت نماز بھی لازم ہو جائے گی، پانچ سو روپیہ کا صدقہ کرنا بھی لازم ہو جائیگا، اور ایک ہفتہ کے روزے رکھنا بھی لازم ہو جائیگا، اور چاہے پانچ سو روپیوں کے بارے میں فقیروں کو دینے کی نیت نہ کی ہو، صرف جیب سے نکالنے کی نیت کی ہو تب بھی پانچ سو روپیہ فقیروں کو دینا لازم ہو جائیگا، مال داروں کو دینا یا رفاہ عام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نذر میں جو پیسہ دینا لازم ہو جاتا ہے وہ متعین نہ ہونے کی صورت میں فقیروں کو دینا لازم ہوتا ہے۔

روی ابن سماعة عن أبي يوسف، إذا قال رجل امرأة زيد طالق ثلاثا و رقيقه أحرار وعليه المشى إلى بيت الله جل شانہ إن دخل هذه الدار، فقال زيد: نعم، كان كأنه قد حلف بذلك كله. (بدائع الصنائع، كتاب النذور، شروط النذور، زكريا ۴/۲۳۹، کراچی ۵/۸۹)

اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صرف بیس رکعت نماز پڑھ لینا، پانچ سو روپے اور ایک ہفتے کے روزے کی طرف سے کافی نہیں ہوگا، جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

ويخرج عن العهدة بالوفاء بما سمي أيضا إذا كان شرطا لا يريد كونه لأن فيه معنى اليمين وهو المنع وهو بظاهره نذر فیتخیر و یمیل إلى أي الجهتين شاء. (البحر الرائق کراچی ۴/۲۹۵، زكريا ۴/۴۹۶، ہدایہ اشرفی ۲/۴۸۳)

وفی الشامیة: قوله: (مصرف الزكاة والعشر) وهو مصرف أيضا  
لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في  
القهستاني. (شامی زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹)

وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذور  
وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني لعموم قوله عليه السلام: لا تحل صدقة  
لغني. (البحر الرائق كوثه ۲/۲۴۵، زکریا ۲/۴۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۸/صفر/المظفر ۱۳۲۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۷۹/۳۸)

الجواب صحیح:  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۹/۲/۹ھ

## کام پورا ہونے سے پہلے نذر پوری نہ ہوگی

**سوال [۷۴۳۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: زید نے حرم شریف میں یوں کہا اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں حج کروں گا، زید  
گھر آ گیا، زید کا فلاں کام ابھی نہیں ہوا، کہ زید نے اپنے والد صاحب کو حج پرنہج دیا اور اپنے  
دل میں بینیت کر لی کہ میں نے جو حرم شریف میں منت مانی تھی وہ پوری کر رہا ہوں، معلوم یہ  
کرنا ہے کہ کیا فلاں کام پورا ہونے سے پہلے منت کی ادائیگی ہو جائیگی اور زید کو خود جانا  
چاہیے یا والد صاحب کے بھیجنے سے ادائیگی ہو جائے گی اور بعد میں جب فلاں کام ہو جائیگا تو  
دوبارہ منت کا پورا کرنا تو واجب نہیں ہوگا؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** زید نے جو نذر مانی ہے کہ فلاں کام پورا ہونے  
کے بعد حج کرے گا تو اس کام کے پورا ہونے سے پہلے نذر پوری نہ ہوگی، لہذا باپ کو حج کو  
بھیجا ہے، اس کا تعلق نذر سے نہیں ہو سکتا، بلکہ جب کام پورا ہو جائیگا تو اسباب مہیا ہونے کی

صورت میں حج کرنا لازم ہوگا اور خود کے معذور ہونے کی صورت میں حج بدل کرنا لازم ہوگا۔  
 أجمع أصحابنا - رحمهم الله - : أن النذر بالعبادات إذا كان معلقا بالشرط  
 و أداها قبل وجود الشرط لا يجوز سواء كانت العبادة بدنية أو مالية. (تاتارخانية  
 الأيمان، الفصل السادس والعشرون في لنور كوئته ۵/۵۰، زكريا ۶/۲۹۲ رقم: ۹۴۰۶)

ثم الوفاء بالمنذور به نفسه حقيقة إنما يجب عند الإمكان، فأما عند التعذر  
 فإنما يجب الوفاء به تقديرا بخلافه لأن الخلف يقوم مقام الأصل، كأنه هو كالتراب  
 حال عدم الماء. (بدائع الصنائع زكريا ۴/۲۴۳، كراچی ۵/۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کاتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۲/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۸۷)

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۴۲۹/۳/۲ھ

## نذر پوری نہ ہونے پر بکروں کی قربانی کرنا

**سوال [۷۴۳۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
 بارے میں: میں نے دو بکرے پالے تھے اس نیت سے کہ بیوی بیمار ہے اس کا آپریشن ہونا  
 ہے پیٹ میں پتھری ہے، تو آپریشن کے بعد بکروں کو ذبح کر کے خوشی کریں گے، لیکن اب  
 آپریشن نہیں ہوا تو کیا ان بکروں کی قربانی عید الاضحیٰ میں کر سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد داؤد بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب آپریشن نہیں ہوا ہے تو نذر بھی پوری نہیں  
 ہوئی، لہذا ان بکروں کو اب قربانی میں ذبح کرنا جائز اور صحیح ہو جائیگا۔

عن ثابت بن الضحاک أن رسول الله ﷺ قال: من حلف على ملة غير  
 الإسلام فهو كما قال: وليس على ابن آدم نذر فيما لا يملك. (صحيح البخارى،  
 الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ۲/۸۹۳، رقم: ۵۸۱۲، ف: ۶۰۴۷)

لم يوجد النذر في الملك ولا مضافا إلى سببه فلم يصح. (درمختار،  
کتاب الأیمان، قبیل باب الیمین فی الدخول والخروج، زکریا ۵/۵۲۶، کراچی ۳/۷۴۲،  
تبیین الحقائق مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۵۵، زکریا ۳/۵۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
الجواب صحیح  
۲۸ / ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۲۳۱)

## نذر کی تکمیل کے لیے متعینہ مکان ضروری نہیں

**سوال [۷۴۵۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو دارالعلوم میں دو بکرے دوں گا اب زید کا کام پورا ہو گیا، زید کی امانت ۲۰ ہزار روپیہ عمر کے پاس ہے، اب جب زید عمر کے پاس اپنی امانت کے پیسے لینے گیا تو عمر نے کہا کہ میں تمہاری طرف سے دو بکرے مدرسہ میں دیدوں گا، عمر نے بکرے کے بجائے پانچ ہزار روپیہ دوسرے مدرسہ میں دیدے جبکہ زید کی نیت یہ تھی کہ دو بکرے دارالعلوم میں دوں گا، آپ وضاحت فرمائیں کہ زید کی نذر پوری ہوگئی یا نہیں یا دوبارہ زید کو دو بکرے دارالعلوم میں دینے پڑیں گے۔

المستفتی: محمد ساجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مذکورہ میں زید کی نذر پوری ہوگئی ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ أن رجلا قام يوم الفتح فقال: يا رسول الله! إنني نذرت لله إن فتح الله عليك مكة أن أصلي في بيت المقدس ركعتين، قال صل ههنا، ثم أعاد عليه، فقال: صل ههنا، ثم أعاد عليه فقال: شانك إذا، وفي رواية زاد فقال النبي ﷺ: والذي بعث محمداً بالحق لو صليت ههنا لأجزأ عنك صلاة في بيت المقدس. (سنن أبي داؤد، الأيمان والنذور، باب من

نذر آن یصلیٰ فی بیت المقدس، النسخة الهندية ۲/۴۶۸، دار السلام رقم: ۳۳۰۵-۳۳۰۶،  
وهكذا فی مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ۸/۴۵۶، رقم: (۱۵۸۹۱)

وإن كان مقيدا بمكان بأن قال: لله على أن أصلي ركعتين في موضع  
كذا أو أتصدق على فقراء بلد كذا يجوز أدائه في غير ذلك المكان. (بدائع  
الصنائع، كتاب النذر، فصل حكم النذر الذي لا تسمية فيه، زكريا ۴/۴۵، كراچی ۵/۹۳)

وإن كان مقيدا بمكان بأن قال: لله على أن أصلي ركعتين في موضع  
كذا، أو أتصدق على فقراء بلد كذا يجوز أدائه في غير ذلك المكان عند أبي  
حنيفة وصاحبيه؛ لأن المقصود من النذر هو التقرب إلى الله عز وجل، وليس  
لذات المكان دخل في القرية. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النذور، نذر المباح و  
نذر المعصية، هدى انترنیشنل ۳/۴۸۴، دار الفكر ۴/۲۵۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۹۹)

## نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرقہ

**سوال [۷۴۵۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: کہ اکثر کتابوں میں دیکھنے میں آیا ہے کہ نذر کی قربانی کا گوشت ناذر اور غنی کے  
لیے کھانا جائز نہیں ہے، لیکن بدائع کی ایک عبارت سے اس کا تجزیہ نظر سے گذر کہ اضحیہ  
منذورہ کا گوشت ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز ہے، مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس  
مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ شکوک و شبہات دور ہو جائیں، کیونکہ امداد الفتاویٰ  
وغیرہ میں اضحیہ منذورہ کے گوشت کو ناذر اور غنی کے لیے ناجائز لکھا ہے، اور اس کے اوپر  
ہندیہ وغیرہ کا جزئیہ بھی نقل فرمایا ہے، لہذا اس سلسلے میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ بھگلپوری

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اضحیہ من ذرہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ احقر ایک زمانہ تک متاخرین کی بعض جزئیات اور بعض بڑوں کے فتاویٰ کو دیکھ کر نا ذرا اور غنی کے لیے اس کا گوشت کھانے کو ناجائز لکھتا رہا، لیکن کتب فقہ کی مختلف اور متضاد جزئیات کی مراجعت کے بعد جو کچھ باتیں سامنے آئی ہیں وہ پیش خدمت ہیں:

اولاً: یہ بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ نذر ذبح میں صرف ذبح اور تصدق مقصود ہوتا ہے، اس ذبح میں تقرب الی اللہ مقصود نہیں ہوتا ہے، اور اس ذبح کا وقت بھی متعین نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی بھی زمانہ میں کسی بھی وقت نذر پوری کرنے کے لیے ذبح کرنا جائز ہو جاتا ہے، اور اس نذر کا گوشت نا ذرا اور غنی دونوں کے لیے بالاتفاق جائز نہیں ہے، اس کا تصدق سب کے نزدیک واجب ہے، اور نذر اضحیہ اس کے بالکل برعکس ہے، اس لیے کہ نذر اضحیہ میں اصل مقصد تقرب الی اللہ ہوتا ہے، اس میں محض ذبح کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ ذبح کے ذریعہ سے ایک عبادت کی ادائیگی اور رضائے الہی مقصد ہوتی ہے اور ساتھ میں اس کا گوشت کھانا بھی مقصد ہوتا ہے اور اس ذبح میں تصدق اصل مقصد نہیں ہوتا ہے اس لیے نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے، اگر یہ فرق ملحوظ نہ رہے تو طرح طرح کے اشتباہ و شبہ اور تردد کی وجہ سے حکم لگانے میں فرق آئیگا، اور بعد کے فقہاء کے اقوال اسی وجہ سے مختلف ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض فقہاء نے نذر اضحیہ کا گوشت کھانا نا ذرا اور غنی دونوں کے لیے ناجائز لکھا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین زیلیعی نے صراحت کے ساتھ ناجائز لکھا ہے، اور باقی جتنے فقہاء نے اس کے ناجائز ہونے کو لکھا ہے وہ سب ان کے بعد کے فقہاء متاخرین ہیں، کسی نے مجمل لکھا اور کسی نے صراحتاً لکھا، اور یہ اشتباہ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ کے حکم کے درمیان فرق کو واضح کر کے نہیں لکھا گیا ہے، بلکہ مجمل اور مجموعی حکم لکھا گیا کہ نا ذرا اور غنی کے لیے من ذرہ کا گوشت کھانا جائز نہیں، پھر اسی اصول کے اندر اضحیہ من ذرہ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، اس



تمہید کے بعد اضحیہ منذورہ کے متعلق جو کچھ سمجھ میں آیا ہے وہ حسب ذیل ہے کہ جو آدمی صاحب نصاب نہ ہو یا بالکل فقیر ہو اس نے قربانی کی نیت سے جو جانور خریدا ہے اس کے خریدنے کے وقت وہ اضحیہ منذورہ کے حکم میں ہو جاتا ہے، اب اس کا گوشت کھانا اس کے لیے اور غنی کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں متاخرین فقہاء میں اسی بنیاد پر اختلاف ہوا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ متاخرین فقہاء میں سے فقیہ ابوالسعود اور قاضی برہان الدین وغیرہ نے فقیر اور غنی کے لیے اس کا گوشت کھانے کو ناجائز لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وذكر أبو السعود أن شراء هـ لها بمنزلة النذر فعليه التصدق بها،  
أقول: التعليل بأنها بمنزلة النذر مصرح به في كلامهم، وقوله: قال القاضي  
برهان الدين: لا يحل. (شامی، کتاب الأضحیة، زکریا ۹/۴۷۳، کراچی ۶/۳۲۷)  
اسی کے پیش نظر حضرت تھانویؒ نے ہندیہ کے اس جزئیہ کو نقل فرما کر ناجائز لکھا ہے جو  
نہایہ کے حوالہ سے ہندیہ میں لکھا ہوا ہے۔

أما في الأضحیة المنذورة سواء كانت من الغنی أو الفقیر فلیس لصاحبها  
أن يأكل ولا أن يؤكل الغنی، هكذا في النهاية. (ہندیہ، کتاب الأضحیة، قبیل الباب  
السادس فی بیان ما یستحب فی الأضحیة، زکریا قدیم ۵/۳۰۰، جدید ۵/۳۴۶-۳۴۷)  
اور ساتھ میں ہندیہ کے حوالے سے زیلیعی کا جزئیہ بھی نقل فرما دیا ہے اور دوسرے  
فتویٰ میں حضرت تھانویؒ نے یہ لکھا ہے کہ اگر زبان سے نذر مانی ہے تو اس کا کھانا خود اس  
کیلئے تو جائز نہیں ہے، اور اگر مثل نذر کے اس کے اوپر واجب ہو گیا ہو تو اس کا کھانا جائز ہے،  
اور اس میں مطلق نذر سے متعلق جزئیہ نقل فرمایا ہے، اضحیہ منذورہ سے متعلق جزئیہ نقل نہیں  
فرمایا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳) میں یہ دونوں فتوے موجود ہیں، اس کے برخلاف علامہ  
شامی علیہ الرحمہ نے صاحب بدائع کی صراحت کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے کہ فقیر نے  
قربانی کے لیے جو جانور خریدا ہے اس کا گوشت خود فقیر کے لیے جائز اور حلال ہے، اور پھر  
تاتاریخانیہ کے حوالہ سے قاضی بدر الدین کا قول بھی نقل فرمایا ہے کہ اس کا گوشت کھانا جائز  
اور حلال ہے، شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ظاہر کلامہ أن الواجبة علی الفقیر بالشراء له الأکل منها وقوله:  
وفی التاتارخانیة: سئل القاضی بدیع الدین عن الفقیر: إذا اشترى شاة لها  
هل یحل لها الأکل؟ قال: نعم. (شامی، زکریا ۹/۴۷۳، کراچی ۶/۳۲۷، تاتارخانیة  
۱۷/۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۳)

شامی اور تاتارخانیہ کی ان عبارات سے فقیر کے خریدے ہوئے اضحیٰ منذورہ کا  
گوشت خود فقیر اور غنی کے لیے کھانا بلاشبہ جائز ہے، اسی کے پیش نظر حضرت مفتی عزیز الرحمن  
صاحب عثمانی نے اپنے فتاویٰ میں واضح الفاظ کے ساتھ لکھا ہے کہ فقیر پر اضحیٰ خریدنے سے  
اضحیٰ واجب ہو جاتا ہے، اور وہ اضحیٰ مثل منذورہ کے ہو جاتا ہے، اور نذر میں سے خود کھانا اور  
اغنیاء کو کھانا جائز اور درست نہیں، ساتھ میں مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب بڑے  
جانور کو سات آدمیوں نے مل کر خریدا ہو جن میں ایک فقیر بھی ہو تو فقیر کا حصہ منذورہ کے حکم  
میں ہونے کے باوجود سب کی قربانی بلا تردد جائز ہو جاتی ہے، اور خود فقیر کا اس میں سے کھانا  
اور اغنیاء کو کھانا درست ہے۔ (مستاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/۵۶۸)

مفتی صاحب کی عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے پہلے یہ بات  
واضح کر دی ہے کہ نذر کے گوشت میں سے خود کھانا اور اغنیاء کو کھانا درست نہیں ہے پھر اس  
کے بعد قول راجح نقل فرمایا ہے کہ جائز اور درست ہے، لہذا اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ  
کس نذر میں سے کھانا جائز نہیں اور کس نذر میں سے کھانا جائز ہے؟

اب اس کے بعد اصل مسئلہ واضح کیا جا رہا ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں: (۱) نذر ذبح:  
جس میں اصل مقصد ذبح ہی ہوتا ہے اور گوشت کا تصدق بھی مقصد ہوتا ہے اور اس ذبح کے  
لیے ایام اور وقت کی تعیین نہیں ہوتی۔

(۲) نذر اضحیٰ یہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہوتا ہے (۱) اس نذر میں تقرب الی اللہ  
ہی اصل مقصد ہوتا ہے (۲) اس نذر کی ادائیگی ایام اضحیٰ کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور ضمناً  
گوشت کھانا بھی مقصد ہوتا ہے اور اس نذر میں تصدق مقصد نہیں ہوتا اور جو جانور تقرب الی اللہ  
کی غرض سے ذبح کیا جاتا ہے اس کا گوشت کھانا خود ذبح اور غنی دونوں کے لیے جائز ہوتا ہے،

لہذا نذر ذبح کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز نہیں اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی کے لیے جائز ہے، اور اسی کو صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، اور فقہ العصر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بھی بذل اجمہود میں اسی کو واضح فرمایا ہے، اس سے ان کا رجحان بھی یہی ثابت ہوا کہ نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز ہے، چاہے ناذر فقیر ہو یا غنی، ہر ایک کا حکم یکساں ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن ياكل منه بالإجماع و نوع لا يجوز له أن ياكل منه بالإجماع و نوع يختلف فيه، فالأول: دم الأضحية نفلا كان أو واجبا مندورا كان أو واجبا مبتدأ، والثاني: دم الإحصار و جزاء الصيد..... دم النذر بالذبح، والثالث: دم المتعة والقران فعندنا يؤكل و عند الشافعي رحمه الله لا يؤكل. (بدائع، كتاب التضحية، باب يستحب في الأضحية أن تكون سمينة، زكريا ۴/۲۲۳-۲۲۴، كراچی ۵/۸۰، بذل المجهود، قديم ۴/۷۶، جديد ۹/۵۶۶-۵۶۷)

وإن نذر أضحية في ذمته ثم ذبحها فله أن ياكل منها وقال القاضي من أصحابنا من منع الأكل منها وهو ظاهر كلام أحمد بناءً على الهدى المنذور. (المعنى لابن قدامة ۹/۳۶۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ رزی قعدہ ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۰۸/۴۱)

## مشرک کی نذر کا حکم

**سوال [۷۴۵۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مشرک شخص نے اپنے تمام بیل کے مرجانے کی وجہ سے ایک منت مانی اور اس نے یہ منت مانی کہ اگر میرا فلاں بیل زندہ رہا تو اس کی قربانی کروں گا، اور اللہ کے فضل

سے اس کا بیل زندہ رہا اب وہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے قربانی کروانا چاہتا ہے تو کیا یہ درست ہے، اگر درست ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: قسمت علی مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مشرک نے جو منت مانی ہے کہ میرا فلاں بیل زندہ رہا تو میں اس کی قربانی کروں گا یہ منت صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ نذر اور منت کی صحت کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے، البتہ اس بات کا اس کو اختیار ہے کہ کسی مسلمان کو وہ بیل تحفہ کے طور پر دیدے یا ہدیہ کر دے پھر وہ مسلمان اس کو اپنے اختیار سے ذبح کر دے تو اس کا گوشت ہر شخص کے لیے کھانا جائز ہے۔

ومنها الإسلام فلا يصح نذر الكافر. (بدائع، كتاب النذر زكريا ۴/۲۲۶،

کراچی ۵/۸۲)

ثانيا الإسلام فلا يصح نذر الكافر. (الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انترنیشنل

۳/۴۷۱، دار الفكر ۴/۲۵۵۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

۱۵/۵/۱۴۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۹۴)

**نذر میں خیرات کی رقم متعین نہیں کی تو کیا کریں؟**

**سوال [۷۴۵۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں کچھ غلہ یا کچھ روپیہ خیرات کروں گا تو اگر غلہ خیرات کرے تو اس کی مقدار کیا ہوگی، اور اگر روپیہ خیرات کرے تو اس کی مقدار کیا ہوگی، کیونکہ اس نے متعین نہیں کیا کہ اتنا غلہ یا اتنا روپیہ خیرات کروں گا۔

المستفتی: اسرار الحق محمد پورا عظیم گڑھ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مسئلہ میں اگر منت ماننے والے کے دل میں کچھ خیال تھا کہ اتنا دوں گا تو اسی قدر دے اور اگر کچھ خیال نہ تھا تو غلہ میں سے کم از کم ایک صدقہ فطر کی مقدار دے اور روپیوں میں سے بھی ایک صدقہ فطر کی مقدار ادا کرے اور ایک صدقہ فطر کی مقدار پندرہ یا سولہ روپیہ ہیں، اس لیے جب اس نے صدقہ کا نام لیا ہے تو صدقہ متعارف کی آخری مقدار ایک صدقہ فطر ہے، اس لیے مقدار متعین نہ کرنے کی صورت میں ایک صدقہ فطر کی مقدار دینا لازم ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/۴۸)

الفطرة نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب أو صاع تمر أو شعير . (درمختار مع الشامی، زکریا ۳/۳۱۸، کراچی ۲/۳۵۷، قدوری ص: ۵۱)  
فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۳۱/۳۵)

**متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں یا کسی بھی مدرسہ میں؟**

**سوال [۴۵۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو فلاں مدرسہ میں ۵۰۰ روپیہ دوں گا وہ کام ہو گیا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جس متعین مدرسہ میں پانچ سو روپے دینے کی منت مانی ہے اسی مدرسہ میں پانچ سو روپیہ دینے سے منت پوری ہوگی یا کسی دوسرے مدرسہ میں بھی دینے سے یہ ذمہ ادا ہو جائیگا، یا کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو بھی دینے سے ذمہ سے فارغ ہو جائے گا؟  
المستفتی: محمد ساجد کجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مسئلہ میں نذر کا پیسہ اسی مدرسہ میں دینا

ضروری نہیں بلکہ کسی بھی مدرسہ میں دینے سے نذر پوری ہو جائیگی، البتہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیمہ ۱/۳۱۹، جدید ڈائجیل ۱۴/۷۴)۔  
**نذر لفقراء مکة جاز الصرف لفقراء غیرها** . (الدر المختار مع الشامی، کتاب الأیمان، مطلب: النذر غیر المعلق لایختص بزمان الخ زکریا ۵/۲۴، کراچی ۳/۷۴۰)

**نذر لفقراء مکة جاز الصرف إلى فقراء غیرها** . (مجمع الأنهر، الأیمان، قبیل باب الیمین فی الدخول والخروج، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۲۷۶، مصری قدیم

۱/۴۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲/ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۳۶)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲/۱۱/۱۴۲۱ھ

## ایک مسجد میں روپے دینے کی نذر مان کر دوسری مسجد میں دینا

**سوال [۷۴۵۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں مسجد میں سو روپے دوں گا اس شخص کا کام ہو گیا اب اس شخص نے مسجد متعین کے بجائے دوسری مسجد میں سو روپے دیدیے، اور دوسری مسجد زیادہ حقدار ہے پہلی مسجد کی بنسبت، تو اس طرح منت پوری ہوئی یا نہیں؟ یا اگر مسجد کے بجائے کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو سو روپے دیدیے تو منت پوری ہوئی یا نہیں؟ ان دونوں جزیوں کا مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** دوسری مسجد میں روپے دینے سے منت پوری ہو گئی کیونکہ جس مسجد کی تعیین کی ہے وہ لازم نہیں ہے، اسی طرح مسجد کے بجائے کسی غریب کو دیدینے سے بھی منت پوری ہو گئی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۸۰، فتاویٰ محمودیہ قدیمہ ۱۴/۳۱۸-۳۱۹، جدید ڈائجیل ۱۴/۷۴)

قال الشامی تحت قوله (فإنه لا يجوز تعجيله الخ) وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير. (شامی، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، زكريا ۳/۴۲۴، كراچی ۲/۴۳۷)

وإن كان مقيدا بمكان بأن قال لله تعالى على أن أصلي ركعتين في موضع كذا، أو أتصدق على فقراء بلد كذا، يجوز أدائه في غير ذلك المكان عند أبي حنيفة و صاحبيه لأن المقصود من النذر هو التقرب إلى الله عز وجل وليس لذات المكان دخل في القربة. (الفقه الاسلامي و أدلته، هدى انترنیشنل دیوبند ۳/۴۸۴، دار الفكر ۴/۲۵۶۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۳۱)

## مسجد میں سو روپیہ دینے کی نذر ماننا

**سوال [۷۴۵۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مرتبہ کسی کام کے ہونے سے پہلے کہا تھا کہ اگر میرا کام ہو جائے تو میں سو روپے دوں گا، کام ہو گیا اور میں نے پچاس روپے ایک مسجد میں ایک موقع پر دیئے، کیا میں ۵۰ روپے اور کسی مسجد میں یا اسی مسجد میں دوں تو ٹھیک ہوگا یا مجھے اکٹھے سو روپے دینے ہوں گے؟  
المستفتی: منہاج الدین صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر آپ نے مسجد میں دینے کے لیے نذر مانا ہے تو کسی بھی مسجد میں دے سکتے ہیں، لہذا البقیہ پچاس روپے چاہے اس مسجد میں دیدیں یا کسی دوسری مسجد میں آپ کو اختیار ہے۔

والنذر من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أو غيرها غير المعلق و

لو معینا لا یختص بزمان و مکان و درہم و فقیر، فلو نذر التصدق یوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم علی فلان فخالف جاز. (شامی، کتاب الأیمان، مطلب: النذر غیر المعلق لا یختص بزمان و مکان و درہم، زکریا دیوبند ۵/۵۲۴، کراچی ۷۴۱/۳ و ہکذا فی زکریا ۳/۲۴۴، کراچی ۲/۳۷۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۳ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۶۱/۲۷)

## کاروبار شروع ہونے پر مسجد میں ضرورت کے سامان دینے کی نذر

**سوال [۷۴۵۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے کاروبار شروع کرنے پر ایک مخصوص رقم صدقہ کرنے کا ارادہ کیا، ساتھ ہی یہ ارادہ بھی کیا کہ اس رقم سے مسجد میں تسبیح، لوٹے، مصلیٰ، جھاڑ وغیرہ بھی رکھ دوں گا، اور بقیہ رقم غرباء مساکین پر خرچ کر دوں گا، صحیح مصرف بتا دیجیے، کس طرح سے خرچ کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ اشیاء میں سے کوئی چیز عبادت مقصودہ میں سے نہیں ہے، اس لیے ان میں سے کوئی چیز شرعاً اس پر لازم نہیں ہے، نیز زبان سے کہے بغیر محض نیت کر لینے سے نذر ثابت نہیں ہوتی، ہاں البتہ غرباء و مساکین پر جو رقم خرچ کرنے کو زبان سے منت مانی ہے وہ رقم فقراء پر کسی بھی طریقے سے خرچ کر سکتا ہے، اور اگر زبان سے نہیں کہا ہے تو وہ بھی واجب نہیں ہوگی، بلکہ اپنی مرضی و اختیار سے جو چاہے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۲۵)

ومن شروطه أن يكون عبادة مقصودة فلا يصح النذر بعبادة المريض و تشييع الجنازة والوضوء والاعتسال و دخول المسجد و مس المصحف والأذان و بناء الرباطات والمساجد وغير ذلك وإن كانت قربا إلا أنها غير مقصودة. (شامی، مطلب فی أحكام النذر زکریا ۵/۵۱۶، کراچی ۳/۷۳۵، بلایع الصنائع زکریا ۴/۲۲۸،



کراچی ۸۲/۵، المبسوط للسرخسی دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۲۸/۳، الفقه الإسلامی و أدلته،  
ہدی انٹرنیشنل دیوبند ۴۷۳/۳، دار الفکر ۲۵۵۵/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۰۵/۲۵)

## مسجد میں مصلیٰ یا اگر بتی دینے کی نذر

**سوال [۷۴۵۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے  
میں: بعض آدمی منت کا مصلیٰ یا اگر بتی یا پیسے وغیرہ مسجد میں دیدیتے ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟  
المستفتی: اسرار الحق محمد پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر بتی وغیرہ ایسی چیز نہیں کہ اس کی نذر مانی  
جائے البتہ مسجد میں صفوف و مصلیٰ دینے کی منت ماننے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم  
دیوبند ۱۲/۱۳۴-۱۳۵)

ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط و كان من جنسه فرض وهو عبادة  
مقصودة كصوم و صلاة و صدقة و وقف. (شامی، کتاب الأیمان، مطلب: فی أحكام  
النذر، زکریا دیوبند ۵۱۵-۵۱۶، کراچی ۳/۷۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۲۷/۳۵)

## کام پورا ہونے پر نوافل اور صدقہ و خیرات کی نذر ماننا

**سوال [۷۴۵۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اپنے کاموں کے سلسلے میں اللہ پاک سے یہ منت مانی جائے کہ کام ہو جائے گا تو شکرانہ کے نوافل ادا کروں گا، اور دس آدمیوں کو کھانا کھلاؤں گا، تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں، اور اگر ہم یہ چاہیں کہ جو پیسے کھانے کے بنتے ہوں وہ کسی اپنے ضرورت مند عزیز کو دیدیں تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟

المستفتی: رحمت الہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** ایسی نذر مانتی جائز ہے بشرطیکہ معصیت کا کام نہ ہو، دس آدمیوں کے کھانے کے پیسے ایک ضرورت مند کو دینے سے نذر پوری نہیں ہوگی اور اگر نقدی دینا ہو تو دس ہی آدمیوں کو ہر ایک کو صدقہ فطر کی مقدار دینا ہوگا۔

﴿وَلْيُؤْفُوا نُذُورَهُمْ﴾ [الحج: ۲۹]

عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ قال: من نذر أن يطیع اللہ فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصيه. (صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب النذر فی الطاعة، النسخة الهندية ۲/۹۹۱، رقم: ۶۴۴۰، ف: ۶۶۹۶)

إذا نذر شيئاً من القربات لزمه الوفاء به. (حاشية الطحطاوى على مراقی

الفلاح، باب ما يلزم الوفاء به، دار الكتاب دیوبند ۶۹۲، قدیم ۳۷۸)

وإذا جعل الرجل لله على نفسه إطعام مسكين فهو على ما نوى من عدد المساكين وكيال الطعام لأن المنوى من احتمالات لفظه (إلى قوله) فعليه طعام عشرة مساكين لكل مسكين نصف صاع من حنطة (إلى قوله) إن قال في نذره إطعام المساكين فليس له أن يصرف الكل إلى مسكين واحد جملة. (المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بیروت ۸/۱۵۲، ہندیہ قدیم ۲/۶۶، جدید ۷۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۲۴۰/۱۰۶۰)

## جو تنخواہ ملے گی اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا

**سوال [۷۴۶۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرس ہے وہ اس نیت سے پڑھاتا ہے کہ جو کچھ مجھے تنخواہ ملے گی اس کو میں اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا، چنانچہ اس نے کچھ اپنی نیت کے مطابق اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا، اب اس کو کچھ گھر بیلو ضرورت پیش آگئی، تو کیا اس پیسہ کو اپنی ضرورت میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید عادل حسین جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے صرف دل میں نیت کر لی تھی اور زبان سے اس کا تلفظ نہیں کیا تھا تو پیسہ کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے، اس کو راہ خدا میں خرچ کرنا لازم نہیں ہے، اور اگر زبان سے اس کا تلفظ بھی کر لیا ہے تو اس کو راہ خدا میں صرف کرنا ہوگا، کیونکہ اس صورت میں نذر ثابت ہو جاتی ہے ثبوت نذر کے لیے تلفظ لازم ہے۔

فرکن النذر: هو الصیغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عز شانہ علیّ کذا، أو علیّ کذا، أو هذا هدی، أو صدقة، أو مالی صدقة أو ما أملك صدقة أو نحو ذلك. (بدائع الصنائع، کتاب النذر، زکریا دیوبند ۴/۲۶، دار

الکتب العلمیة بیروت ۶/۳۳۳، کراچی ۵/۸۱)

والنذر عمل اللسان والقیاس یقتضی أنه لا ینعقد إلا بلفظ الخ.

(کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ، دار الفکر ۲/۱۴۲)

یوجب الفعل المباح علی نفسه بالقول تعظیما لله تعالیٰ الخ. (قواعد

الفقہ اشرفی ص: ۵۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷ رجب الاول ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۳۱۷)

## بیس ہزار رکعت پڑھنے کی نذر ماننا

**سوال [۷۴۶۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک دوست پہلے بہت شریف تھا اور وہ قبل از بلوغ کسی غلط عادت میں نہیں تھا، لیکن اب سے تقریباً دو سال قبل اس نے ایک غلط عادت پکڑ لی اور وہ عادت اس نے اپنی زندگی کا معمول بنالی، وہ عادت یہ ہے کہ وہ مشت زنی کرتا ہے، جب کافی دن کرتے ہوئے اس عادت سے اسے چھٹکارا نہیں ملا تو اس نے قسم کھائی کہ اب یہ کام نہیں کروں گا، لیکن پھر بھی اس کو اس نے تقریباً دو سو مرتبہ کیا، اور پھر اس نے اس سے بھی سخت قسم کھائی کہ اگر میں مشت زنی کروں گا تو بیس ہزار رکعت پڑھوں گا لیکن کچھ دنوں بعد وہ اپنے اوپر کنٹرول نہ کر سکا اور اس کام کو تقریباً سات مرتبہ کیا، اس کو کتنا کفارہ ادا کرنا ہوگا یا اسے کتنی رکعت نماز پڑھنی ہوگی اس پر ایک لاکھ چالیس ہزار رکعت حساب سے بیٹھتی ہیں، جسم میں اتنی رکعت پڑھنے کی طاقت بھی نہیں ہے، قسم اس وجہ سے کھائی تھی کہ اس کام سے بچ جاؤں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** پہلی قسم کی وجہ سے ایک کفارہ کافی ہے، چاہے اس کے بعد کئی سو بار یہ حرکت کی ہو، اور دوسری قسم کی وجہ سے بیس ہزار رکعت نماز پڑھنی ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۴/۸۸)

عن ابن عباس: أن رسول اللہ ﷺ قال: ومن نذر نذراً أطاقه فليف به. (سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب من نذر نذراً لا يطيقه، النسخة الهندية ۲/۴۷۲، دار السلام رقم: ۳۳۲۲)

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه. (صحيح البخارى، باب النذر فى الطاعة ۲/۹۹۱، رقم: ۶۴۴۰، ف: ۶۶۹۶)

كفارات الأيمان إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن



## کیا نذر کردہ روزہ کے درمیان ترتیب لازم ہے؟

**سوال [۴۶۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذرمانی تھی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں ایام بیض قمری ماہ کی ۱۳/۱۴/۱۵ تاریخ کا روزہ رکھوں گا، لیکن زید نے ایک ماہ کا روزہ رکھا اور دوسرے ماہ میں دو روزہ ۱۴/۱۵/۱۶ رکھا، ۱۳/۱۴ تاریخ کا روزہ بھول سے چھوٹ گیا تو اب زید کیا کرے، وہ دونوں ماہ کے روزے دوبارہ رکھے یا ایک ماہ کا تینوں ۱۳/۱۴/۱۵ رکھے، یا صرف قمری ۱۳/۱۴ تاریخ کا روزہ رکھے تو نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** مذکورہ صورت میں زید نے جب ایک ماہ کے ایام بیض یعنی ۱۳/۱۴/۱۵ کو روزہ رکھ لیا تھا تو اس کی نذر پوری ہوگئی، دوسرے ماہ میں ایام بیض کو روزہ رکھنا لازم نہیں ہے۔

عن الحسن فی رجل جعل علیہ صوم شهر، قال: إن سمی شهرا معلوما فلیصمه ولیتابع. (المصنف لابن أبی شیبہ، الأیمان والنذور فی رجل جعل علیہ صوم شهر، مؤسسة علوم القرآن ۷/۶۰۲، رقم: ۱۲۶۳۴)

فوجود الفعل مرة یتم الشرط. (هدایہ، کتاب الطلاق، باب الأیمان فی الطلاق، اشرفی ۲/۳۸۶)

نذر صوم شهر معین لزمہ متتابعاً. (شامی، مع الدر کراچی ۳/۷۴۱، زکریا ۵/۵۲۵، مجمع الأنهر مصری قدیم ۱/۵۴۸، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۲۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۳۴)

## اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہو جائے تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا

**سوال [۷۴۶۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے ایک ہزار روپیہ اپنے ساتھی کو رکھنے کے لیے دیا، بطور امانت، کچھ دنوں کے بعد میرا ساتھ مجھ سے یہ کہتا ہے کہ رقم چوری ہو گئی، مگر چھان بین کے بعد وہ خود اقرار کرتا ہے کہ نہیں میں نے خرچ کر لیے تھے، اب مجھے رقم کی واپسی کی بہت ہی کم امید تھی، میں نے اسی دوران نذر مانی کہ اے اللہ اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہو جاتا ہے تو وہ رقم جو میرے ساتھی کے پاس ہے اگر اس نے دیدی تو بغیر ثواب کی نیت سے غریبوں میں تقسیم کر دوں گا، اب خدا کے فضل سے میرا داخلہ بھی مطلوبہ جگہ ہو گیا اور میرے ساتھی نے رقم بھی واپس کر دی اب سوال یہ ہے کہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟

میں نے نذر مانی کہ اے اللہ میرا اگر فلاں مدرسہ میں داخلہ ہو گیا تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا اب میرا داخلہ ہو گیا تو کیا مجھے روزہ رکھنے پڑیں گے؟

المستفتی: پی زیڈ اسلام گیٹ کرنا ٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** (۱) سوال میں ذکر کردہ صورت میں نذر منعقد ہو جائے گی کیونکہ جس شرط کے ساتھ اس کو معلق کیا ہے وہ شرط پالی گئی، لہذا اب نذر بھی منعقد ہو گئی ہے، اور بغیر ثواب کی نیت کی قید لگانا درست نہیں، یہ آپ کا حلال روپیہ ہے، اس لیے دیتے وقت ثواب کی نیت کی جاسکتی ہے۔

ثم إن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبى أو شفى مريضى (يوفى) وجوبا (إن وجد) الشرط. (در مختار مع الشامى، زكريا ۵/۵۲۱، كراچى ۳/۷۳۸،

حاشية الطحطاوى على مرقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ص: ۶۹۸)

(۲) دوسرے سوال کے اندر بھی نذر معلق بالشرط ہے، اور شرط کا وجود بھی ہو گیا ہے، نیز

یہ نذر عبادت مقصودہ میں سے بھی ہے، لہذا نذر پوری کرنے کے لیے اب روزہ رکھنا واجب ہے۔  
 عن الحسن فی رجل جعل علیہ صوم شهر، قال: إن سمی شہرا  
 معلوما فلیصمه ولیتابع، وإذا لم یسم شہرا معلوما، أو لم ینوہ فلیستقبل الأيام  
 فلیصم ثلاثین یوما، وإن صام علی الهلال و أفطر علی رؤیتہ، فكانت تسعة و  
 عشرين یوما أجزاه ذلک، و إن فرق إذا استقبل الأيام. (المصنف لابن أبی شیبہ،  
 الأیمان والنذور فی رجل جعل علیہ صوم شهر، مؤسسة علوم القرآن ۶۰۲/۷، رقم: ۱۲۶۳۴)

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب (و  
 وجد الشرط) المعلق به لزم النذر. (در مختار مع الشامی زکریا ۵/۵۱۶، کراچی  
 ۷۳۵/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۵)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

## زندگی بھر روزہ رکھنے کی منت کے بعد قدرت نہ ہو تو؟

**سوال [۷۶۶۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
 بارے میں: کسی آدمی نے کسی حادثہ کے موقع پر یہ منت مانی کہ اگر اس حادثہ میں ہمارے آل اولاد  
 کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اور سب بچ گئے تو زندگی بھر روزہ رکھوں گا، اور اس حادثہ میں سب بچ گئے،  
 کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اور اس نے روزہ بھی رکھنا شروع کر دیا، اسی دن کے بعد اب اس کی  
 حالت یہ ہوگئی کہ نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس اتنا مال ہے کہ روزے کے بدلے میں  
 مال کسی غریب کو دے تو اب اس منت سے بری ہونے کی کوئی صورت ہو تو واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد حسین عالم بھاگلپوری معلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر سب لوگ بچ گئے تو زندگی بھر روزہ رکھنا



واجب ہو گیا، اب اگر روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے تو ہر روزہ کے بدلے میں ایک صدقہ فطر فقیر کو دیدیا کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہا کرے۔  
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۷۷)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: من نذر نذرا لم يسمه، فكفارتہ كفارة يمين، و من نذرا نذرا في معصية فكفارتہ كفارة يمين، و من نذر نذرا لا يطيقه فكفارتہ كفارة يمين، و من نذر نذرا أطاقه فليف به. (سنن أبي داؤد، الأيمان والنور، باب من نذرا لا يطيقه، لنسخة الهندية ۲/ ۴۷۲ دار السلام رقم: ۳۳۲۲، سنن ابن ماجه، الكفارات، باب ما جاء من نذر نذرا لم يسم، النسخة الهندية ۴/ ۱۵۴، دار السلام رقم: ۲۱۲۸، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۱/ ۳۲۵، رقم: ۱۲۱۶۹)

نذر بصوم الأبد فضعف ..... و إن لم يقدر استغفر الله تعالى. (فتاویٰ بزازیہ کتاب الصوم، الفصل الرابع فی النذر زکریا جدید ۱/ ۶۹، و علی هامش الهندية ۴/ ۱۰۳، ہندیہ زکریا قدیم ۱/ ۲۰۹، جدید ۱/ ۲۷۲، قاضیخان، زکریا جدید ۱/ ۱۳۶-۱۳۷، و علی هامش الهندية ۱/ ۲۱۹، الدر مع الرد کراچی ۳/ ۷۴۱، زکریا ۵/ ۵۲۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۰/ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۳۳/۲۵)

## ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزہ کی نیت کا طریقہ

**سوال [۷۴۶۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے ذمہ ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزے تھے، یا روپے وغیرہ تو بلا تعیین خاص نذر روزہ اور روپیہ ادا ہوں گے یا نہیں؟ صرف نذر ادا کرنے کی نیت کی ان میں سے ایک کو متعین نہیں کیا۔

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر زید کے ذمہ ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزے لازم تھے، تو ان کو بغیر تعیین کے اپنے اوپر لازم شدہ مطلقاً نذر کے روزہ کی نیت کر کے رکھ لینا جائز ہے، مثلاً متعدد اوقات میں چھ روزے لازم ہو گئے ہیں، تو ان کو اس طریقہ سے رکھنا جائز ہے کہ فی الجملہ نذر کے چھ روزے لازم ہیں، لیکن صرف نذر کی نیت سے چھ روزے رکھنا کافی ہو جائے گا، اسی طریقہ سے متعدد بار پانچ، پانچ سو روپے کی نذر مان لی ہے مثلاً تین مرتبہ پانچ سو روپے کے پندرہ سو کی نذر مان لی ہے تو مطلقاً نذر کی نیت سے پندرہ سو روپے فقیروں کو دینے سے نذر پوری ہو جائیگی۔

ولو أصبح صائماً ينوي من اليومين اللذين وجبا عليه أجزاء عن واحد منهما استحساناً وكذلك لو افتتح صوما من ظهارين أجزاء عن واحد منهما استحساناً. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، الصوم، الفصل الثالث فی النية، کوئٹہ ۲/۳۶۰، زکریا ۳/۳۷۳ رقم: ۶۶۰، المحیط البرہانی، المجلس العلمی ۳/۳۴۴، رقم: ۳۰۷۳-۳۰۷۴) وإن وجبت عليه كفارات أيمان متفرقة فأعتق رقاباً بعددهن ولم ينو لكل يمين رقبة بعينها أو نوى في كل رقبة عنهن أجزاء استحساناً. (ہندیہ، الأیمان، الفصل الثانی فی الکفارة، زکریا قدیم ۲/۶۴، جدید ۲/۷۰، المبسوط، دارالکتب العلمیة بیروت ۸/۱۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۹/۲/۱۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۸ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۷۹)

**شوہر کو چلہ کی جماعت میں بھیجنے کی نذر کا شرعی حکم**

**سوال [۷۴۶۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اپنے شوہر کو ۴۰ روپے کے

لیے جماعت میں بھیجوں گی، اب ہندہ کا فلاں کام ہو گیا، ہندہ کی ہر ممکن کوشش کے باوجود ہندہ کا شوہر جماعت میں جانے کے لیے تیار نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ جب ہندہ کو اپنے شوہر پر قوت حاصل نہیں ہے تو ہندہ کی نذر شرعاً معتبر ہوئی یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو ”الدرین یسر“ کے پیش نظر ہندہ اپنے بیٹے یا کسی اجنبی کو ۳۳۳۳ روپے دے کر جماعت میں بھیج سکتی ہے؟ جب کہ ہندہ نے یکبارگی ۴۰ روپے دے کر جانے کی قید نہیں لگائی تھی، اب ہندہ اپنی نذر سے کیسے بری الذمہ ہو سکتی ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمر حسن آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب ہندہ کو اپنے شوہر پر قوت حاصل نہیں ہے تو ہندہ کا شوہر کو چالیس دن کی جماعت میں بھیجنے کی نذر شرعاً معتبر نہیں ہوئی، کیونکہ نذر کی صحت کے لیے جہاں اور بھی شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عبادت مقصودہ کی نذر مانا جائے، لہذا اس نذر کو پوری کرنے کے لیے کسی صورت کو اپنانے کی ضرورت نہیں، فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

عن عمران بن حصین <sup>رض</sup> قال: قال رسول اللہ <sup>صلی اللہ علیہ وسلم</sup>: لا وفاء لنذر فی معصیة ولا فیما لا یملک العبد. (صحیح مسلم ۴۵/۲)

النذر إن كان فی المباح أو فی المعصیة فلا یلزمه ..... والأصل فی ذلك أن كل ما كان له أصل فی الفروض لزم النادر بنذره و كل ما لم یكن له أصل فی الفروض لزم النادر بنذره فالذی له أصل: الصوم والصلاة والحج والصدقة والاعتكاف، والذی لا أصل له فی الفروض: عیادة المریض، وتشیيع الجنائزة ودخول المسجد، وفی السراجیة: بناء الرباط والسقابة والقنطرة ونحوه. ۵. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، كتاب الإیمان، الفصل السادس والعشرون: فی النور، زکریا ۲۸۱/۶، رقم: ۹۳۷۶، بدائع الصنائع زکریا ۲۲۷-۲۲۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ

۱۴۳۶/۶/۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۹۶/۴۱)

## جماعت میں سال لگانے کی نذر ماننا

**سوال [۷۴۶۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک سال تبلیغی جماعت میں جانے کی نذر مانی تو اس کی یہ نذر ماننا درست ہو گیا یا نہیں، اگر اس کی نذر درست ہے تو کیا اس کا درمیان سال میں گھر آنا درست ہے یا نہیں؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** مذکورہ صورت میں اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں، کیونکہ نذر کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت مقصودہ میں سے ہو اور تبلیغ عبادت مقصودہ نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۹۱)

ومنها أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعبادة المرضى  
وتشيع الجنائز والوضوء والاغتسال و دخول المسجد الخ . (بدائع الصنائع،  
كتاب النذر، زكريا ۴/۲۲۸، كراچي ۵/۸۲، المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية  
بيروت ۳/۱۲۸، الدر مع الرد زكريا ۵/۵۱۶، كراچي ۳/۷۳۵) فقط والله سبحانہ وتعالى اعلم  
الجواب صحیح:  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۶ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۹۴)

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۷/۸/۸ھ

## امام و مؤذن کو کھانا دینا بہتر ہے یا اس کی رقم

**سوال [۷۴۶۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل مراد آباد شہر میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ حادثہ سے نجات یا بیماری سے شفا پانے کے بعد عموماً بکرا ذبح کر کے یا سالم زندہ بکرا اپنے کو اور کبھی پکا کر گھر بلا کر کھانا کھلانے کو ہی تمام دیگر طریقوں پر ترجیح دی جاتی ہے، حالانکہ کبھی کبھی بھی ضرورت مندوں کو دیگر اشیاء کی، گوشت خوری سے بھی شدید ضرورت ہوتی ہے یا مسجد میں کام ہو رہا ہے یا کسی دینی مدرسہ میں سخت پریشانی ہوتی ہے مگر

جان کے بدلے میں جان کے تصور سے صرف بکرا ذبح کرنے یا زندہ دینے ہی کو ترجیح دی جاتی ہے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تمام طریقہ ہائے صدقات میں کونسا طریقہ سب سے افضل ہے؟

(۲) ہر جمعرات کو مسجد کے مؤذن اور اماموں کے حجروں میں کھانا بھیجا جاتا ہے جو ایک ڈھیر کی شکل اختیار کر جاتا ہے، اور وہ روٹیاں سکھا کر فروخت کر دیتے ہیں، کیا روٹی کھانے کے بجائے مستحق امام یا مؤذن کو نقد دینا افضل ہے، یا کھانا ہی بھیجنا چاہیے یا اس قدر روپے مسجد کے لیے بھیج دیں کہ بلب اور دیگر ضروریات حاصل ہو جائیں، دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ افضل ہے، اور کس میں زیادہ ثواب ہے؟

المستفتی: امیر احمد خاں، مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر امام مسجد کے لیے کھانا متعین کر لیا گیا ہے تو مذکورہ صورت میں مسجد کے بلب وغیرہ کے لیے پیسہ دینے سے ذمہ داری ادا نہ ہوگی، بلکہ امام و مؤذن کو کھانا یا اس کی قیمت دینے سے ہی ذمہ داری ادا ہو سکتی ہے، اور اگر آپ نے اپنے اوپر امام و مؤذن دونوں کے لیے کسی چیز کھانا وغیرہ کی ذمہ داری نہیں لی ہے تو آپ کو اختیار ہے چاہے کھانا بھیج دیں یا اس کی قیمت ہدیہ کر دیں یا اتنا پیسہ مسجد کو ضروریات کے لیے دیدیں اس میں آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة کیف ما شاء. (بیضاوی

مکتبہ رشیدیہ ۷/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۳۱/۲۸)

## حرام کام پر مانی ہوئی منت کا پورا کرنا

**سوال [۷۷۷۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر کوئی شخص حرام کام کرنے پر منت مانے تو وہ کام پورا ہو جانے سے منت ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** ایسی صورت میں کفارۃ یمین ادا کرنا اس پر لازم ہے۔  
عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: من نذر نذرا لم يسمه، فكفارتہ كفارة یمین، و من نذرا نذرا فی معصية فكفارتہ كفارة یمین، و من نذر نذرا لا يطيقه فكفارتہ كفارة یمین، و من نذر نذرا أطاقه فليف به. (سنن أبی داؤد، الأیمان والنذور، باب من نذر نذرا لا يطيقه، النسخة الهندية ۴۷۲/۲، دار السلام رقم: ۳۳۲۲)

علق النذر بما هو معصية كقوله إن كلمت أبی فعلي نذر فهو كما لو علقه بمباح إن أبهم وكان عليه أن يحنث نفسه و يكفر لأنه إذا عرى عن النية فهو یمین و إن نوى شيئا بعينه فهو على ما نوى و لا يحنث نفسه في المباح. (بزازيه، كتاب الأیمان، النوع الثالث في النذر، زكريا جديد ۱/۱۷۷، و على هامش الهندية ۲۷۲/۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۸)

## کام ہونے پر صدقہ کرنے کی نذر ماننا

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منت ماننے کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ اگر میرے عزیز کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو بکرا کٹوادوں گا، اسی طرح کاروباری معاملات کرنے ہیں کسی شخص نے کوئی کاروبار شروع کیا اور اس نے شروع میں ہی صدقہ کر دیا کہ اللہ برکت عطا فرمائیں، کاروبار میں اتار چڑھاؤ تو

آتے ہی رہتے ہیں، وہ کسی کاروباری پریشانی میں گھر گیا، مثلاً اس کی رقم کسی خریدار نے روک لی، تو اس نے صدقہ شروع کر دیا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس سے اس کی پریشانی دفع فرمادیں، اور ایک شکل اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ منت مان لے کہ جب میری یہ رقم آجائے گی تو میں صدقہ کروں گا، امید ہے کہ مطلب واضح ہو گیا ہوگا۔

المستفتی: جاوید اقبال، واجد نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** یہ شکل درست ہے اور جب شفا یاب ہو جائے یا رقم آجائے تو جو صدقہ متعین کر لیا تھا وہ واجب ہو جائے گا۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ [الحج: ۲۹]

عن عائشة عن النبي ﷺ قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه. (صحيح البخاري،

الأيمان والنور، باب النذر في الطاعة، النسخة الهندية ۲/۹۹۱، رقم: ۶۴۴۰، ف: ۶۶۹۶)

ومن نذر نذر مطلقاً فعليه الوفاء ..... بما سمى و إن علق النذر بشرط

فوجد الشرط فعليه الوفاء بنفس النذر. (ہدایہ، کتاب الأیمان، باب ما یكون یمینا وما لا یكون

یمینا اشرفی ۲/۴۸۳، المبسوط للسخسی دار الکتب العلمیة بیروت ۸/۱۳۶، الدر مع الرد،

کرچی ۳/۷۳۵، زکریا ۵/۵۱۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۶۰)

## قبروں پر دودھ چڑھانا

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ذن کے دوسرے یا تیسرے دن کے بعد عورتوں کا دودھ کا پیمانہ لے جا کر قبر پر رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب بساڈ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** قبروں پر دودھ یا غلہ یا شیرینی وغیرہ لے جا کر چڑھانے کا مقصد نذر لغیر اللہ ہوتی ہے، فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے اور اس چیز کا کھانا بھی حرام ہے، اس سے بچنا ضروری اور لازم ہے۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ ۲/۳۹۰)

ومما یؤخذ من الدرہم و الشمع و الزیت و غیرہ تنقل الی ضرائح الأولیاء تقربا الیہم فحرام بإجماع المسلمین، و أما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ہو مشاہد کأن یکون لإنسان غائب (الی قولہ) فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه منها أنه نذر مخلوق، والنذر للمخلوق لا یجوز لأنه عبادة، والعبادة لا تكون للمخلوق. (البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، زکریا ۲/۵۲۰-۵۲۱، کوئٹہ ۲/۲۹۸، وھکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند ۶۹۳، الدر مع الرد کراچی ۲/۴۳۹، زکریا ۳/۴۲۷، ہندیہ زکریا قدیم ۱/۲۱۶، جدید ۱/۲۷۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۶۵)

## نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہو؟

**سوال [۷۴۷۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک بکرہ صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے، اس نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہونی چاہیے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: بشیر احمد بنگلوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** نذر کے بکرے کی عمر بھی ایک سال ہونا شرط



ہے، کیونکہ نذر کے جانور میں وہی تمام شرائط ہیں جو قربانی کے جانور میں ہوتی ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ ڈائجیسٹ ۱۴/۶۵، میرٹھ ۲۶/۳۵۳، دارالعلوم ۱۲/۱۰۴)

ولو أوجب على نفسه بدنة..... ولو أوجب جزورا فعليه الإبل خاصة ولا يجوز فيهما إلا ما يجوز في الأضاحي وهي الشني من الإبل والبقر والجذع من الضأن إذا كان ضخما. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، شروط النذر زكريا ۴/۲۳۳، كراچی ۵/۸۵-۸۶)

ولو قال لله على هدي يجب عليه ما يجزئ في الأضحية من الضأن والمعز والإبل أو البقر. (تفسير مطهری، سورة الحج، زكريا ۶/۲۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۰/۴۰)

## نذر کے جانور کی عمر

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صدقہ کرنے کی صورت میں جانور کی عمر متعین ہے کہ کتنے دنوں کا ہو؟  
المستفتی: محمد مظفر عالم کرولہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** شریعت میں نذر کے جانور کو صدقہ کا جانور کہا جاتا ہے اور اس جانور میں قربانی کے شرائط کا ہونا لازم ہے، لہذا اگر بڑا جانور ہے تو مکمل دو سال ہو کر تیسرے سال میں داخل ہو گیا ہو، جیسے کٹر اوغیرہ اور اگر چھوٹا جانور ہے تو ایک سال مکمل ہو کر دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہو جیسے بکر اوغیرہ۔

ولا يؤخذ في الصدقة إلا ما يجوز في الأضحية. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل مقدار الواجب في السوائم، زكريا ۲/۱۳۰، كراچی ۲/۳۲)

ولا يجوز فيهما إلا ما يجوز في الأضاحي وهو الشني من الإبل والبقر

والجذع من الضأن إذا كان ضخما. (بدائع الصنائع، کتاب النذر، شروط النذر، زکریا ۴/۲۳۳، کراچی ۵/۸۵-۸۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۵۳۹)

## بکرے کی نذر مانی تھی لیکن غلطی سے بکری خریدی گئی

**سوال [۷۷۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اللہ کے واسطے ایک بکرا صدقہ کروں گا، پھر وہ کام ہو گیا، وہ آدمی بازار سے صدقہ کی نیت سے بکرا خرید کر لایا، لیکن اتفاق سے دیکھا کہ وہ بکرا نہیں بلکہ بکری ہے، تو مذکورہ صورت میں بکرا ہی صدقہ کرنا ہے؟ اگر خریدے ہوئے جانور کو صدقہ کر دے تو کیا منت کی ادا نیگی سے بری نہیں ہوگا؟ جواب جو بھی ہو صریح جزئیہ کی نشاندہی کر کے احسان فرمائیں؟

المستفتی: مولانا عبد الجلیل خادم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو بکرے کی جگہ بکری کی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں ہے چاہے بالقصد بکری لایا ہو یا بے خبری میں بکری آگئی ہو۔ (مستفاد: از کفایت المفتی ملتان ۲/۲۰۹)

ولو قال لله على أن أذبح جزورا أو أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع

شہادہ جاز. (بزازیہ، کتاب الأیمان، النوع الثالث فی النذر، زکریا جدید ۱/۱۷۷، وعلی ہامش الہندیہ ۴/۲۷۱، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۶۶، جدید ۲/۷۳، مجمع الأنہر، مصری قدیم ۱/۵۴۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۱)

## اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں ایک بکرا ذبح کروں گا

**سوال [۷۷۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر زید نے کہا کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں کوئی ایک بکرا نیا ذبح کروں گا تو ایک بکرا ذبح کرنا نذر معین کہلائیگا یا غیر معین؟

المستفتیہ: عبدالرزاق ابراہیمی شمس العلوم، ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** زید کا یہ کہنا کہ میرا فلاں کام ہو جانے پر ایک بکرا نیا ذبح کروں گا، تو زید کی یہ نذر غیر معین ہے زید پر بکرا ذبح کرنا لازم نہیں ہے، اگر بکرا کے بدلے اس کی قیمت یا قیمت کے برابر کوئی چیز صدقہ کر دے تو بھی کافی ہو جائیگا۔  
(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۵۸، احسن الفتاویٰ ۵/۴۸۳)

**قال للہ علیّ أن أذبح جزورا و أتصدق بلحمہ فذبح مکانہ سبع شیاہ**  
جاز. (الدر مع الرد، کتاب الأیمان، زکریا دیوبند ۵/۵۲۴، کراچی ۳/۷۴۰، البحر الرائق زکریا دیوبند ۴/۴۹۹، کوئٹہ ۴/۲۹۶، فتح القدير دار الفکر مصری ۵/۹۲، کوئٹہ ۴/۳۷۵ زکریا دیوبند ۵/۸۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۳/۲/۱۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۹۰)

مرض سے شفا یابی پر بکرے کی نذر مانی لیکن شفا یاب نہیں ہوا، تو کیا کرے

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک بکرا خریدا اور یہ نذر مانی کہ اگر میں ٹھیک ہو گیا تو اس بکرے کو صدقہ کروں گا پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس بکرے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب ٹھیک ہونے کے بعد بکر اصدقہ کرنے کی نذر مانی ہے اور ٹھیک نہیں ہو اور وفات پا گیا تو شرعاً مذکورہ بکر اصدقہ کرنا واجب نہیں رہا بلکہ ورثاء اس کو میراث میں تقسیم کر سکتے ہیں، ہاں البتہ بطور ایصال ثواب کے اس بکرے کی قیمت کو غرباء کے درمیان تقسیم کر دیں تو ان شاء اللہ میت کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا۔

فإن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي أو شفهي مريض يوفى وجوباً  
إن وجد الشرط. (الدر المختار، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ۵/۵۲۱، كراچی ۳/۷۳۸،

حاشية الطحطاوى على المرقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ص: ۶۹۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۹۶)

**اولاد کی خوشی میں بکرے اللہ کے نام قربان کرنے کی منت ماننا**

**سوال [۷۷۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ماں اپنی اولاد کی خوشی میں منت مانے یا اس کی حفاظت جان کی وجہ سے، کہ میں سات بکرے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں گی ایسی حالت میں جب کہ وہ اتنی استطاعت نہ رکھتی ہو تو کیا وہ قسطوں میں ادا کر سکتی ہے، بکرے ہی ذبح کرنے ہیں یا بکری اور اس کی قیمت مال کی شکل میں صدقہ کر سکتی ہے؟ اور اس کی عمر یعنی جانور دو نوتا یا اونہ ہونا چاہیے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ضیاء الرحمن محلہ اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اس ماں نے اپنی اولاد کی خوشی میں یا حفاظت جان کی خوشی میں سات بکرے قربانی کرنے کی منت مانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اولاد کی دولت کے ذریعہ خوشی کا موقعہ عنایت کیا اور جان کی حفاظت فرمائی ہے تو ایسی صورت میں سات بکرے قربانی کرنا

لازم ہے، البتہ ایک ساتھ سات کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قسطوں میں کرنے کی اجازت ہے، لہذا جیسے جیسے استطاعت ہو ویسے ویسے ایک ایک دو دو بکرے فقراء میں تقسیم کر دے، اسی طریقے سے جتنے دنوں میں گنجائش ہو اتنے دنوں میں سات بکرے مکمل کر سکتی ہے۔

عن ثابت بن الضحاک أن رسول الله ﷺ قال: من حلف على ملة غير الإسلام فهو كما قال، وليس على ابن آدم نذر فيما لا يملك. (صحيح البخاری، الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ۲/۸۹۳، رقم: ۵۸۱۲، ف: ۶۰۴۷)  
لو التزم بالنذر أكثر مما يملكه لزمه ما يملك هو المختار. (الهندية كتاب الأيمان، الباب الثاني زكريا قديم ۲/۶۵، جديد ۲/۷۱)

ونذر أن يتصدق بألف من ماله وهو يملك دونها لزمه ما يملك منها.

(الدر المختار مع الشامی، زکریا ۵/۵۲۵، کراچی ۳/۷۴۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۰۰)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۲/۱/۱۴۲۵ھ

## کیا اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں؟

**سوال [۷۷۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے کوئی بکر یا دنبہ وغیرہ اللہ کے نام پر رکھ چھوڑا کوئی قربانی یا صدقہ وغیرہ میں ذبح کرنے کی نیت نہیں کی صرف مقصد اتنا تھا کہ اللہ کے نام پر اس کو ذبح کروں گا، تو کیا ایسا جانور قربانی یا صدقہ واجبہ مثلاً نذر و نیاز وغیرہ کی تکمیل میں ذبح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟  
المستفتی: یوسف علی بجنوری، خادم مدرسہ فیض القرآن نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب کوئی جانور بکر یا دنبہ وغیرہ اللہ کے نام پر چھوڑا اور اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کی تھی تو اب یہ جانور مستقل طور پر نذر کا

ہو گیا، ایسا جانور قربانی یا صدقہ واجبہ نذرو نیاز کی تکمیل میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسا جانور فقراء کا حق بن جاتا ہے، لہذا اسے ذبح کر کے فقراء کو کھلانا ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/۲۰۸، مطول زکریا دیوبند ۹/۱۵۱، رقم المسئلہ: ۳۷۰۵)

﴿وَلْيُؤْفُوا نَذْوَرَهُمْ﴾ . [الحج: ۲۹] ﴿فَقَطِّ وَاللَّهِ سَجَانَهُ وَتَعَالَى الْعِلْمُ﴾

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۱۲/۳۴)

## اولیاء کی قبروں پر مرغا بکرا ذبح کرنے سے متعلق سوالات

**سوال [۷۲۸۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکرا، مرغا اولیاء اللہ کی نذر ماننا اور ان کی قبروں پر ذبح کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اور ایسا شخص مؤمن ہے کہ نہیں اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کا ذبیحہ کھانا اس کو زکوٰۃ دینا اس سے شادی بیاہ کرنا کیسا ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شبیر احمد رائے پورہ، سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اولیاء اللہ کی نذر ماننا اور ان کی قبروں پر بکرا مرغا ذبح کرنا انتہائی فعل شنیع ہے، ایسی نذر باطل ہوتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور ایسا شخص بدعتی اور فاسق ہے، ایسیدعتی اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور فاسق مسلمان کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے، اور فاسق مسلمان اگر مستحق زکوٰۃ ہے تو اسے زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

وأما النذر الذی ینذره أكثر العوام علی ما هو مشاهد كأن یکون لإنسان غائب أو مریض أو له حاجة ضرورية فیأتی بعض الصلحاء فیجعل ستره علی رأسه فیقول یا سیدی فلان إن رد غائبی أو عوفی مریضی أو قضیت حاجتی فلک من الذہب (إلی قوله) فهذا النذر باطل بالإجماع.

(البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، کراچی ۲/۲۹۸، زکریا ۲/۵۲۰)

ویکرہ امامہ عبد و اعرابی و فاسق. (شامی، کراچی ۱/۶۱۱، زکریا ۲/۲۹۹)  
فإن ذبح کل مسلم و کل کتابی حلال (الی) برا کان أو فاجرا. (الفقه

فی الفتاویٰ، من یجوز ذبحه ۱/۲۲۸)

ولا یجوز صرفها لأهل البدع و تحته فی الشامیة: فالمراد هنا بالبدع  
المکفرات. (شامی زکریا ۳/۳۰۴، کراچی ۲/۳۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۳/رجب المرجب ۱۴۳۱ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۳/۷/۱۴۳۱ھ  
(الف فتاویٰ نمبر: ۱۰۱۵۸/۳۹)

بیماری سے شفا یاب ہونے پر بزرگ کے مزار پر بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا

**سوال [۷۲۸۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے خاندان میں سے کوئی بیمار ہو تو زید نے منت مانی کہ اگر ان کو اس بیماری سے شفا یابی ہو جائے تو میں فلاں بزرگ کے مزار میں بکرا ذبح کروں گا، بعدہ ان کو شفا یابی ہو گئی، اور وہ شخص اپنی منت کو پورا کرنے کے واسطے متعین شدہ مزار میں جا کر بکرا ذبح کر کے اپنی منت کو پورا کرتا ہے تو یہ فعل کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز، اگر جواز کی صورت ہے تو اس گوشت کو کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے، فقراء میں یا صاحب نصاب بھی ان میں داخل ہے؟  
المستفتی: محمد صدیق اللہ مدنا پوری مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** زید نے فلاں بزرگ کے مزار میں ذبح کرنے کی جو منت مانی ہے اس سے مقصود اگر صاحب مزار بزرگ کا تقرب ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو یہ نذر صحیح نہ ہوگی بلکہ اس طرح کی نذر ماننا معصیت اور حرام ہے، اور اگر ذبح سے مقصود تقرب الی اللہ اور تصدق ہو تو یہ نذر صحیح ہے کسی بھی جگہ بکرا ذبح کر کے غرباء میں گوشت تقسیم کر سکتے ہیں، اس بزرگ کی مزار میں جا کر ذبح کرنا بدعت اور بد عقیدگی ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام إلى ضرائح الأولياء الكرام تقربا إليهم فهو بالإجماع باطل و حرام. (درمختار مع رد المحتار كراچی ۲/۴۳۹، زكريا ۳/۲۷۴، ہندیہ زكريا قديم ۱/۲۱۶، جديد ۱/۲۷۹، البحر الرائق كوئٹہ ۲/۲۹۸، زكريا ۲/۵۲۱، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۶۹۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۷ھ/۳۶۲۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۷ ربيع الاول ۱۴۱۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۲۷۷)

## دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا

**سوال [۷۸۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض کو جنگل جھاڑ میں جا کر آنے کے بعد بخار و بیماری لگ جاتی ہے پھر وہ یا اس کے متعلقین اس کے شفا یاب ہونے پر دیوی کے نام سے یا فلاں مزار کے فلاں پیر کے نام سے مرغا اور مینڈھا اور بکرے کی منت مانتے ہیں اور اس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ ہی کا نام لیتے ہیں اور پھر اس کو خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں تو ایسا جانور کھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا ناجائز اور حرام ہے، اور موجب کفر بھی ہو سکتا ہے، ایسا کرنے والوں پر توبہ و استغفار لازم ہے، البتہ اگر جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کر دیا جائے تو مالک اور غیر مالک سب کے لیے کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱/۳۱۸، امداد الفتاویٰ ۵/۳۵۹، فتاویٰ رشیدیہ قدیمہ ۲۸۹، جدید زکریا ۷۶۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۶ ربيع الاول ۱۴۱۶ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۳۹۵)



## صدقہ بکرے کا کریں یا قیمت کا؟

**سوال [۷۴۸۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے بچے کی پیدائش پر ایک سال کے بعد یہ ارادہ کیا تھا کہ ہر سال اس کی پیدائش کی تاریخ پر یا کچھ آگے پیچھے ایک بکرہ صدقہ کر دیا کروں گا، لڑکا ماشاء اللہ اکیس سال کا ہو گیا، اس بار وہ کہتا ہے کہ صدقہ بکرے کا نہیں کرنا چاہیے، ویسے ہی پیسے دیدینا چاہیے، جبکہ ہمارا دل اس بات کو نہیں مان رہا ہے کہ جس چیز کا صدقہ ہم نے بول رکھا ہے اس سے ہٹ کر کیا جائے؟

المستفتی: ضیاء الحق اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسئلہ صورت میں آپ کو اختیار ہے، خواہ آپ بعینہ بکرے کو صدقہ کریں، یا اس کی قیمت صدقہ کریں، اس کی وجہ سے نذر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن بہتر یہ ہے کہ بجائے بکرے کے بکرے کی قیمت صدقہ کر دیں اس لیے کہ اس سے فقیروں کی ضرورت زیادہ پوری ہو سکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۵۸)

بخلاف النذر بالتصدق بشاتین و سطین فتصدق بشاة بقدرهما جاز لأن المقصود إغناء الفقير وبه تحصل القربة وهو يحصل بالقيمة. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، زکریا ۳/۲۱۱)

بخلاف النذر بالتصدق بأن نذر أن يتصدق بشاتین و سطین فتصدق بشاة بقدرهما جاز لأن المقصود إغناء الفقير وبه تحصل القربة وهو يحصل بالقيمة. (حاشیہ علی حلی علی تبیین الحقائق، کتاب الزکاة فصل فی الغنم، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۷۱،

زکریا ۲/۵۹، لبحر الرائق، کوئٹہ ۲/۲۲۱، زکریا ۲/۳۸۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۳ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

۳/۲۸/۱۴۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۶۱)

## نذر کے بکرے کی قیمت سے نذر پوری کرنا

**سوال [۷۴۸۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی ہے اگر میں بیماری سے شفایاب ہو گیا تو بکرہ صدقہ کروں گا اب زید شفایاب ہو گیا تو اب سوال یہ ہے کہ بکرے کا ہی صدقہ کرنا ضروری ہے یا اس کی قیمت سے بھی نذر پوری کی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بکرے کا صدقہ کرنا ضروری نہیں، اس کی قیمت

سے بھی نذر کا پورا کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۵۸، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۰۱)

رجل قال إن نجوت من هذا الغم الذي أنا فيه فعلي أن أتصدق بعشرة دراهم فاشتري بعشرة دراهم خبزا فتصدق بعين الخبز أو ثمن الخبز يجزيه. (التاتارخانية، الأيمان، الفصل السادی والعشرون في النذور ۶/۲۸۳، رقم: ۹۳۸۰، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۶۲، جدید ۲/۷۲، قاضیخان زکریا جدید ۱/۱۶۵، وعلی ہامش الہندیۃ ۱/۲۶۹)

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوی العشرة كتصدقہ بثمانہ. (شامی زکریا ۵/۵۲۵، کراچی ۳/۷۴۱، مجمع الأنہر، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲۷۶، مصری قدیم ۱/۵۴۸)

ولو نذر أن يتصدق بخبز كذا فتصدق بقيمة جاز. (تفسیر مظہری، مکتبہ زکریا ۶/۲۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۱۱۵۲۱/۴۰)

## کیا بکرہ صدقہ کرنے کی نذر میں قیمت ادا کرنا کافی ہے؟

**سوال [۷۴۸۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام پورا ہو جائے تو ایک مخصوص مقدار میں غرباء پر بکرے صدقہ کروں گا، زید کی نذر پوری ہو جاتی ہے، تو کیا بکروں کا ہی صدقہ کرنا ضروری ہے، یا ان کی قیمت بھی فقراء پر صدقہ کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: راشد حسین امر وہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب زید کا کام پورا ہو گیا تو اس پر نذر پوری کرنا واجب ہے، اس کو اس بات کا اختیار ہے کہ جو مخصوص مقدار اس کی نیت میں تھی اس مقدار کے زندہ بکرے صدقہ کر دے یا اس مقدار کے برابر قربانی کے شرائط کے مطابق اتنی تعداد کے بکرے خرید کر ذبح کر کے گوشت فقراء میں تقسیم کر دے، یا اتنے پیسے کا بازار سے گوشت خرید کر صدقہ کر دے، یا اتنے پیسے غریبوں میں تقسیم کر دے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۵۱، احسن الفتاویٰ ۵/۲۸۳)

عن خوات بن صالح بن خوات بن جبیر عن أبيه عن جده قال: مرضت فعاد النبي ﷺ فلما برأت قال: صح جسمك يا خوات ف للہ بما وعدته، قلت: ما وعدت للہ شيئا، قال: إنه ليس من مريض يمرض إلا نذر شيئا، و نوى شيئا من الخير، فف للہ بما وعدته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۴/۲۰۵، رقم: ۴۱۴۸)

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقہ بثمانه. (در مختار، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير زكريا ديوبند ۵/۵۲۵، كراچي ۳/۷۴۱، حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۶۹۸، تبين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ۱/۲۷۱، زكريا ۲/۶۰، هندية زكريا قديم ۲/۶۶، جديد ۲/۷۲، تاتارخانية كوئٹہ ۵/۴۲، زكريا ۶/۲۸۳ رقم: ۹۳۸۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۴۳)

## نذر شدہ جانور کی قیمت کھلانے کے علاوہ دوسرے کاموں میں لانا

**سوال [۷۴۸۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صدقہ کی نیت سے زید نے جانور ذبح کر کے مدرسہ کے بچوں کو کھلانے کے لیے مدرسہ کے ذمہ دار کے پاس رقم دی (جانور کی قیمت) تو کیلیدہ رقم مدرسہ کے دوسرے اخراجات میں خرچ کی جاسکتی ہے، یا جانور ہی ذبح کر کے گوشت کھلانا ہوگا، کیونکہ ایسے جانور ذبح کرنے کے لیے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے بطور صدقہ جانور ذبح کر دیجئے، اس لیے یہ سوال حاضر خدمت ہے؟

المستفتی: ریاض الدین خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جانور ہی ذبح کر کے کھلانا ضروری نہیں بلکہ بازار سے گوشت خرید کر اور کھانے پینے کے دوسرے سامان خرید کر کسی بھی طرح کے کھانے کی شکل میں طلبہ پر خرچ کر دیا جائے تو بھی جائز ہے، لیکن مدرسہ کے دوسرے اخراجات میں خرچ کرنا درست نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۲۲)

النذر لا یختص بزمان و مکان و درہم و فقیر فلو نذر التصدق  
یوم الجمعة بمکة بهذا الدرہم علی فلان، فخالف جاز. (شامی زکریا ۵/۵۲۴،  
کراچی ۳/۷۴۰، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند ۶۹۶)

و کذا یظہر منه أنه لا یتعین فیہ المکان و الدرہم و الفقیر لأن  
التعلیق إنما أثر فی انعقاد السببۃ. (شامی زکریا ۵/۵۲۴، کراچی ۳/۷۴۱)  
وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر و الکفارة و النذر و غیر ذلك من الصدقات  
الواجبة کما فی القہستانی. (شامی زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ علم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

۱۴۲۴/۳/۲

(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۵۶/۳۶)

## نذر کے جانور کا مصرف

**سوال [۷۴۸۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کی بیٹی کی منگنی ہوئی اور شادی کی بات چیت مکمل ہو گئی اس پر انہوں نے مدرسہ میں دو بکرے بھیجے کہ ان بکروں کو بھیج رہا ہوں قبول فرمائیں، اور دعا کرا دیں کہ شادی وغیرہ بھی خیریت سے ہو جائے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان بکروں کو مدرسہ کے جلسہ میں مہمانوں کی ضیافت کے لیے ذبح کرایا جاسکتا ہے، یا طلبہ ہی کے لیے پکوا یا جائے جو بھی شریعت کا حکم ہو تحریر فرمادیں؟  
المستفتی: بشکلیں احمد ڈھکے اوجھاری امر وہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو دو بکرے مدرسہ میں بھیجے وہ اگر بیٹی کی منگنی کی خوشی میں بھیج رہا ہے تو مدرسہ میں سب کے لیے کھانا جائز ہے، لہذا مدرس کے کھانے، مہمان کی ضیافت اور طلبہ کے کھانے وغیرہ میں شامل کرنا جائز ہے، اور اگر مذکورہ صاحب نے پہلے سے نذر مان رکھی تھی کہ اگر بیٹی کا رشتہ ہو جائے تو مدرسہ میں دو بکرے دوں گا، تو ایسی صورت میں یہ دونوں بکرے نذر کے ہوں گے، صرف طلبہ ہی کھا سکتے ہیں، ضیافت وغیرہ میں استعمال نہیں ہو سکتے۔

**فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به، وفي الفتاوى العتابية: و كذلك يجوز النقل للغنى.** (تاتارخانیہ، کتاب الزکوٰۃ، الفصل الثامن

فیمن توضع فیہ الزکاة، کراچی ۲/۲۷۵، زکریا ۳/۲۱۴، رقم: ۴۱۵۵)

**مصرف الزکاة والعشر: هو فقير وهو من له أدنى شئ (در مختار) وفي الشامی: وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة.** (شامی کراچی ۲/۳۳۹، زکریا ۳/۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

۱۴۳۱/۲/۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۴۰/۳۹)

## صدقہ نافلہ اور نذر معین و غیر معین کے بکرے کا مصرف

**سوال [۷۲۸۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو لوگ صدقہ نافلہ اور نذر معین اور غیر معین میں بکرا، دنبہ وغیرہ ذبح کرتے ہیں اسی طرح جو یونہی نیاز وغیرہ کے نام پر کھانا کھلاتے ہیں کیا ان اصناف سے صدقہ کرنے والا اور منت ماننے والا خود اور اپنے اہل و عیال اور صاحب نصاب خویش و اقارب، دوست و احباب کو کھلا سکتا ہے، یا تمام گوشت کا مساکین پر صدقہ کرنا لازم ہے، دلائل کتب فقہ سے نوازیں۔

المستفتی: یوسف علی بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جو جانور صدقہ نافلہ میں ذبح کیا گیا ہو اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اہل و عیال اور صاحب نصاب دوست و احباب وغیرہ کو بھی کھلا سکتا ہے، کیونکہ یہ ان کے لیے ہبہ کے درجے میں ہوگا۔

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني لأنها تجرى مجرى الهبة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، زكريا ۱۵۷/۲، كراچی ۴۷/۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳۲/۲۶، شامی كراچی، ۳۲۷/۶، زكريا ۴۷۳/۹، البحر الرائق كوئٹہ ۲/۴۵۰، زكريا ۴۲۷/۲)

نذر معین و غیر معین اور نیاز نیز صدقات واجبہ میں ذبح ہونے والے جانور کا گوشت نہ نذر کھا سکتا ہے اور نہ اہل و عیال اور مالدار دوست و احباب کو کھلا سکتا ہے، یہ صرف مساکین فقراء کا حق ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳)

أخرج البخاري تعليقا عن ابن عمر: لا يؤكل من جزاء الصيد والنذر ويؤكل مما سوى ذلك. (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۲۳۲/۱ رقم الباب: ۱۲۳)

إذا نذر ذبح شاة لا يأكل الناذر منها ولو أكل فعليه قيمة ما أكل أو مثله

فی الأجناس . (تاتارخانیہ کراچی ۳۱۷/۲، زکریا ۲۶۶/۳ رقم: ۴۳۲۵)

هذا في الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر وإن  
وجبت به فلا يأكل منها شيئاً ولا يطعم غنياً سواء كان النادر غنياً أو فقيراً لأن  
سبيلها التصدق . (شامی زکریا ۴۷۳/۹، کراچی ۳۲۷/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۱۲/۳۴)

## نذر کا بکرا کون کون کھا سکتا ہے؟

**سوال [۷۴۸۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ نے ایک استفتاء ارسال کیا تھا جس میں بکرا صدقہ کرنے کا ذکر تھا، اس استفتاء کا نمبر ۴۶۰۶/۲ ہے، آپ نے تحریر فرمایا کہ سوالنامہ کا جواب صحیح ہے، نذر کا بکرا صرف غرباء کھا سکتے ہیں نہ خود کھا سکتے ہیں، نہ مالدار، میں نے یہ سوال کیا تھا کہ مذکورہ جواب کافی و مکمل ہے یا نہیں؟ اس کی تشنگی باقی ہے، مزید غور فرما کر اس کی سیرابی فرمادیں۔

المستفتی: محمد انوار الحق امر وہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ نے سوالنامہ نمبر ۴۶۰۶ میں سالم بکرا کا بھی سوال کیا ہے، جی ہاں، سالم بکرا بھی دیا جا سکتا ہے کہ مدرسہ والے ذبح کر کے طلبہ کو کھلا دیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ اپنے مکان ہی پر ذبح کر کے طلبہ کی دعوت کر دی جائے مگر طعام میں خود شریک نہیں ہو سکتے۔

أخرج البخاری تعلیقا عن ابن عمر: لا يؤكل من جزاء الصيد والنذر

ويؤكل مما سوى ذلك . (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

عن عطاء قال: ما كان من جزاء صيد أو نسك أو نذر للمساكين

فإنه لا يأكل منه، عن سعيد بن جبیر قال: لا يؤكل من النذر، ولا من الكفارة، ولا مما جعل للمساكين، عن الحكم قال: قال علي: لا يؤكل من النذر، ولا من جزاء الصيد، ولا مما جعل للمساكين. (المصنف لابن أبي شيبة، الحج، في هدى الكفارة و جزاء الصيد، مؤسسة علوم القرآن جديد ۸/ ۴۶، رقم: ۱۳۳۶۳ - ۱۳۳۶۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۷ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۸۹)

## کیا نذر کا کھانا مالدار رشتہ دار کھا سکتے ہیں؟

**سوال [۷۴۹۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص اپنے کام پورا ہونے پر اللہ سے مانی ہوئی منت کا کھانا تقسیم کرتا ہے تو وہ کھانا کیا صرف غریبوں کو ہی تقسیم کیا جاسکتا ہے یا اس میں کچھ اپنے مالدار رشتہ داروں کو بھی تقسیم کر دے تو اس میں شرعی طور سے کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

المستفتی: عبداللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نذر کا کھانا صرف غریب لوگ کھا سکتے ہیں اور خود نذر ماننے والے اور مالدار کے لیے کھانا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۰۳)

عن الحكم قال: قال علي: لا يؤكل من النذر، ولا من جزاء الصيد، ولا مما جعل للمساكين. (المصنف لأبن أبي شيبة، الحج، في هدى الكفارة و جزاء الصيد، مؤسسة علوم القرآن ۸/ ۴۶، رقم: ۱۳۳۶۶)

ناذر لمعينة ولو فقيرا ولو ذبحها تصدق بلحمها (إلى قوله) ولا يأكل النادر منها فإن أكل تصدق بقيمة ما أكل وتحتة في الشامية: الأنسب



آن يقال و لو غنيا . (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، کراچی ۶/ ۳۲۰، زکریا  
۹/ ۶۳-۴۶۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۱۱۶)

## کیا نذر کے گوشت کا مصرف صرف فقراء ہیں؟

**سوال [۷۴۹۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حمل کے دوران میری بیوی کی طبیعت خراب چل رہی تھی تب میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں صدقہ کروں گا اس وقت میرے پاس انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکا، اس وجہ سے آج کر دیا ہے، آپ سے گزارش ہے کہ یہ بتانے کی مہربانی کریں کہ یہ گوشت صرف غریبوں میں تقسیم ہوگا یا کسی عزیز کے یہاں بھی بھیج سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد تعارف محلہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر آپ نے بیوی کے حمل کے زمانے میں نیت کے ساتھ زبان سے بیوی یا اور کسی کے سامنے یا تنہائی میں کہا بھی ہے تو یہ شرعاً نذر ہے اس میں جانور کے اندر قربانی کے جانور کی شرطیں بھی لازم ہیں، اور اس کا گوشت صرف فقراء کھا سکتے ہیں نہ آپ کھا سکتے ہیں نہ ہی کوئی دوسرا مالدار۔

عن خوات بن صالح بن خوات بن جبیر عن أبيه عن جده قال:  
مرضت فعاد النبي ﷺ فلما برأت قال: صح جسمك يا خوات ف للہ  
بما وعدته، قلت: ما وعدت للہ شیئا، قال: إنه ليس من مريض يمرض إلا  
نذر شیئا، و نوى شیئا من الخیر، فف للہ بما وعدته. (المعجم الكبير للطبرانی،

أخرج البخاری تعليقا عن ابن عمر: لا يؤكل من جزاء الصيد والنذر ويؤكل مما سوى ذلك. (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)  
 ولا يجوز فيهما إلا ما يجوز في الأضاحي. (بدائع الصنائع زكريا ۴/۲۳۳،  
 كراچی ۸۵/۵)

ولو قال: إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة (إلى) إلا إذا زاد و أتصدق  
 بلحمها فيلزمه. (الدر مع الرد كراچی ۳/۷۳۹، ۷۴۰، زكريا ۵/۵۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم  
 كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۱۲ ربيع الاول ۱۴۲۰ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۴۰/۶۸۶)

## منت کی شیرینی کے مستحق کون؟ مسجد میں منت کی شیرینی لے جانا

**سوال [۷۹۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں جمعہ کے دن لوگ مسجد میں شیرینی پہنچاتے ہیں کوئی تو منت کی شیرینی دیتا ہے تو کوئی خوشی میں بھجوتا ہے، پھر جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد وہ شیرینی تمام لوگوں اور بچوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا کہ مسجد میں شیرینی منت وغیرہ کی پہنچانا کیسا ہے؟ اس شیرینی کے کھانے کے مستحقین کون لوگ ہیں؟

المستفتی: ابوالمعید قاسمی نعمت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد میں منت وغیرہ کی شیرینی لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر شیرینی نذر و منت کی ہے تو اس کے مستحق فقراء و مساکین ہیں، اغنیاء کو دینا درست نہیں، کیونکہ نذر واجب التصدق ہے جو فقراء کا حق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۳۳)

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ ﴾ . [التوبة: ۶۰]

مصرف الزکاة و هو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والندور .

(شامی زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹)

لیکن مسجد میں اس کا امتیاز کون کر سکتا ہے، اس لیے مالدار لوگ ہرگز نہ کھائیں اور نہ ہی مسجد میں بھیجنے کی رسم جاری رکھیں، بلکہ نذر و منت کی شیرینی بجائے مسجد کے غریبوں کے گھروں میں پہنچانے کی کوشش کریں۔

عن عطاء قال: ما كان من جزاء صيد أو نسك أو نذر للمساكين

فإنه لا يأكل منه. (المصنف لابن أبي شيبة، الحج، في هدى الكفارة و جزاء الصيد مؤسسة

علوم القرآن جدید ۱۴۶/۸ رقم: ۱۳۳۶۳، ۱۳۳۶۵، ۱۳۳۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۷/جمادی الاول ۱۴۲۱ھ

۷/۵/۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۵۴/۳۵)

غریبوں میں تقسیم کی نیت کے بعد گوشت کا خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا

**سوال [۷۹۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بکرا میں نے قربانی کے لیے لیا تھا جو کہ عید الاضحیٰ پر قربانی کے لائق نہیں ہوا، میں نے دوسرا بکرا لاکر قربانی کر دی، اس پہلے بکرے کے لیے میں نے یہ نیت کی تھی کہ اس کو غریبوں میں تقسیم کر دوں گا اب اس کا گوشت اپنے استعمال میں لائیں یا سارا غریبوں میں تقسیم کرنا ہے۔

المستفتی: زاہد حسین شیدی سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** پہلے بکرے جس کے بارے میں غریبوں میں تقسیم

کرنے کی صرف نیت کی ہے اس کو ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت خود کھانا اور غریبوں اور مالداروں میں تقسیم کرنا سب جائز ہے، اس لیے کہ صرف دل سے نیت کرنے سے نذر مکمل نہیں ہوتی

ہے نذر کے لیے زبان سے تلفظ کرنا شرط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۹۹، فتاویٰ دارالعلوم ۱/۱۱۹)

النذر لا تكفي في إيجابه النية بل لا بد من التلفظ به. (الأشباه والنظائر

قديم ص: ۸۹)

فرکن النذر هو الصیغة الدالة علیه. (بدائع الصنائع زکریا ۴/۲۲۶

دارالکتب العلمیة بیروت ۶/۳۳۳، کراچی ۵/۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ رجب الثانی ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۵۹/۲۸)

## ناذر کے اہل خانہ کا نذر شدہ بکرے کا گوشت کھانا

**سوال** [۷۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کی ماں نے زید کے بچپن ہی میں جب زید کی طبیعت خراب ہوئی تھی تو یہ منت مانی تھی کہ اگر زید کی طبیعت صحیح ہوگئی تو میں اللہ کے نام پر ایک بکرہ قربانی کروں گی، اب زید کی طبیعت صحیح ہوگئی ہے اور زید کی ماں اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک بکرہ قربانی کر رہی ہے، لہذا زید کے گھر والوں کے لیے اور زید کے خاندان والوں کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اس بکرے کا گوشت کھانا کیسا ہے، نیز اس طرح کی منت ماننا کیسا ہے؟

المستفتی: افتخار احمد ریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اس بکرے کا گوشت فقراء و مساکین کا حق ہے

انہیں کو کھلانا لازم ہے، زید یا اس کے خاندان والوں و رشتہ داروں کے لیے اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے، نیز اس طرح کی منت ماننا درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/۴۷)

إذا نذر ذبح شاة لا يأكل الناذر. (الفتاویٰ التاتاریخانیة کراچی ۲/۳۱۷،

زکریا دیوبند ۳/۲۶۶ رقم: ۴۳۲۵)

عن عطاء قال: لا يؤكل من جزاء الصيد ولا مما يجعل للمساكين من

النذر و غیر ذلک، ولا من الفدیة، ویؤکل مما سوى ذلک. (إعلاء السنن، الحج، باب يستحب الأكل من لحوم الهدایا الخ، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۵۱۷، رقم: ۳۰۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۹/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۸۵)

## بیماری کا بکرا فقیروں کے لیے بھی ناجائز

**سوال [۷۴۹۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیماری سے شفایابی کے لیے بکرا ذبح کرنا کیسا ہے؟ تاکہ جان کا بدلہ جان ہو اس کا گوشت فقیروں کے لیے کھانا درست ہے یا نہیں؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بیماری سے شفایابی کے لیے جان کا بدلہ جان یا دفع مصائب سمجھ کر جانور ذبح کرنا ناجائز اور حرام ہے، فقیروں کو اس کا گوشت کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ میتہ کے حکم میں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۹، لہد اذ الفتاویٰ ۳/ ۵۷۰، احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۷) ذبح تقدم الأَمیر و نحوہ کو احد من العظماء یحرم لأنہ اهل به لغير الله ولو ذکر اسم الله. (شامی، کتاب الذبائح، زکریا ۹/ ۴۴۹، کراچی ۳۰/ ۶)

والذبح قد یكون للأکل فیكون مباحاً أو مندوباً أو للأضحیة فیكون عبادة أو تقدم أمیر فیكون حراماً وتحتہ فی الحموی فتكون الذبیحة میتة. (الأشباہ مع الحموی، القاعدۃ الثانیة: الأمور بمقاصدها ۱/ ۱۰، مکتبہ زکریا) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۹/ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ۱۹ کتاب الحدود

### ۱ باب القصاص والدية

## مسلمان کو قتل کرنے والے کی معافی کی کیا صورت ہے؟

**سوال [۷۹۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص مسلم نے ایک شخص مسلم کو بلا کسی جرم کے قتل کیا ہے اب اس کی معافی کی کیا صورت ہے؟  
(۲) اسی طرح ایک مسلم نے ایک شخص مسلم کو جبکہ وہ اس کو تنگ کرتا تھا قتل کر دیا ہے، اس کی معافی کی کیا صورت ہے تاکہ آخرت کی پکڑ سے بچ جائے۔

المستفتی: محمد اشرف قاسمی مدرس عربی کالج بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** (۱-۲) عداً قتل کرنے والے اگر اپنے آپ کو اولیاء مقتول کے سپرد کر دیں اور اولیاء مقتول معاف کر دیں تو دنیا میں وہ بری ہو گیا، البتہ آخرت کے لیے خداوند قدوس سے توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ مقتول کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہے تو ممکن ہے کہ آخرت کے مواخذہ سے محفوظ ہو جائے گا۔

عن أبی سعید الخدری أن النبی ﷺ قال: كان فيمن قبلكم رجل قتل تسعة و تسعين نفسا الخ. (صحيح مسلم، كتاب التوبة، باب قبول توبة القاتل و

اعلم أن توبة القاتل لا تكون بالاستغفار و الندامة بل يتوقف على إرضاء أولياء المقتول ..... فإن عفوا عنه كفته التوبة و قدمنا أنفا أنه بالعفو عنه يبرأ في الدنيا الخ. (شامی، کتاب الجنایات، قبیل باب القود فیما دون النفس، کراچی ۶/۵۹۹ زکریا ۱۰/۱۹۵، الفقه الاسلامی و أدلته، مکتبہ ہدی انٹرنیشنل دیوبند ۶/۱۶۸، دار الفکر ۷/۵۵۷۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۰۳۵)

## ساڑھے سات ماہ کے حمل کو نکلوا کر پھینکنے والی عورت کا حکم

**سوال [۷۹۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی بیوی نے بغیر شوہر کی اجازت کے ساڑھے سات ماہ کے حمل سے زندہ بچہ نکلوا کر زندہ بچہ پھینک دیا ہو اور وہ بچہ مر گیا ہو اور اس فعل میں کچھ اور لوگ شریک ہوں اور شوہر کو ۶/۵ دن بعد اس فعل قبیح کا پتہ چلا ہو تو ایسی صورت میں بیوی اور شریک لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسی بیوی کو نکاح میں رکھنا کیسا ہے؟ جبکہ اس کا شوہر اس کے اس فعل کی وجہ سے بیحد پریشان اور ناراض ہے؟

المستفتی: محمدناصردولت باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ایسی عورت اور اس کام میں شریک ہونے والے قتل کے گناہ کے مرتکب ہیں اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ان پر دیت لازم ہو جاتی یہ سب لوگ گناہ عظیم کے مرتکب ہیں۔

لا یخفی أنها تأثم إثم القتل لو استبان خلقه ومات بفعلها. (شامی، کتاب

الديات، قبیل باب ما یحدثه الرجل فی الطریق وغیره، زکریا ۱۰/۲۵۵، کراچی ۶/۵۹۱)

نیز دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا واجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے نادم ہو کر توبہ کرنا بھی ضروری ہے۔

و کفار تہما أى الخطأ وشبه العمدة عتق قن مؤمن فإن عجز عنه صام  
شہرین و لاء. (در مختار کراچی ۶/۵۷۴، زکریا دیوبند ۱۰/۲۳۱-۲۳۲)  
ایسی عورت شرعاً فاسقہ ہے، شوہر کی مرضی ہے چاہے اس کو رکھے اور چاہے طلاق  
دے کر الگ کر دے، اور اس کو طلاق دے کر الگ کر دینا شوہر پر لازم نہیں ہے۔

و لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة. (در مختار کراچی ۲/۴۲۷، زکریا  
دیوبند ۹/۶۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۷۸)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۹/۱۲/۱۴۱۳ھ

## زانیہ بیوی کو چاقو سے مارنے والا شخص قاتل ہے

**سوال [۴۹۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: زید کی بیوی ہندہ شادی سے قبل ناجائز تعلقات کی بنا پر دو لڑکوں کی ماں بن چکی  
تھی، شادی کے ایک ماہ بعد ساری تفصیلات زید کے گھر والوں کو معلوم ہوئیں جس کی شہادت  
ہندہ نے اپنی زبانی چار گواہوں کی موجودگی میں دی، اس کے بعد زید نے اپنی اس بیوی ہندہ کو  
چاقو مار کر قتل کر دیا تو کیا ایسی صورت میں زید پر قتل کا گناہ تو نہیں ہوا؟ ہوا تو کفارہ کیا ہے؟ البتہ  
ان دونوں بچوں کو ہندہ دو اول کے ذریعے اسقاط کرا چکی تھی، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: منزل حسین، شولا پور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جی ہاں ایسی صورت میں زید پر قتل کا گناہ ہوگا کیونکہ  
زنا کا ثبوت ہونے کے بعد بھی شوہر یا کسی اور شخص کو قتل یا حد شرعی کا اختیار نہیں ہوتا ہے، حدود



شرعی صرف حاکم مسلم ہی جاری کر سکتا ہے، نیز دارالاسلام ہونا بھی شرط ہے، اور ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے، اس لیے یہاں کسی کو حدود شرعی قائم کرنے کا حق نہیں ہے، لہذا شوہر سخت ترین گناہ کا مرتکب ہو گیا، اس کو توبہ و استغفار کر کے اپنے گناہ کی معافی کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کرنا لازم ہے، نیز بیوی کے لیے مغفرت کی دعا کرنا چاہیے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۹۸)

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال: لا تقام الحدود فی دار الحرب مخافة أن يلحق أهلها بالعدو، عن حکیم بن عمیر أن عمر رضی اللہ کتب إلى عمیر بن سعد الأنصاری و إلى عماله أن لا یقیموا حدا علی أحد من المسلمین فی أرض الحرب. (السنن الكبرى للبيهقي، السير باب من زعم لا تقام الحدود فی أرض الحرب، دار الفکر ۱۳/۴۱۵ رقم: ۱۸۷۳۴-۱۸۷۳۵)

ولا حد بالنزنا فی دار الحرب. (الدر المختار، کتاب الحدود، مطلب الزنا شرعا لا یختص بما یوجب الحد بل أعم، کراچی ۴/۵ زکریا دیوبند ۶/۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۹۶)

## زانی وزانیہ کی سزا

**سوال [۷۴۹۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکا غیر شادی شدہ ایک شادی شدہ عورت کو لے کر چلا گیا جبکہ اس عورت کا شوہر موجود ہے اب چند ماہ کے بعد وہ عورت اپنے شوہر کے یہاں آگئی ہے تو دیارفت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت اور اس لڑکے کو جو اس عورت کو لے کر گیا تھا کیا سزا دی جائے، خطرہ یہ بھی ہے کہ اگر اس کے اوپر قدم نہ بڑھایا گیا تو معاشرہ خراب ہو جائیگا؟

المستفتی: سلیم الدین قاسمی مولویان، سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** غیر شادی شدہ لڑکے کا شادی شدہ عورت کو بھگا

کریجانے کی صورت میں ان کے لیے حدود شرعی ہیں، اور حدود شرعی قائم کرنے کے لیے حکومت اسلامی کا ہونا ضروری ہے چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں اس لیے ان دنوں پر حد جاری نہیں کی جاسکتی، البتہ بستی کے مسلمان پنچایت کریں اور مناسب سزا کے لیے جو بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جس سے سزا مرتب کرنے والوں پر کسی قسم کا ایکشن نہ ہو، وہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن ایسے معاملہ میں لڑکے سے زیادہ عورت کو سزا دینی چاہیے، اس میں عورت کی حرکت زیادہ ہے، جبکہ اس کا شوہر اور بچے موجود ہیں، سب کو چھوڑ کر کیوں گئی، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو عورت کو سزائے موت ہوتی اور لڑکے کو سو کوڑے لگائے جاتے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۵۱۵)

أن رجلا من الأعراب جاء إلى النبي ﷺ وهو جالس فقال يا رسول الله اقض بيننا بكتاب الله فقام خصمه فقال صدق اقض لنا يا رسول الله بكتاب الله إن ابني كان عسيفا على هذا فزني' بامرأته فاخبروني أن علي ابني الرجم فافتديت بمائة من الغنم ووليدة ثم سألت أهل العلم فزعموا أن علي ابني جلد مائة و تغريب عام فقال والذي نفسي بيده لأقضين بينكما بكتاب الله أما الغنم والوليدة فرد عليك و علي ابنك جلد مائة و تغريب عام و أما أنت يا أنيس فاغد علي امرأة هذا فارجمها فغدا أنيس فرجمها.

(بخاری شریف، کتاب المحاربین، باب من أمر غیر الإمام بإقامة الحد غائبا عنه، النسخة

الهندية ۲/۱۰۱۰، رقم: ۶۵۷۵، ف: ۶۸۳۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۰/۶۲۴۰)

## لڑکی کے زنا کا دعویٰ کرنے سے زنا کا ثبوت

**سوال [۷۵۰۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہندہ زید پر الزام لگاتی ہے کہ زید نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، ہندہ نے پنچان کو

جمع کیا، پہچان نے ہندہ سے پوچھتا چھ کی ہندہ نے اقرار کیا مگر زید انکار کرتا ہے، پہچان نے گواہ طلب کیا ہندہ سے تو ایک گواہ عورت کو لایا گیا، اس کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے، زید کے انکار پر پہچان نے ایک مولوی صاحب کو بلایا، مولوی نے فرمایا کہ زید زنا کا انکار کرتا ہے اس لیے میں زید کو کلما کی قسم کھلاؤں گا۔

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ ہندہ کے اقرار پر زنا کا ثبوت ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید کے انکار پر کلما کی قسم کھلانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) زید کے انکار پر کلما کی قسم کھلانے کے متعلق فقہاء نے کچھ تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وکیل بن ماسٹر حسن احمد ضلع سپول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ہندہ جو زید پر الزام لگا رہی ہے اور زید اس کا انکار کر رہا ہے تو ایسی صورت میں محض کسی عورت کا کسی مرد کے بارے میں یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، اس لیے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کو داغدار کرنا چاہتی ہے، اس لیے کہ زنا کے ثبوت کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اور اس عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں، اس لیے زید کے خلاف کوئی شرعی حکم لاگو نہ ہوگا، اور نہ ہی زید کو کلما کی قسم کھلانے پر مجبور کرنا درست ہوگا۔

﴿لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةٍ شُهَدَاءَ فَاذْلَمُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ [النور: ۱۳]

عن عمرو بن شعيب قال: قال رسول الله ﷺ قضى الله ورسوله أن لا تقبل شهادة ثلاث، ولا اثنين ولا واحد على الزنا. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب قوله ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا، المجلس العلمي ۳۸۷/۷، رقم: ۱۳۵۷۱)

إن شهد على الزنا أقل من أربعة بأن شهد واحد أو اثنان أو ثلاثة لا تقبل الشهادة. (عالمگیری، کتاب الحدود، الباب الخامس فی الشهادة علی الزنا، زکریا قدیم ۱۵۱/۲، جدید ۱۶۵/۲)

وإن أقرت بالزنا بفلان فكذبها فلا حد عليها أيضا . (شامی زکریا دیوبند

۱۱/۶، کراچی ۹/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۰۳/۳۶)

## غیر اسلامی ممالک میں زانی کی سزا

**سوال [۷۴۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شادی شدہ ہے، اور یہ چند بھائی ہیں زید گھر سے دور ملازمت کرتا ہے اور زید کا ایک چھوٹا بھائی بھی شادی شدہ ہے، اچانک زید کی اہلیہ پر زید کے چھوٹے بھائی نے جو شادی شدہ ہے رات کی تنہائی میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے منہ کالا کرنا چاہا، اولاً تو زید کی اہلیہ کو نیند تھی زید کے بھائی کی شرارت کی بنیاد پر فعل سے قبل آنکھ مٹ گئی، جب اس نے اس صورت حال کو دیکھا تو وہ بہت پریشان ہوئی اور حتی الامکان وہ بچنے کی کوشش بھی کرتی رہی، بقول زید کی اہلیہ کے، لیکن بچنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ شور مچا دیتی چونکہ گھر میں والدین بھی نہیں تھے، اور نہ لڑکے کی اپنی اہلیہ تھی، گھر میں لڑکا اور اس کی بھابھی اور اس سے چھوٹے بھائی بہن جن میں ایک دو کی عمر تقریباً دس اور تیرہ سال کے درمیان تھی، لیکن وہ بہت گہری نیند میں سو رہے تھے، شور نہ کرنے کی وجہ بقول زید کی اہلیہ کے کہ شور کرنے کی صورت میں اپنی عزت اور گھر خاندان کی بدنامی اور اختلاف شدید ہونے کا خدشہ تھا، اس لیے اس صورت حال کے پیش نظر مجبور ہو گئی، دوسری وجہ یہ کہ لڑکے اور لڑکی کے والدین شریف اور اچھے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، گھر اور خاندان کی بے عزتی کے ڈر سے شور کرنے سے مجبور ہو گئی اور زید کے بھائی نے اس مجبوری سے فائدہ اٹھا لیا، اس غلط فعل کے ہونے سے پہلے آپس میں حجت بھی ہوئی، پھر بھی بچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا، زید کا بھائی اس فعل سے قبل اپنی بھابھی کو طرح طرح کا لالچ بھی دیتا رہا کہ آئندہ تمہاری ہر ضروریات پوری کرتا رہوں گا، کسی طرح کی کوئی پریشانی بھی نہ ہونے دوں گا، پھر بھی وہ کسی طرح

راضی نہیں ہوئی، اس کے بعد زید کے بھائی نے بزور بردستی اپنی بھابھی کے ساتھ منہ کالا کر لیا، لڑکی کا ماضی اور حال کسی بھی زمانے میں محرم اور غیر محرم سے اس قسم کا کوئی بھی تعلق نہ تھا اور نہ ہے، بقول لڑکی کے بحوالہ قسم کافی دن گذر جانے کے بعد شوہر کو اہلیہ کے ذریعہ ہی یہ بات معلوم ہوئی تو شوہر اس صورت حال سے بہت پریشان ہے کہ آخر کیا کرے، چھوڑنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ چھوڑنے کی صورت میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہو سکتا ہے، اور آپس میں دونوں خاندانوں کا ٹکراؤ ہو سکتا ہے اس لیے وہ حالات سے مجبور ہے، اور فی الحال یہ حرکت بھی پوشیدہ ہے، ظاہر ہونے کی صورت میں امکان ہے کہ آپس میں شدید اختلاف ہو جائے اور فتنہ کا ذریعہ بن جائے، فی الحال شوہر والدین اور بھائی وغیرہ کے ساتھ رہتا ہے، شوہر اس فعل کی وجہ سے بھائی وغیرہ کے ساتھ رہنے میں عار محسوس کر رہا ہے، وقتی طور پر حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ وہ بذات خود گھر والوں سے الگ ہو جائے، گھر کے افراد میں سے ظاہری طور پر ان دونوں بھائی اور اہلیہ کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے اور شوہر بھی اس بات کو محدود رکھے ہوئے ہے حتیٰ کہ چھوٹے بھائی کو بھی علم نہیں کہ بڑے بھائی کو اس بات کا علم ہو گیا ہے، شوہر اس صورت حال سے شش و پنج میں مبتلا ہے کہ کیا کرے، شرعی اعتبار سے اس کے متعلق کیا حکم ہو سکتا ہے، مجرم اس مسئلہ میں فاعل اور مفعول دونوں ہیں یا صرف فاعل ہے، مجرم اور غیر مجرم دونوں کے لیے شرعی حکم کی وضاحت فرمائیں تاکہ دل کی بے اطمینانی دور ہو جائے، نیز بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے اس صورت حال کی وجہ سے شریعت کے اعتبار سے کتنا اور کس طرح کا تعلق رکھ سکتا ہے؟ اور کیا لڑکی کے معاف کرنے سے شرعی عقوبات ختم ہو سکتی ہیں یا نہیں؟

لڑکی اس غلط فعل کا بدلہ لڑکے کو قتل کر کے یا کروا کر لینا چاہے تو شرعی اعتبار سے درست ہے، یا نہیں؟ اور ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوگی یا نہیں؟ یا اس جرم کا بدلہ ہوگا یا بدلے کی کوئی دوسری صورت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ شہید نگر غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بھابھی اور دیور کے درمیان اس طرح کا

فعل شنیع اور بدکاری عمل میں آئی ہے، اور دونوں شادی شدہ ہیں تو اگر اسلامی حکومت ہوتی تو سنگسار کا حکم ہوتا، لیکن ہمارے یہاں اسلامی حکومت نہیں، حدود و قصاص نافذ نہیں ہو سکتے، اس لیے اللہ سے سچی توبہ کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہیں، اور بھابھی اور دیور کے درمیان دوری کے اسباب پیدا کرنا ضروری ہے، دونوں کا گھر الگ الگ ہونا چاہیے، اور اس فعل بد کی وجہ سے بھابھی کا نکاح جو اپنے شوہر کے ساتھ قائم ہے اس میں کوئی فرق نہیں آئیگا، ہاں البتہ ان دونوں کو خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور سچے دل سے توبہ کر لینا چاہیے اور منہ کالا کرنے والے لڑکے کو قتل کرنے کی جو بات کہی گئی ہے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال: لا تقام الحدود فی دار الحرب  
مخافة أن يلحق أهلها بالعدو. (السنن الكبرى للبيهقي، السير، باب من زعم لا تقام  
الحدود فی دار الحرب، دار الفکر ۱۳/۵، ۴۱۵، رقم: ۱۸۷۳۴)

الحد خالص حق الله تعالى فلا يستوفيه إلا نائبه وهو الإمام. (فتح  
القدیر، کتاب الحدود، فصل فی کیفیت إقامة الحد، دار الفکر مصری قدیم ۲۳۶/۵، زکریا  
۲۲۴/۵، کوئٹہ ۲۲/۵)

رجل شرب الخمر وزنی ثم تاب ولم یحد فی الدنیا هل یحد له فی  
الآخرة؟ (وقوله) فإذا تاب توبة نصوحا أرجو أن لا یحد فی الآخرة. (شامی  
زکریا ۶/۴، کراچی ۴/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۶/۳/۱۰

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۵۰/۳۷)

## زنا کا کفارہ کیا ہے؟

**سوال [۷۵۰۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنی سالی سے زنا کا مرتکب ہو کر سالوں سے بیمار چل رہا ہے،

اور بہت زیادہ روتا ہے، اگر اس کا کوئی کفارہ ہو تو وہ بھی بتا دیجئے، ہماری دینی بہن کا شوہر ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** زنا کا کفارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حد اور کوڑا

لگانا ہے لیکن اس کے لیے مسلم حاکم شرط ہے، اور ہندوستان میں حدود و قصاص کا جاری کرنا بادشاہ اور حاکم اسلام نہ ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں اس لیے مذکورہ شخص اللہ تعالیٰ سے خالص

توبہ کرے، شاید حق تعالیٰ معاف فرمادیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۸۰/۲)

عن حکیم بن عمیر أن عمر رضی اللہ عنہما ینصرون فی الحرب، حتی ینخرجوا إلی أرض المصالحۃ. (السنن الکبریٰ للبیہقی، السیر، باب من زعم لا تقام الحدود فی أرض الحرب دار الفکر ۱۳/۴۱۵، رقم: ۱۷۸۳۵)

لا حد بالزنا فی الحرب والبعی الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب

الحدود، مطلب: الزنا شرعا لا یختص بما یوجب الحد بل أعم کراچی ۵/۴، زکریا دیوبند ۶/۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۵۹/۲۶)

## بدکاری سے عورت حرام نہیں ہوتی

**سوال [۷۵۰۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے اپنی زوجہ کو شخص غیر کے ساتھ برہنہ ہمبستر ہوتے دیکھ لیا، تو اب یہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال رہی؟ جب کہ وہ یہ حرکت دو چار مرتبہ اور بھی اسی شخص کے ساتھ کر چکی ہے، لیکن اب وہ آئندہ کے لیے توبہ کرتی ہے، اور اپنے کیے پر نادم ہے، شوہرنے معاف کر دیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عورت اپنے شوہر کی نکاح میں رہی؟ کیا شوہر کو

جملہ خدمات کرنے کا حق حاصل ہے؟ کیا عدت اور نکاح ثانی وغیرہ کی ضرورت ہے؟  
 (نوٹ) اس عورت کے اپنے شوہر سے آٹھ ماہ تا چودہ سال کی عمر کے پانچ بچے بھی  
 ہیں، اور اس وقت بھی وہ قریب تین ماہ کے حمل سے ہے، جب کہ شخص غیر سے تعلق جڑے دو  
 ماہ گزرے ہیں اس دلیل کی بنا پر عورت کا کہنا ہے کہ یہ حمل شوہر ہی سے ہے، براہ کرم جواب با  
 صواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اس فعل بد کی بناء پر عورت گناہ عظیم کی مرتکب  
 ہے، سچی توبہ کرنا لازم ہے، اور پیٹ میں جو حمل ہے شرعی طور پر وہ شوہر ہی کا ہے، اور شوہر کا  
 نکاح پہلے کی طرح بدستور باقی ہے، نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا، اور جس منحوس مرد نے یہ  
 حرکت کی ہے اس کے اور عورت کے درمیان سخت پابندی لگادی جائے، ہرگز ایک دوسرے  
 کی صورت نہ دیکھیں، اللہ کے عذاب سے ڈرو، خدا کا خوف کرو، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو  
 پتھر سے مار مار کر جان سے ختم کر دیا جاتا۔

﴿وَلَا تَقْرُبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ [الإسراء: ۳۲]

قالت عائشة: قال رسول الله ﷺ: الولد للفراش وللعاهر الحجر.

(صحيح البخارى، المغازى، النسخة الهندية ۲/۶۱۶، رقم: ۴۱۳۸، ف: ۴۳۰۴) فقط

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ رزی الحجہ ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۰۶۸)

کیا شراب کو بڑھا وادینے والے کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟

سوال [۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے



بارے میں: شراب یا نشہ آور اشیاء کے استعمال یا کاروبار پر جب کوئی آدمی اس کے فروغ کا ذریعہ بن رہا ہو تو کیا اس کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟ بحوالہ حدیث جو اب عنایت فرمائیں۔  
المستفتی: سید معین نواز رانچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت میں شراب وغیرہ میں موت کی سزا نہیں ہے، اور جہاں دارالاسلام میں قرآن وحدیث کے احکام نافذ ہیں وہاں پر شراب پینے کا شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد ۸۰ کوڑے لگانے کا حکم ہے، اور شراب کی تجارت پر حکومت اپنی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کی مجاز ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: لا يحل دم امرء مسلم إلا رجل قتل فقتل أو رجل زنى بعد ما أحسن أو رجل ارتد بعد إسلامه. (مصنف ابن أبي شيبة، الديات، ما يحل به دم المسلم، مؤسسة علوم القرآن ۱۴ / ۲۹۷-۲۹۸، رقم: ۲۸۴۸۱، سنن النسائي، المحاربة ما يحل به دم المسلم، النسخة الهندية ۲ / ۱۴۷، دار السلام رقم: ۴۰۲۳، مسند أحمد بن حنبل ۶ / ۲۰۵، رقم: ۲۶۲۱۹)

التعزير لغة التأديب مطلقا و شرعاً تأديب دون الحد ..... والتعزير مفوض إلى رأى الإمام. (شامی زکریا ۶ / ۱۰۳، کراچی ۴ / ۶۰)  
يحد مسلم ناطق مكلف شرب الخمر ولو قطرة ..... بشهادة رجلين ..... أو يشت بإقراره مرة صاحباً ثمانين سوطاً للحر. (شامی زکریا ۶ / ۷۳، کراچی ۴ / ۳۷)

أن رسول الله ﷺ قال: لم يقتل الشارب. (بذل المجهود كتاب الحدود، باب إذا تابع في شرب الخمر دار البشائر الإسلامية ۲ / ۵۷۸، قديم سهارنپور ۱۵۹ / ۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴ / ۸ / ۱۴۳۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۱ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۷ / ۳۹)

## چیخ و پکار سے ہونے والی موت کا ذمہ دار کون؟

**سوال [۷۵۰۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک سماجی ذمہ دار اور کارکن ہے، جس کے خاندان کے لوگ تین سو سال سے سماجی اور معاشرتی خدمت انجام دیتے آ رہے ہیں، زید مسجد اور محلہ کے انتظام کا بھی ذمہ دار ہے، (جس کو ہمارے عرف میں مہتوں کہتے ہیں) زید اسی رمضان میں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آیا، مسجد میں پہلے سے بکر اور دیگر مصلیان موجود تھے، بکر زید کو دیکھتے ہی چراغ پا ہو گیا اور زید سے الجھنے اور یہ الزام دینے لگا کہ تم نے ماموں اور بھانجے میں لڑائی کرا دی ہے، یہ جملہ بار بار دہرا رہا تھا، اور زید کو مسلسل دھکیل رہا تھا، زید نے بکر سے کہا کہ میں روزے سے ہوں روزہ افطار کرنے کے بعد بات کر لینا، بکر ہارٹ کا پرانا مریض تھا اس لیے دیگر مصلیوں نے سمجھایا، لیکن وہ اپنی بات پر مصر تھا، زید سنت ظہر پڑھنے لگا، بکر اصرار کے ساتھ یہ کہنے لگا کہ فیصلہ ابھی ہوگا، اور نماز ظہر بعد میں ہوگی، بکر زور زور سے کہنے لگا کہ نہیں فیصلہ ابھی ہوگا، نماز ظہر بعد میں، اس جملہ کو کہتے کہتے اس کو دل کا دورہ پڑا اور مسجد کے فرش پر گر گیا اور اس کی موت واقع ہو گئی، واضح ہو کہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھی جانے لگی، اور تین رکعت ہو چکی تھیں رونا پیٹنا شروع ہو گیا، اہل خانہ بکر کی لاش گھر لے گئے، اور پھر پلٹ کر مسجد میں آکر ماں بہن کی گالی دینے لگے، اور طیش میں آکر یہ کہنے لگے کہ خون کا بدلہ خون سے لیا جائیگا نیز بکر کے انتقال کے تیسرے دن بعد نماز ظہر مسجد میں سب کو روک لیا گیا اور ایک شخص نے مانگ سے یہ اعلان کیا کہ زید بکر کی موت کا ذمہ دار ہے، لہذا اس کو اب محلہ کی ذمہ داری اور مہتوں سے برطرف کیا جاتا ہے، جبکہ زید کے خاندان سے مہتوں کی ذمہ داری تین سو سال سے چلی آرہی ہے، اور لوگوں نے باتفاق رائے زید کو مہتوں منتخب کیا تھا اور یہی اہل محلہ کا جمہوری نظام ہے، معلن نے محلہ والوں سے کوئی رائے مشورہ نہ لیتے ہوئے اپنے دبدبے کا مظاہرہ کیا اور خود بنفس نفیس زید کو سماجی منصب سے ہٹانے کا اعلان کر دیا۔

(۱) جواب طلب امر یہ ہے کہ بکر کا یہ کہنا کہ فیصلہ ابھی ہوگا نماز بعد میں ہوگی، کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) زید بکر کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے؟

(۳) کسی شخص کا مسجد میں ہنگامہ اور ماں بہن کی گالی دینا شرعاً درست ہے؟

(۴) زید کو بکر کی موت کا ملزم ماننے ہوئے اور بغیر عوامی رائے مشورہ کے از خود کسی

کا یہ اعلان کر دینا کہ زید اب محلہ کا مہتو نہیں رہے گا، صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر سوال اپنی جگہ واقع کے مطابق صحیح اور درست

ہے اور سائل کا بیان سچا ہے تو ایسی صورت میں از خود جذباتی انداز سے چیخ و پکار کے ساتھ دورے کا شکار ہو کر موت واقع ہوئی ہے لہذا ایسی صورت میں شخص مذکور کی موت میں زید کا کوئی دخل اور واسطہ نہیں رہا بلکہ بکر اپنی موت مرا ہے، اور یہ موت موت فجأت کے قبیل سے ہے، لہذا زید پر الزام بے جا اور بے موقع ہے، اور بکر کی موت کا سبب بنا کر زید کے بارے میں مسجد کی ذمہ داری سے برطرف کرنے کا اعلان کرنا زید کے اوپر زیادتی ہے، نیز اعلان کرنے والا مسجد کے ذمہ دار اور کمیٹی کی طرف سے اعلان کے لیے مقرر کردہ بھی نہیں ہے اس لیے اس اعلان کا بھی شرعی طور پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔

موت الفجاءة البغتة..... موت الفجاءة وقوعه بغير سبب من مرض وغيره..... وعن عائشة وابن مسعود موت الفجاءة راحة للمؤمنين و أسف على الفاجر. (فتح الباری کتاب الجنائز، باب موت الفجاءة تحت رقم الحدیث ۱۳۸۸،

دار الریان للتراث القاہرہ ۲۹۹/۳)

مسجد میں گالی گلوچ کرنا اور بازار کی طرح شور مچانا ناجائز اور سخت گناہ ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث شریف میں ہے۔

عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ سيكون في

آخر الزمان قوم یکون حدیثہم فی مساجدہم لیس للہ فیہم حاجۃ. (صحیح ابن حبان ۳۰۸/۶، دارالفکر رقم: ۶۷۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ شوال ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۵۶/۴۱)

## کیا حکومت کا ساتھ دینے والا شخص واجب القتل ہے؟

**سوال [۷۵۰۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شاہین جماعت اسلامی میں سے ہے جموں و کشمیر کی حکومت کا باغی ہے، مسلمانوں میں اپنے کو مجاہد ظاہر کرتا ہے، ۱۵ رمضان المبارک کو محمد شریف جو متقی مسلمان تھا، شاہین محمد شریف کو اس طریقہ پر قتل کرتا ہے کہ اول آگ سے جلایا پھر سر میں گولی مار کر قتل کر دیا، اور نعش کو تقریباً ۲۰۰ فٹ نیچے گر دیا، بعد میں شاہین محمد شریف مقتول کو الزام لگاتا ہے کہ یہ اندرونی طور سے حکومت کا ساتھ دیتا تھا، بریں بنا تو واجب القتل تھا، اس لیے میں نے اس کو قتل کر دیا، بعد تحقیقات یہ تمام الزام غلط اور جھوٹ تھے، کیا محمد شریف واجب القتل تھا اگر نہیں تو کیا محمد شریف شہید ہے، محمد شریف کو روزہ کی حالت میں قتل کیا گیا، کیا محمد شریف پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، کیا مسلمان واجب القتل ہوتا ہے، اگر ہاں تو کب اور کون کریگا؟ کیا غیر اسلامی حکومت میں بھی؟ اور اوپر ذکر کیے ہوئے شاہین جماعت اسلامی کے ایسے فعل پر شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالغنی، ڈوڈہ کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** کسی مسلمان کو صرف تین صورتوں میں قتل کرنا جائز ہوتا ہے، ان کے علاوہ باقی کسی بھی شکل میں قتل کرنا جائز نہیں ہے، (۱) اس نے جان بوجھ کر دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا ہو تو قصاص میں حکومت اسلامی کے نظام کے تحت قتل کیا جاسکتا ہے۔ (۲) شادی شدہ مسلمان نے زنا کیا ہو اس کا شرعی طریقہ سے ثبوت ہو چکا ہو۔

(۳) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو، ان کے بغیر کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔  
 عن أبی أمامة بن سهل بن حنیف أن رسول الله ﷺ قال لا یحل دم  
 امرئ مسلم إلا یاحدى ثلاث زنی بعد إحصان أو ارتداد بعد إسلام أو قتل  
 نفس بغير حق فقتل به. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا یحل دم امرئ مسلم إلا یاحدى  
 ثلاث، النسخة الهندیة ۳۸/۲، دار السلام رقم: ۲۱۵۸)

عن عبد الله قال: قام فینا رسول الله ﷺ فقال: والذی لا إله غیره،  
 لا یحل دم رجل مسلم یشهد أن لا إله إلا الله، وأنی رسول الله إلا ثلاثة  
 نفر، التارک الإسلام، المفارق للجماعة أو الجماعة (شک فیہ أحمد)  
 والثیب الزانی، والنفس بالنفس. (صحیح مسلم، کتاب القسامة، باب ما یباح به دم  
 المسلم، النسخة الهندیة ۵۹/۲، بیت الأفكار رقم: ۱۶۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کاتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۲۲ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۲۷)

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۲۲/۱۱/۱۴۱۷ھ

حادثہ کے بعد ذمہ دار ڈرائیور ہے یا مالک جبکہ مالک کے ذمہ دار ہونے کا معاہدہ ہو

**سوال [۷۵۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
 بارے میں: زید نے اپنی نوکری کے وقت صاحب گاڑی سے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر کسی قسم کا ایسا  
 نقصان ہو جس کی وجہ سے دیت دینے کی نوبت آوے یا جان کے بدلے جان دینے کی نوبت  
 آوے تو اس کا ذمہ دار آپ خود ہوں گے، میں نہیں ہوں گا، تو اس صورت میں اس قسم کا حادثہ  
 پیش آ جاوے تو گاڑی کا مالک ذمہ دار ہو گا یا زید؟ نیز زید گنہگار ہو گا یا نہیں؟ اور ان تمام صورتوں  
 کی بناء پر ٹریفک چلانا جائز ہو گا کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے اپنی نوکری کے وقت صاحب گاڑی کے

ساتھ جو شرط طے کی تھی وہ شرط باطل ہے، اس لیے دیت کا ذمہ دار صاحب گاڑی نہیں ہوگا بلکہ زید کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔

والإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع الخ. (الجوهرة النيرة كتاب الإجارة كوئٹہ ۳۲۳/۱، دار الكتاب دیوبند ۳۱۳/۱، قدوری ص: ۱۰۲، ہندیہ زکریا قدیم ۴/۴۴۲، جدید ۴/۴۷۸)

إذا اجتمع المباشر والمسبب أضيف الحكم إلى المباشر. (الأشباه والنظائر قدیم ص: ۲۳۷)

نیز زید گنہگار بھی ہوگا اس لیے اللہ سے توبہ و استغفار کر لینا لازم ہے، ٹریفک چلانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۸۲/۲۵)

ایکسیڈینٹ کی صورت میں کیا ڈرائیور پر دیت واجب ہے؟ اور دیت کی مقدار؟

**سوال [۷۵۰۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید خوب تیزی کے ساتھ بس چلا رہا تھا، کہ اچانک ایک سائیکل والا سامنے آگیا، زید نے بس روکنے کی کوشش کی لیکن بس نہ رکی، کیونکہ گاڑی جب تیزی میں ہوتی ہے تو فوراً نہیں رکتی ہے، اور سائیکل والے کا ایکسیڈینٹ ہو گیا اور وہ مر گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اوپر دیت لازم ہے یا جان کے بدلہ جان، اور ڈرائیور قاتل میں شمار ہوگا کہ نہیں؟ اور اگر دیت لازم ہوگی تو اس کی مقدار کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد زکریا سرائے ترین مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ایسی صورت میں زید پر دیت واجب ہے، جان

کے بدلے جان نہیں ہے۔

اور دیت کی شرعی مقدار نقدی دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت ہے، اور تولہ کے وزن سے دو ہزار چھ سو پچیس تولہ چاندی ہوتی ہے، یا ساونٹ یا ایک ہزار بکریاں ہیں۔ نیز مرحوم کے ورثاء کو کسی خاص قسم کی رقم پر راضی کر کے بطور صلح کے معاملہ ختم کر لینا بھی جائز ہے۔

لو أن دابتين لو استقبلتا و اصطدمتا فعطبت إحداهما ولكل واحد منهما سائق فضمان التي عطبت على الآخر. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الجنایات، فصل فی القتل الذی یوجب الدیة، جدید زکریا ۳/۳۲۴، علی ہامش الہندیة ۳/۴۴۴)

لأن الدیة مجهولة فإنها من الدراهم عشرة آلاف ومن الدنانیر ألف دینار ومن الإبل مائة ومن الغنم ألف شاة. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الصلح، قبیل باب الصلح عن العقار و عما يتعلق به، جدید زکریا ۳/۵۹، علی ہامش الہندیة ۳/۹۸، و هكذا فی الهدایة اشرفی دیوبند ۳/۵۶۸)

والصلح جائز عن دعوى الأموال ..... ویصح عن جنایة العمد والخطاء. (هدایہ اشرفی دیوبند ۳/۲۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۸۲/۲۵)

الجواب صحیح:  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۶/۴/۱۴۱۰ھ

حادثہ کا شکار ہونے والے کے ورثاء کیلئے سرکاری امداد حاصل کرنا

**سوال [۷۵۰۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کی کسی حادثہ میں سرکاری یا پرائیویٹ نوکری کے دوران موت واقع ہو جانے پر سرکاری طرف سے دیا جانے والا معاوضہ یا امداد اس کے بیوی بچوں کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ یا کوئی شخص کسی ایکسیڈینٹ یا حادثہ کا شکار ہو کر صرف زخمی ہو جائے تو اس حالت

میں اس کے علاج کے لیے سرکاری پیسہ اس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسئلہ صورت میں حکومت کی طرف سے دی ہوئی رقم حادثہ میں مرنے والوں کے لیے یا زخمیوں کے لیے ایک قسم کا تعاون ہے جس کا لینا بلا تردد جائز اور درست ہے، اور مذکورہ رقم مرنے والے کے تمام وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے حساب سے تقسیم ہوگی۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۴۲ تا ۳۷۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۷۹)

## حادثہ میں مرنے والے کے معاوضہ کا حکم

**سوال [۷۵۱۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مسلمان فساد میں مر جائے یا اور کسی حادثہ میں مر جائے تو اس کے گھر والوں یا اس کے بیوی بچوں کو معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نبی کے زمانے میں ایسا ہوا ہو تو اس کو بھی ذکر کریں؟

المستفتی: راحت جان قریشی پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** فسادات کے درمیان افراتفری کے دوران جب کسی کو مار دیا جائے اور حکومت ان کو معاوضہ دینا چاہے تو وارثین کے لیے یہ معاوضہ لینا جائز ہے، حدیث شریف میں اس قسم کے واقعات موجود ہیں، غزوہ احد میں افراتفری کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں سے حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان شہید ہو گئے، اس پر حضور ﷺ نے مسلمانوں کی طرف سے دیت ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن حضرت حذیفہ نے معاف فرمادیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیت کے لیے پیشکش کرنا جواز کی دلیل ہے۔



وَأَمَّا حَسِيلُ بْنُ جَابِرٍ (وهو اليمان والد حذيفة بن اليمان) فاختلقت عليه  
أسياف المسلمين وهم لا يعرفونه فقتلوه فقال حذيفة أباي فقلوا: والله  
ما عرفناه وصدقوا فقال حذيفة يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين، فأراد  
رسول الله ﷺ أن يديه فتصدق حذيفة بديته على المسلمين فزاده ذلك  
عند رسول الله ﷺ خيرا. (أسد الغابة، دار الفكر ۱/ ۴۹۳، الروف الأنف ۶/ ۱۱)

عن محمود بن لبيد قال: اختلفت سيوف المسلمين على اليمان أباي حذيفة  
يوم أحد ولا يعرفونه فقتلوه فأراد رسول الله ﷺ أن يديه، فتصدق حذيفة بديته  
على المسلمين. (مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۴۲۹، رقم: ۲۴۰۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عقاب اللہ عنہ  
۷/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۹۲/۳۶)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲/۲۷/۱۴۲۳ھ

## حکومت سے ملنے والی امدادی رقم کا مستحق کون ہے؟

**سوال [۷۵۱۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: زید ڈرائیور تھا، گاڑی چلاتے ہوئے زید کا ایکسیڈینٹ ہو گیا اور ایکسیڈینٹ میں  
ہی انتقال ہو گیا، زید نے ماں باپ اور تنہا ایک بیوی کو حیات چھوڑا، زید کے ماں باپ اور  
بیوی نے زید کے ایکسیڈینٹ کے ذریعہ موت واقع ہونے کی وجہ سے عدالت میں معاوضہ کا  
دعوئی کر دیا، اور تینوں کو مدعی بنا کر دعویٰ ہوا، ادھر زید کے انتقال کے بعد زید کے والدین کی  
لاپرائی کی بنیاد پر زید کی بیوی اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور وہیں رہتے ہوئے دعوے کی  
دیکھ ریکھ کی، اور جج نے معاوضہ منظور کر کے تینوں کو برابر کا تین تہائی حصہ دار بنا کر فیصلہ دیدیا،  
لیکن زید کی بیوی حاملہ تھی، اس لیے کچھ لوگوں کی غیرت دلانے پر زید کے ماں باپ اس کی  
بیوی کو اپنے گھر لے آئے، اتفاق سے دو روز بعد ہی زید کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوا اور پیدا  
ہوتے ہی پانچ منٹ کے بعد مر گیا، اور پانچ گھنٹوں کے بعد زید کی بیوی کا بھی انتقال ہو گیا،

حضور والا سے درخواست ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ معاوضہ تین تہائی تینوں کے نام برابر ہے، زید کے ماں باپ نے تو اپنے نام کا معاوضہ نکال لیا ہے، اور زید کی بیوی کے نام کا نہیں نکلا ہے، جبکہ زید کی بیوی کے انتقال کو تقریباً بیس روز ہو چکے ہیں۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس معاوضہ کے حقدار جو اہلیہ کے نام پر ہے زید کے ماں باپ ہیں یا زید کی بیوی کے ماں باپ حقدار ہیں؟

المستفتی: مہدی حسن امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حکومت نے جو امدادی رقم زید کی بیوی کے نام سے دی ہے وہ زید کی بیوی کے والدین کا حق ہے، زید کے والدین کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیمہ ۵۲۳/۱۰، جدید زکریا ۲۹۱/۱۰، فتاویٰ نظامیہ ۲۹۸/۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۳ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۶۷)

الجواب صحیح:  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۳/۷/۱۴۱۹ھ

## مقتول کے ورثاء کا مال پر صلح کرنا

**سوال [۷۵۱۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد شریف ولد ابن حسن ساکن محلہ اصلتپورہ متصل نائیوں والی مسجد کا قتل تقریباً ۱۰ سال قبل محلہ اصلتپورہ کے پڑوسی اکرم ولد عبد شیخ ساکن مراد آباد نے نامعلوم وجہ کے ساتھ کر دیا، جس کا مقدمہ چل رہا ہے، قاتلوں نے حج حضرات کو خریدنے کی ناکام کوشش کی مگر اللہ کے فضل سے ناکام رہے، اس مورچے پر ہارنے کے بعد قاتلوں نے میرے ماموں، خالائوں اور عزیزوں پر اللہ واسطے معافی کی دہائی دے کر مطالبہ کیا کہ مقتول شریف کے اس قتل کے بدلے ہم لوگوں سے صدقہ جاریہ جیسا کوئی کام کرائیں جس کا اجر اس کو آخرت میں ملتا رہے اور قاتلوں کو اللہ واسطے معاف کر دیں یا پھر کوئی معاوضہ کی رقم لے

لیں، اس رائے سے اتفاق کرنے والوں میں میرے سگے ماموں باشرع حکمت اللہ بھی ہیں، آپ سے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں میرے معاملہ کا حل فرمادیں، میرے والد ابن حسن قتل کے وقت حیات تھے اور اب والدہ زندہ ہیں، نیز ذہن کو یہ بات پریشان کئے ہوئے ہے، کیا وہ حشر میں ہم پر کوئی دعویٰ تو نہیں کریگا، اس دنیا میں معافی سے حشر میں قاتلوں کو تو معافی نہیں مل جائیگی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم وارثان نے قانونی پیچیدگی سے لکھ کر معاف بھی کر دیا پھر بھی ہم سب کا دل معاف نہیں کریگا، مقتول جوان تھا، غیر شادی شدہ، تندرست و خوبصورت تھا، اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔

المستفتی: رئیس احمد ساکن اصلہ تپورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مقتول کے ورثاء کے لیے شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ قاتل سے مال پر صلح کر کے قصاص کو معاف کر دیں، اس لیے کہ قصاص اولیاء اور ورثاء کا ہی حق ہے، اور مال کی مقدار کوئی متعین نہیں ہے، بلکہ اولیاء کی مرضی ہے کہ وہ جتنے مال پر چاہیں صلح کر لیں، اور اس صلح کی وجہ سے مقتول کے اولیاء گنہگار نہیں ہوں گے، اور نہ ہی محشر میں مقتول اولیاء سے یہ سوال کرے گا کہ تم نے مال لے کر معاف کیوں کیا، اور اس مال میں اولیاء کا پورا حق ہے، وہ چاہے اپنی ذات پر خرچ کریں یا مقتول کے لیے کار خیر میں خرچ کر دیں اور اگر بعض ورثاء اپنے حصے اپنی ذات پر خرچ کرنا چاہیں تو کسی کو ان پر دباؤ ڈالنے کا حق نہیں کہ وہ کار خیر میں خرچ کریں بلکہ جن کی مرضی کار خیر کی ہے وہ اس میں خرچ کریں اور جن کی مرضی ذات پر خرچ کرنے کی ہے وہ اس میں خرچ کریں، دوسروں کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

﴿فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَاعُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءُ إِلَيْهِ

بِإِحْسَانٍ. [البقرة: ۱۷۸]

إذا اصطح القتال وأولياء القتيل على مال سقط القصاص ووجب المال قليلا كان أو كثيرا (وقوله) لأنه حق ثابت للورثة يجزى فيه الإسقاط عفووا فكذا تعويضا الخ. (هدايه، كتاب الحنایات، فصل و إذا اصطح القتال اشرفی ۴/ ۵۷۱)

ویسقط القصاص بصلحهم علی مال و إن قل المال لأنه حقهم  
فیجوز تصرفهم فیہ کیف شاؤا. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت  
۳۲۶/۴، مصری قدیم ۲/۶۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۹۰)

## بطورتا وان دی گئی رقم کا حکم

**سوال [۷۵۱۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے  
میں: زید اور بکر دونوں میں جھگڑا ہوا بکر کو کافی چوٹ آئی، جس کی وجہ سے زید نے بکر کے گھر والوں کو  
تین ہزار روپے دیئے تاکہ وہ اپنا علاج کرے تو کیا بکر کو وہ روپے لینے جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز  
ہیں تو کیا بکر خوشی یہ رقم مسجد کو دے سکتا ہے اور مسجد اس رقم کو تصرف میں لاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب ٹانڈہ بادل، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** زید نے بکر کے گھر والوں کو بطورتا وان جو تین  
ہزار روپیہ دیئے ہیں بکر کے لیے وہ روپے لینے جائز ہیں اور وہ حلال ہیں، اس میں اسے ہر  
طرح کے تصرف کا حق ہے، اپنے علاج میں خرچ کر سکتا ہے، نیز مسجد میں بھی دے سکتا ہے۔  
﴿فَمَنْ غَفَى لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَاعْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ [البقرة: ۱۷۸]

ویسقط القصاص بصلحهم علی مال و إن قل المال لأنه حقهم  
فیجوز تصرفهم فیہ کیف شاؤا. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت  
۳۲۶/۴، مصری قدیم ۲/۶۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۳۴

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۱۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ۲ باب التعزیر

### غلط مسئلہ بتانے پر بطورتاوان دعوت کھانا

**سوال [۷۵۱۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک عالم صاحب نے مسئلہ بتایا کہ قصائی سے بڑے میں دو حصہ خرید کر عقیقہ کر سکتے ہیں، بقیہ قصائی فروخت کر سکتا ہے، اس پر ایک شخص نے ایک بڑے جانور میں سے ۲ حصہ گوشت لے لیا، اور پانچ حصہ قصائی کو دیدیا، قصائی نے فروخت کر دیا، تو عقیقہ ہوایا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو عقیقہ دوبارہ کرنا پڑیگا یا نہیں، اگر نہ کرے تو کتہرگا تو نہیں ہوگا؟

(۲) پھر جب فاضل دارالعلوم عالم کو صحیح مسئلہ معلوم ہو گیا تو انہوں نے رجوع کر لیا اب جب یہ بات نیتا قسم کے لوگوں کو معلوم ہوئی تو عالم صاحب کو شرمندہ کیا اور کہتے ہیں کہ تاوان کے طور پر مرغی کی دعوت کرو ورنہ بغاوت کریں گے، تو کیا عالم صاحب سے تاوان کے طور پر دعوت کھانا جائز ہے؟

(۳) اس جانور کی کھال کی قیمت ۸۶ روپیہ مدرسہ میں دیدی تھی اور اب وہ یتیم بچوں پر صرف ہو چکے ہیں ان کی اس قیمت کو واپس کرنا پڑیگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسماعیل شریف نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) عقیقہ میں بڑے جانور کے ساتوں حصے قربت کے لیے ہونا لازم ہیں اگر ساتوں حصے قربت کے لیے نہیں ہیں ان میں سے کچھ محض گوشت خوری یا تجارت کے لیے ہوں تو ایسے جانور سے عقیقہ کا حصہ لینا جائز نہیں ہے، اس سے عقیقہ کی سنیت ادا نہ ہوگی اگر عقیقہ کی سنیت ادا کرنا چاہے تو دوبارہ کرنا پڑیگا نیز عقیقہ کا مطلب اور اس کی

حقیقت دعوت کر کے کھلانا نہیں ہے بلکہ جانور ذبح کرنے سے عقیدہ کی سنیت ادا ہو جاتی ہے اور دوست و احباب کو صرف گوشت دینا کافی ہے، نیز اس سے رسم و رواج کی دعوتوں کا شرعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۳۳، جدید ڈائجسٹ ۱۷/۵۲۵)

ووجه الفرق أن البقرة تجوز عن سبعة بشرط قصد الكل القرابة و

اختلاف الجهات فيها لا يضر . (تبیین الحقائق، کتاب الأضحية، مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/۶، زکریا ۶/۴۸۴)

ولو ذبح بدنة أو بقرة عن سبعة أو لاد أو اشترك فيها جماعة جاز سواء أرادوا كلهم العقيقة أو أراد بعضهم العقيقة وبعضهم اللحم كما في الأضحية، قلت: مذهبنا في الأضحية بطلانها بإرادة بعض اللحم فليكن كذلك في العقيقة. (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، دار الكتب العلمية بيروت ۱۷/۱۳۲، کراچی ۱۷/۱۱۹)

اگر دوبارہ نہیں کریگا تو سنت کا عمل باقی رہ جائیگا، البتہ بہت بڑا گناہ نہ ہوگا، ترک سنت کی ملامت ہوگی۔

(۲) جب عالم صاحب نے اپنی غلطی کا اقرار کر کے سابقہ مسئلہ سے رجوع کر لیا ہے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، آئندہ مسئلہ بتلانے میں احتیاط کرنا چاہیے اور نیتا لوگوں کا ان سے مرغ کی دعوت کا مطالبہ بے اصل ہے، نیز عوام کا علماء کی توہین کرنا اور ان کا مذاق اڑانا سخت گناہ ہے، ان کو ایسی حرکتوں سے توبہ کرنا چاہیے۔

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي . (ہندیہ،

کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، زکریا قدیم ۲/۱۶۷، جدید ۲/۱۸۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/۱۱۲، ۳۷/۳۵۴)

من أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر ..... ويخاف

عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب . (ہندیہ، الباب التاسع فی

أحكام المرتدين، زکریا قدیم ۲/۲۷۰، جدید ۲/۲۸۲)

(۳) مدرسہ میں جو رقم دیدی ہے وہ پھر سے واپس نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم

۱۲/۲۱۸، جدید ڈائجسٹ ۱۵/۲۵۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

اربع الاول ۱۴۱۷ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۰۲-۲۷)

۱۴۱۷/۳۱ھ

## طلبہ سے غیر حاضری پر مالی تاوان لینا

**سوال [۷۵۱۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے یہاں مدرسہ میں مقامی طلبہ پڑھتے ہیں، ہوتا یہ ہے کہ طلباء کرام اور ان سے بڑھ کر سرپرستگان کرام کی غفلت و لاپرواہی کے باعث آئے دن طلبہ غیر حاضر ہو جاتے ہیں، ہر طرح فہمائش و مناسب تنبیہ کی گئی اور کی جاتی ہے مگر کوئی تدبیر خاص کارگر نہیں ہو پارہی ہے، البتہ صرف ایک صورت رہ گئی ہے کہ جس کے اختیار کرنے کے بعد کافی سدھار کی امید وابستہ ہے، اور وہ یہ کہ ایسے طلبہ کے لیے بلا عذر شرعی غیر حاضری کی صورت میں بطور تنبیہ مدرسہ کی کچھ مالی اعانت کا مطالبہ ان پر رکھ دیا جائے اور اس کی رسید بھی دی جائے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟

المستفتی: محمد انہام احمد لہ ۱۰ یو پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** طلبہ کی غیر حاضری پر مالی تاوان لینا جائز نہیں۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال. (شامی زکریا ۶/۱۰۶،

کراچی ۶۱/۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۳۵۴)

البتہ جواز کی شکل اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ رقم لینے کے بعد آخری سال میں اس رقم کو

ضرور واپس کر دیا جائے۔

وأفاد فی البزازية: أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به

إمساك شئى من ماله عند مدة لينز جر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال. (شامی کتاب الحدود، باب العزيز زكريا ديوبند ۱۰۶/۶، كراچى ۶۱/۴، حاشية الطحطاوى على الدر كوئته ۲/۴۱۰-۴۱۱، البحر الرائق كوئته ۵/۴۱، زكريا ديوبند ۵/۶۸ ہندیہ قدیم ۲/۱۶۷، جدید ۲/۱۸۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۲۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۰ھ/۷/۲

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۳۱)

## غیر حاضری کی بنا پر طلبہ سے فیس لینا

**سوال [۷۵۱۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی جانب سے ہونے والی تعطیل مثلاً عید الاضحیٰ، امتحان ششماہی وغیرہ کے موقع پر وقت مقررہ پر اگر طالب علم مدرسہ حاضر نہ ہو سکے ایسی صورت میں ناظم مدرسہ یا مہتمم کا عذر معقول وغیر معقول سب کو ٹھکرا کر غیر حاضری پر طلبہ سے مثلاً پچاس روپیہ کا جرمانہ وصول کرنا یا ہفتوں اور مہینوں کا کھانا بند کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہاب الدین بستوی، معلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقت مقرر پر حاضر نہ ہونے والے طلبہ سے ناظم یا مہتمم مدرسہ کا مالی جرمانہ لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۵۲۳، ۵/۴۳، ۱۲/۳۲۳، جدید ڈبھیل ۱۴/۱۳۶، کفایت المفتی قدیم ۲/۶۵، جدید مطول ۹/۴۵، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۲۵۲)

لایأخذ المال فی المذہب. (در مختار زکریا ۶/۱۰۵، کراچی ۴/۶۱)

والحاصل أن المذہب عدم التعزیر بأخذ المال. (شامی زکریا ۶/۱۰۶،

کراچی ۴/۶۱، البحر الرائق کوئته ۵/۴۱، زکریا ۵/۶۸، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۱۶۷،



جدید ۱۸۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۲۵۴)

البتہ تعزیراً طلبہ کا کھانا بند کر دینا جائز ہے، کیونکہ کھانا بند کر دینے میں ان سے کچھ جرمانہ نہیں لیا جاتا بلکہ منجانب مدرسہ جو امداد ملتی ہے اس پر روک لگائی جاتی ہے، یہ مالی جرمانہ کا ضابطہ شریعت سے ٹکراتا ہے، لہذا جائز نہیں ہے۔

التعزیر: من أسماء الأضداد يطلق على التفخيم والتعظيم و على

التأديب. (منحة الخالق كوئته ۴۰/۵، زكريا ۶۷/۵)

لأن المقصود منه الزجر. (البحر الرائق كوئته ۴۱/۵، زكريا ۶۸/۵) فقط

والله سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۸۲/۳۵)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/۶/۱۴۲۱ھ

## مدارس و اسکولوں میں طلبہ سے لیٹ فیس وصول

**سوال [۷۵۱۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مدارس و اسکول میں دیرحاضری کی بناء پر طلبہ سے مالی جرمانہ لیا جاتا ہے جس کا نام اسکول والوں نے لیٹ فیس رکھا ہے، تو کیا اس طرح لیٹ فیس کے نام سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی متبادل شکل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** مدارس یا اسکول میں طلبہ سے دیرحاضری کی بنا پر

لیٹ فیس کے نام سے مالی جرمانہ لینا جائز نہیں، البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہو سکتی ہے کہ زجر و توبیخ کے لیے ان پر ایک ماہ یا اس سے کم کی کھانے یا رہائش یا اساتذہ کے پڑھانے وغیرہ کی اجرت مقرر کر دی جائے تاکہ طلبہ دیرحاضری سے باز آجائیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۳۶)

عن علي بن زيد عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۳۸۷ رقم: ۵۴۹۲) لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامی کتاب الحدود، مطلب: فی التعزیر بأخذ المال کراچی ۴/ ۶۱، زکریا ۶/ ۱۰۶)

ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال، وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (البحر الرائق كوئنه ۵/ ۴۱، زکریا ۵/ ۶۸، ہندیہ کوئنه ۲/ ۱۶۷، ہندیہ اتحاد ۲/ ۱۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر:)

## بطور سزا یا غلطی پر مالی جرمانہ وصول کرنے کا حکم

**سوال [۷۵۱۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص یا کوئی ادارہ یا محلہ یا کوئی مدرسہ کسی کی غلطی سدھارنے کے لیے یا سزا کے طور پر بطور جرمانہ کسی سے کچھ پیسے وصول کرتا ہے تو کیا یہ پیسے وصول کرنا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فرحان مقبرہ والی گلگت مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بطور سزا یا غلطی سدھارنے کی غرض سے کسی بھی ادارہ، محکمہ یا مدرسہ کا مالی جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ بطور سزا اور جرمانہ کے متعین رقم وصول کر لی جائے اور سال کے آخر میں وہ پیسہ واپس کر دیا جائے تو اس طرح جائز اور درست ہے، تاکہ وقتی طور پر دباؤ پڑ جائے۔

إن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول بہ إمساك شیء من مالہ عند مدة لینزجر ثم یعیده الحاکم الیہ لا أن يأخذہ الحاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمہ الظلمة إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغير سبب شرعی. (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا ۶/۱۰۶، کراچی ۴/۶۱، ہندیہ زکریا قدیم ۱۶۷/۲، جدید ۱۸۱/۲، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۴۱، زکریا ۵/۶۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰۲۶/۱۴۳۴ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۶۹/۴۰)

شوہر کا بیوی کی طرف سے دائر کیے گئے جھوٹے مقدمے کا خرچہ بیوی سے وصول کرنا

**سوال [۷۵۱۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہندہ منکوحہ پانچ سال سے اپنے میکہ والدین کے گھر میں رہ رہی ہے، اپنے شوہر کے پاس نہیں آئی، ہندہ نے غیر شرعی لباس (ساڑھی) نہ ملنے اور آزادانہ گھومنے پر پابندی وغیرہ کی وجہ سے شوہر سے نالاں ہو کر اپنے میکہ میں رہ کر شوہر پر دیوانی مقدمہ بھی تقریباً چار سال سے لگا رکھا ہے، یہی نہیں شوہر کو ستانے اور مزید پریشان کرنے کے لیے اس نے اپنے والدین کے کہنے پر اس عرصہ میں دور دراز مقامات پر دو مقامات اور شرعی عدالتوں میں بھی دائر کئے ہیں جس سے کہ شوہر ہر سہہ مقدمات سے کافی پریشان ہے، اور جو ظلماً اخراجات کرائے گئے اس سے زیر بار بھی ہو گیا، شوہر قانون شریعت کے مطابق اپنی منکوحہ کو اپنے پاس

رکھنا چاہتا ہے، مگر ہندہ مذکورہ زبردستی طلاق کی خواہاں ہے، یاد رہے کہ تحریر ہذا لکھے جانے تک مقدمہ دیوانی کورٹ میں زیر سماعت ہے، جبکہ شرعی عدالتوں کے مقدمات ثبوت و شہادت کے بعد خارج ہو چکے ہیں، شرعی مقدمات کے سلسلے میں تقریباً آٹھ سو روپے خرچ ہوئے ہیں، دیوانی کے اخراجات جو کئی ہزار روپے ہیں، وہ الگ ہیں، ایسی صورت میں شوہر اپنے ان جائز اخراجات کے پانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ کیونکہ محض جسمانی اور مالی اذیتوں سے دو چار کرنے کے لیے بیک وقت دو عدالتوں میں مقدمات قائم کیے، دوسری صورت میں اگر ہندہ ان اخراجات کو ادا نہیں کرتی ہے تو اس کے مہر جو ۵۵۱/۵ ہیں اور شادی میں جو چیز دیا گیا ہے جو ۸۷۷/۱۹ سے اب تک برت کر کافی کو ہندہ نے ختم کر دیا ہے، نیز مندرجہ بالا اخراجات سے کافی کم ہے، نہ ادا کرے، تو شرعاً دینے کا حقدار تو نہیں ہے؟ یعنی آخری صورت میں شوہر کا قول یہ ہے کہ طلاق ہی چاہیے تو ہر سہ مقدمات کے اخراجات ہندہ ادا کرے بصورت دیگر اپنا مذکورہ مہر اور مذکورہ چیز ختم کرے، یاد رہے کہ ہندہ اس کے والدین کافی متمول اہل ثروت ہیں، جبکہ شوہر غریب ہے، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ لوگ پریشان کرنے کے لیے ایسا کرتے رہتے ہیں، آپ شرعی اور اخلاقی حیثیت سے جواب عنایت فرمائیں کہ شوہر کا یہ مطالبہ جوٹنی بر انصاف ہے کیا صحیح نہیں ہے؟ اور شوہر ایسے مطالبہ کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں گے کہ مزید ظلم و ستم اور زبردستی سے نجات ہو؟

المستفتی: نظام الدین بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اخراجات مقدمہ میں شوہر فاعل مختار ہے، اس لیے بیوی پر اس کا تاوان واجب نہیں ہوگا، البتہ دین مہر اور اخراجات مقدمہ کے برابر مال کی شرط پر طلاق دینا اور شوہر کے لیے مال وصول کر لینا جائز ہو سکتا ہے۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال. (ہدایہ، کتاب

الطلاق، باب الخلع اشرفی ۲/۴۰۵، قدوری ص: ۱۸۰، ہندیہ زکریا قدیم ۱/۹۵، ۴،

بیوی جو مقدمات وغیرہ کے ذریعہ شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے، اس کا گناہ بیوی پر ہوگا۔ فقط  
واللہ تعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۹/۲۳)

## ڈاکٹر سے جرمانہ وصول کرنے کی ایک شکل

**سوال [۷۵۲۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری اہلیہ کے پتے میں پتھری تھی کئی مہینوں سے اس کا دہلی میں علاج چل رہا تھا، میں دہلی میں سروس کرتا ہوں رہنے والا رامپور اسٹیٹ کا ہوں، دہلی میں ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا کیونکہ یہاں پر خرچہ بہت زیادہ آ رہا تھا، دوسرے گھر کے افراد رامپور میں رہتے ہیں، اس لیے سہولت کے تحت اور کم خرچہ کی وجہ سے میں نے آپریشن رامپور میں کروا دیا، لیکن ٹانگے کٹنے کے بعد پیٹ میں بہت تکلیف رہنے لگی غرض کہ میرا اسپتال کے علاوہ بھی اچھا خاصہ خرچ ہو گیا یہ آپریشن میں نے پرائیویٹ نرسنگ ہوم میں کروایا تھا، چنانچہ جب تکلیف حد سے زیادہ بڑھنے لگی اور ٹانگے بھی اپنے آپ پھٹنے لگے، اور بہت زیادہ پس (پیپ) نکلنے لگی تو میں اپنی اہلیہ کو دہلی لے آیا یہاں بھی اچھا خاصہ خرچ ٹیسٹ وغیرہ میں آیا کئی ہسپتالوں میں دکھایا سب نے یہی بتایا کہ آپریشن کے دوران ایک پٹی جس سے زخم صاف کیا تھا پیٹ ہی میں چھوڑ دی ہے جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ رہی ہے، چنانچہ دہلی کے ایک ہسپتال میں دوبارہ آپریشن کرانا پڑا۔

تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ میرے تمام گھر والے اور ملنے جلنے والے یہ کہتے ہیں کہ اس ڈاکٹر سے جس نے پہلے آپریشن کیا تھا، اور جس کی وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانی پڑی، جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور مزید پیسہ خرچ ہوا، اس ڈاکٹر سے کمپن سیشن لینا چاہئے، میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا اس ڈاکٹر سے پیسہ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو کتنا لینا جائز ہے، کیونکہ خرچہ کا کچھ اندازہ نہیں ہے اور ابھی اہلیہ

ہسپتال میں ہے، آگے نہ معلوم کتنا خرچہ ہو، جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اپنے خرچہ کا دگنا تکنا بھی لیا جاسکتا ہے، وہ اس لیے کہ آگے ڈاکٹر کو تنبیہ ہو سکے اور انسانی جان کی اہمیت کو جان سکے تو اس قدر کمپن سیشن جائز ہے یا نہیں؟ اور کس قدر ڈیمانڈ جائز ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر واقعی یہ بات ثابت ہو جائے کہ پہلے آپریشن میں ڈاکٹر کی لاپرواہی سے پیٹ ہی میں پٹی رہ گئی ہے اس کی وجہ سے دوسرے آپریشن کی نوبت آئی ہے تو ایسی صورت میں دوسرے آپریشن کے تمام اخراجات پہلے ڈاکٹر سے وصول کیے جاسکتے ہیں، اور جتنے اخراجات ہوئے ہیں اتنے ہی لے سکتے ہیں زیادہ لینا مناسبت نہیں اور یہ واقعات ذلیل جنایات ہے، اور جنایات میں اتنا ہی لینا جائز ہے جتنا نقصان ہوا ہے۔

كما استفيد من عبارة الهداية: ولو وضع حجرا فحاه غيره عن موضعه فعطب به إنسان فالضمان على الذي نحاه. (هدايه، كتاب الدية، باب ما يحدثه الرجل فى الطريق، اشرفى ۴/ ۶۰۳، الجوهره النيرة، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۱۲، كوثه ۲/ ۲۲۲، تبیین

الحقائق مكتبه امداديه ملتان ۶/ ۱۴۵، زكريا ۷/ ۳۰۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۳ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

۱۴۱۶/۲/۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۱۵)

## پچاس ہزار کے مالی جرمانہ کا حکم

**سوال [۷۵۲۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور ہندہ کے درمیان ناجائز تعلق قائم ہوا جب گاؤں والوں کو معلوم ہوا تو گاؤں والوں نے زید کو ہندہ سے شادی کرنے کو کہا لیکن زید نے شادی کرنے سے انکار کر دیا، تو مجبوراً گاؤں والوں نے ایک پنچایت کی صورت میں زید سے سزا کے طور پر پچاس ہزار روپے وصول کیے ہیں، لہذا معلوم یہ کرنا ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ان روپے کا

مصرف کیا ہے؟ کیا ان روپیوں کو مسجد، مدرسہ یا دینی کتب خریدنے میں صرف کیا جاسکتا ہے یا گاؤں کے رفاہی کاموں غریب بچیوں کی شادی بیاہ کے موقع پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ میں ذکر کردہ واقعہ میں زید سے گاؤں کی پنچایت نے جو پچاس ہزار روپے بطور سزا اور جرمانہ وصول کیے ہیں، شرعاً وصول کرنا جائز نہیں ہے، لہذا اس پیسے کو مسجد، مدرسہ یا گاؤں کی غریب بچیوں کی شادی میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ زید ہی کو واپس کر دینا لازم ہوگا اور زید کے اوپر یہ لازم ہے کہ وہ اس گناہ عظیم سے سچی توبہ کرے، نیز زید کے لیے ہندہ کے ساتھ نکاح کر لینا بھی درست ہے۔

قال فی الدر: لا بأخذ مال فی المذہب، وتحتہ فی الشامیة: قال فی الفتح: و عن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما و باقی الأئمة: لا یجوز و مثله فی المعراج، و ظاہرہ أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف، قال فی الشرع نبالیة: ولا یفتی بہذا لما فیہ من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونہ، و مثله فی شرح الوہبانیة عن ابن وہبان ..... و فی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ والحاصل أن المذہب عدم التعزیر بأخذ المال. (در مختار مع الشامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا دیوبند ۶/۱۰۵-۱۰۶، کراچی ۴/۶۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

۱۴۲۹/۳/۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۱۵)

## پنچایت کے عائد کردہ مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت

**سوال [۷۵۲۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا زبیدہ کے ساتھ ازدواجی رشتہ طے ہو گیا اور منگنی بھی ہو گئی، لیکن اس کے بعد زید

نے زبیدہ کے کمزور کردار کی خبر سن کر (معلوم نہیں کہ خبر جھوٹی تھی یا سچی) رشتہ ختم کر دیا، اب اس معاملہ کو طے کرنے کے لیے برادری کی پنچایت ہوئی، پنچایتی لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو خرچ ہوا ہے وہ اور اس کے علاوہ مزید جرمانے کے طور پر ایک بڑی رقم زبیدہ کو ادا کرے، شرعی اعتبار سے وضاحت فرمائیں کہ اس خبر پر زبیدہ کا رشتہ ختم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور پنچایتی لوگوں کا زید پر خرچ و جرمانہ عائد کرنا صحیح ہے یا غلط، اور زبیدہ کا اس جرمانہ وغیرہ کو ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بدر حسین جلال پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** منگنی صرف وعدہ نکاح ہے نکاح نہیں ہے، البتہ بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا سخت گناہ ہے، لہذا زبیدہ کو چاہیے تھا کہ جب اسے لڑکی کے غلط کردار کی خبر دی گئی تو اس کی تحقیق کرتا، اس لیے کہ ایسے موقع پر اکثر و بیشتر غلط خبریں اڑادی جاتی ہیں، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور اڑی ہوئی خبر پر لڑکی کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا بجائے خود ایک گناہ ہے البتہ لڑکے سے رشتہ ختم کرنے کی بنیاد پر مالی جرمانہ وصول کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصِيبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ [الحجرات: ۶]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِتْمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲]

الخلف في الوعد حرام (الأشباه) وعن أبي يوسف يجوز التعزير بأخذ المال وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، و ظاهره: أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس. (شامي، كتاب الحدود، باب

التعزير، كراچی ۴/۶۱، زکریا ۶/۱۰۶)

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (البحر الرائق ۵/۴۱،



زکریا ۵/۶۸، شامی زکریا ۶/۱۰۵، کراچی ۴/۶۱، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة

۳/۱۶۴، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۱۶۷، جدید ۲/۱۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳/زی قعدہ ۱۴۳۲ھ

۱۳/۱۱/۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹/۴۰)

## کمیٹی والوں کا کسی شخص کو مالی یا جسمانی سزا دینا

**سوال [۷۵۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے گاؤں میں ایک کمیٹی ہے اگر کوئی شخص کسی پر ظلم و زیادتی کرتا ہے یا کوئی کسی کی زمین غصب کرتا ہے تو کمیٹی حق والے کو حق دلاتی ہے، اور نقصان کی تلافی و دفع ظلم کے لیے جرمانہ عائد کرتی ہے یا حسب ضرورت پٹائی بھی کرتی ہے یہ جرمانہ عائد کرنا یا پٹائی کرنا شرعاً درست و جائز ہے؟ اگر درست نہیں تو اس کی متبادل شکل پیش فرمائیں، جس سے لوگ دوسروں پر ظلم و زیادتی اور دوسروں کے حقوق دبانے سے رک جائیں؟

المستفتی: فصیح الدین مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** کمیٹی والوں کے لیے کسی شخص کو مالی یا جسمانی

تجزیر کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال. (البحر الرائق ۵/۴۱، زکریا

۵/۶۸، شامی زکریا ۶/۱۰۵، کراچی ۴/۶۱، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة ۳/۱۶۴، ہندیہ

زکریا قدیم ۲/۱۶۷، جدید ۲/۱۸۱، الموسوعة الفقهیة ۳۷/۳۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۰/جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ

۲۰/۶/۱۴۳۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۱۶/۳۷)

## مالی جرمانہ و دیگر مسائل

**سوال [۷۵۲۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک برادری نے اصلاح کے لیے کچھ قواعد دستور اساسی کے طور پر بنائے ہیں تاکہ خلاف شریعت رسومات بند ہوں، مثلاً: گیت نہ گائے جائیں، سہرانہ باندھا جائے وغیرہ، جو شخص خلاف ورزی کرتا ہے اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، بہت سا روپیہ بھی اس سلسلے میں برادری کے فنڈ میں موجود ہے، اور بہت سے برتن بھی کھانے کھلانے کے لیے اس رقم سے خریدے گئے ہیں جو برادری کی شادیوں میں سب ہی کے کام آتے ہیں، برتنوں کی کل رقم جرمانہ کی نہیں ہے بلکہ کچھ چندے سے خریدے ہیں، اب معلوم ہوا کہ مالی جرمانہ وصول کرنا شریعت کے خلاف ہے، اس لیے اب ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ جرمانہ کے بجائے کیا صورت اختیار کریں جس سے برادری پر اثر پڑ سکے، حقہ پانی بند کرنا، یا برادری سے اخراج بھی مؤثر عمل نہیں ہے، خارج ہوتے ہوتے خارج شدہ افراد کی اکثریت ہو جائیگی، اسی طرح ارشاد، تلقین، تزکیہ باطن جیسے اعمال بھی ان پر ناقابل عمل ہیں، کوئی ایسی صورت تجویز فرمائیے جس سے برادری مشترکانہ، ہندوانہ، جاہلانہ رسومات سے پاک ہو کر اسلامی معاشرے میں داخل ہو جائے؟

(۲) برادری سے اگر چندہ کیا جائے تاکہ ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف

کیا جاسکے تو اس کی کیا صورت اختیار کرنی چاہیے؟

(۳) جرمانہ میں وصول شدہ رقم اور خرید کردہ ظروف کا کیا کیا جائے؟ کیونکہ وہ بھی

جرمانہ کی رقم سے خریدے گئے ہیں اور نہ معلوم کتنے اس مسئلہ کے افراد وفات پا چکے ہیں؟

(۴) ہماری برادری میں عرصہ سے یہ دستور ہے کہ موت ہو جانے پر ساری برادری

کام بند کر دیتی ہے اس سے روزگار پر بھی اثر پڑتا ہے، اور اس سلسلے میں مالی جرمانہ بھی عائد کیا

جاتا ہے؟ ازراہ کرم جوابات سے نوازیں۔

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** شرعاً مالی جرمانہ جائز نہیں ہے، اس کے لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوافل مقرر کر دیئے جائیں، جس سے تائب ہو جانے کا قوی امکان ہے۔

لا بأخذ مال فی المذہب و تحثہ فی الشامیة: إذ لا يجوز لأحد من

المسلمین أخذ مال أحد بغير سبب شرعی. (شامی کراچی ۶۱/۴، زکریا ۱۰۶/۶)

(۲) جس سے جتنا مال جرمانہ لیا گیا ہے اتنی رقم اس کو واپس کر دی جائے، اور اگر وفات

پاگئے ہیں تو ان کے ورثاء کو واپس کر دی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۹۳/۶، ڈائجیل ۱۴/۲۸۴، ۶/۳۳۳)

(۳) زبردستی یا دباؤ ڈال کر چندہ حاصل کرنا جائز نہیں بلکہ جو اپنی خوشی اور بطیب

خاطر دیدے اس سے لیا جائے۔

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقہ اشرفیہ ص: ۱۱۰)

(۴) کام بند کرنا بے اصل ہے، کام اپنا جاری رکھیں، صرف تجھیز و تدفین اور نماز جنازہ

میں شرکت کے لیے کام میں وقفہ کیا جائے جو صرف ڈیڑھ گھنٹہ کا کام ہے، شریعت نقصان پر مجبور

نہیں کرتی ہے، اور جو لوگ ملازم ہیں ان کو نہ روکا جائے، جبکہ دوسرے لوگ موجود ہوں۔

الصلاة عليه صفتها فرض كفاية بالاجماع فيكفر منكرها لأنه أنكر

الإجماع في الشامی و وقتها وقت حضوره. (در المختار، کتاب الصلاة، باب فی

صلاة الجنائز، مطلب: فی صلاة الجنائز، زکریا دیوبند ۱۰۲/۳، کراچی ۲/۲۰۷)

لا ضرر ولا ضرار. (قواعد الفقہ اشرفیہ ۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴/رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۶۱/۲۶)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ۲۰ کتاب الجهاد

### ۱ باب الهجرة

#### ہجرت کی شرعی حیثیت

**سوال [۷۵۲۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں پریشانیوں اور یہاں کے حالات خراب ہونے کی وجہ (دیناچیپور) مغربی بنگال سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانا چاہتا ہوں تو شرعاً مجھ کو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحمید، دیناچیپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اگر آپ باسانی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر سکتے ہیں اور وہاں آپ کو افاقہ مل سکتا ہے تو مذکورہ حالات میں آپ کے لیے ہجرت کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

ہجرت در اسلام برد و وجہ واقع شد، اول انتقال از در خوف بدار امان (الی قولہ) و ثانی انتقال از دار کفر بدار اسلام (الی قولہ) و ہجرت انتقال از دار الکفر علی العموم ہر کراں براں قدرت بود باقی ماند تا روز قیامت الخ۔ (اشعۃ الممعات ۱/۳۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۳۲/۲۴)

## اسلام میں جہاد مدافعانہ ہے یا جارحانہ بھی؟

**سوال [۷۵۲۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام میں جہاد مدافعانہ ہی ہے یا جارحانہ بھی ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے ادوار میں تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کافر قوموں سے بھی قتال کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلتے تھے، سرایا وغیرہ کا بھیجا جانا اور کفار پر غفلت کی حالت میں حملہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے؟

المستفتی: بشیر احمد فیلڈ اسٹریٹ آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اسلام میں مدافعانہ اور جارحانہ دونوں طرح جہاد مشروع ہے، تفصیل یوں ہے کہ جہاد و قتال کا مقصد دفع فساد اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے، نہ کہ ایمان پر مجبور کرنا اور دفع فساد و طریقے سے ہو سکتا ہے:

(۱) دفع فساد مدافعانہ طریقے سے کہ جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں تو مدافعت کے لیے جہاد کرنا مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے، جس کو سورہ بقرہ آیت ۱۹۰ اور سورہ حج آیت ۳۹ میں بیان کیا گیا ہے، شریعت میں اس طرح کے جہاد کو مدافعانہ جہاد کہا جاتا ہے

(۲) دفع فساد کی دوسری صورت اقدامی اور جارحانہ طریقے سے کہ جب مسلمانوں کو کفار کی قوت و شوکت سے اسلام کی آزادی و حفاظت کا خطرہ ہو تو ان کی طرف سے ہاجمانہ حملہ ہونے سے پہلے ہی لشکر اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ ان سانپ بچھوؤں کے سر پھیل دیں، چاہے مقابلہ کی شکل میں ہو یا غفلت اور مفاجاتی حملہ کی شکل میں، ہر ممکن ان کے سر پہلے ہی پھیل دینے کا حکم ہے، جس کو سورہ بقرہ آیت ۱۹۳ اور سورہ برأت آیت ۵ میں بیان کیا ہے، شریعت میں اس کو اقدامی و جارحانہ جہاد کہا جاتا ہے، لہذا دونوں طرح کے جہاد میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے۔ (مستفاد: سیرت المصطفیٰ ۱/۴۹۴، معارف القرآن ۱/۲۵۱)

آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ، وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُواكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. [البقرة: ۱۹۰-۱۹۱] ﴾

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انتهوا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ. [البقرة: ۱۹۳] ﴾

﴿ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُواهُمْ وَاحْضَرُوهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ. [التوبة: ۵] ﴾

﴿ أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله على نصرهم لقدير. [الحج: ۳۹] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲/رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۳/۲۵)

## مسلمانوں پر جہاد کب فرض ہے؟

**سوال [۷۵۲۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جہاد مسلمانوں پر کب فرض ہوتا ہے؟ اس کی کیا شرطیں ہیں؟  
المستفتی: شبیر احمد، آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب سربراہ مملکت کو دشمنوں کی حملہ آوری کا علم ہو جائے تو جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

قال بعضهم: الجهاد قبل النفير تطوع وبعد النفير يصير فرض عين،

وعامة المشائخ رحمهم الله تعالى قالوا: الجهاد فرض على كل حال، غير أنه قبل النفير فرض كفاية وبعد النفير فرض عين هو الصحيح، ومعنى التفسير أن يخبر أهل مدينة أن العدو قد جاء يريد أنفسكم و ذراريتكم و أموالكم فإذا أخبروا على هذا الوجه افترض على كل من قدر على الجهاد من أهل تلك البلدة أن يخرج للجهاد. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب السیر، الباب

الاول، زکریا قدیم ۱۸۸/۲، جدید ۲۰۵/۲، شامی کراچی ۴/۱۲۲، زکریا ۱۹۹/۶)

اور جہاد کی شرائط میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ اسلامی لشکر ہو، اور سربراہ مملکت و سربراہ لشکر ہو، اور اس سربراہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، احکام اسلام نافذ کرنے پر قادر ہو، اور اسلامی سرحد کی حفاظت و دشمنوں کے مقابلہ میں لشکر کشی کرنے پر قادر ہو، ظالم و مظلوم کے درمیان قوت قاہرہ کے ذریعہ سے انصاف کرنے پر قادر ہو، اس کے بغیر مسلمانوں کو دشمنوں کے پنجے میں جہاد کے نام سے ڈال دینا ہرگز جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔  
ویشترط كونه مسلماً حراً ذكراً عاقلاً بالغاً قادراً و تحته في الشامية:

قادراً على تنفيذ الأحكام و إنصاف المظلوم من الظالم و سد الثغور و حماية البيضة و حفظ حدود الإسلام و جر العساكر. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرى، کراچی ۱/۵۴۸، زکریا دیوبند ۲/۲۸۰، إعلاء السنن کراچی ۳/۱۲، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۶۰۵)

ويتقدم إلى من يؤمره أن لا يحمل المسلمين على مهلكة ولا يأمرهم بدخول مطمورة يخاف أن يقتلوا تحتها فإن فعل ذلك فقد أساء ويستغفر الله تعالى. (إعلاء السنن، کتاب السیر، باب فرضیة الجہاد و دوامہ مع کل امیر برا و

فاجراً کراچی ۶/۱۲، دار الکتب العلمیة بیروت ۶/۱۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۱/۲۵)

## کیا ہندوستانی مسلمانوں پر جہاد فرض ہے؟

**سوال [۷۵۲۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان کے اندر مسلمانوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور جہاد ہندوستان کے ہندوؤں سے کرنا ہے تو ہندوستان میں رہتے ہوئے یہاں کے ہندوؤں سے جہاد کیا جاسکتا ہے؟ اسلامی جہاد کی کتنی شرائط ہیں، اور کیا کیا؟ نیز ان شرائط کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ شرائط ہندوستان میں پائی جاتی ہیں؟

المستفتی: شاہجہاں علی امدادیہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ہندوستان میں جہاد فرض نہیں ہے اس لیے کہ فرضیت جہاد کی جو شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں وہ شرطیں ہندوستان میں نہیں پائی جاتی ہیں، جہاد کے فرض ہونے کے لیے چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اعلاء کلمۃ اللہ: اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی غرض سے جہاد ہو۔

(۲) جس قوم سے جہاد کرنا ہے اس کے اور مسلمانوں کے درمیان سرحد اور باڈر ہو ورنہ مخلوط آبادی کی صورت میں لڑائی شروع کر دی جائے تو وہ جہاد نہ ہوگا بلکہ خانہ جنگی ہوگی، تم ان کا ایک مارو گے وہ تمہارے دس ماریں گے۔

(۳) تمام مسلمانوں کا سپہ سالار ایک ہو اس لیے کہ سپہ سالار و قائد متعدد ہوں تو آپس میں لڑیں گے، دشمنوں سے مقابلہ نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے جنگ کے وقت سارے مسلمانوں کا ایک ہی قائد ہونے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت علیؓ کے واقعہ میں موجود ہے۔

(۴) دشمنان اسلام کے لشکر اور ہتھیاروں کی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لشکر اور ہتھیاروں کی تعداد ان کی نصف سے کم نہ ہو، ان شرائط کے بغیر جہاد کا نام لینا شریعت کے احکام سے ناواقفیت اور جہالت ہے۔



اور ہندوستان میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں، اس لیے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستانی ہندوں کے ساتھ ہندوستان میں رہتے ہوئے جہاد کا نام دے کر لڑنا جائز نہیں ہے۔

عن أبی موسیٰ قال جاء رجل إلى النبی ﷺ فقال: الرجل یقاتل للمغمم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیری مکانہ فمن فی سبیل اللہ قال: من قاتل لتکون کلمة اللہ هی العلیا فهو فی سبیل اللہ. (بخاری شریف، باب من قاتل لتکون کلمة اللہ ہی العلیا، النسخة الهندیة ۱/۳۹۴، رقم: ۲۷۲۶، ف: ۲۸۱۰، صحیح مسلم، الأمانة، باب من قاتل لتکون کلمة اللہ ہی لعلیا فهو فی سبیل اللہ، لنسخة الهندیة ۲/۱۳۹، بیت الأفكار رقم: ۱۹۰۴)

بقی أن النفر إذا کان عاماً فهل یجب الجهاد عینا علی المسلمین المقیمین بدار الحرب أيضاً أم لا؟ والظاهر أن المخاطب بقوله: وإذا استنفرتم فانفروا؛ أهل دار الإسلام لا غیرهم وهذا هو المراد بقول الفقهاء. (إعلاء السنن، کتاب السیر، باب وجوب الجهاد عینا علی من استنفرهم الإمام..... دار الکتب العلمیة بیروت ۱۱/۱۲)

عن البراء قال: بعث النبی ﷺ جیشین و أمر علی أحدهما علی بن أبی طالب و علی الآخر خالد بن الولید وقال: إذا کان القتال فعلی. (ترمذی شریف، المناقب، النسخة الهندیة ۲/۲۱۴، دار السلام رقم: ۳۷۲۵، صحیح البخاری، المغازی، باب بعث علی بن أبی طالب..... النسخة الهندیة ۲/۶۲۳، رقم: ۴۱۷۷، ف: ۴۳۵۰)

وفی الحدیث دلالة علی اشتراط الأمر للجهاد و أنه لا یصح بدونه لقلوله علیه السلام: الجهاد واجب علیکم مع کل أمر فإذا لم یکن للمسلمین أمر فلا جهاد. (إعلاء السنن، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۱۲)

﴿لَا نَحْفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِثَّةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [الأنفال: ۶۶] ﴿فَقَطَّ وَتَعَالَى الْعِلْمُ﴾

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۳/۴۰)

## کیا ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں؟

**سوال [۷۵۲۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں، اسلامی جہاد کی شرائط کتنی ہیں اور کیا کیا ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کرنا جائز نہیں

کیونکہ یہاں جہاد کی شرائط مفقود ہیں، جہاد کی چار شرطیں ہیں، ان میں تین واجبی ہیں:

(۱) جس قوم سے جہاد کرنا ہے مسلمانوں اور اس قوم کے درمیان حد فاصل

(بارڈر) ہونا لازم ہے۔

(۲) تمام مسلمانوں کا سپہ سالار اور قائد ایک ہو، وہ یہاں مفقود ہے۔

(۳) صرف اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہو۔

(۴) دشمنان اسلام کے لشکر اور آلات و ہتھیار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد و

آلات جہاد کم سے کم آدھا ہو۔ ان شرائط کے بغیر جہاد کا نام لینا جہالت ہے۔

عن سہل بن سعد أن رسول اللہ ﷺ قال أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا:

لا إله إلا الله فإذا قالوا لا إله إلا الله عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحقها و

حسابهم على الله. (المعجم الكبير للطبرانی، دار احیاء التراث العربی ۱۳۲/۶، رقم: ۵۷۴۶)

وفی الحدیث دلالة علی اشتراط الأُمیر للجہاد و أنه لا یصح بدونه

..... و حفظ حدود دار الاسلام و إنصاف المظلوم من الظالم إذا الإخلال

بہذہ الأمور محل بالغرض ..... و ینبغی أن یتددی بترتیب قوم فی أطراف

البلاد یکفون من یأزئهم من المشرکین. (اعلاء السنن، کتاب السیر، باب فرضیة

الجہاد و دوامہ، کراچی ۱۲/۴-۵-۶، بیروتی ۱۲/۴-۶)

أما شرط إباحته فشیئان: أحدهما امتناع العدو عن قبول ما دعی إلیه

من الدين الحق، وعدم الأمان والعهد بيننا وبينهم، والثاني: أن يرجو الشوكة والقوة لأهل الاسلام باجتهاده أو باجتهاد من يعتقد في اجتهاده ورأيه و إن كان لا يرجو القوة والشوكة للمسلمين في القتال فإنه لا يحل له القتال لما فيه من إلقاء نفسه في التهلكة. (هنديہ، كتاب السير، الباب الأول، زكريا قديم ۱۸۸/۲، جديد ۲۰۵/۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۴/۲۰)

## کیا کفار سے جہاد کرنا اکراہ میں داخل ہے؟

**سوال [۷۵۳۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام کے بارے میں زبردستی کو قرآن میں منع کیا گیا ہے، ”لا اکراہ فی الدین“ لیکن حدیث میں ہے، ”أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله“، شاید اسی وجہ سے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ظہور اسلام کے بعد کفار ایمان نہ لائیں تو ان سے جہاد کیا جائیگا، اور ظہور کے بعد ایمان نہ لانے پر ان سے لڑنا تا کہ ایمان کے دائرہ میں داخل ہو جائیں، اکراہ نہیں ہے؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد توفیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حدیث نبوی ”أمرت أن اقاتل الناس حتى

يقولوا لا إله إلا الله“ (مسلم شریف، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله

محمد رسول الله، السنخة الهندية ۳۸/۱، بيت الأفكار رقم: ۲۱)

اس حدیث شریف کے اندر اعلیٰ کلمۃ اللہ کو حتیٰ یقولوا لا إله إلا اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور

اعلاء کلمۃ اللہ بعض حالات میں قتال و جہاد کے ذریعہ اور کبھی جزیہ کے ذریعہ اور کبھی معاہدے

کے ذریعہ سے حاصل ہو جاتا ہے، اور حدیث بالا کے اندر اعلیٰ کلمۃ اللہ اور دفع فساد بذریعہ قتال و جہاد کو بیان کیا گیا ہے، نہ کہ کفار کو ایمان پر مجبور کرنے کو فرمایا گیا ہے، شرح حدیث لکھتے ہیں:

أن يكون المراد بما ذكر عن الشهادة و غيرها التعبير عن إعلاء  
كلمة الله و إذعان المخالفين فيحصل في بعض بالقتل و في بعض بالجزية  
و في بعض بالمعاهدة. (فتح الملهم اشرفیہ دیوبند ۱/۱۹۱)

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا  
عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ. [البقرة: ۱۹۳] ﴾

خلاصہ عبارت یوں ہوگا کہ ”أمرت أن اقاتل الناس حتى يكون الدين كله  
لله و لا تكون فتنة و كلمة الله هي العليا“ ابی ثابت ہوا کہ قتال کا حکم کفار کو اسلام  
میں داخل کرنے کے لیے نہیں تھا، بلکہ اسلام کو ان کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے کے لیے تھا،  
لہذا ثابت ہوا کہ حدیث بالا میں دفع فساد کے لیے قتال کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ جلب ایمان  
کے لیے، اور ”لا اکراه في الدين“ کے اندر جبر و اکراه سے اسلام میں داخل کرنے کی ممانعت  
کی گئی ہے، دفع فتنہ و فساد کی ممانعت ہرگز نہیں کی گئی ہے، نیز عرب کے لوگ اپنے آبائی دین  
کے عار کے سامنے جان و مال کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے ہر طرح تیار ہو جاتے تھے، لیکن  
باپ دادا کے دین پر داغ لگنے کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے جن لوگوں نے  
تحت السيف اسلام قبول کیا ہے انہوں نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول نہیں کیا ہے، بلکہ  
اللہ تعالیٰ نے ان کو وقعت اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اس لیے ان کو سچا پکا مسلمان تسلیم کیا گیا،  
اور سچائی کے ساتھ دنیا سے گذر بھی گئے، جیسا کہ محققین نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

فإن قيل مشركو العرب الذين أمر النبي ﷺ بقتالهم و أن لا يقبل منهم  
إلا الاسلام أو السيف قد كانوا مكرهين على الدين، و معلوم أن من دخل في  
الدين مكرها فليس بمسلم فما وجه إكراههم عليه، قلنا، لم يكن العرب  
ليدخلوا في دين غير دين آبائكم مكرهين هم قوم لا يعطون الدينية مخافة  
الموت و يرجحون بذل النفوس دون العار فمن دخل منهم الاسلام دخل فيه

طوعاً برغبته ومن لم يرض بالدخول فيه أثر القتل فقتل الخ. (أحكام القرآن للتهانوی ۱/۴۵۶)

سوال یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر کسی کا فرقیہی کو قتل کے لیے پیش کیا جائے اور اسی وقت وہ اسلام قبول کر لے تو اس کا اسلام بالاتفاق صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ تلوار کے خوف سے بالجبر والا کراہ ایمان قبول کرایا گیا ہے، جو لا اکراہ فی الدین کی منافی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے قتل کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اس مفسد کے فتنہ کو ختم کرنے کے لیے قتل کا حکم صادر کیا گیا ہے، ورنہ کتنے ذمی اسلامی حکومت کے زیر سایہ مطیع ہو کر رہتے ہیں، اگر جبراً اسلام میں داخل کرنا مقصود ہوتا تو ان ذمیوں پر اکراہ بہت آسان تھا، اور دفع فتنہ کی غرض سے قتل کے وقت جب بخوشی ایمان قبول کر لیا تو اب فتنہ کا اندیشہ باقی نہ رہا، اور مسلمانوں کے تمام حقوق اس کو حاصل ہو جائیں گے۔

وفيه صيانة من أتى بكلمة التوحيد نفسه ولو كان عند السيف وفيه أن الأحكام تجرى على الظاهر. (أحكام القرآن ۱/۴۰)

لہذا حضور ﷺ کے تمام غزوات یا تو کفار کے حملہ کو دفع کرنے کے لیے یا ان سے خطرہ کی بنیاد پر اقدامی تھے، نہ کہ کفار کو جبراً کراہ سے ایمان میں داخل کرنے کے لیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۱۰/۲۵)

## کفار ہند ذمی ہیں یا حربی؟

**سوال [۷۵۳۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کفار ہند کو کیا کہنا چاہیے ذمی، مستامن یا حربی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے حق

میں ہندو اور باب وطن شرعی طور پر معاہدہ کے حکم میں ہیں اور معاہدہ کی جان و مال عزت و آبرو کی رعایت کرنا لازم و ضروری ہے، اسی طرح ان کے اوپر بھی مسلمانوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی رعایت کرنا لازم و ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکم ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۸۷)

## کیا ہندوؤں کا لوٹا ہوا مال مالِ غنیمت ہے؟

**سوال [۷۵۳۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ سال ضلع بھگلپور میں غیر مسلموں نے مسلمانوں پر حملہ کیا بہت سے مسلمانوں کی جانیں گئیں، مال بھی لوٹا گیا، دریں اثناء مسلمانوں نے بھی غیر مسلموں کے گاؤں پر حملہ کیا، اور غیر مسلموں کو مارا پیٹا اور ان کے مال کو بھی لوٹ لائے جس میں غلہ نقد روپیہ، سونا چاندی، اور جانور وغیرہ ہیں، کیا اس لوٹے ہوئے مال کا کھانا بطور مالِ غنیمت کے مسلمانوں کے لیے جائز ہے؟ جواب بالتفصیل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد خالد غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ہندوستان جمہوری حکومت ہے اس کے باشندے مسلم و غیر مسلم سب ایک حاکم ہی کے زیرِ تحت رہ کر شہری زندگی گزارتے ہیں ایسی حکومت میں اگر کسی غیر مسلم قصبہ یا محلہ کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم ہو تو ظلم کا تعلق صرف اسی قصبہ یا محلہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، دوسرے غیر مسلم قصبہ یا محلہ کا مال لوٹنا مظلوم یا غیر مظلوم مسلمانوں کے لیے ہرگز جائز و درست نہیں ہے، اس لیے مذکورہ لوٹے ہوئے مال اپنے استعمال میں لانا ناجائز اور حرام ہوگا اس لیے کہ وہ مال غصب ہے، لہذا اگر مالکان تک رسائی ممکن نہ ہو تو غریب و نادار فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہوگا۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستتجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يردّه على مالكة إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء الخ. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، تحت رقم الحديث ۵۹، سہارنپور قدیم ۳۷/۱، دار البشائر الاسلامیہ ۱/۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتاب: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۵/۱۱۱/۱۳۱۱ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۸)

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۳۱۱/۷/۱۵ھ

## کسی لڑائی میں غیروں کا مال آجائے تو کیا حکم ہے؟

**سوال [۷۳۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی لڑائی میں غیروں کا مال ہاتھ آیا تو کیا وہ مال غنیمت میں شمار ہوگا اسی طرح ان کی عورتیں ہاتھ آئیں تو کیا ان کو باندیاں بنایا جاسکتا ہے، اور بغیر نکاح کے ان سے صحبت کرنا صحیح ہے؟ براہ کرم جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حکومتی سطح پر جنگ و لڑائی ہو جائے اور مسلم حکومت کو حربی غیر مسلمین کے مال اور عورتیں ہاتھ آجائیں تو وہ غنیمت میں شامل ہوں گی، اسی طرح غیر مسلم حکومت غالب آجائے تو وہ بھی مسلمانوں کی اشیاء کی مالک ہو جائے گی، تقسیم غنائم کے بعد جس کے حصہ میں باندی آئیگی وہ بغیر نکاح کے صحبت کر سکتا ہے۔

إن غلبنا على الشرك حل لنا ما نأخذه من ذلك أي من أموالهم و

أولادهم (إلى قوله) فإن غلبوا على أموالنا، اعلم أن الكفار إن غلبوا على أموال المسلمين وأحرزوها بدارهم ملكوها عندنا. (الجوهرة النيرة، كتاب السير، كوئثہ ۳۶۵/۲، دار الكتاب ديوبند ۳۴۷/۲، البحر الرائق كوئثہ ۹۵/۵، زكريا ۱۶۰/۵، فتح القدير، دار الفكر مصرى ۳/۶، زكريا ۳/۶، كوئثہ ۲۵۴/۵)

وتثبت الأحكام أى من حل الوطى و البيع والعناق والإرث. (شامى، كتاب الجهاد، باب المغنم و قسمته، مطلب: فى قسمة الغنيمه، زكريا ۲۳۰/۶، كراچى ۱۴۱/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالى اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۱۲/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۱۳۱۸/۲۵)





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ۲۱ کتاب اللقطۃ

### ۱ باب اللقطۃ

#### لقطہ کا حکم

**سوال [۷۵۳۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لقطہ کا حکم عام کتب فقہ و فتاویٰ میں صدقہ کر دینا لکھا ہے، لیکن حضرت تھانویؒ نیک کام میں صرف کرنے کو لقطہ کا حکم لکھتے ہیں، تو لقطہ کو صدقہ واجبہ میں شمار کریں گے یا صدقہ نافلہ میں؟ اگر صدقہ واجبہ میں شامل کریں گے تو حضرت تھانویؒ کی مذکورہ عبارت کی توجیہ کیا ہوگی؟  
المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حضرت تھانویؒ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے مناسب یہ تھا کہ کس کتاب کے کس صفحہ پر یہ عبارت ہے ذکر کر دیتے، بہر حال لقطہ کے بارے میں حکم یہی ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا سرمایہ دار ہے تو اس کی تشہیر اور انتظار مکمل ہو جانے کے بعد صدقہ کرنا لازم اور واجب ہے، نیک کام اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی بات ہمارے سامنے نہیں آئی، البتہ اگر لقطہ اٹھانے والا فقیر ہے تو تشہیر اور انتظار مکمل ہونے کے بعد اس کو اختیار دیا گیا ہے، چاہے تو اپنی ذات پر خرچ کرے یا کسی فقیر اور ضرورت مند کو دیدے، لیکن یہ صراحت کہیں نہیں ملی کہ لقطہ اٹھانے والا فقیر بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کر کے رفاہ عام اور کار خیر میں صرف کرے۔

عن ابی ہریرۃ أن رسول اللہ ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئاً فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردّها إليه وإن لم يأت صاحبها فليصدق بها. (سنن الدار قطنی، کتاب الرضاع، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۰۸/۴، رقم: ۴۳۴۳، نصب الرایة ۷۰۵/۳، المعجم الأوسط، دار الفکر ۶۰۰/۱، رقم: ۲۲۰۸، الدرایة مع الهدایة اشرفی ۶۱۴/۲)

وإن كان الملتقط غنيا لم يجز له أن ينتفع بها ..... وإن كان الملتقط فقيرا فلا بأس بأن ينتفع بها. (هدایہ، کتاب اللقطة اشرفی ۶۱۷/۲، البحر الرائق کوئٹہ ۱۰۷/۵، زکریا ۲۶۴/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۰۳/۳۹)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۳۱/۶/۲۲

## ملتقط فقیر کا لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے

**سوال [۷۵۳۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید خود مسکین و فقیر ہے اور وہ کسی جگہ پر ایک گھڑی پاتا ہے بعد اعلان کے منتظر رہا، مگر ایسی جگہ ہے جہاں علاوہ مقامی کے باہری بھی بہت آتے ہیں اور مقامی و باہری حضرات سے معلومات بھی کی گئی ہے، لیکن پیسہ نہیں چل سکا ہے تو کیا زید اس کو استعمال کر سکتا ہے، جبکہ زید مسکین ہے؟

(۲) اسی طرح کوئی صاحب نصاب کوئی چیز پائے بعینہ اسی مسئلہ بالا کی طرح ہو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: قاری سجاد حسین، اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر پانے والا شخص فقیر اور ضرورت مند ہے تو اس

کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

عن الحسن قال: إذا كان إليها محتاجاً فليأكلها. (المصنف لابن أبي

شيبه، ما رخص فيه من اللقطة، مؤسسة علوم القرآن جديد ۱/۱۱/۲۲۴ رقم: ۲۲۰۷۰)

وإن كان الملتقط فقيراً فلا بأس بأن ينتفع بها. هداية، كتاب اللقطة

اشرفی ۲/۶۱۸، قلموری، ۱۴۸، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۲۹۱، جدید ۲/۳۰۰)

(۲) اگر پانے والا شخص مالدار ہے تو اس کیلئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے بلکہ

حسب استطاعت تشہیر کے بعد کسی محتاج کو صدقہ کر سکتا ہے۔

وإن كان الملتقط غنياً لم يجز له أن ينتفع بها. (هداية، كتاب اللقطة أشرفی

۲/۶۱۷، قلموری ۱۴۸، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۲۹۱، جدید ۲/۳۰۰ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۷ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۶۶)

## نام معلوم شخص کے کبوتر گھر آجائیں تو ان کا حکم

**سوال [۵۳۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں کے پالے ہوئے کبوتر مثلاً عبد اللہ کے پالتو

کبوتر عبد الرحمن کے کبوتروں میں جاتے ہیں اور پھر عبد الرحمن ہی کے گھر رہنے لگتے ہیں اور

بچے دیتے ہیں اور عبد اللہ کے گھر نہیں لوٹتے اور نہ عبد اللہ کے گھر کا پتہ چلتا ہے، تو کیا یہ

دوسرے یعنی عبد اللہ کے پالے ہوئے کبوتر یا اس کے بچے عبد الرحمن کھا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد اشفاق بھگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** عبد الرحمن کے لیے عبد اللہ کے کبوتر کو اپنے

یہاں روک لینا اور اس کو کھانا جائز نہیں، بلکہ عبد اللہ کو وہی کبوتر واپس کر دینا واجب ہے،

کھائے گا تو حرام کھائے گا۔

عن ابی حرة الرقاشی، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقہ اشرفی ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۶۶)

## نامعلوم شخص کی مرغی گھر آجائے تو اس کا حکم

**سوال [۷۵۳۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی مرغی عبد اللہ کے گھر آگئی اور باوجود کوشش و جستجو کے مرغی والے کا پتہ نہ چلا تو کیا اس مرغی کو یا اس کے انڈے کو عبد اللہ کھا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق بھگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر تلاش و جستجو کے باوجود مرغی کا مالک نہ ملے تو

دو گواہوں کے سامنے اس کو صدقہ کر دینا لازم ہے خود اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔

عن ابی ہریرة قال قال رسول الله ﷺ: سئل عن اللقطة، فقال: لا

تحل اللقطة من التقط شيئاً فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردّها إليه وإن لم يأت صاحبها فليصدق بها فإذا جاء فليخيره بين الأجر، وبين الذی له.

(سنن الدارقطنی، کتاب الرضاع، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۰۸، رقم: ۴۳۴۳،

المعجم الأوسط دار الفکر ۱/ ۶۰۰، رقم: ۲۲۰۸، الدراية مع الهدایة اشرفی ۲/ ۶۱۴)

فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها. (هدایة کتاب اللقطة اشرفی ۲/۶۱۵)  
فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۹ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۶۶)

## اسٹیشن پر ملنے والی سونے کی چین کا حکم

**سوال [۷۵۳۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے زمانے میں لفظ کا کیا مسئلہ ہوگا ایک صاحب کو اسٹیشن کی سیڑھی پر سے سونے کی چین ملی اور انہوں نے اٹھالی، اب یہ صاحب کیا کریں، کیا صدقہ کر دیں یا کچھ اور کریں؟  
المستفتی: ذبح الرحمن قاسمی، بدست عزیز کرامت علی قاسمی  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جن صاحب کو چین ملی ہے ان پر لازم ہے کہ چین کو حفاظت سے رکھے رہیں، اور چین کے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کریں، ممکن ہو تو اسٹیشن پر اعلان کرادیں اور اخبار میں بھی شائع کرادیں، اور جب ظن غالب ہو جائے کہ مالک نے اپنی چین کو تلاش کرنا چھوڑ دیا ہوگا اور مالک کے ملنے کی توقع نہ رہے تو چند لوگوں کو گواہ بنا کر اصل مالک کی طرف سے کسی غریب کو صدقہ کر دے۔

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئاً فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليرد ها إليه وإن لم يأت صاحبها فليصدق بها فإذا جاء فليخبره بين الأجر، وبين الذي له. (سنن الدارقطني، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۱۰۸، رقم: ۴۳۴۳،

المعجم الأوسط، دار الفكر ۱/۶۰۰، رقم: ۲۲۰۸، الدراية مع الهداية اشرفی ۲/۶۱۴)

ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن

صاحبہا لا یطلبہا بعد ذلک (إلی قولہ) ثم بعد تعريف المدة المذكورة، الملتقط  
مخیر بین أن یحفظها حسبة و بین أن یتصدق بها. (هنديہ، کتاب اللقطة، زکریا

قدیم ۲/۲۸۹، جدید ۲/۲۹۹، وھکذا فی القلوری ص: ۱۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

۱۴/۲۹/۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۶۱)

## لقطہ کی رقم مسجد میں لگانا

**سوال [۷۵۳۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد میں یا خارج مسجد کچھ رقم ہاتھ لگتی ہے، لوگ اعلان کر دیتے ہیں لیکن جب اس  
رقم کا مالک نہیں ملتا تو وہ رقم لوگ مسجد کے گولک میں ڈال دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ گمشدہ  
رقم کا مالک اگر نہ ملے تو وہ رقم مسجد میں دی جاسکتی ہے یا کسی غریب کو صدقہ کر دینا چاہیے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب اعلان کے باوجود رقم کا مالک نہ ملے اور

اس کے ملنے سے مایوسی ہو جائے تو اس رقم کو اصل مالک کی طرف سے مساکین و فقراء پر تقسیم  
کر دیا جائے، اس رقم کو مسجد میں دینا درست نہیں ہے، لیکن اگر وہ کسی وقت آ گیا تو اس کو یہ  
اختیار ہوگا کہ صدقہ پر راضی ہو جائے اور چاہے تو اپنے پیسے وصول کر لے۔

عن عمر بن الخطاب قال فی اللقطة: یعرفها سنة، فإن جاء صاحبها و

إلا تصدق بها، فإن جاء صاحبها بعد ما یتصدق بها، خیرہ، فإن اختار  
الأجر، كان له، و إن اختار المال، كان له ماله. (مصنف عبد الرزاق، کتاب

اللقطة، المجلس العلمی ۱۰/۱۳۹، رقم: ۱۸۶۳۰)

فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها (إلی قولہ) فإن جاء صاحبها یعنی بعد ما

تصدق بها فهو بالخيار إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها و إن شاء ضمن الملتقط.

(ہدایہ، کتاب اللقطہ، اشرفی ۶۱۵/۲، قلوری ص: ۱۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۳/۸/۱۴۲۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۳ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۰۰)

## گمشدہ روپے اٹھا کر مسجد میں دینا

**سوال [۷۴۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: گمشدہ پیسہ اٹھا کر مسجد کی گولک میں ڈال دینا جائز ہے یا نہیں؟  
المستفتی: طریق الاسلام کھڑی آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** پایا ہوا پیسہ اٹھا کر مسجد کی گولک میں ڈال دینا جائز نہیں ہے، بلکہ اصل مالک کو دینا لازم ہے، اگر اصل مالک نہ مل سکے اور امید بھی نہ ہو تو پھر ایسا پیسہ فقیر غریب کو صدقہ کر دیا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۲۴۷، جدید ڈائجیل ۱۴/۱۶۰)

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئاً فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردّها إليه وإن لم يأت صاحبها فليصدق بها. (سنن الدار قطنی، کتاب الرضاع، دار لکتب العلمیة بیروت ۴/۱۰۸، رقم: ۴۳۴۳، المعجم الأوسط، دار الفکر ۱/۶۱۰، رقم: ۲۲۰۸، الدرایة مع الہدایة اشرفی ۲/۶۱۴)

فینتفع الرافع بها لو فقیراً وإلا تصدق بها علی فقیر. (در مختار علی الشامی، کتاب اللقطہ، زکریا دیوبند ۶/۴۳۷، ۴۳۸، کراچی ۴/۲۷۹، ہدایہ اشرفی ۲/۶۱۵)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۵ رجب الثانی ۱۴۲۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۷)

## لقطہ کے جانور پر خرچ کی گئی رقم کہاں سے وصول کریں؟

**سوال [۷۵۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مملکت جانور کے لقطہ کو واپس کرتے وقت مالک سے اپنا خرچ وغیرہ لے گا، کمانی الدر المختار۔ لیکن اگر ایک سال اعلان کرنے کے بعد بھی مالک نہ مل سکا تو غنی شخص اس جانور کو صدقہ کرے گا، مگر سوال یہ ہے کہ ایک سال چارہ وغیرہ کا خرچ وہ کہاں سے وصول کریگا، کیا اس جانور کو فروخت کر کے اس کی قیمت میں سے اپنا خرچ لے سکتا ہے، یا نہیں؟ صریح جزئیہ اگر مل جائے تو نقل فرمادیں۔

اور اگر اس دوران اس جانور سے کوئی بچہ پیدا ہو تو کیا اس کا بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، یا مملکت کی ملکیت میں آجائے گا، جبکہ اسی کے یہاں رہنے سے اس جانور کے بچہ پیدا ہوا ہے، اور اس نے اس جانور کی ہر طرح سے دیکھ بھال کی ہے، شامی میں تو اس طرح کے جزئیات نہ مل سکے، دیگر کتب میں مل جائیں تو نقل فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد فاروق غفرلہ بخجور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ایک سال تک اعلان کا حکم جانوروں میں مطلق نہیں ہے، بلکہ جن کے لیے منافع ہوں مثلاً دودھ دینے والے ہوں یا بار برداری وغیرہ کے کام کے ہوں تو اس طرح کے جانور کی کمائی سے اس پر خرچ کیا جائے گا اور اگر ایسا جانور ہو کہ اس کے لیے منافع نہ ہوں تو حاکم یا جماعت مسلمین کی اجازت سے مالک کے آنے کی امید پر ۳۳ دن تک اس پر خرچ کریگا، اس کے بعد مذکورہ ذمہ دار کی اجازت سے فروخت کر کے ثمن امانت میں رکھے گا، اور مملکت اپنا خرچ کردہ پیسہ وصول کریگا، اور ایک سال تک اعلان کے بعد ثمن صدقہ کریگا۔

إن كان للبهيمة منفعة آجرها و أنفق عليها من أجزائها لأن فيه إبقاء العين على ملكه من غير إلزام الدين عليه، و إن لم يكن لها منفعة و خاف أن



تستغرق النفقة قيمتها باعها و أمر بحفظ ثمنها إبقاء له معنى عند تعذر إبقائه صورة. (هدايه، كتاب اللقطة، اشرفی ۶۱۶/۲)

قالوا إنما يأمر بالإفناق يومين أو ثلاثة على قدر ما يرى رجاء أن يظهر مالها فإذا لم يظهر يأمر ببيعها لأن دارة النفقة مستأصلة فلا نظر في الإفناق مدة مديدة و أفاد أيضا إذا بيعت أخذ الملتقط ما انفق بإذن القاضي. (البحر الرائق، كتاب اللقطة، كراچی ۱۵۶/۵، زكريا ۲۶۱/۵-۲۶۲)

وإذا لم يظهر يؤمر ببيعها و إذا باعها أعطى الملتقط ما انفق في اليومين أو الثلاثة. (عالمگیری، كتاب اللقطة، زكريا جديد ديوبند ۳۰۰/۲، قديم ۲۹۱/۲)

نیز جانور سے اگر بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بھی مالک ہی کی ملکیت میں شمار ہوگا، مال کے ساتھ بیع یا صدقہ کے تابع ہوگا۔

لأن ولد الحيوان يتبع أمه (وقوله) ولم يعلم مالكه. (شامی، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطبا في نهر أو وجد جوزا أو كَثْرَى، زكريا ديوبند ۴۴۵/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱۴/۴۵، كراچی ۲۸۴/۴)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷/ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۴/۲۴)

## نابالغ لڑکے نے پائی ہوئی رقم ضائع کر دی

**سوال [۷۵۴۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر نابالغ مسجد میں پائی ہوئی رقم کو اپنے اوپر خرچ کر لے یا ضائع کر دے تو اس رقم کے بارے میں کیا حکم ہوگا، کیا لڑکے پر اس کا تصدق واجب ہے یا اس کے والدین پر یا کسی پر نہیں؟

المستفتی: مسہار علی جمادار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نابالغ بچوں کا حکم بھی باب لقطہ اور افعال کی صحت

میں مکلف بالغوں سے ہے، لہذا اگر پائی ہوئی رقم بچے ضائع کر دیں یا خرچ کر دیں تو مالک کو اس کا ضمان ادا کرنا لازم اور ضروری ہوگا اور اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو والدین یا وصی پر اس کا تصدق لازم ہوگا، اور ہلاکت کی صورت میں والدین یا وصی کے مال میں سے ضمان ادا کرنا لازم ہوگا۔

وفی الوهبانية: الصبی کبالغ فیضمن إن لم یشہد ثم لأبیہ أو وصیہ التصدق و ضمانہا فی مالہما لا مال الصغیر. (الدر المختار، کتاب اللقطة، کوئٹہ ۳/۳۵۱، کراچی ۴/۲۸۰، زکریا ۶/۴۳۹)

وفی القنیة: وجد الصبی لقطه ولم یشہد یضمن کالبالغ (بحر) وفی الشامیة: قلت المراد ما یشمل إشہاد ولیہ أو وصیہ. (البحر الرائق، کوئٹہ ۵/۱۵۱، زکریا ۵/۲۵۴، شامی کوئٹہ ۳/۳۵۱، کراچی ۴/۲۸۰، زکریا ۶/۴۳۹)

وفی البحر أيضا فأما الملتقط فلم أرى من بین شرائطه ولا یشرط بلوغه بدلیل ما فی المجتبی التعریف إلی ولی الصبی والوارث فدل علی صحة التقاطه الخ. (البحر الرائق کوئٹہ ۵/۱۵۰، زکریا ۵/۲۵۲)

وإن أتلفا (أی الصبی والمجنون شیئا لزمہما ضمانہ لأن الأفعال تصح منہما ولأن الإتلاف موجب للضمان ولا یتوقف علی القصد. (الجوہرۃ النیرة، کتاب الحجر، امدادیہ ملتان ۱/۲۹۳، دار الكتاب دیوبند ۱/۲۸۵، ہدایہ اشرفی دیوبند

۳/۳۵۳، تبیین الحقائق امدادیہ ملتان ۵/۱۹۲، زکریا ۶/۲۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۳)





## ۲۲ کتاب الإمارة والسیاسة

### امت کی قیادت و امامت میں اسلام کا نقطہ نظر

**سوال [۷۵۴۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) امت کی قیادت یا امامت کے سلسلے میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟  
 (۲) چونکہ پوری امت مسلمہ کا کوئی قائد و امام نہیں ہے تو کیا امت کے کسی جزء کے قائد کا انتخاب کیا جاسکتا ہے؟  
 (۳) اگر امت کے کسی جزء کا قائد منتخب کیا جاسکتا ہے تو اس کا فیصلہ جغرافیائی حدود یا کسی جماعت یا کسی تنظیم و تحریک کی ممبر شپ کی بنیاد پر کیا جائیگا؟  
 (۴) وہ مسلمان جو دیر یا کفر یا غیر مسلم معاشرے میں مقیم ہیں کیا ان کے لیے خصوصی احکام ہیں؟

(۵) قائد میں کن خصوصیات و صلاحیتوں کا ہونا لازمی ہے؟  
 (۶) قائد کے انتخاب کا صحیح طریقہ کیا ہے؟  
 (۷) وہ لازمی شرائط و قیود کیا ہیں جن کی تکمیل کے بعد ہی کوئی مسلمان قیادت کے انتخاب میں حصہ لے سکتا ہے؟  
 (۸) کیا وہ مسلمان جو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہیں وہ ووٹنگ کے حق سے محروم رہیں گے؟

براہ کرم آپ ان دیگر علماء و علمی شخصیات کی نشاندہی فرمائیں، جو اس معاملہ میں ہماری رہنمائی فرما سکتے ہیں، اس سلسلے میں ایک گزارش ہے کہ موضوع پر دلائل قرآن و سنت کے حوالہ

کے ساتھ دیئے جائیں، آپ کے گرانقدر مشوروں اور رہنمائی کے ہم انتہائی ممنون ہوں گے۔  
المستفتی: بخلص مناظر احسن اسٹیٹ ڈائریکٹ اسلامک فاؤنڈیشن لنڈن روڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اسلامی شریعت کا نقطہ نظر یہی ہے کہ ہر مسلم**

قوم کا کوئی قائد ہو اور سب اس پر متفق ہوں۔

عن تمیم الداری رضی اللہ عنہ قال: تناول الناس في البناء في زمن  
عمر رضی اللہ عنہ فقال عمر: يا معشر العريب! الأرض الأرض، إنه لا  
إسلام إلا بجماعة، ولا جماعة إلا بإمارة، ولا إمارة إلا بطاعة. (مسند الدارمی،  
العلم، باب فی ذهاب العلم، دار المغنی ۱/۳۱۵، رقم: ۲۵۷، جامع بیان العلم وفضله،  
دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۶۲، رقم: ۳۲۶)

(۲) کیا جاسکتا ہے۔

ذکر المحققون ..... أنه إذا لم يوجد الإمام الموصوف بهذه الصفات

جاز نصب من لم يتصف ببعضها للضرورة الخ. (نبراس ص: ۳۲۲)

(۳) اگر اسلامی حکومت ہے تو حکومت کے قانون کے مطابق حدود کی تعیین ہوگی

اور غیر مسلم حکومت ہے، تو اس کے لیے حد متعین نہیں ہے بلکہ جتنے دور تک لوگ باسانی آپس  
میں متفق ہو سکتے ہیں، ان کی تراضی سے قائد کا انتخاب کیا جائے۔

طرق ثبوت الإمامة أربعة (إلى قوله) الثالث بيعة أهل الحل والعقد

بإجماع أهل السنة. (نبراس ص: ۳۲۲)

(۴) ان پر لازم ہے کہ آپس کے تراضی سے کسی باہل، بااثر شخصیت کو اپنے امور

شرعیہ کا ذمہ دار بنائیں۔

وأما بلاد عليها ولاية كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد

ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا  
مسلمًا منهم. (شامی، کتاب القضاء، قبیل مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلاد، تغلب

علیہا الکفار کوئٹہ ۴/۳۴۲، کراچی ۵/۳۶۹، زکریا دیوبند ۸/۴۳، النہر الفائق دار

الکتب العلمیہ بیروت ۳/۶۰۴)

(۵) اگر قوم کسی اہل شخص پر متفق ہو جائے تو فیہا ورنہ بوقت اختلاف کثرت رائے

کا اعتبار ہے۔

إن المقرر عند المشائخ أنه متى اختلف في المسئلة فالعبرة مما قاله

الأكثر الخ. (عقود رسم المفتی قدیم ص: ۳۴)

(۶-۷) عدالت ہجاعت، مسائل شرعیہ میں معلومات، اجتہاد اور حسن تدبیر۔

شروط الإمامة العدل ..... ومنها الشجاعة والاجتهاد في

المسائل والتدبير المصيب. (نبراس شرح شرح عقائد نسفی ص: ۳۴۲)

نیز جو مسلمان شرائط مذکورہ کا حامل ہو اور اپنے اوپر مسلمانوں کے حقوق کے سلسلے میں

پورا اعتماد رکھتا ہو وہ ووٹنگ کا حقدار ہے، آپ کے ملک کے اہل علماء اور علمی شخصیات سے احقر

واقف نہیں ہے، اس لیے نشاندہی سے معذور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۳/۲۴۹)

## قرآن و حدیث سے ہٹ کر اسلامی قانون بنانا

**سوال [۷۵۴۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: چند روز ہوئے اخبار میں مسلم پرسنل لاء یعنی مسلمانوں کے اسلامی قوانین میں

ترمیم کے متعلق مضمون تھا، کیا واقعی مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی ہوتی ہے، اب تک یہ بات کہی و

سنی جاتی تھی، کہ اسلامی قوانین کا ماخذ قرآن و حدیث ہے، اس میں ترمیم ممکن نہیں ہے، اس

سلسلے میں مفتیان کرام و جماعت مسلک دیوبند کا کیا موقف ہے؟

المستفتی: کرامت علی، بدست عزیز ی ذبیح الرحمن چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اسلامی قوانین کا مدار قرآن و حدیث پر ہے، اس سے ہٹ کر الگ سے قانون بنانا قطعاً جائز نہیں، لیکن مسلم پرسنل لاء کی طرف سے کس طرح اور کس مسئلہ میں ترمیم کا اعلان ہوا ہے احقر کے علم میں نہیں، اس کی پوری صورت سامنے ہوتو کچھ کہا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۹۵/۳۵)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۴/۲۱ھ

## برادری کے صدر کا دوسری شادی کے متعلق دستور شائع کرنا

**سوال [۷۵۴۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو اپنے کو برادری کا صدر کہلواتا ہے اس نے برادری کا دستور شائع کیا ہے جس میں مندرجہ ذیل عبارت ہے:

(۱) اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو شادی کرنے کی وجہ سے پہلے مجبوری یا ضرورت سے صدر صاحب کو آگاہ کریگا، اور منظوری لیگا، صرف عیش پرستی و عیاشی کیلئے دوسری شادی کی اجازت نہیں ہوگی۔

کیا اس شخص کے پابندی لگانے کا مطلب شریعت میں مداخلت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف قریشی میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت اسلامی میں ایک سے چار تک شادی کی اجازت ہے، بس صرف شرط یہ ہے کہ سب بیویوں کے حقوق کو برابری کے ساتھ ادا کیا جائے اور شرعی طور پر یہ بھی ایک ضرورت ہے کہ کبھی ایک بیوی سے جنسی خواہش پوری نہیں ہوتی ہے تو دوسری شادی کر لینا جائز اور درست ہے، اس میں کسی کو پابندی لگانے کا حق نہیں، اللہ تعالیٰ

نے تعددِ اِزواج کا اختیار دیا ہے، فرمایا:

﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ . [النساء: ۳]﴾  
فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ / رمضان ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱ / ۳۶۱۵)

## ہندوستان میں بیت المال قائم کرنا کیسا ہے؟

**سوال [۷۵۴۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا ہندوستان جیسے ممالک میں زکوٰۃ و صدقات و چرم قربانی وغیرہ جمع کرنے کے لیے بیت المال قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر بیت المال قائم کیا جائے تو ایسی صورت میں اسلامی مدارس پر یک گونہ ضرب آتی ہے کہ مدارس میں اس دور میں عموماً زکوٰۃ و صدقات کی رقم دی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں قیام بیت المال سے دینی مدارس کے بند ہونے کا خطرہ ہے، تو کیا ایسی صورت میں بیت المال میں ان چیزوں کو جمع کرنا بہتر ہے یا اسلامی مدارس میں دینا بہتر ہے؟

(۳) زکوٰۃ و صدقات کی رقم سے مدرسین مدرسہ کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی جواز کی صورت ہو تو اس کو تحریر فرمائیں؟

(۴) مسجد کی آمدنی کو مدارس پر خرچ کرنا اور اس سے مدرسین کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ وقف صرف مسجد کے لیے ہے اور مسجد کو بھی وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی ہے؟  
المستفتی: رفیع اللہ قاسمی پہانی ہر دوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) بیت المال کی چار قسمیں ہیں اور چاروں کے لیے الگ الگ شرائط و لوازمات ہیں: (۱) بیت المال الخمس جس میں مال غنیمت کا خمس جمع ہوا

کرتا ہے (۲) بیت المال الخراج یعنی وہ بیت المال جس میں خراج جزیہ اور غیر مسلموں سے حاصل شدہ ٹیکس وغیرہ جمع کیے جاتے ہیں (۳) بیت المال الضوائع یعنی وہ بیت المال جس میں لفظے اور لا وارث کا ترکہ اور لا وارث مقتول کی دیت وغیرہ جمع کیے جاتے ہیں (۴) بیت المال الصدقات جس میں زکوٰۃ پیداوار کا عشر اور صدقات واجبہ جمع کیے جاتے ہیں اور سوالنامہ میں چوتھی قسم کے بیت المال سے متعلق سوال کیا گیا ہے اس کی شرطوں میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ دیانتداری اور امانتداری کے ساتھ مستحقین تک پہنچا دیا جائے اور ان کو مالک بنا دیا جائے اور ہندوستان جیسے ممالک میں اصل مستحق مدارس کے طلبہ ہیں، نیز ایک نظام کے تحت میں پورے ملک میں بیت المال کا چلنا ضروری ہے، تو کیا بیت المال قائم کرنے والے تمام مدارس کے اخراجات کے کفیل بن سکتے ہیں اس ملک میں میرے خیال میں اس شرط کا پورا ہونا بہت مشکل اور محال ہے بلکہ بیت المال کے نام سے جمع کر کے خیانت کا شکار ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا، اس لیے جائز نہیں ہوگا، اور ایک نظام حکومت کے تحت ہونا اس لیے ضروری اور لازم ہے کہ خیانت کرنے والوں پر داروغہ کرنے والا نظام حکومت ہی ہو سکتا ہے اس لیے بغیر اس کے ممکن نہیں۔

(۲) اس پر فتن دور میں ایک طاقت و قوت کے ماتحت کے بغیر بیت المال کا وجود ممکن نہیں ہے اور یہ طاقت نظام حکومت ہی کو ہو سکتا ہے اس لیے اس کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔  
(مستفاد کفایت المفتی قدیم ۳/۳۰۳، جدید مطول ۶/۲۹۸)

بیوت المال أربعة ☆ لكل مصارف بينها العالمونا  
فأولها الغنائم والكنوز ☆ ركاز بعدها المتصدقونا  
وثالثها خراج مع عشور ☆ وجالية يليها العاملونا  
ورابعها الضوائع مثل مالا ☆ يكون له أنا س وارثونا  
فمصرف الأولين أتى بنص ☆ وثالثها حواه مقاتلونا  
ورابعها فمصرفه جهات ☆ تساوى النفع فيها المسلمونا

(الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب العشر، زكريا ديوبند ۴/۲۸۱-۲۸۳، كراچي)



(۳) زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم مدرسین و ملازمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ان اشیاء کو بغیر عوض کے فقیر کی ملکیت میں دینا واجب ہے۔

یشترط أن یکن الصرف تملیکاً لا إباحة. (الدر مع الرد، کتاب الزکاة،

باب المصرف، زکریا دیوبند ۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴۴)

البتہ بڑے مدارس جن میں فقہ حدیث تفسیر اور حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اور ان میں بیرونی مستحق طلبہ ہوں اور ان کے قیام و طعام کا نظم بھی ہو تو ایسے مدارس میں اگر امداد کی رقم سے تنخواہیں پوری نہ ہو سکیں تو ضمنی طور پر حیلہ تملیک کا طریقہ اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

وکل حیلۃ یحتال بہا الرجل لیتخلص بہا عن الحرام أو لیتوصل بہا الی

حلال فہی حسنة. (ہندیہ، کتاب الحیل، الفصل الأول، زکریا قدیم ۶/۳۹۰، جدید ۶/۳۹۳)

(۴) جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض

الواقفین واجبة..... کراچی ۴/۴۴۵، زکریا دیوبند ۶/۶۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

۲۳/۱۰/۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۷۷)

## ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

**سوال [۷۵۴۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

المستفتی: ریاض الدین آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ہندوستان نہ دارالاسلام ہے اور نہ ہی دارالحرب

بلکہ دونوں کے مابین دارالحجمہورہ اور دارالامن ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۹)

وقوله لاتصير دار الإسلام دار حرب أى بأن يغلب أهل الحرب على دار من دورنا أو ارتد أهل مصر وغلبوا وأجروا أحكام الكفر أو نقض أهل الذمة العهد وتغلبوا على دارهم ففى كل من هذه الصور لا تصير دار حرب. (شامى، كتاب الجهاد، باب المستامن، مطلب: فيما تصير به دار الإسلام دار حرب وبالعكس، زكريا ديوبند ۶/۲۸۸، كراچى ۱۷۴/۴)

لو أجريت أحكام المسلمين و أحكام أهل الشرك لا تكون دار حرب. (شامى، كراچى ۱۷۵/۴، زكريا ديوبند ۶/۲۸۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/۲۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۰/۴۳۸۰)

## وندے ماترم اور قومی ترانہ کے الفاظ عقیدہ کے خلاف تو نہیں

**سوال [۵۴۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مروجہ قومی ترانہ جس میں بھارت بھاگیہ ودھاتا (بھارت ہے مقدر بنانے والا) اور وندے ہماچل یمنانگنکا جیسے الفاظ شامل ہیں، اسلامی عقیدے کے خلاف ہے یا نہیں؟ (۲) کیا وندے ماترم اور وندے ہماچل میں عقیدے کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟ (۳) قومی ترانہ کی مروجہ ادائیگی کا طریقہ بالکل سیدھا اور سادہ کھڑا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) قومی جھنڈے کو سلامی دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۵) اگر یہ چیزیں ناجائز اور عقیدے کے خلاف ہیں تو مسلمانوں کو ایسی تقریبات میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) مروجہ قومی ترانہ اپنے وطن ہندوستان کی

سر بلندی، فتح، اور اس کی تعریف پر مشتمل ہے، ”بھارت بھاگیہ ودھاتا“ اس میں اگر خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اے بھارت کی قسمت بنانے والے، یہ معنی درست ہو سکتے ہیں اور اگر خطاب بھارت سے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے بھارت ہی قسمت بنانے والا ہے، جو شریکیہ معنی ہے، لہذا یہ معنی مراد نہ لیے جائیں، ”وندے ہما چل یمینا گنگا“ اس میں لفظ ”وندے“ نہیں ہے جیسا کہ آپ کو شبہ ہو رہا ہے بلکہ اصل لفظ ”وندھ“ ہے جو وندھیا چل کا مخفف ہے، اور وندھیا چل ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (تاریخ ہند ۱۱/۸) لہذا یہ جملہ اسلامی عقیدے کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) دونوں ترانوں میں عقیدہ کے اعتبار سے کافی فرق ہے، وندھ، ہما چل میں ہندوستان کی تعریف وغیرہ کی گئی ہے اور ”وندے ماترم“ کے مضامین شریکیہ الفاظ پر مشتمل ہیں، اس ترانے میں ملک کی سرزمین کو درگادیوی تصور کر کے اس کی تعریف میں سر جھکانے کا اعلان ہے، اور اس ترانے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سراسر اسلامی عقیدے کے خلاف ہے، مثلاً: تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے تو ہی بازوؤں کی قوت ہے، دلوں کے اندر تیری ہی حقیقت ہے، تیری ہی محبوب مورتی ہے، ایک ایک مندر میں تو ہی درگا دس مسلح ہاتھوں والی، اس پورے ترانہ کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس ترانے کا منظر خالص مذہبی اور شریکیہ ہے جو اسلامی عقائد سے قطعاً میل نہیں کھاتا، لہذا اس ترانہ کو پڑھنے سے سخت اجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۲۰۶، جدید مطول ۱۳/۲۱۵، پیغام محمود دیوبند ص: ۵۴، شمارہ ۲-۱)

(۳) قومی ترانہ کے وقت ادب سے سیدھا کھڑا رہنا اس کا احکام شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ہر ایک علاقہ اور ارباب وطن کے رسم و رواج سے اس کا تعلق ہے، ہاں البتہ ترانہ میں اللہ اور اس کے رسول کی ایسی حمد و ثنا ہو جس کے آداب بجالانے کے لیے جذبہ ابھرتا ہو تب اس کی گنجائش ہے، اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی حمد و ثنا نہیں ہے تو اس عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) جھنڈے کو اسلامی دینے کی کوئی حقیقت شریعت میں ثابت نہیں ہے، البتہ کسی

اہم کام کی کامیابی پر جھنڈا لہرانا اور گاڑنا جائز ہے، جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد رابیعہ جس جگہ پر ہے وہیں پر اسلام کی کامیابی کا جھنڈا گاڑا گیا تھا۔

(۵) مذکورہ اعمال کے بارے میں اوپر احکام شرعیہ لکھے جا چکے ہیں، ان میں سے جو جائز پہلو ہو اس میں شرکت کی گنجائش ہے، اور جو ناجائز پہلو ہے اس میں مسلمانوں کے لیے شرکت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کاتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۷/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۳۸)

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۴۲۱/۶/۷ھ

## حکومت کا مسلمانوں میں پسماندہ و غیر پسماندہ کی تقسیم کرنا

**سوال [۷۵۴۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں میں پسماندہ و غیر پسماندہ کی تقسیم کرنا کیسا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں، اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و فوقیت کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، قبائل اور ذات کی تقسیم محض پہچان کے لیے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ.“ (حجرات: ۱۳)

حدیث شریف میں آیا ہے ”کلکم من بنی آدم و الادم من تراب۔“  
 حجۃ الوداع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر و مباہات کی تمام دیواریں ڈھا دیں تھیں، آپ کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، لہذا ان آیات و احادیث کی روشنی میں پسماندہ اور غیر پسماندہ کی تقسیم کیسی؟

اور ”تَوَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا.“ (نساء: پ ۵) میں واضح ارشاد ہے کہ عہدے ان کی صلاحیت کے مطابق ملنے چاہئیں، اس کے باوجود ریزرویشن کرنا کیسا ہے، موجودہ ہندوستانی نظام میں کیا یہ تقسیم غیر انسانی و غیر اسلامی نہیں؟ قرآن و احادیث کی روشنی

میں جو اب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں اور امت کو گمراہی سے بچائیں اس لیے کہ بہت سے مسلمانوں نے تھوڑے سے دنیاوی فائدے کے لیے اسی تقسیم کو تسلیم کر لیا ہے۔

المستفتی: منصور احمد صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اسلام میں برتری اور ترقی کا مدار تقویٰ اور صلاحیت پر ہے، ذات و برادری پر نہیں ہے، اور قرآن و حدیث میں برادری اور قبائل کی تقسیم صرف پہچان کے لیے ہے، ذات اور عزت و شرف کی پسماندگی اور برتری صلاحیت اور تقویٰ کے اعتبار سے ہوتی ہے، کہ کسی میں تقویٰ اور صلاحیت ہے تو وہ سب پر فائق اور برتر ہوگا، چاہے کسی بھی برادری سے تعلق رکھتا ہو، اور اگر کسی میں تقویٰ اور صلاحیت نہیں ہے تو وہ پسماندہ ہے چاہے کسی بھی برادری سے تعلق رکھتا ہو اس لیے حکومت ہند کی تقسیم اسلامی شریعت کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾. [الحجرات: ۱۳]

فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابن عمير أن رسول الله خطب الناس يوم فتح مكة فقال: يا أيها الناس إن الله قد أذهب عنكم عبية الجاهلية و تعاضمها بآبائها فالناس رجلان: رجل بر تقى كريم على الله، و فاجر شقى هين على الله، و الناس بنو آدم، و خلق الله آدم من تراب، قال الله: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (سنن الترمذی، التفسیر، باب و من سورة الحجرات، النسخة الهندیة ۶۲/۲، دار السلام رقم: ۳۲۷۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/۶/۱۴۱۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۳۵)

## سفیر کا چندہ کرنے کے لیے دوپا سپورٹ بنوانا

**سوال [۷۵۰۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سفارت کرتے ہیں، مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے، انہوں نے دوپا سپورٹ بنوار کھے ہیں تاکہ ہر سال باہر کے ملک کے سفر میں آسانی ہو جائے اور مدرسہ کو آمدنی ہوتی رہے، ان کو ایسا کرنا اور مدرسہ کے ذمہ داران کا ایسا جاننے کے بعد بھی ان سے چندہ کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: حامد علی مدرسہ ارشاد العلوم ٹانڈہ راجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** دوپا سپورٹ کا بنوانا سرکاری قانون کے مطابق ناجائز ہے، اس لیے اس سے اجتناب کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو خطرہ میں خود مبتلا نہ کرو: ”وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ“ (بقرہ: ۱۹۵) ہاں البتہ ان پاسپورٹوں سے دوسرے ممالک میں جا کر جو چندہ حاصل کیا جائیگا وہ سب جائز اور حلال مال ہیں، ان کو مدرسہ میں داخل کرنا اور مدرسہ کا اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۸/۱۲۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۵۰)

## بغیر لائسنس کے ہندوستان میں اسلحہ رکھنا

**سوال [۷۵۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرات علماء کرام سے یہ بات آئے دن سننے کو ملتی رہتی ہے کہ وطن سے محبت جزء ایمان ہے، نیز ملک کے آئین کی خلاف ورزی خیانت ہے، ان باتوں پر قیاس کرتے ہوئے ایک بات ذہن میں آتی رہتی ہے کہ ایک طرف احادیث و قرآن میں اپنے دشمنوں کی

حفاظت کے طور پر احتیاطی اور انتظامی نظریہ سے آلات حرب (اسلحہ) رکھنے کی اجازت بلکہ تاکید کی حکم معلوم ہوتا ہے، تو دوسری طرف ملک کا قانون بلا منظوری سرکار آلات حرب یا اسلحہ رکھنے کو جرم قرار دیتا ہے، اور پکڑے جانے پر تعزیرات ہند کی مقررہ دفعات کے تحت ملزم قرار دے کر قید و بند کی سزائیں دی جاتی ہیں، قطع نظر ملکی قوانین کے بلا منظوری سرکار آلات حرب یا اسلحہ رکھنے کی شریعت میں کہاں تک اجازت ہے، کہیں یہ چیزیں بلا لائسنس کے اپنے گھر میں رکھنا شرعی نقطہ نظر سے آئین ملک میں خیانت تو نہیں؟

المستفتی: ابو حارث عثمانی علی گنج ایٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ہندوستانی قانون کے اعتبار سے بغیر لائسنس کے اسلحہ رکھنا جرم ہے، اور لائسنس کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے، لہذا اس قانون پر عمل کرنے میں شریعت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، شریعت میں جو اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے وہ مطلق ہے، اور ہندوستانی قانون میں بھی رکھنے کی اجازت ہے، مگر لائسنس کے ساتھ، تو لائسنس کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی قید لگانا شریعت کی اجازت کی مخالفت نہیں ہے، اور حکومت نے جو لائسنس کی قید لگائی ہے وہ ملکی مصلحت اور ملکی امن کے پیش نظر لگائی ہے تاکہ چور ڈکیت، بد معاش بلا لائسنس کے ہتھیار کے ذریعے سے ملک کے اندر نقص امن کا سبب نہ بنیں، اس لیے اگر کسی کو اسلحہ یا ہتھیار رکھنا ہے تو سرکاری قانون کی اجازت کے ساتھ رکھنا چاہیے، اس کی مخالفت کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

عن أنس بن مالك رضي الله قال قال رسول الله ﷺ: اسمعوا و أطيعوا وإن استعمل عليكم عبد حبشي كان رأسه زبيبة. (صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵۷، رقم: ۶۸۵۹، ف: ۷۱۴۲، مشکوٰۃ ۲/ ۳۱۹)

عن ابن عباس يرويه قال قال رسول الله ﷺ: من رأى من أميره شيئا يكرهه فليصبر فإنه ليس أحد يفارق الجماعة شبرا فيموت، إلا مات

میتة جاهلیة. (صحیح البخاری، الأحکام، باب السمع و الطاعة للإمام مالم تکن معصية، النسخة الهندية ۲/۱۰۵۷، رقم: ۶۸۶۰، ف: ۷۱۴۲، سنن الدارمی، دار المعنی ۳/۱۶۳۷، رقم: ۲۵۶۱، مشکوٰۃ ۲/۳۱۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۱۸)

## عالم دین کے الیکشن لڑنے سے متعلق چند سوالات

**سوال [۷۵۵۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص عالم دین ہیں اور ایک مدرسہ میں نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں جس کی تنخواہ پاتے ہیں، کبھی کبھی مسجد میں نماز بھی پڑھاتے ہیں جبکہ مستقل امام مقرر نہ ہو، اہل بستی کے اصرار پر گاؤں سبھا کی سیٹ سے پردھانی میں الیکشن لڑنا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں جبکہ رشوت کا لین دین عام طور پر پردھان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور بغیر رشوت کے کوئی اسکیم نہیں چل پاتی، پولیس کے پاس جب کوئی جھگڑا پہنچتا ہے تو اس میں بھی جائزنا جائز ہمدردی کر کے کچھ روپیہ پیسہ رشوت کے طور پر دے کر پردھان ہی چھڑا کر لاتا ہے، جب فریقین میں جھگڑا ہوتا ہے تو بھی ایک دوسرے کے حق دلانے میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۲) کیا ان کے پیچھے جماعت کی نماز پڑھنا درست ہے؟

(۳) ان کی کمائی ہوئی روٹی روزی حلال ہوگی؟

(۴) رشوت دینا دلا نا اس میں سے کچھ پیسہ لے کر خرچ کرنا درست ہوگا؟

(۵) اوقاتِ مدرسہ میں پردھانی سے متعلق معاملات دخیل ہوں اور وہ لوگوں سے

ملاقات، بات چیت کریں پھر پوری تنخواہ لیں تو درست ہوگا؟

المستفتی: عطاء الرحمن قاسمی ٹائٹلڈ راپور



باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) لیکش اور گاؤں سبھا کی امیدواری کے لیے جن عالم صاحب کو مقرر کیا گیا ہے وہ خود اپنا جائزہ لے لیں اور اچھی طرح غور کر لیں کہ کیا وہ رشوت خوری کی گرم بازاری سے خود کو بچا سکتے ہیں؟ ظاہری حالات و مشاہدات سے یہ بات عیاں ہے کہ ان برائیوں سے خود کو بچانا مشکل ہے، لہذا خود کو اس سے محفوظ رکھنا بہتر ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۲/۲۹۱، جدید زکریا ۵/۵۳۲)

لیکن ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں جو کسی بھی حال میں رشوت نہیں لیتے، لہذا ان پر فسق و فجور کا الزام نہیں۔

(۲) اور نہ ہی ان کی امامت میں کوئی کراہت آسکتی ہے۔

(۳) رشوت کی روٹی روزی حرام ہے، لیکن کوئی رشوت نہیں لیتا اور اتفاق سے مجبوری میں دینا پڑتا ہے تو اس کی روزی روٹی بلا تردد حلال ہے۔

(۴) نیز مجبوری کی حالت میں رشوت دینے والے پر بھی فسق و فجور کا الزام نہیں بلکہ لینے والے پر وبال ہے۔

وفی الشامیة: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه و ماله ولا استخراج حق له لیس برشوة یعنی فی الدافع. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ، زکریا دیوبند ۹/۶۰۷، کراچی ۶/۴۲۳-۴۲۴)

(۵) اگر وہ مدرسے کا ناظم و مہتمم ہے اور مدرسے کے ساتھ پردھانی کی بھی ذمہ داری سنبھالنا چاہتا ہے تو اس کے لیے بہترین شکل یہ ہے کہ مدرسے میں کام کرنے والوں اور کمیٹی والوں کے مشورہ سے اوقات تقسیم کر کے مثلاً صبح کے چار گھنٹے ہیں اس میں سے دو گھنٹے مدرسے کے لیے اور دو گھنٹے پردھانی کے لیے، اسی طرح شام میں دو گھنٹے ہے ایک گھنٹہ مستقل طور پر مدرسے کے لیے اور ایک گھنٹہ عوام کی شکوہ و شکایت کے لیے مخصوص و متعین کر لے اور نظام الاوقات مشورہ سے متعین کر لے تو پوری تنخواہ لینا جائز اور درست ہے۔

وفی القنیة: یدرس بعض النهار فی مدرسة و بعض النهار فی مدرسة  
 أخرى ولا یعلم شرط الواقف یتحقق غلة المدرس فی المدرسین . (البحر  
 الرائق، کتاب الوقف، زکریا دیوبند ۵/۳۵۸، کوئٹہ ۵/۲۱۴، الموسوعة الفقهية الكويتية  
 ۳۶/۲۹۳، المدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر مصرى قديم ۱/۷۵۲، دار الکتب  
 العلمية بیروت ۲/۵۸۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۳ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۶۲۸۲/۳۴)

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۴۲۱/۲/۳

## مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا کیسا ہے؟

**سوال [۵۷۵۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
 بارے میں: اس دور میں مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر  
 ضروری نہیں ہے تو بظاہر مسلمان عضو معطل بن کر رہ جائیں گے، اور اگر ضروری ہے تو اس کے  
 لیے سرکاری تعلیم حاصل کرنا ضروری اور سرکاری کالج و یونیورسٹیز کا ماحول لادینی کا ہے، جس  
 کا اثر ناگزیر ہے، جیسے مشاہد ہے، سرکاری اداروں میں عمل تو بڑی بات ہے عقائد کا صحیح رکھنا  
 دشوار ہے، اور اگر اس دہریت کے اثر سے بچ کر نکل جائے تو شاذ ہے، اور شاذ معدوم کی  
 طرح ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے کونسی راہ ہے، کیا ان یونیورسٹیز اور کالج میں  
 اپنے بچوں کو بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اس دور کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر زمانہ میں  
 مسلمانوں کے مذہبی اور شہری حقوق کی حفاظت کے لیے ایسے مسلمانوں کو ہر زمانہ  
 میں سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے، جو امور سیاسیہ میں ماہر اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور ان

کے حقوق کی حفاظت کے اہل ہوں۔ (مستفاد: حجۃ اللہ البالغہ قدیم / ۱۲۸)

یہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے کہ سیاست میں حصہ لینے کے لیے ایسی سرکاری تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے جو دہریت کا شکار ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبند شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبداللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی، مفتی محمود ملتانی، مولانا عبدالحق حقانی وغیرہم کیا دنیائے اسلام کی تاریخ میں سیاسی رہنما نہیں تھے؟ کیا ان حضرات نے دہریت آمیز تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے دین کو بگاڑا ہے، کیا ہندوستان کی تاریخ میں کوئی دہریت آمیز تعلیم یافتہ امور سیاسیہ میں ان حضرات سے آگے بڑھ کر رونما ہو سکا؟ کیا ان حضرات نے حقوق شہریت کی حفاظت کرنے کے لیے امور سیاسیہ کا کوئی گوشہ باقی چھوڑا؟ لہذا اب بھی امور سیاسیہ میں مناسبت اور مہارت حاصل کرنے کے لیے دہریت آمیز تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی اپنے بچوں کو ایسی یونیورسٹیوں میں بھیجنا جائز ہو سکتا ہے؟ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۴/۲۵)

## کیا عورتیں کمیٹی کا رکن بن سکتی ہیں؟

**سوال [۷۵۵۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے مختلف مقامات کے مسلمانوں نے تعلیم و ثقافت کی ترویج و صلاح معاشرہ و باہمی تعاون کے فروغ کی خاطر اپنے جائے قیام پر کمیٹیاں اور جماعتیں بنائی ہوئی ہیں، ان جماعتوں میں افراد مقررہ رقم کی ادائیگی کے بعد اس کے ممبر شمار ہوتے ہیں، ووٹ کے ذریعہ ان ممبروں میں سے ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آتا ہے، لہذا آپ سے درخواست ہے کہ درج ذیل امر میں شریعت مطہرہ کی رائے سے آگاہ فرمائیں کہ عورتیں ان جماعتوں اور کمیٹیوں کی ممبر و رکن انتظامیہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** عورت کے لیے شرعی پردہ کے ساتھ بغیر غیر محرموں سے اختلاط کے ممبری و رکن انتظامیہ کا حق اور ذمہ داری کا ادا کرنا معذرت ہے اس لیے ممنوع ہے۔  
﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ . [الأحزاب: ۳۳] ﴿فظ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم﴾

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲/۲۴)

## عورتوں کا الیکشن میں کھڑے ہونا

**سوال [۷۵۵۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل گورنمنٹ نے یہ قانون بنا دیا کہ بعض شہر یا قصبہ میں یا قصبہ کے بعض حلقہ میں مستورات ہی چیر مینی یا ممبر کا الیکشن لڑ سکتی ہیں، ظاہر بات ہے کہ اگر مسلمان عورت کھڑی ہوگی تو جلسہ میں تقریر بھی کرے گی، بے پردہ لوگوں کے سامنے بھی آئے گی، لوگوں سے بات کریگی، ووٹ مانگنے کے لیے مردوں کے پاس جا کر درخواست کریگی، چیر مین ہو کر میٹنگ میں جایا کریگی، غیر محرم لوگ اس کے پاس آ کر اپنی ضروریات اور حاجات سنایا کریں گے، بے محابا اور بے پردگی کے ساتھ ان سے ہم کلام ہوگی اس کے علاوہ بہت قبائح ہیں، تو کیا مسلم عورت کو الیکشن میں کھڑے ہونے کی اجازت ہے، جبکہ عورت کے علاوہ مرد کی سیٹ ہی نہیں ہیں، اگر جائز ہے تو فیہا اگر ناجائز ہے تو عورت کو ووٹ دینا پھر کیسا ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمن چاند پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** عورتوں پر شرعی پردہ ہر حال میں لازم ہے اور جو عورتیں الیکشن میں کھڑے ہونے کا عزم رکھتی ہیں وہ مسئلہ معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کا فکر

نہیں رکھتیں اس لیے سیاسی مسئلہ کو سیاسی مصلحت سے حاصل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۵۱۶)

## عورت ووٹ لینے یا دینے کی حقدار ہے یا نہیں؟

**سوال [۷۵۵۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مروجہ دستاویز کی رو سے جو بھی مرد، عورت عام ممبر بن جائے مجلس انتظامیہ و ذمہ داران کی طرف سے ووٹ دینے کا اسے حق مل جاتا ہے، عورت ووٹ دینے یا لینے کی حقدار بن سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) عورت غیر محرم کو ووٹ دے کر نمائندہ بنا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: وصی الرحمن چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ علت کی بناء پر ووٹ ڈالنے کا شرعاً ان کو حق نہیں اور شرعی پردے کے ساتھ دینے کا حق ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۳۷۱، جدید مطول ۳/۲۶۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۳۲)

ائمہ حضرات کے لیے حکومتی امداد حاصل کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

**سوال [۷۵۵۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مغربی بنگال میں حکومت کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ ائمہ مساجد کو ماہانہ

ڈھائی ہزار روپے وظیفہ دیا جائے گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ائمہ حضرات کے لیے مذکورہ وظیفہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ وقف کی رقم سے یہ وظیفہ ائمہ حضرات کو دیا جا رہا ہے، اگر بات یہی ہے تو مذکورہ رقم کو لینے میں کوئی قباحت تو نہیں؟ اگر حکومت اپنے فنڈ سے ائمہ حضرات کو بطور وظیفہ ماہانہ رقم دے تو لینے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ ائمہ حضرات میں سے جن کو ماہانہ ڈھائی ہزار روپے مل رہے ہیں ان میں سے بعض نے حکومت سے یہ اپیل کی ہے کہ ان کے ماہانہ وظیفہ کو بڑھا کے ساڑھے تین ہزار کیا جاوے، سوال یہ ہے کہ حکومت سے اس طرح کی اپیل کرنا یا مانگ رکھنا از روئے شرع کیسا رہے گا؟

المستفتی: جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ائمہ حضرات کو حکومت کی جانب سے ملنے والا وظیفہ شرعاً جائز اور درست ہے، اس وظیفہ کو مشتبہ سمجھنا خود کو حرج میں مبتلا کرنا ہے، کیونکہ حکومت کو حاصل ہونے والی آمدنی کا اکثر حصہ حلال اور جائز مال ہوتا ہے، جو بطور ٹیکس مختلف ذرائع سے وصول کیا جاتا ہے اسی طرح ائمہ حضرات کا ضرورت کی بنا پر حکومت سے اس وظیفہ میں اضافہ کا مطالبہ بھی درست ہے، البتہ ہندوستان میں ہمارے اکابر نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت سے وظیفہ پانے والے حضرات حکومت کی خوشامدی کرنے لگیں گے اس لیے ائمہ حضرات کا اس وظیفہ کو لینے سے احتیاط برتنی چاہئے، بلکہ اس سے گریز لازم ہے۔

ویفتی الیوم بالجواز علی الإمامة وتعلیم القرآن والفقہ. (مجمع الأنهر،

کتاب الإجارة الفاسدة، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/۵۳۳، مصری قدیم ۲/۳۸۴)

والجزیة والخراج و مال التغلبی و هدیة أهل الحرب یصرف فی مصالحنہ کسد الثغور و بناء القناطر والجسور و کفایة القضاة والعلماء.

(البحر الرائق کتاب السیر، فصل فی الجزیة، کوئٹہ ۵/۱۱۷، زکریا ۵/۱۹۸)

وفی الشامی: وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية  
فیدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان و  
نحوهما. (شامی مطلب: فی مصارف بیت مال زکریا ۶/۳۴۹، کراچی ۴/۲۱۷)

وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديته والأكل منها. (هنديہ،  
کتاب الکراهیۃ، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضيافات زکریا قدیم ۵/۳۴۳، جدید ۵/۳۹۷)  
ویجوز للإمام والمفتی قبول الهدیة وإجابة الدعوة الخاصة، ثم قال  
إلا أن يراد بالإمام إمام الجامع أي و أما الإمام بمعنى الوالی فلا تحل الهدیة  
..... والأولی فی حقهم إن كانت الهدیة لأجل ما یحصل منهم من الإفتاء  
والوعظ والتعلیم عدم القبول لیكون علمهم خالصاً لله تعالیٰ، وإن أهدى  
إلیهم تحبباً و توددا لعلمهم وصلاحهم فالأولی القبول. (شامی کتاب القضايا،  
مطلب فی حکم الهدیة للمفتی زکریا قدیم دیوبند ۸/۴۹-۵۰، کراچی ۵/۳۷۲-۳۷۳)

درء المفساد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة  
قدم دفع المفسدة غالباً. (الأشباہ قدیم ص: ۱۴۷، زکریا ۲۶۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ العلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳۲/۴۰)

## سیاسی عالم کا غیر مسلم کو رادھا کرشن کی تصویر دینا

**سوال [۷۵۵۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے  
میں: ایک صاحب بڑے دیندار، صاحب علم اور سند یافتہ عالم ہیں، اور سماجی کاموں میں بھی پیش  
پیش رہتے ہیں، اس بنا پر سماج میں ان کا کافی اثر و رسوخ ہے، انہوں نے خاص موقع پر کسی غیر  
مسلم سیاسی آدمی کو رادھا کرشن کی تصویر پیش کی یہ بات محتاج بیان نہیں کہ رادھا کرشن کی غیر مسلم  
پوجا کرتے ہیں، اور نعوذ باللہ اپنے تئیں وہ ان کو خدا کا درجہ دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے:

- (۱) شرعاً شخص مذکور کا یہ عمل کیسا ہے؟  
 (۲) یہ تعاون علی الاثم میں داخل ہے یا نہیں؟  
 (۳) اس مقصد سے کہ وہ سیاسی آدمی ہمارے قومی ادارے کا کام آسان کر دے گا اس طرح کی تصویر پیش کرنے کی اجازت ہو سکتی ہے؟  
 (۴) ایسے شخص کو مدرسہ کا ذمہ دار یا ٹرسٹی بنانا کیسا ہے؟  
 (۵) کیا ایسے شخص کو تجدید ایمان کرنا چاہیے؟
- المستفتی: رشید احمد بھوٹیرامینی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حسب تحریر سوال مذکورہ شخص کا سوال نامہ میں ذکر کردہ عمل سخت گناہ کی بات ہے، کسی مقصد کے حصول کے پیش نظر ہندو سیاسی لیڈر کو رادھا کرشن وغیرہ کی تصویر پیش کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والے شخص پر توبہ و استغفار لازم ہے۔

لو أن رجلاً عبد الله خمسين سنة ثم جاء يوم النيروز فأهدى إلى بعض المشركين بيضة يريد به تعظيم ذلك اليوم فقد كفر بالله وأحبط عمله. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادى والعشرون ۳۴۷/۷، رقم: ۱۰۶۵۶)

لو اتخذ مجوسياً دعوة لخلق شعر رأس صبيبه و دعا الناس إلى ذلك فحضر بعض المسلمين دعوته وأهدى إليه شيئاً حيث لا يكفر، وفي الخانية: والأولى أن لا يفعل ولا يوافقهم على مثل ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادى والعشرون ۳۴۷/۷، رقم: ۱۰۶۵۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۴۳۱/۱۲/۱۸

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 یکم ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۲۹/۳۹)

کیا آئین ہند کے حامی باطل کے حامی ہیں

سوال [۷۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے



بارے میں: کیا اس شخص کو جو ہندوستانی آئین کی جو کہ غیر اسلامی ہے یا اس کے نظام باطل کی حامی کسی جماعت کی حمایت و ہموائی کرے درحقیقت نظام باطل کا ہموا جاتی نہیں سمجھا جائیگا؟  
المستفتی: جس الحق قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آئین ہند میں جو قانون و دستور بنے ہوئے ہیں وہ جمہوری اور سیکولر ہیں، اگر حکومت ان قوانین پر مکمل طریقہ پر خود بھی عمل کرے اور تمام رعایا کو عمل کا پابند بنائے تو کسی مسلمان کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے میں کوئی پریشانی اور رکاوٹ لاحق نہیں ہو سکتی لیکن افسوس کی بات ہے کہ نہ حکومت ان قوانین پر عمل کرتی ہے اور نہ ہی رعایا کو اس کا پابند بناتی ہے، حکومت کے عمل کا ان قوانین سے دور تک بھی تعلق نہیں رہتا ہے، اس لیے آپ نے جو سوال میں لکھا ہے شاید عمل کو دیکھ کر لکھا ہے، ورنہ فی نفسہ قانون ایسا خطرناک نہیں ہے، جو اسلامی زندگی کے خلاف ہو، ہاں البتہ آپ کے سوال کا مطلب شاید یہ ہو کہ آئین ہند کے خلاف مسلم دشمنی میں جو عمل ظہور میں آرہا ہے وہ اسلام کے بھی خلاف ہے، تو گویا کہ وہ اسلام کے بھی خلاف کرتے ہیں، اور آئین ہند کے مخالفین کی بھی حمایت کرتے ہیں، درحقیقت ایسے لوگوں کو ہاجا سکتا ہے کہ وہ باطل کی حمایت کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۲/۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۰/۶۴۹۹)

چیرمین پریسٹک کی تعمیر کے لیے حکومت سے ملنے والی رقم کو وہیں صرف کرنا لازم ہے

**سوال [۷۵۶۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بندہ محمد حسین بیجا پور کرناٹک کے ایک گاؤں کا چیرمین ہوں، حکومت کے حوالہ سے ایک مسئلہ وضاحت طلب ہے، ہم کو سڑک درست کروانا یا کہیں سڑک بنوانا پڑتا ہے، لہذا ہم حکومت کو ایک معتد بہ مقدار مثلاً ایک لاکھ کا خرچ بتلاتے ہیں اور پچاس ہزار میں ہم مکمل کام

کرا لیتے ہیں، بقیہ رقم آپس میں تقسیم ہو جاتی ہے، مسئلہ ذیل میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ بقیہ پچاس ہزار رقم میں سے بیس ہزار درمیان کے کچھ افسروں کو دینا پڑتا ہے اور یہ دینا لابدی ہوتا ہے اس کے بغیر ایک لاکھ رقم حاصل ہی نہیں ہو سکتی، بقیہ تیس ہزار ہم غیر مسلموں میں تقسیم کرتے ہیں، وہ جو ہمیں الیکشن میں اپنے اپنے محلوں میں جتانے میں معاون ہوتے ہیں اور ان پر خرچ کرنا اس اعتبار سے لابدی و ضروری ہوتا ہے حالانکہ ہم اس میں سے کچھ بھی استعمال نہیں کرتے چنانچہ سیاسی پالیسیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس طرح رقم تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حسین کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سڑک کی تعمیر کے لیے حکومت کی طرف سے جو رقم آتی ہے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا لازم ہے، اور پچاس ہزار کے خرچ میں ایک لاکھ کی مانگ کرنا پھر اس کے بعد بچی ہوئی رقم کو ووٹروں میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ حکومت کی طرف سے آئی ہوئی رقم صرف سڑک کی تعمیر کے لیے آئی ہے، ووٹروں میں تقسیم کرنے کے لیے نہیں آئی ہے، لہذا یہ جھوٹ اور غلط بیانی کے ذریعہ سے امانت میں خیانت ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين

لمن لا عهد له. (المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ۱۰/۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳،

مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۳/۳۹، رقم: ۷۱۹۶، المعجم الأوسط، دار الفكر ۲/۸۵،

رقم: ۲۶۰۶، مسند أحمد بن حنبل ۳/۱۳۵، رقم: ۱۲۴۱۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

۱۸/۶/۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۷۰/۳۹)

**چیرمین کا کسی ضرورت مند کو نگر پالیکا کی زمین بغیر معاوضہ کے دینا**

**سوال [۷۵۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شہر یا قصبہ میں جو زمین نگر پالیکا کے قبضہ میں ہوتی ہے اگر چیرمین صاحب کسی ضرورت مند کو بغیر کسی معاوضہ کے مشورہ کر کے دیدیں تو لینے والے غریب آدمی کو لینا جائز ہے یا نہیں؟  
المستفتی: محمد شاہ قصبہ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ضرورت مند کے لیے شرعاً لینا جائز ہے، بشرطیکہ چیرمین صاحب کو حکومت کی طرف سے اس کی اجازت حاصل ہو کیونکہ چیرمین صاحب نگر پالیکا کی اشیاء میں تصرف کرنے میں حکومت کے وکیل ہیں۔

أنت وکیل فی کل شیء جائز أمرک ملک الحفظ والبیع و الشراء و یملک الهبة الصدقة، حتی إذا أنفق علی نفسه من ذلك المال جاز؛ حتی یعلم خلافه من قصد المؤکل . (شامی، کتاب الوکالة، زکریا دیوبند ۱/۸، ۲۴، کراچی ۵/۵، البحر الرائق زکریا ۷/۲۳۹، کوئٹہ ۷/۱۴۱، بزازیہ زکریا جدید ۲/۲۴۱، وعلی هامش الہندیہ ۵/۴۵۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۵/۲۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۵ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۵۵/۲۵)

## سرکاری گاڑیوں کی مرمت کا خرچہ سرکار سے وصول کرنا

**سوال [۷۵۶۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راقم الحروف ایک کارخانہ کا مالک ہے جس میں جیپ کار، فی ریٹ، امیسٹر و دیگر گاڑیوں کی مرمت ہوتی ہے، اکثر و بیشتر سرکاری گاڑیاں مرمت کے لیے آتی ہیں، اس سلسلے میں ایک زحمت میرے سامنے یہ ہے کہ مثلاً میں نے ایک گاڑی کی مرمت کی جس کی اجرت و سامان کی لاگت تین ہزار روپیہ ہوئی، لیکن سرکاری کام میں یہ کرنا ہوتا ہے کہ ڈرائیور مجھ سے دس فیصد مانگتا ہے، اور بل پاس کرنے والا اس پر پندرہ فیصد مانگتا ہے، اب میری

مجبوری یہ ہے کہ جو بل تین ہزار کا ہونا چاہیے تھا وہ بل مجھے تین ہزار سات سو پچاس روپیہ کا بنانا پڑتا ہے، آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ جو زائد رقم مجھے بل میں لکھنی ہوتی ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ درست ہے یا نہیں؟ جیسا بھی ہو مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالمحیط مظاہری چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سرکاری گاڑیوں کی مرمت کرنے میں آپ کا جو سامان لگتا ہے اور پھر واؤچر وغیرہ کے منظور کرانے میں آپ کو جو رقم دینا پڑتی ہے وہ تمام رقم لکھ کر سرکار کے سامنے بل بنا کر پیش کرنا اور تمام خرچہ لکھ کر وصول کرنا جائز ہے، جیسا کہ ان جزئیات سے معلوم ہوتا ہے۔

ومن اشترى شيئاً وأغلى في ثمنه فباعه مرابحة على ذلك جاز  
(إلى قوله) والأصل أن عرف التجار معتبر في بيع المرابحة فما جرى  
العرف بالحاقه برأس المال يلحق به ومالا فلا. (عالمگیری، کتاب البيوع،  
الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية والوضيفة، زكريا قديم ۱۶۱/۳، جدید ۱۵۸/۳)  
ويضم أجره السمسار في ظاهر الرواية. (عالمگیری زكريا قديم  
۱۶۲/۳، جدید ۱۵۸/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴/۶/۱۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۰۲)

## چک بندی کی شرعی حیثیت

**سوال [۷۵۶۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت مطہرہ کی روشنی میں چند سوالوں کے جواب درکار ہیں تقریباً ۲۸ سال ہو گئے ہمارے یہاں چک بندی ہوئی تھی، اور چک بندی محکمہ کا افسر چک ناپ گیا تھا،

اور ہر ایک شخص اپنے اپنے چکوں پر اس وقت سے قابض ہے، اب کاشتکار اپنے چکوں کو ناپتے ہیں تو کسی کا چک کم ہے اور کسی کا زیادہ ہے اور کسی کا بالکل صحیح ہے، چک بندی آفیسر سے ناپنے میں کمی زیادتی ہوگئی ہوگی۔

(۱) اب کم والا اپنے پڑوسی سے کہتا ہے کہ میری زمین کم ہے میری زمین پوری کرو وہ کہتا ہے کہ میری زمین تو پوری ہے میں کیوں دوں، میرے پڑوسی سے مجھے دلوادو میں تجھے دیدوں گا، اب دونوں مل کر تیسرے کے پاس جاتے ہیں وہ تیسرا شخص زمین دینے کیلئے بالکل تیار نہیں تو اب یہ دوسرا شخص جس کی زمین پوری ہے وہ عند اللہ مجرم تو نہیں ہے؟

(۲) نیز چک بندی آفیسر جب چک ناپتا ناپتا جنگل کی آخری حد بندی پر پہنچتا تھا تو وہ اس کو ناپتا نہیں تھا بلکہ نشان لگا کر یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ یہاں سے تمہارا چک ہے، اس کو ناپتا نہیں تھا، اب کسی کا چک زیادہ ہے اور کسی کا کم ہے، اور کسی کا بالکل صحیح ہے، انہیں میں ایک ہے جس کے تین سمت چک روڈ ہے اور ایک سمت میں گاؤں ہے، نشان لگا کر چھوڑ گیا اور کہہ گیا کہ یہ تمہارا چک ہے اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں کی اس کو ناپا گیا تو موقع پر یہ چک زیادہ ہے، تو اس میں زیادتی کی وجہ سے صاحب چک عند اللہ مجرم تو نہیں ہے یا ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین پورا غوانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس کا حصہ بالکل صحیح ہے اس پر عند اللہ کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا اور جس کے حصہ میں زیادہ آیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ زائد حصہ کم والے کے حوالے کر دے کیونکہ زائد حصہ کم والے کا حق ہے، اس کو اپنے پاس رکھنا جائز نہ ہوگا اس میں آفیسر سے غلطی ہوگئی ہے اور آفیسر کی غلطی کی وجہ سے اس شخص کے لیے حلال نہ ہوگا جس کے پاس زیادہ چلا گیا ہے اور حلال ہونے کے لیے سبب شرعی شرط ہے اور سبب شرعی یہی ہے کہ صاحب حق سے خرید لے یا وہ بخوشی ہبہ کر دے اس کے بغیر حلال نہیں ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول اللہ ﷺ قال: لا یحل مال

امریء مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الایمان، باب فی قبض الید عن الأموال

الحرمۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۲۹ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۲۹/۲۹)

۱۴۱۲/۲۹ھ

## عراق کے کویت پر غاصبانہ قبضہ کرنے سے متعلق چند سوالات

**سوال [۷۵۶۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگست ۱۹۹۰ء میں عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا اور اسے عراق کا انیسواں صوبہ قرار دیا، کویت کی کرنسی کو عراق کی کرنسی کے ہم پلہ قرار دیا، اس دوران کویت میں مختلف ممالک کے لوگ تجارت ملازمت وغیرہ کرتے تھے، ان میں بعض کی اچھی خاصی تجارت تھی یا ملازمت بہت ہی اچھی تھی، جو اس جنگ کے سبب یا تو ان کی تجارت اور املاک مکمل یا اکثر ضائع ہو گئی یا ان کی ملازمت چلی گئی، دنیا کے ۲۸ ملکوں نے مل کر امریکہ کی قیادت میں عراق پر شدید حملہ کے بعد کویت کو عراق کے قبضہ سے چھڑایا اور عراق کو شکست ہوئی، نتیجتاً عراق کو اقوام متحدہ اور امریکہ کی جو شرط ہو اسے ماننا پڑا، من جملہ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس جنگ میں امریکہ یا کسی بھی ملک کا یا کسی بھی فرد کا چاہے وہ کسی بھی ملک کا باشندہ ہو اس کا جو بھی نقصان ہوا اس نقصان کا مکمل جرمانہ عراق سے وصول کیا جائیگا اور شرط کے مطابق امریکہ و اقوام متحدہ عراق کے تیل کے کنوؤں کا مکمل کنٹرول اپنے پاس رکھیں گے اقوام متحدہ جہاں کہے وہیں بیچنا ہوگا اس تیل کو بیچ کر اس نقصان کا انجمار کیا جائیگا، اور عراق کو اس کی ضرورت کے مطابق رقم ملے گی جب مکمل انجمار ہو جائیگا، تو ان کنوؤں سے اپنے کنٹرول سے دست بردار ہو جائیں گے، اس کے بعد امریکہ نے ان ممالک میں جہاں کے لوگ کویت میں مقیم تھے، ان ملکوں میں وہاں کی حکومت کے ذریعہ ان حضرات کے درمیان کچھ فارم تقسیم کیے اس میں جس کا جو بھی نقصان ہوا، اس کی تفصیل لکھ کر اس ملک میں طے کردہ محکمہ تک پہنچائی گئی ہمارے علم کے مطابق تین قسم کے فارم تقسیم ہوئے (۱) A فارم

(۲) C فارم (۳) D فارم: A فارم میں جو لوگ وہاں مقیم تھے ان کو اپنے نام وغیرہ کی تفصیل درج کرنی تھی اس فارم والوں کے لیے امریکہ و اقوام متحدہ نے ایک رقم ہی طے کر دی ہے کہ جو لوگ وہاں مقیم تھے ان کو اتنی رقم ہر حال میں دی جائے گی۔

D.C فارم: اس فارم میں جو لوگ مقیم تھے ان کے مالی نقصانات کی بنا پر یا ڈیٹا کو فٹ یا ملازمت کے چلے جانے کی بنا پر ایک مدت تک بیکار رہنے کا جو بھی کلیم / مقدمہ کرنا ہو اسے اس فارم میں درج کیا جاتا، اس موقع پر جہاں لوگوں نے اپنے نقصان کی تفصیل لکھی، وہیں پر اپنے نقصان سے کئی گنا زائد اکثر لوگوں نے لکھا اس کے بعد جب فارم امریکہ اور اقوام متحدہ کے پاس پہنچے تو اس نے جتنا جس نے نقصان لکھوایا تھا وہ مکمل منظور فرما کر ہندوستان کا حکومت ہند کو سپرد کر دیا، جو جستہ جستہ ہر ایک کو بینک کے قوانین کے مطابق مل جائیگا اس موقع پر مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں امید ہے کہ اس کا حل از روئے شرع مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

(۱) ایک مسلم ملک اگر کسی دوسرے ملک پر حملہ کر کے اس پر غلبہ پا کر قبضہ کر لے تو کیا قابض ملک اس مقبوضہ ملک کا مالک ہوگا یا غاصب؟

(۲) قابض ملک سے مقبوضہ ملک کا یا وہاں کے ملکی / غیر ملکی باشندگان کا جو مالی نقصان ہوا چاہے اس کی فوج نے یا دوسروں نے جو وہاں مقیم تھے انہوں نے لوٹا ہو یا وہ مالکان غیر ملکی اپنی املاک اپنے ملک مثلاً ہندوستان سفر کی مشقت کی بنا پر وہاں چھوڑ کر چلے آئے تو اب اس کا مالی جرمانہ اس سے یعنی عراق سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) بعض حضرات نے C اور D فارم کے مطابق اپنا نقصان بہت لکھوایا ہے حالانکہ ان کا نقصان اس سے بہت کم ہوا ہے، یا بالکل ہوا ہی نہیں تو ایسے لوگ ان پیسوں کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: اگر ان پیسوں کو مسترد کر دیں تب بھی یہ رقم بظاہر واپس پہنچنے والی نہیں بلکہ مقامی ذمہ دار یا ملکی ذمہ داروں کی نذر ہو جائیگی تو اس کا حل کیا ہوگا؟

(۴) کیا اپنے مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں؟  
 (۵) اگر لے سکتے ہیں تو اپنے نقصان سے زائد رقم کا مصرف کیا ہوگا اور اگر نہیں لے سکتے تو پھر اس رقم کا مصرف کیا ہوگا؟

(۶) بعض حضرات نے اس موقع پر جو ذہنی کوفت اور پریشانی ہوئی اس کا بھی مقدمہ کر کے اس کا تاوان لکھوایا ہے، تو کیا اس معاوضہ کو لے سکتے ہیں؟

(۷) جنگ سے پہلے کویتی دینار کی ہندوستان میں زرتبادلہ کی شرح ۵/۷ روپیہ تھی لیکن عراق کے قبضہ کے بعد اس کا نرخ ۵/۱۰ روپیہ تک ہو گیا بہت سے لوگوں کے پاس وہ کرنسی موجود تھی مگر اپنی ضرورت کی وجہ سے انہوں نے اسی شرح پر بیچ دی تو یہ زرتبادلہ کا جو نقصان انہیں برداشت کرنا پڑا اسے مالی نقصان میں محسوب کیا جائے گا یا نہیں؟

(۸) بعضوں کی تنخواہ بہت زائد تھی، جو بھی ہو بعد میں دوبارہ جنگ کے بعد میں یا تو نہ وہ ملازمت رہی یا وہ ملازمت رہی مگر شرح تنخواہ وہ نہ رہی بلکہ اس سے کم ہوئی تو کیا وہ لوگ اپنی تنخواہ اور ملازمت کے بدلہ کوئی معاوضہ مالی لے سکتے ہیں؟

(۹) بعض لوگ آج تک دوبارہ وہاں نہیں جاسکتے تو کیا انہوں نے جو کلیم کیا ہے جس میں اپنے نقصان سے زائد رقم لکھی ہے، اس میں سے آج تک کی تنخواہ کے حساب سے رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۰) وہ حضرات جو وہاں گئے تھے وہ تقریباً لاکھ روپیہ ویزا کے خرچ کر کے گئے تھے ان میں سے بعض حضرات کو تو ابھی پہنچے ایک دو دن یا ہفتہ عشرہ یا مہینہ دو مہینہ ہوئے تھے غرض کہ اپنی ویزا سے فائدہ اٹھا بھی نہیں پایا تھا تو کیا اسے مالی نقصان میں شمار کیا جائیگا؟  
 (۱۱) بعض حضرات کو وہاں گئے ہوئے کئی سال ہوئے تھے اور بہت کچھ کمایا بھی کیا

وہ حضرات ویزا کا خرچ لے سکتے ہیں؟

(۱۲) بعض حضرات ان کو جو رقم ملنے والی ہے اس میں سے کچھ حصہ مدارس میں دینا چاہتے ہیں کیا مدارس اس رقم کو لے سکتے ہیں؟ کس مصرف میں؟



(۱۳) اگر از روئے شرع پیسہ نہ لے سکتے ہوں بلکہ صدقہ کرنا ہو تو بعض وہ حضرات جن کو پیسہ ملنے والے ہیں وہ خود ہی بہت مقروض ہیں تو کیا وہ اپنے فرضہ کے بقدر رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۴) معلوم ہوا کہ یہ ساری رقم اقوام متحدہ نے حکومت ہند کو آج سے تین سال قبل ادا کر دی ہے اور ان تین سالہ مدت کا سود بھی حکومت ہند ادا کر رہی ہے، تو اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ حکومت ہند جو سود دے رہی ہے اس رقم کو ہم سو قدر دیں گے یا پراویڈنٹ فنڈ کی طرح ہوگا۔

(۱۵) اقوام متحدہ نے بھی وہ رقم مع سود ادا کی ہے، یعنی جنگ کے بعد جتنے بھی سالوں کے بعد حکومت ہند کو سپرد کی وہ سود کے ساتھ دی ہے تو اس کا حل کیا ہوگا، امید ہے کہ ان سوالات کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد انور فلاحی، محمد خالد رشید، دارالعلوم لونا واڑہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) جب عراق سے الگ کویت ایک مستقل مسلم حکومت ہے تو عراق کا کویت پر قبضہ کر کے اس کو اپنے ملک کا حصہ قرار دینا ناجائز اور غاصبانہ قبضہ ہے، اس پر غصب کے احکام جاری ہو جائیں گے۔

(۲) مقبوضہ ملک کویت واپس ہو جانے کے بعد اگر کویت حکومت اور اس کے ملکی و غیر ملکی باشندوں کے مالی نقصانات کا عراق سے انجبار کرنے پر قدرت ہو چکی ہے، تو واجبی نقصانات کا انجبار جائز اور درست ہوگا۔

وإن نقص فی یدہ ضمن النقصان لأنه دخل جمیع أجزائه فی ضمانہ بالغصب فما تعذر رد عينه یجب رد قيمته. (ہدایہ، کتاب الغصب اشرفی ۳/۴۷۳)

(۳) واجبی نقصان سے زیادہ لکھوا کر زیادہ حاصل کرنا ناجائز نہیں ہے اور جن لوگوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے، ان کا نقصان لکھوا کر کچھ حاصل کرنا بھی ناجائز اور جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے۔

﴿وَأَجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ [الحج: ۳۰]

اب اگر ناحق رقم یا زائد رقم حاصل ہو گئی ہے اور اس کو واپس کرنے میں حکومت عراق تک واپسی ممکن نہیں ہے تو اس رقم کو فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہے۔

من اکتسب مالا بغير حق (إلى قوله) أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (إلى قوله) يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء . (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سہارنپور قدیم ۳۷/۱، دار البشائر الاسلامیہ ۳۵۹/۱، رقم: ۵۹)

(۴) جی ہاں مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں۔

(۵) زائد رقم کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

(۶) ذہنی کوفت کا مالی جرمانہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے لے لیا ہے تو اس کا صدقہ کر دینا لازم ہوگا، البتہ ذہنی کوفت جس نے کسی مسلمان کو پہنچائی وہ گنہگار ہوگا مگر اس کا مالی معاوضہ نہیں۔

(۷) کرنسیوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اس لیے اس نقصان کا کوئی انجبار نہیں ہے، نیز آپ نے خود اپنے فعل اور اختیار سے تبادلہ کیا ہے اس لیے اس نقصان کا بدلہ نہیں ہے۔

(۸) جن کی تنخواہیں کم ہو گئی ہیں ان کو تنخواہیں بڑھانے کا مطالبہ کرنا جائز ہے مگر اس کمی کا ذمہ دار عراق نہیں ہے، بلکہ کویت حکومت ہے، کیونکہ آپ کویت کے ملازم ہیں عراق کے نہیں، اور جن کی ملازمت ختم ہو گئی ہے ان کو ملازمت بحال کرنے کا مطالبہ جائز ہے، البتہ عراق کے قبضہ اور جنگ کے زمانہ میں جو نقصان ہوا ہے وہ عراق سے وصول کرنا جائز ہوگا، اور ملازمت کا مالی معاوضہ کسی طرح ممکن نہیں ہے، کیونکہ آپ کی ملازمت کب تک رہے گی اور آپ کب تک زندہ رہیں گے اس کا علم کسی کو نہیں ہے۔

(۹) اگر وہ لوگ دوبارہ جا کر ملازمت میں لگ جاتے ہیں تو درمیان کے نقصان کا انجبار کیا جاسکتا ہے۔

(۱۰) جو لوگ کہہ اوروں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے وہاں پہنچ گئے ہیں اور ابھی تک خرچ شدہ رقم وصول نہیں ہو پائی تھی کہ عراق کا قبضہ ہو کر پورا نقصان ہو گیا ہے تو جتنا نقصان ہوا

اتنے کا انبجار جائز ہوگا۔

(۱۱) جن لوگوں نے وہاں جا کر سالوں سے کمایا ان کے لیے ویزا خرچ لینا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ انہوں نے اپنے ویزا اور سفر سے پورا فائدہ حاصل کر لیا ہے۔

(۱۲) مساجد و مدارس میں واجبی رقم میں سے دے سکتے ہیں، زائد رقم میں سے دینا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی اس رقم میں سے دینا جائز ہوگا جو جھوٹے دعویٰ سے حاصل کیا گیا ہے۔

(۱۳) جو لوگ خود مستحقین زکوٰۃ ہیں ان کے لیے زائد رقم کا خود استعمال کرنا جائز ہوگا کیونکہ وہ خود مصرف ہیں۔

(۱۴) جو سود و حکومت ہند یا اقوام متحدہ کی طرف سے مل رہا ہے ان میں سے حکومت ہند سے حاصل ہونے والا سود فقراء میں تقسیم کر دیں اور اقوام متحدہ سے ملنے والا سود خود استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ اقوام متحدہ درحقیقت امریکہ کے زیرِ تخت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۵ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

۱۴۱۸/۱۱/۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۰۶/۳۳)

## کفیل کا حکومت کا فنڈ خود استعمال کرنا

**سوال [۷۵۶۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس وقت حکومت کی طرف سے ایک فنڈ غریب محتاج بیوہ بوڑھے اور معذور لوگوں کو گاؤں کے ذمہ داروں یعنی پردھان، سر پنچ اور قصابات میں چیرمین و دیگر ممبران نگر پالیکا کی سفارش پر ایک سو روپیہ ماہانہ منظوری پر ملتا ہے، اگر کوئی آدمی ایسا ہو جس کے پاس جائیداد بھی ہو اور اس کے لڑکے اچھی کمائی کرتے ہوں بظاہر ان کو کوئی بھی محتاجی نہیں بلکہ خود کفیل ہیں ایسے لوگوں کے لیے حکومت کے فنڈ کاروپہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد فرید نگر ٹھاکر دوارہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ فنڈ صرف غریب محتاجوں کے لیے قائم کیا گیا ہے تو سوالنامہ میں جن ذمہ داروں کی تصدیق کی بات ہے ان کے سامنے خود اپنے آپ کو فیمل ہونے کی بات ظاہر کر دینا ہوگا اگر ظاہر کرنے کے باوجود ملتا ہے تو اس کا لینا اور اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہوگا اگر کذب بیانی سے کام لیا گیا تو لینا جائز نہیں ہوگا۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول اللہ ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

لا یجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقہ اشرفیہ دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

۱۴۱۴/۱۲/۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۷)

۶۰ رسال سے اوپر عمر والی بیواؤں اور بوڑھوں کو منجانب سرکار ملنے والی امداد کا حکم

**سوال [۷۵۶۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کی طرف سے ۶۰ رسال کے اوپر کی عمر والوں کو کچھ روپے اور غلہ ملتا ہے اسے لینا کیسا ہے، حکومت ہند کی طرف سے بوڑھوں بیواؤں کے لیے خصوصی امداد ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟  
المستفتی: حاجی چھوٹے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** عمر کے ایک خاص عرصہ میں پہنچ کر سرکار کی جانب سے جو رقم غلہ وغیرہ امداد کی شکل میں ملتی ہے وہ سرکار کی جانب سے تبرع اور عطیہ ہے، اس کا لینا اور استعمال کرنا بلا شک و شبہ جائز اور درست ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: من وهب هبة، فهو  
أحق بها، ما لم يشب منها. (المستدرک، البيوع، دار البشائر الإسلامية ۳/ ۸۷۵، رقم:  
۲۳۲۳، سنن الدار قطنی، البيوع، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۳۸، رقم: ۲۹۵۰)  
حکم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (تاتارخانیة، کتاب الهبة، زکریا  
۴۱۳/۱۴، رقم: ۲۱۵۳۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۳۲/۲/۲۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۶۸/۳۹)

## حکومت سے روپیہ ملنے کی ایک جائز صورت

**سوال [۷۵۶۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: کہ حکومت عوام کو بطور امداد کے کاروبار کرنے کے لیے روپے دیتی ہے جس میں  
کا نصف روپیہ حکومت کو واپس کرنا پڑتا ہے، اور نصف معاف ہوتا ہے مثلاً چار ہزار روپے حکومت  
سے لیے اس سے کاروبار کیا پھر حکومت کو دو ہزار روپیہ واپس کر دیا باقی سب تاجر کا ہو گیا ہے تو کیا  
اس طرح حکومت سے روپے لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟

(۲) حکومت سے چار ہزار لے کر اسی کے قانون کے مطابق دو ہزار حکومت کو  
واپس کر دے، اور بقیہ دو ہزار سے عوام الناس کے لیے یا اپنے لیے بیت الخلاء بنا سکتے ہیں؟

المستفتی: زین العابدین سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر حکومت نصف معاف کر دیتی ہے تو اس کا حکم  
شرعاً تبرع کے ہے، شرعی طور سے خود مالک ہو جاتا ہے، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ  
کر سکتا ہے، اپنے بچوں پر، تعمیر مکان، تعمیر بیت الخلاء اپنے لیے یا غیر کے لیے ہر امر جائز  
ہے، اس کے صرف کرنے میں من جانب شرع کوئی پابندی نہیں ہے۔

ویکون متبرعاً علی المدعی علیہ کما لو تبرع بقضاء الدین . (ہدایہ، کتاب الصلح، باب التبرع بالصلح والتوکیل، اشرفی ۳/۲۵۰)  
 العفو إنما یسقط ماکان مستحقاً للعافی خاصة . (قواعد الفقہ اشرفی ص: ۹۳، رقم: ۱۹۱)

وہبۃ الدین ممن علیہ إبراء . (ہدایہط کتاب الہبۃ، باب ما یصح رجوع و ملا یصح، اشرفی ۳/۲۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۱۸)

## فساد زدہ لوگوں کا حکومتی امداد لینا

**سوال [۷۶۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فساد کے دوران مرنے والوں کے وارثوں کو جو حکومت امداد دیتی ہے کیا وہ جائز ہے اور مالی نقصان کے بارے میں بھی کیا حکومت سے ملنے والی امداد جائز ہے یا نہیں؟  
 المستفتی: شاہد حسین محلہ پیرغیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب حکومت اپنی طرف سے فساد زدہ علاقہ کے لوگوں کے ضائع شدہ مال کا تاوان ادا کرے اور شہید ہونے والوں کے ورثاء کو مخصوص مقدار میں مال تو وارثوں اور حقداروں کو لینا جائز ہے، اگرچہ ورثاء اور حقدار صاحب حیثیت کیوں نہ ہوں۔

ماکان علی وجہ التبرع یستوی فیہ الغنی والفقیر . (قواعد الفقہ اشرفی

ص: ۱۱۶، رقم: ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۹۷)

## دوکانداروں کے لیے حکومت کا تعاون لینا

**سوال [۷۵۶۹]:** (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گورنمنٹ کی جانب سے دوکانداروں کے لیے یہ اسکیم نکلی ہے کہ جو دوکانیں رجسٹرڈ ہیں ان کے مالک فارم بھر کر بھیج دیں اگر کوئی دوکاندار مرتا ہے کسی حادثہ میں تو اس کو گورنمنٹ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ دیا جائیگا تو کیا روپیہ لینا جائز ہے؟  
المستفتی: دوکاندار شیکوٹ بازار بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** دوکانداروں کے لیے یہ ایک نیا قانون نکلا ہے کہ جس دوکان کارجریشن ہو جائے اور دوکاندار کسی حادثہ میں یا یوں ہی مر جائے تو حکومت کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ بطور تعاون دیا جاتا ہے یہ حکومت کا تعاون دوکانداروں کے لیے بلا تردد جائز اور حلال ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیمہ ۶/۳۱۶، جدید ذکر یا ۱۰/۲۲۵)

أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئاً حراماً بعينه و هو قول أبي حنيفة وأصحابه. (عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا و

الضیافات، زکریا قدیم ۵/۳۴۲، جدید ۵/۳۹۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۹۵)

## مکان وغیرہ کی تعمیر کے لیے مالداروں کا حکومتی امداد لینا

**سوال [۷۵۷۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آٹھ سو روپیہ حکومت لیتی ہے اور لوگوں کو بیت الخلاء بنانے کے لیے تقریباً

ساڑھے تین ہزار روپے کا سامان دیتی ہے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ حکومت ان غریبوں کو جو غیر صاحب نصاب ہوتے ہیں بیس ہزار روپیہ مکان بنانے کے لیے دیتی ہے تو اس غیر صاحب نصاب کا ان روپیوں کو لینا جائز ہے یا نہیں اور جو صاحب نصاب ہو اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟  
المستفتی: محمد راشد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حکومت آٹھ سو روپیہ لے کر بیت الخلاء بنانے کے لیے ساڑھے تین ہزار روپے کا سامان اسی طرح غریبوں کو مکان بنانے کے لیے چوبیس ہزار روپے دیتی ہے یہ حکومت کی جانب سے امداد ہے اور حکومت کی امداد غریب و مالدار سب کے لیے یکساں طور پر حلال و جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحمیہ قدیم ۶/۳۱۷، جدید زکریا دیوبند ۱۰/۲۲۵)

أخذ الجائزۃ من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئاً حراماً وهو قول أبي حنيفة وأصحابه..... أن الشيخ أبا القاسم كان يأخذ جائزة السلطان. (ہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضيافات، زکریا قدیم ۵/۳۴۲، جدید ۵/۳۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۱/۵/۲۸

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ  
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۸۳)

## سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا

**سوال [۷۵۷۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ایک لڑکا ہے اس کی تنخواہ بارہ سو روپیہ ماہانہ ہے اس کے دو بچے ہیں کل ملا کر ہم چار لوگ ہیں، میں آپ سے یہ مشورہ لینا چاہتی ہوں کہ میری ماں بہنیں ہماری حالت دیکھتے ہوئے سمجھاتی ہیں کہ سرکار کے پاس سے جو مہینہ آتا ہے اس کا فارم تم بھی بھردو تو کیا یہ



پیسے میں لے سکتی ہوں، کیا میں یہ فارم بھر سکتی ہوں، اس بات کو سمجھ کر اللہ کے واسطے مشورہ دیں کہ کیا میں اس کام کو کر سکتی ہوں؟

دوسری بات یہ ہے کہ دو سال پہلے رمضان میں میں یہ سوچ رہی تھی کہ ہمارا خرچ کیسے چلے گا؟ تو ایک انجان عورت آئی اور ایک ہزار روپیہ دینے لگی، میں نے منع کر دیا، پروہ زبردستی دے گئی اور بھی دو تین ماں بہنیں پیسے دیتی ہیں، تو کیا ہم لے لیں کیا یہ پیسہ لینا گناہ تو نہیں؟  
المستفتی: نور جہاں بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر آپ کی ضرورت بیٹے کی تنخواہ بارہ سو روپیہ سے پوری نہیں ہوتی ہے تو سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا شرعاً جائز ہے اسی طرح جو بہنیں تعاون کرتی رہتی ہیں اس کے لینے میں بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔

عن قبيصة بن مخارق الهلالي قال: تحملت حمالة، فأتيت رسول الله ﷺ أسأله فيها، فقال: أقم، حتى تأتينا الصدقة، فأنمر لك بها، قال: ثم قال: يا قبيصة! إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة، فحلت له المسئلة حتى يصيبها، ثم يمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله، فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال سدادا من عيش ورجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوى الحجا من قومه: لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال سداداً من عيش، فما سواهن من المسئلة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا. (مسلم شريف، باب من تحل له المسئلة، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۴، بيت الأفكار رقم: ۱۰۴۴، مسند الدارمي، دارالمغنى ۲/ ۱۰۴۴، رقم: ۱۷۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۶/۱۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۵۶/۳۸)

## نومسلمہ کا اپنا ہندووانی نام بتا کر ووٹ حاصل کرنا

**سوال [۷۵۷۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نومسلمہ عورت جو پہلے ذات کی چمارن تھی، اس نے مذہب اسلام قبول کیا اور ایک چودھری مسلمان شخص سے نکاح کر لیا، ابھی حال ہی میں پنچایتی انتخاب میں اس نے الیکشن میں کامیابی حاصل کی ہے، لیکن وہ سیٹ چھڑی ذات کے لوگوں کے لیے مختص تھی، مذکورہ عورت نے اپنے سابقہ مذہب و نام کو بتلا کر کہ میں چمارن ہوں، میرا نام فلانا ہے، الیکشن لڑا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی عورت جس نے اپنے آپ کو چمارن یعنی کافر ہندو کہا ہو اور بھری عدالت یا کچھری میں کہنا پڑیگا، تو کیا مسلمان رہی یا اسلام سے پھر کر مرتد ہوگئی؟ نیز اس عورت کو اپنے سابقہ نام ”مپواد یوی“ چمارن کے نام سے ہی دستخط کرنا پڑیگا کیا اس کو ہر مرتبہ تجدید ایمان کرنا پڑیگا، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۳۸۴ کے فتویٰ ۸۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت دائرہ ایمان سے خارج ہے، اور امداد الفتاویٰ ۴/۵۹۳-۵۹۴ میں حضرت تھانویؒ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہے، بلکہ احتیاطاً تجدید ایمان و نکاح کرنا لازم ہے؟

المستفتی: محمد آزاد بیگ بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسئلہ صورت میں عورت کی جانب سے نہ تو کفر

کا اقرار ہے اور نہ مذہب اسلام کا انکار ہے اس بناء پر محض چمارن اور ہندووانی نام بتانے سے اس کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، لہذا زوجین اپنے نکاح پر علی حالہ باقی ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی

جدید مطول ۱/۶۰۹، قدیم ۱/۳۷، عزیز الفتاویٰ قدیم ۱/۷۱)

إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمداً لكنه لم يعتقد قال بعض أصحابنا

لا يكفر لأن الكفر يتعلق بالضمير ولم يعتقد الضمير على الكفر. (البحر

الرائق، کتاب السیر، باب أحكام المرتدین، کوئٹہ ۵/۱۲۵، زکریا ۵/۲۱۰، شامی کراچی  
۴/۲۲۴، زکریا ۶/۳۵۸، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۲۷۶، جدید ۲/۲۸۷)

لا یفتی بکفر مسلم إذا کان فی کفرہ خلاف. (در مختار زکریا ۶/۳۶۷،  
کراچی ۴/۲۴۰)

ویؤمر بالاستغفار والتوبة. (در مختار علی الشامی زکریا ۶/۳۹۰، کراچی  
۴/۲۳۰، ۴/۲۴۷)

البتہ عورت کا یہ عمل اور اس طرح فریب دیکر ووٹ حاصل کرنا اسلامی رو سے درست  
نہیں ہے یہ اس کی جانب سے دھوکہ اور فریب کاری ہے اور دھوکہ و فریب کاری کی وجہ سے  
انسان فاسق تو ہو جاتا ہے مگر کافر نہیں ہوتا، لہذا یہ عورت اس عمل کی وجہ سے فاسق تو ہے کافر  
نہیں، اس بنا پر اس کیلئے توبہ و استغفار کرنا لازم ہے۔

والکبیرة لا تخرج العبد المؤمن من الإیمان علی أن مرتکب الکبیرة  
فاسق. (شرح عقائد نعیمیہ دیوبند ص: ۱۰۹)

اور سوانامہ میں جو امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا حوالہ دیا گیا ہے وہاں پر  
یہ صورت نہیں ہے، بلکہ فتاویٰ دارالعلوم تو صراحتاً کفر کا اقرار اور اسلام کا انکار ہے، اس بناء پر  
اس سے استدلال کر کے اس پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کاتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۳۵)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۴/۱۴۲۱ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

☆ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ☆

## ۲۳ کتاب القضاء

### ۱ باب ما يتعلق بنفس القضاء

### غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور

### نظام قضاء کی اہمیت

اسلام ایک اجتماعی اور آفاقی مذہب ہے اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں بھی رہے اپنی شہری زندگی باقی رکھنے کے لیے نظام قضاء قائم کرنا اپنا اولین فریضہ تصور کیا ہے، اور قضاء شرعی کے بغیر مسلم معاشرے کے لیے اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ناممکن ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑے اہتمام اور حکیمانہ انداز سے اتحادی اور اجتماعی زندگی کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾. [آل عمران: ۱۰۳]

اور تمام مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے ذمہ دار علماء سے مراجعت کریں اور ان کے مشورہ کے مطابق اپنے معاملات طے کریں۔

﴿فَاسْتَلُوا أَهْلَ الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾. [النحل: ۴۳]

اور ایک جگہ فرمایا کہ ایمانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے خدا اور رسول اور مسلم سربراہوں کی اطاعت ضروری اور لازم ہے، نیز آپس کے نزاعی معاملات کو منشاء الہی اور منشاء رسول کے مطابق حل کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے حاملین اور شریعت کے ذمہ داروں

کے پاس پیش کرنے کو ایمان کی شرط قرار دیا:

﴿قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ. [النساء: ۵۹]﴾

اور امارت و خلافت اور ولایت اور قضاء اسلام کے اجتماعی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے کہ ایک مسلمان کی بہترین شخصی اور مدنی زندگی، شرعی تنظیم کے بغیر ایک طرح کی رہبانیت ہے جو دائرہ اسلام میں نہیں آتی، بلکہ جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی مدنی اور شہری زندگی گزارنے میں امیر و قاضی کی اطاعت نہیں کرتے اور کسی امیر کے ہاتھ پر بیعت کیے بغیر مرتے ہیں وہ جاہلیت کی موت مرتے ہیں، اور آخرت میں خدائی عذاب سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور خالی ہاتھ دربار الہی میں ان کی پیشی ہوگی۔

عن نافع قال: جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة - إلى - سمعت رسول الله ﷺ يقول: من خلع يداً من طاعة لقي الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية. (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة المسلمين عند ظهور الفتن،

النسخة الهندية ۱۲۸/۲، بيت الأفكار رقم: ۱۸۵۰)

نظام قضاء کو اس حدیث کے عموم سے خارج نہیں کیا جاسکتا، لہذا مذکورہ نصوص قرآنیہ اور حدیث نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ نظام قضاء کے بغیر اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے، اور اسلام میں قضاء کی جس قدر اہمیت ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری بھی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کو عہدہ قضاء کا حامل بنایا گیا ہے گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا ہے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من ولي القضاء أو جعل قاضياً بين الناس فقد ذبح بغير سكين. (سنن الترمذی، أبواب الأحكام، باب ما

جاء عن رسول الله ﷺ في القاضي، النسخة الهندية ۱/ ۴۷، دار السلام رقم: ۱۳۲۵،  
مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۵/ ۱۴۶، رقم: ۸۴۷۲، حجة الله البالغة ۲/ ۱۶۶،  
بنايه قديم ۳/ ۳۷۱، جديد اشرفيه ديوبند ۹/ ۱۱)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

الف فتویٰ نمبر: ۲۶۷۸/۲۷

## غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء

**سوال [۷۵۷۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے کیا مسلمانوں پر اپنے نزعی مسائل کے تصفیہ کے لیے اسلامی نظام قضاء قائم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** غیر اسلامی ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ کفار کو حاصل ہے، وہاں کے مسلم باشندگان پر لازم ہے کہ اپنے نزعی اور عائلی مسائل کے حل کے لیے حکومت سے اقتدار حاصل کر کے اسلامی نظام قضاء قائم کریں، اور اگر حکومت کی طرف سے اقتدار حاصل نہیں ہے، تو اقتدار حاصل ہونے تک کے لیے تراضی مسلمین سے نظام قضاء کا قیام اور آپسی تراضی سے کسی باصلاحیت شخص کا عہدہ قضاء کے لیے انتخاب جائز اور درست ہوگا وہ قاضی شرعی قاضی اور اس کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ قدیم ۳/ ۳۰۷، جدید ۳۵۳، امداد المفتیین، کراچی ۲/ ۸۹۴)

نیز کسی مسلم والی کی تلاش و جستجو جاری رکھنا ایسے ممالک کے تمام مسلمانوں پر ہر ممکن واجب ہے، تاکہ نظم و نسق سب کچھ اسی کے حکم سے منشاء شریعت کے مطابق جاری ہو سکے اور اسی کی ماتحتی میں قضاء کا نظام بھی چلتا رہے، جیسا کہ آگے شامی اور بحرکی عبارات سے اس کی تائید ہوتی ہے:

ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين وال وإمام للجمعة وتحتہ فی الشامیة: وأما بلاد علیها ولاية كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضى المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم. (الدر المختار مع الشامى، كتاب القضاء، مطلب: أبو حنيفة دعى إلى القضاء ثلاث مرات، فأبى، كراچی ۵/۳۶۸-۳۶۹، زكريا ۴۴/۴۳، البحر الرائق كوئته ۶/۲۷۴، زكريا ۶/۴۶۱)

اور اب چو کہ ہندوستان میں شرعی امارت اور ولایت کا قیام عمل میں آچکا ہے اور اس کے ذیل میں امیر اور والی شرعی کا تعین بھی ہو چکا ہے اس لیے امیر شرعی کی جانب سے قاضی شرعی کا تقرر بھی درست ہو سکتا ہے، اور کتب فقہ کی بے شمار عبارتوں سے اس کی تائید ملتی ہے، اور مسئلہ چونکہ نازک ترین ہے اس لیے شامی و فتح القدر اور بحر کے حوالے سے چند فقہی عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ تا تاریخانیہ اور جامع الفصولین کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

وأما بلاد علیها ولاية الكفار (إلى قوله) أن يلتمسوا واليا مسلما منهم.

(شامی کراچی ۵/۳۶۹، زكريا ۸/۴۳)

(۲) علامہ ابن نجیمؒ مصری البحر الرائق میں نقل فرماتے ہیں:

وأما بلاد علیها ولاية الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي بتراضى المسلمين و يجب عليهم طلب وال مسلم الخ.

(البحر الرائق كوئته ۶/۲۷۴، زكريا ۶/۴۶۱)

(۳) علامہ ابن ہمامؒ فتح القدر میں نقل فرماتے ہیں:

إذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا أو يكون هو الذى

یقضی بینہم۔ (فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۲۶۴/۷، کوئٹہ ۳۶۵/۶، زکریا ۲۴۶/۷،

فتاویٰ عبد الحی ۳۰۷/۲، کفایت المفتی قدیم ۲۱۷/۲، جدید زکریا مطول ۳۳۷/۱۱)

اب مذکورہ عبارات پر غور کیا جائے تو حسب ذیل پانچ امور منکشف ہو سکتے ہیں:

(۱) شامی اور بحر کی عبارات میں اس کی صراحت ہے کہ تراخی مسلمانوں سے قاضی کا

تقرر جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ جب مسلم والی کی طرف سے قاضی کا تقرر نہ ہو سکتا ہو۔

(۲) مسلمانوں پر انتخاب والی اور امیر کی تگ و دو اور سعی کرنا لازم اور واجب ہے

تا کہ اس امیر کی طرف سے قاضی کا تقرر ہو سکے۔

(۳) فتح القدیر کی عبارت میں اس کی صراحت ہے کہ غیر اسلامی ممالک کے تمام

مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی فرد پر متفق ہو کر اس کو اپنا والی اور امیر بنالیں۔

(۴) وہی والی قاضی کا تقرر کیا کرے گا۔

(۵) اگر کسی وجہ سے قاضی کا تقرر نہ ہو تو والی خود فریضہ قضاء انجام دیا کرے، اور

ان عبارات سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ غیر مسلم ممالک میں مسلم امیر و قاضی کے حق

میں صحت امارت و صحت قضاء کے لیے قوت تعفیذ شرط نہیں ہے، اور الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت

میں اس مدعی کی تائیدی صراحت بھی موجود ہے کہ حاکم کے بحیثیت حاکم ہونے کے لیے قوت

نافذہ شرط نہیں ہے بلکہ یہ ایک امر زائد ہے۔

## واجب الطاعة کا مصداق

تین ذمہ دار بالکل الگ الگ ہیں: (۱) جس کو قوت عسکری حاصل ہوتی ہے اس

کے ہر جائز حکم کی تعمیل ہر فرد پر واجب ہوتی ہے، اور عدم تعمیل میں باغی و عاصی ہوگا اسی کو

واجب الطاعة سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور یہ سلطان کی صفت ہوتی ہے۔

(۲) جس کو قوت عسکری حاصل نہ ہو بلکہ صرف قوت ارادی حاصل ہو اس کے ہر حکم کی

تعمیل عام لوگوں پر واجب نہیں ہوتی بلکہ صرف اس معاملہ کے فریقوں پر واجب ہوتی ہے جو اس



کے پاس پیش کیا جائے، فیصلہ سے قبل وبعد ہر حال میں واجب ہے، اور یہی قاضی کی صفت ہے۔  
 (۳) حکم جس کی قوت کا مدافریقین پر ہے، لیکن فیصلہ کے بعد پھر اس کی تعمیل بھی  
 فریقین پر واجب ہو جاتی ہے۔  
 (۴) اور اس مقالہ میں جہاں جہاں واجب الطاعت کا لفظ آیا ہے اس سے قسم اول ہی  
 مراد ہے۔

الحاکم من حیث هو حاکم لیس له إلا الإنشاء و أما قوة التنفيذ فأمر  
 زائد علی کونه حاکم فقد يفوض إليه التنفيذ وقد لا یندرج فی ولايته.  
 (الحيلة الناجزة جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

## ایک اہم شبہ

بعض احباب کو فتح القدر کی عبارت:

وأقروا المسلمین عندهم علی مال يؤخذ منهم. (فتح القدير، دار الفکر

بیروت ۲۶۴/۷، کوئٹہ ۳۶۵/۶، زکریا ۲۴۶/۷)

اور اس جیسی عبارتوں سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جن غیر مسلم حکومت میں مسلمان  
 امیرو والی مقرر کرنا واجب اور لازم ہے یا تراضی سے قاضی مقرر کرنا جائز ہے ان سے وہ  
 ممالک مراد ہیں جہاں کے مسلمانوں نے والی کا فر کو مال دے کر اختیار و اقتدار حاصل کر لیا  
 ہے اگرچہ بیرونی سطح پر کفار کا غلبہ ہے، لیکن اندرونی سطح پر اقتدار اور قوتِ قاہرہ مسلمانوں کو  
 حاصل ہے، لہذا جن ممالک میں مسلمانوں کو نہ بیرونی سطح پر قوت حاصل ہے اور نہ ہی اندرونی  
 سطح پر تو ایسے ممالک میں تراضیِ مسلمین سے والی یا قاضی کا تقرر درست نہ ہونا چاہیے، اور  
 ہندوستان ان ممالک میں سے ہے کہ جن کے اکثر بلاد ایسے ہیں کہ جہاں کے مسلمانوں کو  
 اندرونی سطح پر بھی باختیار اقتدار حاصل نہیں ہے اس لیے ہندوستان جیسے ممالک میں نظام  
 امارت اور نظام قضاء کی بات بے فائدہ معلوم ہوتی ہے۔

## شبہ کا ازالہ اور بلاد کی اقسام

اگر تمام بلاد اور امصار کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو اس طرح کے شبہات کی نوبت نہ آئیگی اور تجزیہ کرنے میں بلاد کی سات قسمیں نکلتی ہیں:

(۱) پہلی قسم وہ بلاد اسلام ہیں جہاں خود خلیفۃ المسلمین موجود ہو اور اپنی ولایت عامہ کے ذریعہ سے قضاة کا تقرر کرتا ہو اور خلیفۃ المسلمین کا مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے اور اس کا ظالم اور جابر ہونا بھی ناقابل تصور ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ بلاد اسلام ہیں جہاں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے والی و سلطان کا تقرر کیا جاتا ہے اور یہ والی اگر چہ ظالم ہو لیکن مسلمان ہونا شرط ہے پھر یہی والی قضاة کا تقرر کیا کرے گا، اور بلاد کی ان دونوں قسموں کی طرف علامہ ترمذی نے تنویر الابصار میں:

ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجاتر . (تنویر الابصار مع الدر

کراچی ۳۶۸/۵، زکریا ۴۳/۸)

کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے ایسے ممالک میں تراضحیٰ المسلمین سے قاضی کا انتخاب درست نہ ہوگا اور عالمگیری وغیرہ کا جزئیہ:

لا یصیر قاضیا . (ہندیہ کتاب أدب القاضی الباب الخامس فی التقليد والعزل

زکریا قدیم ۳۱۵/۱، جدید ۲۸۳/۱)

ایسے ممالک کا مصداق ہے۔

(۳) تیسری قسم وہ بلاد ہیں جو پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں تھے اور بعد میں کفار کا تسلط ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں نے مال دے کر صلح کے ذریعہ سے اندرونی سطح پر اقتدار حاصل کر لیا ہے اور سلطان کافر نے مسلم والی مقرر کر دیا ہے اور پھر مسلم والی اپنی طرف سے قضاة کا تقرر کیا کرتا ہے، ایسے بلاد میں اندرونی سطح پر کفار کا کوئی اختیار نہیں رہتا ہے، اس لیے ایسے بلاد درحقیقت دارالاسلام ہیں، انہیں ممالک کی طرف علامہ شامی نے تاتاریخ کی عبارت:

و بلاد الإسلام التي في أيدي الكفرة لا شك أنها بلاد الإسلام لا بلاد الحرب لأنهم لم يظهروا فيها حكم الكفر والقضاء مسلمون. (شامی، کتاب القضاء کراچی ۳۶۸/۵، زکریا ۴۳/۸)

کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے اور اشکال میں درج کردہ فتح القدر کی عبارت ”سجعلونه والیا فیولی قاضیا“ جس کے ذریعہ حضرت مفتی عبدالکریم صاحب نے الحیلة الناجزة کے اخیر میں اشکال پیش فرمایا ہے اس کا مصداق بھی اسی تیسری قسم کے بلاد ہیں۔

(۴) چوتھی قسم کے وہ بلاد ہیں کہ جن پر باقاعدہ کفار کا تسلط ہو چکا ہے، اور اندرونی اور بیرونی ہر طرح کا اقتدار کفار کو حاصل ہے، اور کفار نے کسی مسلمان کو مسلم پرسنل لاء کے لیے والی تو نہیں بنایا ہے لیکن اپنی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر کر دیا ہے تو ایسی صورت میں اس کے شرعی قاضی ہونے کے لیے تراضیٰ مسلمین شرط ہے اور اس چوتھی قسم کے بلاد کی طرف علامہ شامی نے درمختار کی عبارت ”ولو كان كافرا“ کے ذیل میں تا تاریخانیہ کی عبارت:

الإسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد. (شامی، کراچی

۳۶۸/۵، زکریا ۴۳/۸)

اور چند سطور کے بعد:

ولكن إذا ولي الكافر عليهم قاضيا و رضيه المسلمون صحت توليته

بلا شبهة. (شامی، کراچی ۳۶۹/۵، زکریا ۴۴/۸)

کے ذریعہ سے نوٹ فرمایا ہے اور یہ بلاد دارالاسلام کے دائرہ میں نہیں آتے، ہاں البتہ دارالجمہوریہ کے دائرے میں آنا ممکن ہے۔

(۵) پانچویں قسم وہ بلاد ہیں کہ جن میں کفار نے بیرونی سطح کے ساتھ ساتھ اندرونی سطح پر بھی اپنا اقتدار جما رکھا ہے، اور اپنی طرف سے والی مسلم کا تقرر بھی نہیں کیا اور نہ ہی مسلم قاضی کا تقرر کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنے پرسنل لاء میں آزادی بھی ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر اپنے پرسنل لاء کے لیے امیر اور والی کا انتخاب کرنا واجب

ہے اور اگر امیر کا انتخاب عمل میں نہ آسکے تو جب تک امیر منتخب نہ ہو جائے اس وقت تک کے لیے تراضیٰ مسلمین سے قاضی کا تقرر کرنا جائز اور درست ہے اور اس مدعی کو علامہ ابن نجیم مصری اور صاحب جامع الفصولین اور علامہ شامی نے

وأما بلاد علیہا ولایة الکفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیہم طلب وال مسلم، هذا بألفاظ البحر وعبارة الشامی یجب علیہم أن یلتمسوا والیا مسلما منهم. (البحر الرائق کوئٹہ ۲۷۴/۶، زکریا ۶/۶۱، جامع الفصولین ۱/۱، شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۳)

جیسی عبارتوں کے ذریعہ ثابت فرمایا ہے اور ہندوستان جیسے ممالک کے بلاشبہ پانچویں قسم کے بلاد کے دائرے میں داخل ہونے میں کسی کو انکار نہ ہوگا اور اس جیسے ممالک میں نظام قضاء کے جواز میں کسی فقیہ کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

(۶) چھٹی قسم وہ بلاد ہیں جہاں کوئی مستقل سلطان نہ ہو بلکہ قبائلی نظام ہو اور ہر قبیلہ کا الگ امیر ہو کہ وہ بزور طاقت امیر بن بیٹھا ہو یا قبیلہ کا منتخب کردہ امیر ہو تو ایسے بلاد میں وہی امیر بمنزلہ سلطان کے ہے اور اس کو قاضی شرعی منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگا اور اسی کی طرف علامہ شامی نے

ثم إن الظاهر أن البلاد التي لیست تحت حکم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحکم علیہم بالتغلب أو باتفاقهم علیہ یكون ذلك الأمير فی حکم السلطان فیصح منه تولیة القاضی علیہم. (شامی، کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۴)

کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

(۷) ساتویں قسم وہ بلاد کفار ہیں جہاں کے مسلمان بالکل بے بس ہیں اور ان کو حکومت کی طرف سے کسی طرح کی مذہبی آزادی نہیں ہے اور کھلم کھلا طور پر مذہبی تعلیم و تنظیم کی بھی اجازت نہیں ہے، وہاں کے مسلمان نظام قضاء کے مخاطب و مکلف نہیں ہیں، وہاں کے مسلمان خفیہ طور پر پانچایتوں کے ذریعہ ذاتی معاملات طے کریں گے لہذا ہندوستان اشکال میں پیش کردہ عبارت کے ذیل میں نہیں آئیگا۔

غیر اسلامی ممالک میں امیر و قاضی بننے کے لیے ہر حلقہ کے اہل حل و عقد کی رضا شرط ہے

اب اخیر میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ غیر اسلامی ممالک میں والی اور امیر مسلم کی طرف سے انتخاب قاضی کے تصور کے لیے یہ بات شرط کے درجے میں ہوگی کہ امیر شریعت کا انتخاب ہر اس حلقہ کے علماء اور اہل حل و عقد نے کیا ہو، جہاں امیر کے زیر تخت قاضی کا تقرر کیا جا رہا ہے ورنہ تین امور میں سے ایک لازم ہوگا:

(۱) ہر حلقہ کے نمائندوں کو بلا کر تجرید امارت کی جائے۔

(۲) جن حلقوں کے نمائندے قیام امارت کے وقت انتخاب امیر میں شرکت نہ

کر سکیں ان سے دوبارہ رضا مندی لی جائے۔

(۳) وہاں پر قاضی کے انتخاب کے لیے وہاں کے مسلمانوں کی تراضی کو ملحوظ رکھا

جائے لہذا ایسے حلقہ کے لوگ جنہوں نے امیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے وہ اگر امیر اور قاضی کی ماتحتی قبول نہ کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کریں یا امیر کے ہاتھ پر بیعت تو کر لی ہے لیکن امیر کی طرف سے بدعنوانی محسوس کرنے کی وجہ سے امیر کی ماتحتی سے الگ ہو جائیں، تو ان پر باغی اور خارجی ہونے کا الزام بھی عائد نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۳۲/۵، جدید ڈائجیل ۴/۵۷۷)

کیونکہ غیر اسلامی ممالک کے امیر و قاضی کو امیر قہری اور قاضی قہری نہیں کہا جاسکتا بلکہ امیر ارادی اور قاضی ارادی کہا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے ”امداد الفتاویٰ“ میں اس کا تائیدی تجزیہ پیش فرمایا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۵۷۹، امداد المفتیین کراچی ۲/۸۹۴)

(۲) قوت عسکری سلطان کی صفت ہوتی ہے، قاضی کی صفت صرف قوت ارادی ہوتی

ہے اور اگر قاضی کو قوت تنفیذ بھی عسکری سلطان کی طرف سے حاصل ہو جائے تو یہ قاضی کی ایک صفت خارجہ ہے صفت لازمہ نہیں ہے، اہل حل و عقد ان سرداران قوم کو کہتے ہیں جن کے ہاتھ قومی معاملات کا بند و بست ہو اور دوسرے علاقہ کے ایسے نمائندے بھی اس میں شامل ہیں

جن پر حلقہ کے لوگ اعتماد رکھتے ہوں اور لوگوں پر ان کا اثر بھی ہو۔ (مستفاد: ازالۃ الخفاء اردو ص: ۷)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

الف فتویٰ نمبر: ۲۶۸۹/۲۷

## قضاء اور قاضی شرعی کی حقیقت

**سوال [۷۵۷۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ قضاء کی حقیقت، قاضی شرعی کی تعریف اور قضاء کے ارکان و شرائط کیا ہیں؟

الف: قضاء کی تعریف میں ”الزام“ سے الزام حسی مراد ہے یا الزام معنوی؟

ب: اگر الزام حسی مراد ہے تو کیا اس کے بغیر قضاء شرعی کا تصور ممکن نہیں؟ اور کیا اس

قید کا اعتبار حالت اختیار اور حالت احتیاج میں یکساں ہوگا، خواہ دارالاسلام ہو یا غیر دار  
الاسلام خواہ قاضی کو منجانب والی کلی اختیارات مفوض ہوں یا جزوی؟

ج: اگر الزام سے الزام معنوی مراد ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قوت نافذہ کے

بغیر قضاء کے معنی متحقق ہو سکتے ہیں، پھر مفتی کے فتویٰ اور قاضی کے فیصلہ میں حد فاصل کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:**

## قضاء کی حقیقت

(۱) لفظ قضاء لغت میں حکم اور فیصلہ کے معنی میں بولا جاتا ہے:

القضاء هو بالمد والقصر لغة الحكم الخ. (قواعد الفقہ اشرفی دیوبند

ص: ۴۳۲، در مختار، کتاب القضاء کراچی ۳۵۱/۵، زکریا ۱۹/۸-۲۰)

(۲) اور صاحب لغت الفقہاء اور صاحب قواعد الفقہ نے اصول شریعت کے تحت لفظ

قضاء کی حقیقت کا ان الفاظ سے انکشاف کیا ہے کہ ضابطہ شریعت کے مطابق حق کے ساتھ

لوگوں کے نزاعات میں فیصلہ دینے کو قضاء کہا جاتا ہے۔  
القضاء شرعاً فصل الخصومات وقطع المنازعات. (قواعد الفقہ اشرفی

دیوبند ص: ۴۳۲)

القضاء الفصل فی الخصومات. (لغة الفقهاء ص: ۳۶۵)

(۳) اور ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانی قضاء شرعی کی تعریف ان الفاظ سے پیش کرتے ہیں کہ قضاء کے معنی لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون اور ضابطہ کے مطابق صاحب حق کو حق دینے کا فیصلہ کرنا ہے۔

القضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما أنزل الله عز وجل.

(بدائع الصنائع، کتاب أدب القاضی، کراچی ۲/۷، زکریا ۴۳۸/۵)

(۴) علامہ ابن نجیم ان الفاظ سے قضاء کی تعریف نقل فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ دینا شرعی قضاء ہے۔

القضاء الحكم بين الناس بالحق. (البحر الرائق کوئٹہ ۲۵۴/۶، زکریا ۴۲۷/۶)

(۵) علامہ ترمذی نے تنویر الابصار میں قضاء کی تعریف یہ کی ہے کہ قضاء کے معنی شریعت میں مقدمات کا فیصلہ اور منازعات کو ختم کرنے کے ہیں۔

وشرعاً فصل الخصومات وقطع المنازعات الخ. (تنویر الأبصار مع الدر

کراچی ۳۵۲/۵، زکریا ۲۰/۸)

(۶) اور فتاویٰ عالمگیری میں خزانة المفتیین کے حوالہ سے قضاء کی تعریف اس طرح کی گئی

ہے کہ شریعت اسلامی میں قضاء اس قول ملزم کو کہتے ہیں جو ولایت عامہ کی بناء پر صادر ہوتا ہے۔

وفی الشرع قول ملزم يصدر عن ولاية عامة. (ہندیہ، زکریا قدیم

۳۰۶/۳، جدید ۲۷۶/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

## شرعی قاضی کی حقیقت

شرعی قاضی اس کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے عائلی اور نزاعی معاملات کے تصفیہ کے

لیے امیر اور والی کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے، صاحب قواعد الفقہ قاضی کی حقیقت اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ قاضی وہ شخص ہے جس کو باختیار امیر کی طرف سے مقدمات و دعویٰ اور نزاعات کے فیصلہ کے لیے مقرر اور متعین کیا جاتا ہے۔

القاضی هو الذی تعین و نصب من جهة من له الأمر لأجل القضاء أى فصل الخصومات و حسم الدعاوی و المنازعات و غیر ذلك . (قواعد الفقہ اشرفی دیوبند ص: ۴۲۰)

اور صاحب لغۃ الفقہاء نے قاضی کی تعریف یوں نقل فرمائی ہے کہ قاضی وہ ہے جس کو والی نے لوگوں کے درمیان مقدمات کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا ہے۔  
القاضی من نصبه والی الأمر لفصل الخصومات بین الناس . (لغۃ الفقہاء کراچی ص: ۳۵۴)

## اہلیت قضاء کی شرائط

عہدہ قضاء کی صلاحیت اور اہلیت کے لیے قاضی کا آٹھ عمدہ صفات کے ساتھ متصف ہونا شرط ہے:

- (۱) عاقل ہونا، لہذا مجنون اور مختل الحواس شخص کا تقرر منصب قضاء کے لیے درست نہ ہوگا، اسی طرح اگر صحیح العقل شخص کو منصب قضا پر فائز کیا جائے اور بعد میں ماؤف الدماغ اور پاگل ہو جائے تو اس کا عہدہ باطل ہو جائیگا۔
- (۲) بالغ ہونا ضروری ہے، لہذا نابالغ کی تقرری درست نہ ہوگی۔
- (۳) مسلمان ہونا لازم ہے لہذا کافر غیر مسلم عہدہ قضاء کے اہل نہیں۔
- (۴) آزاد ہونا شرط ہے، لہذا غلام کی تقرری درست نہ ہوگی۔
- (۵) بیٹا ہونا شرط ہے، اس لیے کسی نابینا کو قاضی بنانا درست نہ ہوگا اسی طرح اگر حالت بینائی میں قاضی بنایا گیا ہے اور بعد میں نابینا ہو گیا ہے تو عہدہ قضاء اس کا باطل ہو جائیگا۔



(۶) بولنے والا ہونا ضروری ہے لہذا گونگے کا تقرر درست نہ ہوگا، نیز اگر تقلید قضاء کے بعد گونگا ہو جائے تو اس کا منصب باطل ہو جائے گا۔

(۷) سننے والا ہو بالکل بہرا نہ ہو ہاں البتہ اگر تھوڑا اونچا سنتا ہے تو اس کی تولیت درست ہے، اور اگر تولیت قضاء کے بعد بالکل بہرا ہو جائے تو تولیت باطل ہو جائے گی۔

(۸) قاضی حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو، لہذا محدود فی القذف کو قاضی بنا نا درست نہ ہوگا یہ تمام شرائط علامہ کاسانی کی بدائع میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہیں۔

الصلاحيۃ للقضاء لها شرائط : منها العقل ومنها البلوغ ومنها الإسلام ومنها الحرية ومنها البصر ومنها النطق ومنها السلامة عن حد القذف . (بدائع الصنائع، کتاب ادب القاضی، کراچی ۳/۷، زکریا ۴۳۸/۵)

وزاد فی قواعد الفقہ السمیع . (قواعد الفقہ اشرفی دیوبند ص: ۴۲۱)

## قضاء کی تعریف میں الزام کا مصداق

مفہوم قضاء میں جس الزام کا ذکر آتا ہے وہ دو قسموں پر ہے:

(۱) الزام حسی: اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ مادی طور پر کسی آدمی کو کسی شے کی پابندی پر مجبور کیا جائے، مثلاً دارالاسلام میں جس قاضی کو قوت عسکری اور ولایت عامہ حاصل ہے وہ کسی کو جیل میں ڈال دے یا قصاص اور حد قائم کرے تو ایسی صورت میں قاضی کے حکم اور فیصلہ سے مجرم پر سزائیں لازم کر دی گئی ہیں وہ محکوم علیہ پر بطور الزام حسی کے لازم ہوتی ہیں۔

(۲) الزام معنوی: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قاضی جس پر حکم لاگو کرتا ہے اس پر امر محکوم بہ کو شریعت تسلیم کر لیتی ہے، مثلاً قاضی نے حامد کا نکاح خالدہ سے فتح کر دیا تو شریعت یہ تسلیم کر لے گی کہ خالدہ کی زوجیت حامد کے ساتھ باقی نہیں رہی چاہے حامد اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے، اسی طرح خالدہ نے بکر پر سو روپیہ کا دعویٰ کیا اور بکر نے انکار کر دیا اور قاضی نے سو روپیہ بکر کے ذمہ واجب الاداء قرار دیتے ہوئے اس کی ادائیگی کا حکم دیدیا تو ایسی صورت

میں شریعت بکر کے ذمہ سو روپیہ کی ادائیگی لازم تسلیم کر لے گی، اسی طرح ماجد سے چوری کا ثبوت ہونے کی وجہ سے قاضی نے قطعید کا حکم دیدیا، تو شریعت ماجد کو واجب القلع تسلیم کر لے گی حاصل یہ نکلا کہ قاضی نے حکم کو محکوم علیہ پر لازم کر دیا ہے، لیکن حسی طور پر ابھی اس پر عمل در آمد نہیں ہوا ہے تو ایسے الزام کو الزام معنوی کہا جاتا ہے، اور قاضی کی تعریف میں جس الزام کا ذکر آتا ہے اس سے الزام معنوی ہی مراد ہوا کرتا ہے، الزام حسی ہرگز مراد نہیں ہوتا۔

ہماری یہ تقریر علامہ ابن فرحون اندلسی متوفی ۷۹۹ھ کی مشہور کتاب ”تبصرة الحکام“ کی عبارت سے بہت اچھی طرح مستفاد ہو سکتی ہے۔

حقیقة الحکم إنشاء الزام أو إطلاق، فالإلزام كما إذا حکم بلزوم الصداق أو النفقة أو الشفقة ونحو ذلك فالحکم بالإلزام هو الحکم وأما الإلزام الحسی من الترسيم والحبس فليس بحکم لأن الحاکم قد يعجز عن ذلك. (تبصرة الحکام ۱/۱۲)

اور ”الحيلة الناجزة“ میں علامہ شیخ عبداللہ مالکی نے اپنے جواب کے ذیل میں صاف واضح کر دیا ہے کہ الزام حسی تعفیذی الزام ہوتا ہے جو نہ قاضی کی شرائط میں داخل ہے اور نہ ہی صحت قضاء کی حقیقت کے دائرے میں آتا ہے، بلکہ قاضی صرف انشاء حکم کا مکلف ہوتا ہے۔ الحاکم من حیث هو حاکم لیس له إلا الإنشاء و أما قوة التنفيذ فأمر زائد علی کونه حاکم فقد يفوض إليه التنفيذ وقد لا یندرج فی ولايته.

(الحيلة الناجزة، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۲۸۳-۲۸۴)

اور علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اصلاً قضاء قاضی صرف محکوم بہ کے لیے مظہر ہوتا ہے مثبت نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ محکوم بہ واقعہ میں پہلے سے ثابت شدہ ہوتا ہے، اور قضاء قاضی اس کو معرض ظہور میں لاتا ہے۔

القضاء مظہر لا مثبت و تحته فی الشامیة: لأن الحق المحکوم به کان ثابتاً والقضاء أظهره والمراد ما کان ثابتاً ولو تقدیراً كالقضاء بشهادة الزور. (الدر المختار مع الشلمی، کتاب القضاء، مطلب: إذا قاس القاضی وأخطأ، کراچی ۵/۴۱۹، زکریا ۸/۱۱۳)

اور الزامِ حسی اور الزامِ تنفیذی دارالاسلام اور ایسے والی اور قاضی کے ساتھ مخصوص ہے کہ جس کو شرعی طور پر قوتِ عسکری حاصل ہوتی ہے جو قاضی کی شرائط سے خارج ہے۔

## قوتِ منفذہ قاضی شرعی کا جزء لاینفک اور صفت لازمہ نہیں

قوتِ منفذہ قاضی شرعی کی صفت لازمہ یا جزء لاینفک نہیں ہے، اور اس مدعی کا ثبوت درمختار اور شامی کی اس عبارت سے بہت آسانی سے ہو سکتا ہے:

وأما الأمير فمتمی صادف فصلا مجتهدا فيه نفذ أمره وتحتة في الشامية: فقول الشارح نفذ أمره بمعنى وجب امتثاله. (در مختار، کراچی ۴۰۹/۵، زکریا ۸/۹۹)

اگر حاکم کسی شیء کا حکم کرتا ہے تو مامور پر اس کا امتثال واجب ہو جاتا ہے یہ نہیں ہے کہ اس کا حکم نافذ اور جاری ہو جاتا ہے، عدم امتثال سے گنہگار ہو جاتا ہے، اور اسی کو الزام معنوی کہتے ہیں اور علامہ شامی نے کتاب القضاء کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ قاضی شرعی حکم کی تنفیذ نہیں کرتا بلکہ نفس الامری میں ثابت شدہ حکم کو ”قضیت، حکمت، أنفذت، ألزمت عليك القضاء“ کے الفاظ سے معرض ظہور میں لاتا ہے اور ظالم سے مظلوم کا حق لے کر دلا دینا قاضی کے مفہوم میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک امر آخر ہے جس کا اصل ذمہ دار حکومت انتظامیہ یا فوجداری محکمہ ہوتا ہے۔

فالمراد بالإلزام التقرير التام، وفي الظاهر فصل احتراز به عن الإلزام في نفس الأمر لأنه راجع إلى خطاب الله تعالى و على صيغة مختصة أى الشريعة كألزمت، وقضيت، و حکمت، وأنفذت عليك القضاء وبأمر ظن لزومه فصل عن الجور والتشهي ومعنى في الظاهر أى الصورة الظاهرة إشارة إلى أن القضاء مظهر في التحقيق للأمر الشرعي لامثبت. (شامی،

نیز علامہ شامیؒ ایک صفحہ کے بعد تنفیذ کی بحث میں ایک عبارت ایسی نقل فرماتے ہیں کہ جس سے سارے شبہات دور ہو سکتے ہیں:

وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشر وطه و هذا هو التنفيذ الشرعي.

(شامی، کتاب القاضی، مطلب: فی التنفيذ کراچی ۳۵۳/۵، زکریا ۲۱/۸)

اب اس عبارت سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ قضاء ایک مستقل امر ہے اور تنفیذ ایک امر آخر ہے کہ قاضی کے فیصلہ کر دینے کے بعد اس فیصلہ شدہ حکم کے مطابق ظالم کو مظلوم کے حق ادا کرنے پر حکومت کی انتظامیہ یا فوجداری محکمہ جبر واکراہ کر سکتا ہے، نیز اگر قاضی کو عہدہ قضاء کے ساتھ ساتھ تنفیذ کا حق بھی حاصل ہے تو وہ از خود نافذ بھی کر سکتا ہے اور اسی طرح کتاب القاضی، الی القاضی کے طور پر جب دوسرے ایسے قاضی کے یہاں پہنچ جائے جس کو تنفیذ کا اختیار حاصل ہے تو وہ بھی نافذ کر سکتا ہے، اور اسی کو مذکورہ عبارت میں تنفیذ شرعی کہا گیا ہے اور قاضی کا فیصلہ الزام معنوی کے دائرے میں اور انتظامیہ اور فوجداری محکمہ وغیرہ کا اس فیصلہ کو بالاجبار جاری کرنا الزام حسی کے دائرہ میں آتا ہے، نیز بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں کہ جس کے نفاذ میں الزام حسی کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ فسخ و تفریق کے مسائل ہیں، کہ محض قاضی کے فسخ کر دینے سے بیوی آزاد ہو جاتی ہے اور شوہر کو کسی وجودی عمل پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اس لیے قوت تنفیذ کے اشکال کو لے کر مسئلہ قضاء میں شبہ پیدا کرنا میرے خیال میں درست نہیں ہے۔

## قاضی اور مفتی میں فرق

قاضی کے حکم اور مفتی کے فتویٰ کے درمیان واضح فرق یہ ہے کہ قاضی حکم کو شخص مخصوص پر لاگو کرتا ہے اور محکوم بہ کو اس پر واضح اور ظاہر کرتا ہے اور وہ حکم اسی شخص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور مفتی عمومیت کے ساتھ صرف حکم کی نوعیت بتلا دیتا ہے جو کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی، مثلاً کوئی اپنی زوجہ کی ماں کو غلط ارادہ سے پکڑ چکا ہے تو مفتی یہ کہے گا کہ

ایسی صورت میں بیوی شوہر پر حرام ہو چکی ہے لیکن مفتی کے مسئلہ بتلانے کی وجہ سے بیوی خود بخود نکاح سے خارج نہ ہوگی، اور اگر قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے اس کے نکاح کو فسخ کر دیا ہے تو بیوی خود بخود نکاح سے خارج ہو جائے گی، تو مفتی کے فتویٰ میں کوئی الزام ثابت نہیں ہوا اور قاضی کے فیصلہ میں الزام ثابت ہو چکا، اسی طرح مفقود مجنون اور معصوم وغیرہ کے نکاح کے بارے میں مفتی یوں حکم بتا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں نکاح فسخ کیا جاتا ہے لیکن شخصی طور پر فسخ کا حکم لگا نہیں سکتا ہے اور قاضی شخص متعین پر فسخ کا حکم لگا سکتا ہے۔

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۷/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۸۳

## قاضی کا حلقہ عمل اور دائرہ اختیار

**سوال [۷۵۷۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قاضی کے حلقہ عمل اور دائرہ اختیار میں کس طرح کے مسائل داخل ہوں گے؟ کیا کسی سبب سے دائرہ اختیار میں تحدید ہو سکتی ہے؟ اگر قاضی کا حلقہ عمل ان مسائل تک محدود ہو جن میں بظاہر قوت عسکری کی ضرورت نہیں تو کیا پھر بھی قوت قاہرہ شرط ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قاضی کا حلقہ عمل اور دائرہ اختیار بہت محدود اور مقید ہوا کرتا ہے کہ امیر کی جانب سے جن مسائل اور شرائط کے ساتھ قاضی کو پابند کیا گیا نہیں مسائل کے دائرے میں رہ کر قاضی اپنا فریضہ قضاء انجام دے سکتا ہے، اور اپنے دائرہ اختیار سے باہر ہو کر اگر کوئی فیصلہ دے گا تو وہ غیر نافذ اور غیر معتبر قرار دیا جائیگا، لہذا اگر کسی قاضی کو والی شریعت کی جانب سے نکاح طلاق فسخ و تفریق نان و نفقہ کے مسائل کا پابند کیا گیا تو وہ ان مسائل کے دائرے سے ہٹ کر اگر کوئی فیصلہ دیتا ہے تو وہ شرعاً غیر نافذ اور ناقابل اعتبار قرار دیا جائیگا، حاصل یہ ہے کہ امیر کی جانب سے قاضی کو کسی خاص علاقہ اور خاص زمانہ اور خاص

معاملہ اور خاص مسئلہ کے ساتھ پابند کرنا صحیح اور درست ہے۔  
 علامہ شامی نے اس مدعی کو ثابت کرنے کے لیے چند اصولی مثالیں دے کر پھر غزوہ  
 موتہ کو دلیل بنا کر پیش فرمایا ہے۔

الولاية تقبل التقييد والتعليق بالشرط كقوله إذا وصلت إلى بلدة  
 كذا فأنت قاضيا وإذا وصلت إلى مكة فأنت أمير الموسم والإضافة  
 كجعلتك قاضيا في رأس الشهر والاستثناء منها كجعلتك قاضيا إلا في  
 قضية فلان ولا تنظر في قضية كذا والدليل على جواز تعليق الإمارة و إضافتها  
 قوله صلی اللہ علیہ وسلم حين بعث البعث إلى موتة وأمر عليهم زيد بن حارثة إن قتل زيد  
 بن حارثة فجعفر أميركم وإن قتل جعفر فبعد الله بن رواحة الخ. (شامی،

كتاب القضاء، مطلب: القضاء يقبل التقييد كراچی ۴۱۹/۵، زکریا ۱۱۳/۸-۱۱۴)

اور قریب قریب یہی عبارت فتح القدر میں بھی موجود ہے۔ (فتح القدر، دار الفکر بیروت

۲۵۳/۷، کوئٹہ ۶/۳۵۸، زکریا ۷/۲۳۵)

اور البحر الرائق میں مزید وضاحت کے ساتھ صراحت موجود ہے:

ولو استثنى حوادث فلان لا يقضى فيها ولو قضى لا ينفذ الخ. (البحر

الرائق کوئٹہ ۶/۲۵۹، زکریا ۶/۴۳۵)

اور فتاویٰ عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ واضح عبارت کے ساتھ شرائط کو نقل فرمایا ہے۔

وإذا قلد السلطان رجلا قضاء يوم يجوز ويتأقت و إذا قيده بالمكان

يجوز ويتقيد بذلك المكان فعلى هذا لو قيد القاضي إنابة نائبه في مسجد

معين لا يكون للنائب أن يقضى في مسجد آخر الخ. (ہندیہ، کتاب أدب

القاضي، الباب الخامس في التقليد والعزل، زکریا قدیم ۳/۳۱۵، جدید ۳/۲۸۳)

نیز سوال (۲) کے تحت ثابت کیا جا چکا ہے کہ الزام حسی کے لیے قوت عسکری کی

ضرورت ہوتی ہے اور الزام معنوی کے لیے قوت عسکری کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ صرف

قوت ارادی کافی ہوتی ہے، قیام قضاء پر قوت عسکری کا اشکال بے محل ہے، جیسا کہ الزام کی

بحث میں الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت ”وأما قوة التنفيذ فأمر زائد“ سے تصریح کر دی گئی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ جدید امارت شرعیہ ہند ۲۸۳)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۷/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

الف فتویٰ نمبر: ۲۶۹۰/۲۷

## غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر

**سوال [۷۵۷۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں قاضی کا تقرر کن طریقوں پر شرعاً درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ ظاہر ہے کہ دارالاسلام میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے ولایت حکام قضاة کا تقرر کرتے ہیں:

الف: غیر مسلم حکومت اگر مسلم قاضی مقرر کرے تو کیا شرعاً وہ قاضی ہو جائیگا؟ اگر نہیں تو:

يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل أو الجائر ولو كان كافرا. (در

مختار مع الشامی کراچی ۳۶۸/۵، زکریا ۴۳/۸)

اور ..... الإسلام ليس بشرط أى فى السلطان الذى يقلد. (فتاویٰ

عالمگیری جدید زکریا ۲۷۷/۳، قدیم ۳۱۰/۳)

وغیرہ جزئیات کا کیا مطلب ہے، اگر وہ شرعاً قاضی ہو جاتا ہے تو کیا ولایت کا فرعی المسلم کا الزام نہ آئے گا؟ نیز والی کافر کی تقلید کافی ہے، یا تراضی المسلمین بھی ضروری ہے۔

ب: اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قضاة کا تقرر نہ ہو اور اس ملک کے مسلمان اپنے نظم شرعی اور اجتماعی امور کے قیام و بقاء کے لیے کوئی امیر منتخب کر لیں جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنا امیر الہند منتخب کر کے نظام امارت قائم کر لیا ہے تو کیا یہ امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء شرعاً قاضی مقرر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو فقہاء کرام کی:

وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو فى بعض بلاد

المسلمین غلب علیہم الکفار کفر طبة فی بلاد المغرب الآن وبلنسه وبلاد الحبشة و أقروا المسلمین عندهم علی مال یؤخذ منهم یجب علیہم أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه ولیا فیولی قاضیا أو یكون هو الذی یقضی بینہم۔ (فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۲۶۴/۷، کوئٹہ ۳۶۵/۶، زکریا ۲۴۶/۷)

جیسی تصریحات کا کیا مطلب ہے؟ اور اگر ان امراء کے تقرر سے شرعاً قاضی ہو جاتا ہے تو کیونکر؟ جبکہ ظاہر ہے کہ قوت ظاہرہ حاصل نہ ہوگی؟

ج: غیر اسلامی ممالک میں اگر مسلمان باہمی تراضی سے قاضی کا تقرر کریں تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوگا یا نہیں؟ بصورت نفی ”یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین“ (شامی) کا کیا مطلب ہے؟ قاضی جمعہ مراد ہے یا مطلق قاضی، اگر قاضی جمعہ مراد ہے تو کیا اقامت جمعہ کے لیے قاضی کا ہونا شرط ہے؟ اور اگر مطلق قاضی مراد ہے تو کیا یہاں قوت شرط نہ ہوگی اگر تراضی مسلمین سے قاضی ہو جاتا ہے تو:

وإذا اجتمع أهل بلدة علی رجل و جعلوه قاضیا یقضی فیہا بینہم لایصیر قاضیا۔ (فتاویٰ عالمگیری قدیم ۳۱۵/۳، زکریا جدید ۲۸۳/۳)

جیسی فقہی جزئیات کا عمل کیا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نصب قاضی کا اصل تعلق مسلمانوں کے مصالح کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، اس لیے نصب قاضی میں بھی تراضی مسلمین بالواسطہ یا بلا واسطہ لازم اور ضروری ہے۔

(۱) بالواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ تراضی مسلمین سے امیر اور والی شریعت کا تقرر ہو جائے اور پھر وہی امیر اور والی قاضی کا انتخاب کرے۔

(۲) بلاواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں امیر کا وجود نہ ہو وہاں کے مسلمان آپس کی تراضی سے قاضی کا انتخاب کریں، جیسا کہ فتح القدیر اور شامی اور بحر کی عبارات سے ما قبل میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ (فتح القدیر دار الفکر بیروت ۲۶۴/۷، کوئٹہ ۳۶۵/۶، زکریا



۷/۲۳۶، البحر الرائق کوئٹہ ۶/۲۷۴، زکریا ۶/۳۶۱، شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۳

اس لیے غیر مسلم حکومت اگر کسی مسلم کو با اختیار قاضی بنا دے تو اس کے باقاعدہ شرعی قاضی ہونے کے لیے مسلمانوں کی تراضی شرط ہے، اس کو علامہ شامی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وإذ ولي الكافر عليهم (أى على المسلمين) قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة. (شامی، کتاب القضاء، مطلب فی حکم تولیة

القضاء، کراچی ۳/۳۶۹، زکریا ۸/۴۴)

لہذا اس طرح غیر مسلم حاکم کی طرف سے قاضی شرعی کا تقرر صحیح ہو جائیگا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے اس کو خوب وضاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۲۱۸، ۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۳۹-۳۳۱) اور اسی کی طرف علامہ حصکفی نے:

يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل أو الجائر ولو كان كافرا.

(درمختار کراچی ۵/۳۶۸، زکریا ۸/۴۳، اعلاء السنن، کتاب القضاء، تقلد الولاية

والقضاء من كافر دار الكتب العلمية بيروت ۵/۵۶، فتاویٰ دار العلوم جدید ۸/۱۴۸)

سے اشارہ فرمایا ہے۔

## ولاية الكافر على المسلم كالمستل

یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کے انتخاب کو صحیح قرار دیا جائے تو بظاہر اس سے ولایت کافر علی المسلم لازم آرہی ہے جو شرعاً ناجائز ہے؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولایت کافر علی المسلم وہاں لازم آتی ہے، جہاں پر بالواسطہ یا بلا واسطہ تراضی مسلم بالکل مفقود ہو جائے، اور یہاں تراضی کی قید لگی ہوئی ہے جیسا کہ شامی کی مذکورہ عبارت اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کر رہی ہے، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے بہت صاف الفاظ میں ۲۷/۲ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں عبد المجید مدرسی کے

سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۱، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۳۱) نیز اگر غیر مسلم حکومت میں مسلم امارت قائم نہیں ہوئی ہے اور تراضیٰ مسلمین سے بھی کسی کو قاضی نہیں بنایا گیا ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کی تراضی سے حکومت نے کسی مسلمان کو حج یا قاضی بنایا ہے بلکہ حکومت نے مسلمانوں کی تراضی کے بغیر اپنی مرضی سے کسی مسلمان کو قاضی اور حج یا منصف بنالیا ہے تو ضرورتاً اس کو قاضی شرعی کے قائم مقام قرار دیا جائیگا اور اس کا وہ فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا جو قانون شرعی کے مطابق عمل میں لایا گیا ہو۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۳، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۴۹)

## غیر اسلامی حکومت میں مسلم امراء کی طرف سے قاضی کا تقرر

غیر اسلامی ممالک میں جب باقاعدہ اور باضابطہ امارت شرعیہ اور ولایت شرعیہ کا قیام عمل میں آجائے تو وہاں کے امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء کی طرف سے ہی قاضی کا تقرر لازم ہوگا، کسی اور کو انتخاب قاضی کا حق حاصل نہ ہوگا، اس لیے کہ انتخاب قاضی کا حق اصولی طور پر علی الترتیب صرف تین اشخاص کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے:

شخص اول: سب سے پہلے وہاں کے امیر اور والی شریعت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے جیسا کہ شامی کی عبارت سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے:

كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن  
يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي  
قاضيا. (شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۳، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۷/۲۶۴،

کوئٹہ ۶/۳۶۵، زکریا ۷/۴۶۶، البحر الرائق کوئٹہ ۶/۲۷۴، زکریا ۶/۴۶۱)

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوں: (۱) غیر اسلامی ممالک کے مسلمانوں پر ایک فرد پر متفق ہو کر اس کو امیر اور والی بنانا واجب ہے۔

(۲) وہی امیر قاضی کا انتخاب کریگا۔

شخص دوم: اگر سوء اتفاق سے امیر اور والی شرعی کا قیام عمل میں نہ آسکے اور

مسلمانوں کی تراضی اور مطالبہ سے غیر مسلم حکومت کسی مسلمان کو منصب قضاء کے لیے منتخب کرتی ہے تو ثانوی درجہ میں غیر مسلم حکومت کو تقلید قضاء کا حق حاصل ہوگا، اور اس مدعی کی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں شاندار طریقے سے وضاحت فرمائی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/۲۱۸، زکریا ۱۱/۳۳۹)

نیز علامہ شامی نے ان الفاظ سے اس کی وضاحت فرمائی ہے:

إذا ولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلا

شبهة الخ. (شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۳)

مختص سوم: تقلید قضاء کے لیے اگر مذکورہ دونوں شکلیں میسر نہ ہو سکیں تو ضرورتاً تراضی مسلمین سے قاضی کا انتخاب کیا جاسکتا ہے اور سب مسلمانوں کی تراضی کو شخص حکمی قرار دے کر اس کو تقلید قضاء کا حق دیا جاسکتا ہے، اور شامی اور جامع الفصولین و تاتارخانیہ اور البحر الرائق کی عبارت:

و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین. (شامی کراچی ۵/۳۶۹،

زکریا ۸/۴۳، جامع الفصولین ۱/۱۱۱، البحر الرائق کوئٹہ ۶/۲۷۴، زکریا ۶/۴۶۱،

تاتارخانیہ زکریا ۱۱/۹ رقم: ۱۵۳۴۱، امداد المفتیین کراچی ۲/۸۹۴)

کا یہی مطلب ہے، اب اس تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ انتخاب قاضی کا حق سب سے پہلے غیر مسلم حکومت میں امیر شریعت اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء کو حاصل ہے، اور اس میں قوت قاہرہ کا اشکال نہ کی اجائے، اس لیے کہ قوت تنفیذ قضاء شرعی کا نہ رکن ہے اور نہ ہی شرط ہے، جیسا کہ الزام کی بحث میں دلائل و براہین سے اس مدعی کو ثابت کیا جا چکا ہے، درمختار میں ہے:

القضاء مظهر لامشبت. (در مختار کراچی ۵/۴۱۹، زکریا ۸/۱۱۳)

اور شامی میں ہے:

وإذا رفع إليه قضاء قاضی أمضاه بشروطه و هذا هو التنفيذ

الشرعی. (شامی کراچی ۵/۳۵۳، زکریا ۸/۲۱)

امیر شریعت مذکور کو اور اس کے قضاة کو حق فسخ نکاح وغیرہ حاصل ہے، جیسا کہ شامی

کی اس عبارت سے واضح ہے۔

ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین۔ (شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۴۳/۸، جامع الفصولین ۱/۱۱، البحر الرائق کوئٹہ ۶/۲۷۴، زکریا ۶/۴۶۱، تاتارخانیہ زکریا ۱۱/۹، رقم: ۱۵۳۴۱، امداد المفتین کراچی ۲/۸۹۴) نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے امداد المفتین میں بالکل انشراح کے ساتھ امارت وقضاء کو جائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتین کراچی ۵/۳۶۹، فتاویٰ دارالعلوم ۸/۱۳۶)

## تراضی المسلمین سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے اس سے قاضی جمعہ مراد نہیں

فقہاء کی عبارت ”ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین“ سے قاضی جمعہ ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ مطلق قاضی مراد ہے، اس لیے کہ تراضی المسلمین سے قاضی کا تقرر جب درست ہو سکتا ہے کہ جب شدید ضرورت ہو اور اقامت جمعہ کے لیے قاضی کا تقرر ہرگز لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۴۲۷)

نیز جہاں جہاں تراضی المسلمین سے قیام قضاء کا ذکر ہے، وہاں پر اقامت جمعہ و عیدین کے لیے جو عبارت آئی ہے اس کا تعلق ”ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین“ کے ساتھ ہرگز نہیں ہے بلکہ دونوں کا مقصد الگ الگ ہے۔

وأما بلاد علیها ولأهله کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما منهم۔ (شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۴۳/۸)

اب اس عبارت پر بغور نظر ڈالی جائے تو تین باتیں الگ الگ سمجھ میں آتی ہیں:

- (۱) جمعہ و عیدین کے قیام کے لیے باضابطہ مسلم نظام کی ضرورت نہیں، لہذا غیر اسلامی حکومت میں جب نظام مسلم عمل میں نہ آسکے تو بغیر نظام والی کے جمعہ و عیدین کا قیام جائز ہے۔
- (۲) اگر مسلمان تراضی سے قاضی مقرر کریں گے، تو وہ شرعی قاضی کے دائرے میں

آجائیگا۔ (مستفاد: امداد المقتبین ۲/۸۹۴)

(۳) اصلہ حق تقلید قاضی والی کو حاصل ہے، اس لیے انتخاب والی ان پر لازم ہے، لہذا اس عبارت میں قاضی جمعہ وعیدین مراد نہیں بلکہ قاضی مطلق ہی مراد ہے۔  
(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۴۲۷)

## تراضی مسلمین سے تقرر قاضی پر اشکال

تراضی مسلمین سے انتخاب قاضی کی صحت میں نظر ثانی کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کتب فقہ میں اس کے خلاف بے شمار عباراتیں موجود ہیں، جن میں صاف الفاظ سے حکم شرعی کی صراحت موجود ہے کہ تراضی مسلمین سے تقلید قاضی صحیح نہیں ہے، اور اس مدعی پر ہم شامی و خلاصۃ الفتاویٰ اور عالمگیری کی تین عباراتیں بطور نظیر پیش کرتے ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ تقلد القضاء من السلطان العادل والجار، کے ذیل میں نقل فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر کے لوگ آپسی تراضی سے کسی کو قاضی بنالیں گے تو وہ شرعی قاضی نہ ہوگا۔

هذا ظاهر فی اختصاص تولیة القضاء بالسلطان ونحوہ كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولیة واحد القضاء لم یصح. (شامی، کتاب القضاء کراچی ۵/۳۶۸، زکریا ۸/۴۳)

(۲) علامہ طاہر بن احمد خلاصۃ الفتاویٰ میں قریب قریب یہی الفاظ نقل فرماتے ہیں: اجتماع أهل بلدة وقلد القضاء لرجل لا یجوز ولا یصیر قاضیا.  
(خلاصۃ الفتاویٰ ۲/۴)

(۳) فتاویٰ عالمگیری میں محیط سے اسی طرح کی عبارت نقل کی گئی ہے:

وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضیا یقضى فیما بینهم لا یصیر قاضیا. (ہندیہ زکریا قدیم ۳/۳۱۵، جدید ۳/۲۸۳)  
لہذا تراضی مسلمین سے تولیت قضاء صحیح نہ ہوگی۔

## جوابات

اس اشکال کے دو جواب دیئے جاتے ہیں: (۱) مذکورہ تینوں عبارتوں کا مصداق دارالاسلام ہے، غیر دارالاسلام نہیں ہے، کہ دارالاسلام میں اگر سلطان اور والی سے صرف نظر کر کے آپس کی تراضی سے اگر قاضی منتخب کر لیا جائے تو وہاں پر وہ شرعی قاضی نہ ہوگا اس لیے کہ یہ حاکم مسلم کے ساتھ ایک قسم کی بغاوت ہے، اور عالمگیری میں یہ عبارت منجانب سلطان تولیت قضاء کے ضمن میں لائی گئی ہے، اور ان عبارتوں کا موضوع بحث دارالاسلام ہی ہے اور ہم نے جن عبارتوں سے تراضیِ مسلمین سے تولیت قضاء کا جواز ثابت کیا ہے، وہ سب بلاد کفار سے متعلق ہیں، لہذا دونوں قسم کی عبارات کے مصداق ہی بالکل الگ الگ ہیں اس لیے اشکال درست نہ ہوگا۔

(۲) تراضیِ مسلمین سے تولیت قضاء وہاں پر ناجائز ہے کہ جہاں ضرورت نہ ہو اور جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں جائز ہے، اسی وجہ سے علامہ شامی نے مذکورہ عبارت کے بعد متصلاً اس اشکال کو ان الفاظ سے صاف اور بے غبار کر دیا ہے:

وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القاضي أيضا كما يأتي بعده.

(شامی کراچی ۵/۳۶۸، زکریا ۸/۴۳)

نیز ساتھ ساتھ ”کما یأتی بعده“ کے الفاظ سے چند سطور کے بعد جواز کے حق میں

آنے والی عبارت:

وبصير القاضي قاضيا بتراضی المسلمین. (شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۳)

کی طرف توجہ بھی دلائی ہے، لہذا اشکال میں پیش کردہ عبارتیں بے محل ہیں بالکل نہیں ہیں۔

## قوت عسکری اور قوت قاہرہ نظام قضاء کے لیے شرط نہیں

غیر اسلامی ممالک میں تولیت قضاء کا امکان ہی نہیں ہے اس لیے کہ غیر اسلامی

حکومت میں مسلم قاضی کو قوت عسکری حاصل نہیں ہوتی اور قوت قاہرہ مفہوم قضاء کے لیے جزء لاینفک ہے، اس کے لیے بطور نظیر شرح عقائد نسفی کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے جس کو علامہ شامی نے بھی نقل فرمایا ہے:

المسلمون لا بد لهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم المشروعة و إقامة حدودهم و سد ثغورهم و تجهيز جيوشهم و أخذ صدقاتهم و قهر المتغلبة.  
(شرح عقائد مع النبراس ص: ۳۱۰، شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب: شروط الإمامة الكبرى، کراچی ۱/۵۴۸، زکریا ۲/۲۸۰)

اس عبارت سے امیر شریعت اور قاضی شریعت کے لیے قوت تنفیذ صفت لازمہ معلوم ہوتی ہے، اور غیر اسلامی ممالک میں اس قوت کا امکان نہیں ہے، تو بغیر اس کے قاضی کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

## جوابات

(۱) مذکورہ عبارت میں ”إقامة حدودهم و سد ثغورهم و تجهيز جيوشهم“ کے الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ بات کہنے پر مجبور ہونا پڑے گی کہ قوت تنفیذ دارالاسلام کے امیر اور قاضی کے لیے صفت لازمہ ہے۔

غیر اسلامی ممالک کے امیر و قاضی کے لیے لازم نہیں ہے، اس لیے کہ سد ثغور و تجهيز جيوش و اقامت حدود یہ سب دارالاسلام کے لیے صفت لازمہ ہیں اور ہم جن عبارتوں سے تولیت قضاء کو ثابت کرتے ہیں ان کا دائرہ عمل دارالاسلام نہیں ہے بلکہ غیر اسلامی ممالک ہی ان کا دائرہ عمل ہے۔

(۲) قضاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) قضاء قہری (۲) قضاء ارادی، قضاء قہری کے لیے قوت تنفیذ شرط ہوتی ہے، اور قضاء ارادی کے لیے قوت تنفیذ شرط نہیں ہوتی ہے، اور قضاء قہری کا تعلق دارالاسلام سے ہوتا ہے، اور قضاء ارادی کے لیے دارالاسلام اور قوت تنفیذ شرط نہیں

ہوتی، اور اشکال میں پیش کردہ عبارت کا تعلق قضاء قہری کے ساتھ ہے، قضاء ارادی کے ساتھ نہیں ہے، اور غیر اسلامی ممالک میں قضاء ارادی ہی کا قیام ہوتا ہے اور اسی تجزیہ کو حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں بہت مختصر الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۹۷۷) اور حدود و قصاص وغیرہ امور کا تعلق قضاء قہری کے ساتھ خاص ہے، اور نکاح و طلاق، فسخ و تفریق وغیرہ امور قضاء قہری کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ قضائے ارادی سے بھی ان امور کا فیصلہ ہو سکتا ہے، نیز قوت قہری کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے ہر جائز حکم کی تعمیل عام لوگوں پر لازم ہوتی ہے اور قوت ارادی کا مطلب یہ ہے کہ ہر حکم کی تعمیل لازم نہیں ہوتی ہے بلکہ صرف اسی معاملہ میں لازم ہوتی ہے جو حاکم کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔

## ہندوستان کے نظام قضاء پر اکابر کی عدم موافقت کیوں ہوئی؟

اگر ہندوستان میں نظام قضاء جائز ہے تو حضرات اکابر نے اس کی مخالف کیوں فرمائی؟

### جوابات

اس کے تین جواب دیئے جاتے ہیں:

(۱) جو حضرات قیام امارت اور قیام قضاء کے حامی تھے وہ اس امارت و قضاء کو واجب الطاعت بھی کہتے تھے، جیسا کہ علماء بہار آج بھی اپنی امارت کو امارت قریہ کی طرح واجب الطاعت قرار دیتے ہیں اور کلی طور پر واجب الطاعت ہونے کے لیے قوت تنفیذ اور انصاف المظلوم من الظالم شرط ہے، اور یہ اس امارت و قضاء سے ممکن نہیں ہے، اس لیے اکابر نے مخالفت فرمائی ہے، چنانچہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ میں سہارنپور میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے اساطین امت کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی تھی اور اس میٹنگ میں حضرت اقدس مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ بھی رکن رکیں کی حیثیت سے شریک تھے، اور سب نے عدم موافقت پر اتفاق کر لیا تھا پھر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے ۳۰ رجب



المرجب ۱۳۸۸ھ میں جوازا مارت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ واجب الطاعتہ ہونے کی نفی بھی کر دی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/۳۳۲، جدید ڈائجیل ۴/۵۷۷)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بھی اس میٹنگ میں رکن رکن کی حیثیت سے شریک تھے لیکن پھر اپنے انشراح کے ساتھ قیام امارت اور نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ صادر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ امارت قہری اور قضاء قہری کی طرح کلی طور پر واجب الطاعتہ ہونے کی نفی کر دی ہے۔ (امداد المفتیین کراچی ۲/۸۹۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی عدم موافقت کی اصل بنیاد کلی طور پر واجب الطاعتہ کی شرط ہے، ورنہ نفس قضاء کی مخالفت نہیں تھی۔

(۲): تراضیٰ مسلمین سے تولیت قضاء اس وقت درست ہو سکتی ہے کہ جب غیر مسلم حکومت مسلمانوں کے مطالبہ کے باوجود مسلمانوں کی مرضی کے مطابق مسلم قاضی کا تقرر نہ کرے، اور اگر حکومت غیر مسلم مسلمانوں کی مرضی اور مطالبہ کے مطابق مسلم قاضی مقرر کر تی ہے تو پھر تراضیٰ مسلمین سے تولیت قاضی صحیح اور درست نہیں ہو سکتی، اور بعض اکابر نے قاضی بل پیش کرنے سے قبل اس کی مخالفت فرمائی تھی، چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انگریزی حکومت اپنی فیاضی سے ہر ایک قوم کو مذہبی آزادی عطا فرماتی ہے، اور مذہبی نزاعات کے تصفیہ کے واسطے ہر ایک قوم کے مذہبی قانون کو پیش نظر رکھا ہے، اور چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے غفلت ہے کہ انہوں نے اراکین سلطنت کو اس کی طرف توجہ نہیں دلائی، نیز ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس فرض حق کو نفاہر کرنے سے غفلت کی ورنہ ممکن نہیں تھا کہ اس طرف توجہ نہ ہوتی، بالجملہ مسلمانان ہندوستان کے لیے قاضی کا تقرر نہایت ضروری ہے، نیز بدوں امداد حکومت اگر خود مسلمان کسی کو قاضی بنا دیں تو اس کا حکم نافذ نہیں ہو سکتا، پھر اس کے نیچے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمپلوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بلاشبہ مسلمانان ہند کے لیے قاضی کا تقرر نہایت اہم اور ضروری ہے۔

یہ سب عبارتیں ”فتاویٰ مظاہر علوم ۱/۱۸۳، ۱/۱۸۴“ میں موجود ہیں، ان عبارتوں پر غور کیا

جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ان اکابر کی مخالفت کی بنیاد یہی تھی کہ جب حکومت کی طرف سے باضابطہ مسلم قاضی کا تقرر ممکن ہے تو پھر تراضیِ مسلمین سے بلا ضرورت انتخاب قاضی کیونکر درست ہو سکتا ہے، اور تراضیِ مسلمین سے ضرورت شدیدہ کے وقت تو لیت قضاء جائز ہوتی ہے اور بعد میں جب مسلمانوں نے قاضی بل کا مسئلہ اٹھایا ہے اور حکومت ہند نے اب تک اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے تو ضرورت کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے نظام قضاء از خود عمل میں لانا جائز ہو چکا ہے، اور آج اگر وہ اکابر موجود ہوتے تو بلاشبہ اس کی اجازت دیتے۔

## اکابر مفتیان کا فتویٰ

جواب (۳) اکابر کے زمانہ میں شہرہ آفاق دو مفتی موجود تھے: (۱) مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (۲) مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندؒ ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے زمانے میں نہایت انشراح کے ساتھ بوقت ضرورت تراضیِ مسلمین سے نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۳۱، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸/۱۳۶-۸/۱۵۱-۱۰/۲۳۷-۱۲/۲۷۷) نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ مفتی اعظم پاکستان نے بڑے انشراح کے ساتھ اس نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو۔ (مستفاد: امداد المفتیین مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۲/۸۹)

لہذا اب ہندوستان میں نظام قضاء کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہ ہونا چاہیے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۰۰/۲۷)

## الحیلة الناجزة لکھنے کی وجہ

سوال [۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر تراویٰ مسلمین سے نظام قضاء کا قیام عمل میں آسکتا ہے تو ”الحلیۃ الناجزۃ“ لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اس کی وجہ تالیف تین ہیں: (۱) ”الحلیۃ الناجزۃ“ لکھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ اکابر کے زمانے میں اگر باضابطہ نظام امارت و نظام قضاء عمل میں آچکا ہوتا تب بھی اس کتاب میں مالکیہ سے لیے گئے مسائل سے کوئی مضر نہیں تھا، اس لیے کہ مسئلہ مفقود میں مسلک حنفی پر عمل بہت دشوار آمیز بات ہے، اور مجنون، معونت، غائب غیر مفقود وغیرہ کا نکاح حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق تو قاضی فسخ کر سکتا ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان مسائل میں قاضی کا فسخ نکاح معتبر نہیں ہے، اور امام محمدؒ کا قول نہایت ضعیف ہونے کی وجہ سے فقہاء نے غیر مفتی بہ قرار دیا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۲۵۹، شامی کتاب النکاح قبیل باب العدة کراچی ۳/۵۰۱، زکریا ۵/۱۷۵، فتح القدیر دارالفکر بیروت ۴/۳۰، کونینہ ۴/۱۳۳، زکریا ۴/۲۷۷)

تو معلوم ہوا کہ حنفیہ کا اصل مذہب مسلک شیخین ہے جس پر عمل بہت مشکل ہے اور حضرت امام مالکؒ کے یہاں ان تمام مسائل میں سہولت کا پہلو اختیار کیا گیا ہے، جس کی اس زمانہ میں حنفیہ کو بھی سخت ضرورت ہے، اس لیے اپنے مذہب سے عدول کر کے ان مسائل کو مسلک مالکی سے لیا گیا ہے اور ”الحلیۃ الناجزۃ“ میں مسلک مالکی کے مطابق ان تمام مسائل کی تفصیل لکھی گئی ہے تاکہ لوگ ان مسائل سے ناواقف نہ رہیں اور وقت ضرورت ان سے کام لے سکیں، اور مقدمہ میں خود حضرت تھانویؒ نے وجہ تالیف یہی تحریر فرمائی ہے۔ (مستفاد: الحلیۃ الناجزۃ قدیم ۱/جدید امارت شرعیہ ہند ۲۴)

اور اسی وجہ سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ جو الحلیۃ الناجزۃ کے مولف ہیں، انہوں نے جواز امارت و نظام قضاء کا فتویٰ دیا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۲/۸۹۴)

لہذا ”الحلیۃ الناجزۃ“ کی وجہ سے باب نظام قضاء پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نظام قضاء قائم ہونے کے بعد بھی مذکورہ مسائل میں قاضی کو مسلک مالکی کے مطابق فیصلہ کرنا پڑیگا۔

(۲) اس زمانہ میں امارت کا قیام عمل میں نہ آسکا تھا اور جس امارت پر مسئلہ اٹھایا گیا تھا اس میں واجب الطلغہ ہونے کی قید بھی تھی، جو امارت تہریہ کی صفت ہے، اور امارت تہریہ کا قیام ممکن نہیں اس لیے مذہب مالکی کو اختیار کر کے جماعت مسلمین کی تجویز عمل میں آئی ہے جیسا کہ ”الحلیۃ الناجزۃ“ کے شروع میں علماء بہار کی تصدیق کے ذیل میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب مکتھلوی نے یہی علت نقل فرمائی ہے۔ (تصدیقات الحلیۃ الناجزۃ قدیم ص: ۱۵، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۳۱۶)

اور حضرت مفتی صاحب موصوف نے الحلیۃ الناجزۃ کے بالکل آخری صفحہ کے حاشیہ کے تحت عربی عبارت میں نقل فرمایا ہے کہ تراضی مسلمین سے قاضی بنانا اس لیے مشکل ہے کہ اس سے معارضہ اور بدعنوانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ (الحلیۃ الناجزۃ قدیم ۱۳۶، جدید امارت شرعیہ ہند ۲۹)

اور اب چونکہ باقاعدہ امارت کا قیام عمل میں آچکا ہے اگرچہ امارت ارادی ہی کیوں نہ ہو تو اس کے زیر تحت نظام قضاء کا چلا نا ممکن ہے، اس لیے الحلیۃ الناجزۃ کا اشکال نہ ہونا چاہیے۔

(۳)

## تلفیق کی بحث

مذہب غیر پر عمل کرنے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع لازم نہ آئے اور اگر خارق اجماع تلفیق لازم آجائے تو بالاتفاق مذہب غیر پر عمل جائز نہیں ہے، اور تلفیق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عمل واحد میں تلفیق: اس کی یہ شکل ہوتی ہے کہ ایک ہی عمل کے بعض حکم اپنے مذہب سے لیے جائیں اور بعض مذہب غیر سے مثلاً شافیہ کے یہاں وضو میں ترتیب لازم ہے اور ریح سرکامسح لازم نہیں، اور حنفیہ کے یہاں ترتیب لازم نہیں اور ریح سرکامسح لازم ہے، تو اگر کوئی شخص بے ترتیب وضو کرتا ہے اور ریح سر سے کم مسح کرتا ہے تو یہ عمل واحد میں تلفیق ہے اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۲) دو عمل جداگانہ ہوں اور ان میں تلفیق کی جائے، مثلاً ریح راس سے کم مسح

کرے اور فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے تو وضو شافیہ کے مذہب پر ہوا، اور نماز حنفیہ کے مذہب پر لیکن وضو اور نماز دونوں الگ الگ عمل ہیں اور یہ تملیق ممنوع تو نہیں لیکن مستحسن بھی نہیں ہے، اسی طرح الحلیۃ الناجزۃ میں دوشی الگ الگ ہیں:

(۱) جماعۃ المسلمین اور قاضی مسلم

(۲) وہ مسائل جن میں مسلک حنفی پر عمل کرنا دشوار ہے، اب اگر ان مسائل کو مالکیہ سے لیا جائے اور نظام قضاء کو حنفیہ سے تو تملیق کی دوسری قسم لازم آتی ہے، جو اگر چہ جائز ہے لیکن مستحسن نہیں ہے، اس لیے دونوں چیزوں کو مالکیہ سے لے کر الحلیۃ الناجزۃ کی تالیف کی گئی ہے اور یہی وجہ ”الحلیۃ الناجزۃ“ صفحہ ۲۶ میں لکھی گئی ہے۔ (مستفاد: الحلیۃ الناجزۃ قدیم ص: ۴، جدید امارت شرعیہ ہندس: ۲۸)

تو معلوم ہوا کہ تملیق کی دوسری قسم سے بچنے کے مذکورہ مسائل کے ساتھ ساتھ قاضی کے بجائے جماعۃ المسلمین کو اختیار فرمایا ہے، اسی وجہ سے ”الحلیۃ الناجزۃ“ میں یہ امر بھی بہت مستحکم طور پر نقل فرمایا ہے کہ اگر کسی جگہ حنفی اور مالکی دونوں مذہب کے الگ الگ قاضی موجود ہوں تو حنفی مذہب کے لوگ مذکورہ مسائل میں حنفی قاضی کے یہاں اپنا مقدمہ نہ پیش کریں بلکہ مالکی قاضی کے یہاں پیش کیا کریں، اور حنفی قاضی کے یہاں ان مسائل کا مقدمہ آجائے تو خود مالکی مذہب کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ مالکی قاضی کے یہاں بھیج دیا کرے۔

(مستفاد: حاشیۃ الحلیۃ الناجزۃ قدیم ص: ۲۳، جدید امارت شرعیہ ہندس: ۵۳)

تا کہ کسی طرح کی تملیق لازم نہ آجائے اور اسی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا ابوالحسن سجاد صاحب بہاریؒ جو نظام امارت و قضاء کے حامی تھے، الحلیۃ الناجزۃ لکھنے کے دوران جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ میں تھانہ بھون تشریف لے جا کر اس مسئلہ پر باقاعدہ بحث و تمحیص فرمائی ہے اور مذکورہ علتوں کی بناء پر الحلیۃ الناجزۃ کی موافقت فرمائی ہے، لیکن قیام نظام قضاء کا انکار بھی نہیں فرمایا ہے، کیونکہ دونوں مسئلے اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور اس کے بعد یہ تینوں حضرات موقع بموقع نظام قضاء

کی ترغیب فرماتے رہے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن سجادؒ نے اپنے حلقہ میں باقاعدہ امارت کا قیام فرمایا اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ۱۳۵۵ھ میں نظام قضاء کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۲، جدید ذکر یا مطول ۱۱/۳۳۱)

اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے اپنے خطبہ صدارت میں اس کی ترغیب دی۔ (تذکرہ جمعیۃ علماء ہند بحوالہ امامت و امارت کا تصور: ۵۷)

اور الحلیۃ الناجزۃ کی تالیف میں تعاون بھی فرمایا ہے۔ (مستفاد: الحلیۃ الناجزۃ قدیم ص: ۶، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۳۱)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۰۳/۲۷)

## نظام قضاء کے بعد مذہب مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کی عدم ضرورت

**سوال [۷۵۷۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقہ حنفی میں قوت قاہرہ و منقذہ کے بغیر اگر قاضی شرع ہونے کی گنجائش نکلتی ہے تو کیا پھر بھی فقہ مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت رہتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسلک حنفی کے مطابق نظام قضاء کا قیام بغیر قوت قاہرہ کے جائز اور درست ہے، اس لیے کہ قاضی کا فیصلہ الگ چیز ہے اور اس فیصلہ کے مطابق حکم کی تنفیذ امر آخر ہے، اس لیے دونوں چیزوں کی ذمہ داری دو شخص الگ الگ طور پر لے سکتے ہیں، مثلاً فیصلہ قاضی کی طرف سے صادر ہو جائے اور اس کی تنفیذ فوجداری محکمہ وغیرہ کر دے، یا ایک قاضی فیصلہ کر دے اور یہ فیصلہ کتاب القاضی الی القاضی کے طور پر دوسرے ایسے قاضی کے پاس پہنچ جائے جس کو حق تنفیذ بھی حاصل ہے تو دوسرا قاضی اس

فیصلہ کی شرائط ملحوظ رکھ کر تنفیذ کر سکتا ہے، اور اسی کو تنفیذ شرعی کہا جاتا ہے، نیز اگر ایک قاضی کو فیصلہ اور تنفیذ دونوں حق حاصل ہیں، تو فیصلہ کے ساتھ ساتھ تنفیذ حکم بھی کر سکتا ہے، اس کو علامہ شامی نے بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

قالوا وإذ ارفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه وهذا هو التنفيذ

الشرعی . (شامی، کتاب القاضی، مطلب: فی التنفيذ کراچی ۵/۳۵۳، زکریا ۸/۲۱)

نیز اس جیسے دلائل ماقبل میں الزام اور قوت عسکری کی بحث میں گذر چکے ہیں، لہذا اب جب حنفی مسلک کے مطابق باقاعدہ قاضی شرعی کا تقرر جائز ہے تو عدول عن المذہب کر کے مالکی مسلک کے مطابق جماعت مسلمین کو اختیار نہ کرتے ہوئے قاضی حنفی کو اختیار کرنا بہتر ہوگا۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۷۰۴)

## مقام واحد میں تعدد قضاة

**سوال [۷۵۷۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مقام پر متعدد قاضی ہو سکتے ہیں یا صرف ایک؟ متعدد قاضی ہونے کی صورت میں اگر اختلاف کی صورت پیش آجائے تو فیصلہ کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتی: معزالدين خادم ادارة المباحث الفقہیہ جمعیتہ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسلک حنفی کے مطابق ایک شہر میں متعدد قضاة کا

ایک ساتھ تقرر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اور اس میں دو صورتیں عمل میں آسکتی ہیں۔

(۱) ایک مقام میں کئی قضاة ایک ساتھ یکساں ذمہ داری انجام دینے کے لیے مقرر

کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کا بوقت فیصلہ موجود ہونا اور سب کی رائے کا متفق ہونا شرط

ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہو یا کسی کی رائے میں اختلاف ہو تو فیصلہ معتبر اور لازم نہ ہوگا۔ اور اس حکم کو عالمگیری میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

السلطان إذا قلد قضاء ناحية إلى رجلين فقضى أحدهما لا يجوز  
کالو کیلین. (ہندیہ، زکریا قدیم ۳۱۷/۳، جدید ۲۸۵/۳)  
اور فتاویٰ بزازیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

فوض قضاء ناحية إلى رجلين لا يملك أحدهما القضاء. (الفتاویٰ  
البيزازيه زكريا ۲/۶۹، و علی هامش الهندية زكريا ۵/۱۳۴)

(۲) ایک شہر کے مختلف محلوں کے لیے کئی قاضیوں کو الگ الگ مقرر کر دیا جائے تو ہر ایک قاضی مستقل بالحکم ہوگا، کسی ایک کا فیصلہ دوسرے کی رائے پر موقوف نہ ہوگا، اور اسی طرح اگر کسی کو بعض معاملات کے فیصلہ کے لیے اور دوسرے کو بعض دوسرے معاملات کے لیے مقرر کیا جائے تو ایسی صورت میں بھی ایک کا فیصلہ دوسرے پر موقوف نہ رہے گا اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ حکم اس طرح موجود ہے۔

ولو قلدھما علی أن يتفرّد كل واحد منهما بالقضاء يجوز. (ہندیہ

زکریا قدیم ۳۱۷/۳، جدید ۲۸۵/۳)

اور اگر ایک شہر میں الگ الگ دو قاضی ہوں اور کسی مقدمہ کے فریقین میں سے مدعی کہتا ہے کہ فلاں قاضی (زید) کے پاس معاملہ پیش کیا جائے اور مدعی علیہ کہتا ہے کہ اس کے پاس نہیں بلکہ دوسرے قاضی (بکر) کے پاس پیش کیا جائے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مدعی کی رعایت کر کے مقدمہ زید کے پاس پیش کرنا لازم ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کی رعایت کر کے بکر کے پاس پیش کرنا لازم ہے، اور امام محمدؒ کے قول کا صحیح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔

لو كان في المصر قاضيان كل على محلة على حدة فالعبرة للمدعى عند

أبي يوسف وللمدعى عليه عند محمد وهو الصحيح. (مجمع الأنهر ۲/۱۵۱)



## آخر میں ایک اہم مشورہ

اب اخیر میں ایک مشورہ یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک قاضی بنانے میں بدعنوانیاں پیدا ہو سکتی ہیں اس لیے اگر ایک شہر میں ایک قاضی کے بجائے متعدد قاضی مقرر کر دیئے جائیں اور ان کو اس طرح پابند کر دیا جائے کہ ہر معاملہ میں سب ایک ساتھ بیٹھ کر فیصلہ کیا کریں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں اس طرح کی جزئیات موجود ہیں تاکہ کوئی حکم غلط صادر نہ ہو جائے اور وقت ضرورت ایک دوسرے کے معاون رہیں تو ایسا کرنا بہتر ہوگا۔ (مستفاد: عالمگیری زکریا قدیم ۳/۳۱۷، جدید ۳/۲۸۵، بزازیہ زکریا ۲/۶۹، علی ہاشم الہندیہ زکریا ۵/۱۳۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۰۵/۲۷)

## محکمہ شرعیہ کی حیثیت

**سوال [۷۵۸۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض اینکہ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب زید مجدہم کے زیر سرپرستی اسلامی پنچایت مجلس دعوۃ الحق ہردوئی میں قائم ہے، اس میں فسخ نکاح وغیرہ کے معاملات طے پاتے ہیں اس اسلامی پنچایت میں مدعیہ نے ۱۶ جون ۱۹۹۶ء کو اپنے فسخ نکاح کی اپیل کی ہے اس کی کارروائی پر مدعی علیہ حاضر ہوا اور عرضی دعویٰ کی جواب دہی کے بجائے اس نے درخواست دی کہ ہمارا مقدمہ دارالقضاء سینٹاپور میں برائے رخصتی زیر سماعت ہے، لہذا یہاں کی اسلامی پنچایت سے مقدمہ خارج کر دیا جائے اور دارالقضاء سینٹاپور کا اطلاعی فارم نمبر (۱) بھی پیش کیا جس کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہوا کہ شوہر مدعی علیہ نے ۱۵ جنوری ۱۹۹۶ء کو وہاں کی شرعی عدالت میں اپیل کر دی تھی، اور ۷ اپریل ۹۶ء کو وہاں کی شرعی پنچایت کی جانب سے

مدعیہ کے نام کاروائی کی گئی لیکن مدعیہ کے بقول اس کو کسی قسم کی دارالقضاء سیتاپور سے اس کے مقدمہ کی کارروائی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔

لہذا اب ایسی صورت میں کیا کارروائی ہونی چاہیے؟ آپ سے گزارش ہے کہ اپنی رائے عالی اور قیمتی مشورہ سے سرفراز فرمائیں؟

المستفتی: شفقت اللہ، خادم اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بعدہ عرض اینکہ یہ خاکسار آپ کی اور حضرت والا

شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی دعا سے بخیر و عافیت ہے۔

جب اسلامی پنچایت ہردوئی کو باقاعدہ اس کا ثبوت مل چکا ہے کہ فریقین کا معاملہ دار القضاء سیتاپور میں چل رہا ہے اور یہاں سے ۶ ماہ قبل سے وہاں مقدمہ چل رہا ہے تو دارالقضاء سیتاپور ہی میں معاملہ چلنا چاہیے، یہاں سے خارج کر دینا چاہیے، مدعیہ عدم علم کا دعویٰ ہی کیوں نہ کر رہی ہو، البتہ اگر سیتاپور دونوں فریق کو باسانی حاضر ہونا دشوار ہے تو کتاب القاضی الی القاضی کے اصول سے وہاں سے فائل منگوا کر ہردوئی میں کارروائی کی جاسکتی ہے۔

حضرت اقدس محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بہت بہت سلام اور دعا کی درخواست پیش فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۶۳۷)

## محکمہ شرعیہ کی حیثیت

**سوال [۷۵۸۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل دارالقضاء سیتاپور جس میں محکمہ شرعیہ کو بھی ختم کر دیا گیا ہے قریب دو سو مقدمہ ہیں کوشش اس بات کی کی جاتی ہے کہ چار مہینہ میں مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جائے اس کے

لیے ضروری کارروائی تیزی سے کی جاتی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ اکثر مقدمات کا چار مہینہ کی مدت میں فیصلہ ہو جاتا ہے اب ایک مقدمہ بوجہ عدم ادائیگی نان نفقہ ہماری عدالت میں پیش ہے، مدعی علیہ نے صاف لفظوں میں محکمہ شرعیہ کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ ہم اس فیصلہ کو ماننے کے پابند نہیں ہیں آپ سے عرض یہ کرنا ہے کہ حیلہ ناجزہ کا یہ فیصلہ کہ تین آدمیوں کی پنچایت بھی اس فیصلہ کو کر سکتی ہے، اگر فریق ثانی اس کو ماننے سے انکار کر دے تو شرعی پنچایت کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ملا، آپ نے قضا کے سلسلے میں بہت سی جزئیات کو جمع کیا ہے، اس لیے درخواست ہے کہ اس جزئیہ کو اگر آپ کے علم میں ہو تو تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، اصل یہ ہے کہ قریہ قریہ پنچایت بن رہی ہے اس کا دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ سے تعلق بھی نہیں ہے، چند نفر جمع ہوئے اور پنچایت ترتیب دے لی، اس صورت میں اگر کوئی انکار کر دے کہ آپ کی پنچایت کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہے تو کیا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ظہیر الاسلام سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ مسلم پرسنل لاء بورڈ یا امارت شرعیہ کے ماتحت چلتے ہیں یا ملک کے بااثر علماء اور مسلمانوں کے نمائندہ علماء کے ماتحت چلنے والی پنچائیتیں ہیں ان کو نکاح طلاق اور فسخ نکاح وغیرہ مسائل میں قاضی شرعی کی حیثیت حاصل ہے، جب شرعی محکموں میں ایک فریق مذکورہ مسائل میں دعویٰ دائر کریگا تو دوسرے فریق پر محکمہ شرعیہ کے فیصلہ کو ماننا لازم ہوگا، انکار کی گنجائش نہیں، ہاں البتہ جو پنچائیتیں گاؤں گاؤں قریہ قریہ قائم ہیں اور وہ کسی بڑی تنظیم کے ماتحت نہیں ہوتی ہیں وہاں غلط فیصلہ کا بھی بڑی حد تک امکان ہے، وہ سب محض پنچ کے حکم میں ہوتی ہیں، ان کا فیصلہ فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے، اب رہا آپ کا سوال کہ کوئی صریح جزئیہ تو تلاش بسیار کے باوجود دست یاب نہیں ہو سکا البتہ مسئلہ متعنت وغیرہ سے قضا کی حیثیت کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۲/۱۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ رجب الثانی ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۷۵)

## قضاء قاضی کے لیے کن امور کو مد نظر رکھنا ضروری ہے؟

**سوال [۷۵۸۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہندوستان میں شرعی پنچایت یا محکمہ شرعیہ کے نام سے جو ادارے قائم ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا محکمہ شرعیہ کا فیصلہ قضاء قاضی کے حکم میں ہوگا یا نہیں جبکہ محکمہ شرعیہ کے پاس قوت تنفیذ نہیں ہے؟

(۲) کیا قاضی شرع برائے نزاعات کے تقرر کے لیے عمومی اجلاس ضروری ہے یا صرف خواص بھی اس کا تقرر کر سکتے ہیں؟

(۳) کیا قاضی کے تقرر کے لیے اتفاق رائے ضروری ہے یا کثرت رائے پر بھی تقرر کیا جاسکتا ہے؟

(۴) قوت قاہرہ سے کیا مراد ہے؟

(۵) کیا قیام قاضی کے لیے قوت قاہرہ شرط ہے؟

(۶) کیا قضاء اور تنفیذ دونوں امور ایک ہی فرد کے لیے ضروری ہیں، اگر قوت تنفیذ نہ ہو تو قضاء قاضی معتبر ہوگا؟

(۷) ایسے ممالک میں جہاں حکومت اسلامیہ نہیں ہے تو کیا قاضی کا تقرر برائے

تنازعات کیا جاسکتا ہے؟ بالخصوص ان امور میں جن میں قوت قاہرہ کی ضرورت نہ ہو۔

المستفتی: دفتر دارالعلوم اسماعیل نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) اس کا فیصلہ تسلیم کر لینا لازم اور واجب ہوتا ہے

(۲) اہل حل و عقد و خواص بھی کر سکتے ہیں (۳) کثرت رائے سے بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ

کثرت اہل حل و عقد کی ہو (۴) قوت قاہرہ سے قوت عسکری مراد ہے (۵) شرط نہیں ہے (۶)

ایک شخص کے لیے ضروری نہیں ہیں بلکہ الگ ہو سکتے ہیں جیسا کہ انڈین عدالت میں حاکم فیصلہ

دیتا ہے اور فوجداری محکمہ اس کو نافذ کر کے عمل میں لاتا ہے (۷)۔ جی ہاں قائم کیا جاسکتا ہے۔  
 نوٹ: مدلل اس لیے نہیں لکھا ہے کہ یہ تمام مسائل دلائل کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ  
 احقر کی کتاب بنام ”غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور“ میں عنقریب شائع ہو  
 کر آنے والے ہیں، الحمد للہ کتابت ہو چکی ہے آپ ایک ماہ کے بعد ایک خط یاد دہانی کے  
 لیے روانہ کر دیں ان شاء اللہ آپ کو بھیج دیں گے۔؟ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم  
 کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 یکم ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۹۰)  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۴۱۴/۲/۱

## امارت شرعیہ سلطان کے قائم مقام ہے یا قاضی کے؟

**سوال [۷۵۸۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل  
 کے بارے میں: دہلی کی امارت شرعیہ کا جو مقام ہے وہ قائم مقام سلطان ہے یا قائم مقام  
 مقامی قاضی اسلام ہے؟

المستفتی: محمد بخدا بخش گوبند پور ۲۴ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ امارت شرعیہ یا ہلال کمیٹی قائم مقام  
 سلطان کے ہے، غیر اسلامی ممالک میں جب باقاعدہ اور باضابطہ امارت شرعیہ کا قیام عمل میں  
 آجائے تو اس کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی سے کوئی قاضی مقرر  
 کر دے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۲۹)

كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن  
 يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي  
 قاضيا. (شامی، کتاب القضاء، مطلب: فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیها

الکفار، کراچی ۳۶۹/۵، زکریا ۴۳/۸، فتح القدیر، دارالفکر بیروت ۲۶۴/۷، کوئٹہ ۳۶۵/۶، زکریا ۲۴۶/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۴۱/۳۴)

## قاضی یا امام کا متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا لازم ہے

**سوال [۷۵۸۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے یہاں شہر جے پور میں راجہ کے زمانے کے شہر کے ایک قاضی مقرر ہیں جو شہر میں ہونے والے نکاحوں کے پڑھانے اور عید گاہ میں عیدین کی نماز کے ذمہ دار ہیں جب ان کو قاضی مقرر کیا گیا تھا اس وقت جے پور شہر میں علماء تو درکنار مساجد میں صحیح قرآن پڑھنے والے امام صاحبان بھی مہیا نہیں تھے، قاضی صاحب خود نہ تو عالم ہیں نہ حافظ، نہ زیادہ دینی مسائل سے واقف، یہی وجہ ہے کہ وہ خود نکاح نہیں پڑھاتے اور نہ عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، چند لوگوں کو انہوں نے اپنا نائب مقرر کر رکھا ہے، انہیں سے نکاح پڑھواتے ہیں اور انہیں سے عیدین کی نماز پڑھوا لیتے ہیں، لیکن دو سال سے انہوں نے اپنے ایک لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے، اور عید گاہ میں اسی سے عیدین کی نماز پڑھواتے ہیں، وہ لڑکا بھی نہ عالم ہے نہ حافظ ہے نہ زیادہ دینی معلومات رکھتا ہے، قرآن بھی تجوید سے نہیں پڑھتا، انگریزی اسکول میں پڑھا ہوا ہے پہلے وہ تقریبات میں ڈانس بھی کرتا تھا، اب جے پور شہر میں اللہ کا شکر ہے کہ بہت سے علماء، حفاظ و مفتیان کرام ہو گئے ہیں، لہذا شہر کے علماء کو ان کی امامت سے اختلاف ہے، اور رمضان المبارک میں جو سفراء مدارس اسلامیہ سے آتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ عید گاہ کا امام عالم ہونا چاہیے، مذکورہ بالا حالات میں چند باتیں دریافت طلب ہیں: (۱) شہر کا قاضی کیسا شخص ہونا چاہیے؟ (۲) نکاح پڑھانے کا حق صرف مقررہ قاضی کو ہی

ہے یا دیگر علماء کرام بھی پڑھا سکتے ہیں؟ (۳) عید گاہ میں عیدین کا امام جو کہ پورے شہر کی نمائندگی کرتا ہے کیسا ہونا چاہیے؟ (۴) قاضی صاحب کے لڑکے کو صرف صاحبزادگی کی بنیاد پر جو کہ غیر عالم ہے علماء و مفتیان کرام کے موجود ہوتے ہوئے عید گاہ کا امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اصغر احمد خان، انوار حسین بے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قاضی ہو یا امام متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا چاہیے اور امام بھی ایسا ہونا چاہیے جو قرآن کریم کو صحیح طریقہ سے پڑھتا ہو، اس قاضی کو جس زمانہ میں قاضی بنایا گیا تھا، اس وقت اصول شرع کا خیال نہیں رکھا گیا تھا، اس لیے کہ شہر بے پور جس میں بڑی مسلم آبادی ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہاں کوئی صحیح قرآن پڑھنے والا نہ رہا ہو، نیز جو لوگ موروثی طور پر شہروں میں قاضی یا امام کی حیثیت سے مقرر ہوتے آئے ہیں اگر وہ ان عہدوں اور منصبوں کے شرعی طور پر اہل نہیں ہیں تو ہندوستان میں ایسے قاضی اور ایسے امام کی پیروی اور اتباع کرنا لازم نہیں ہے، ہر شہر اور ہر علاقہ کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے اہل علم اور شریعت کے ذمہ دار علماء کا انتخاب کریں اور پھر اس عالم پر سب لوگ متفق ہو جایا کریں نیز جہاں پر مسلمانوں کے اتفاق سے تجربہ کار تبحر عالم دین کو عہدہ امامت یا عہدہ قضاء پر مقرر نہیں کیا گیا ہے وہاں مسلمان موروثی امام اور قاضی کے پابند نہیں ہیں بلکہ اپنے مسائل کا حل قابل اعتماد علماء سے حاصل کریں اور قابل اعتماد علماء سے اپنا نکاح وغیرہ پڑھوائیں، اور جامع مسجد اور عید گاہ کے لیے متبع شریعت عالم کا انتخاب کر لینا چاہیے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۱۲)

وأما بلاد علیها ولایة کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد و  
 یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیهم أن یلتمسوا والیا  
 مسلما منهم الخ. (شامی، کتاب القاضی، مطلب أبو حنیفة دعی الی القضاء ثلاث  
 مرات فأبی، کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۳، البحر الرائق کوئٹہ ۶/۲۷۴، زکریا ۶/۴۶۱،

تاتارخانیہ زکریا ۹/۱۱ رقم: ۱۵۳۴۱، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۲۶۴/۷، کوئٹہ  
۳۶۵/۶، زکریا ۲۴۶/۷ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵/جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ

۱۴۲۳/۶/۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷/۸۰۴۵)

## دھوکہ باز کو قاضی متعین کرنا

**سوال [۷۵۸۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو عالم ہے اگر دو سال سے کم عمر کا جانور زبح کر کے دھوکہ دیتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آیا ایسے شخص کو قاضی شہر منتخب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر قاضی شہر منتخب ہو اور وہ ایسی حرکت کرے تو اس کی اتباع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ کوئی فیصلہ کرے تو اس کو مانا جائیگا یا نہیں؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت میں دھوکہ دہی کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، سائل کا صرف کسی عالم کو متعین کرنا یہ درست نہیں ہے، دھوکہ دینے والا خواہ کوئی بھی ہو، شرعاً دھوکہ دہی ناجائز ہے، پھر سائل کا مزید یہ پوچھنا کہ ایسے شخص کو قاضی شہر منتخب کرنا پھر اس کی اتباع کے بارے میں پوچھنا اس سلسلے میں ان لوگوں سے پوچھا جائے جو اپنے شہر کا قاضی منتخب کرنے والے ہیں، ہم صرف اتنی بات کہہ سکتے ہیں کہ شہر کا قاضی ہو یا مسجد کا امام، بیع شریعت ہونا چاہیے۔

**قال عليه الصلاة والسلام: من غشنا فليس منا.** (مسلم شریف، کتاب الإیمان،

باب قول النبی ﷺ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۷۰/۱، بیت الافکار رقم: ۱۰۱)

**إن الفاسق ليس بأهل للقضاء فلا يصح قضاؤه لأنه لا يؤمن عليه لفسقه وهو قول الثلاثة واختاره الطحاوي، قال العيني: وينبغي أن يفتى به خصوصاً في هذا الزمان.** (شامی، کتاب القضاء، مطلب: فی حکم القاضی الدرزی

والنصرانی کراچی ۳۵۵/۵-۳۵۶، زکریا ۲۵/۸)



ثم أفضل هؤلاء أعلمهم بالسنة و أفضلهم ورعاً. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من هو أحق بالإمامة، ذكرها ۱/۳۸۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۱۵ رجب الثانی ۱۴۲۹ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۲۳)

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۵/۴/۱۴۲۹ھ

## کیا فیصلہ کی کاپی ہر فریق کو ملنی چاہیے؟

**سوال [۷۵۸۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا تو ہر فریق کو فیصلہ کی کاپی ملنی چاہیے؟

المستفتی: شبیر احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا تو فیصلہ کی کاپی جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کو ملنی چاہیے، اور مصالحت کی صورت میں دونوں فریق کو ملنی چاہیے۔

والحجة ما عليه علامة القاضي أعلاه و خط الشاهدين أسفله و أعطى للخصم. (شامی، کتاب القضاء مطلب: فی العمل بالسجلات، کراچی ۵/۳۶۹، ذکرہ ۸/۴۴)

وفی وضع آخر ینبغی للقاضي أن يعتذر للمقضى عليه و یبین له وجه قضائه و یبین له أنه فهم حجته ولكن الحكم فی الشرع کذا یقتضی القضاء علیه.....

ومن یسمع یخل فربما تفسد العامة عرضه وهو برئ وإذا أمکن إقامة الحق مع عدم إیغار الصدور کان أولى. (شلمی، کراچی ۵/۳۷۶، ذکرہ ۸/۵۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۱۴ رجب الثانی ۱۴۲۰ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۸۰)

## فیصلہ کے لیے فریقین کا موجود ہونا لازم ہے

**سوال [۷۵۸۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رامپور میں آپ نے ایک مقام پر میٹنگ میں یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے معاملات کو سلجھانے کے لیے شرعی عدالتوں کا سہارا لینا چاہیے، سرکاری عدالتوں میں نہ جائیں، شرعی عدالتوں میں شرعی طور پر فیصلے ہوتے ہیں جو باعث فلاح اور ثواب ہیں، میرا ایک معاملہ تھا جو میں نے مقامی شرعی عدالت میں رکھنا چاہا جو کہ مبلغ ۳۰۰ روپے بطور اخراجات لیتے ہیں، تو انچارج (صدر) مفتی شرعی عدالت نے یہ کہہ کر مجھے مایوس کر دیا کہ فیصلہ کرانے کے لیے دونوں فریقوں کو آنا چاہیے، جبکہ اصولاً یہ بات غلط، غیر قانونی اور غیر اصولی ہے، معاملہ میرے پڑوس کی ایک مسجد کے متولی کے قطعی غیر قانونی عمل اور اسلامی اخلاق کے برتاؤ کے قطعی خلاف ہے، میں ایسا سمجھ رہا ہوں کہ منع کرنے والے مفتی صاحب کو خوف خدا کی جگہ خوف انسان یا متولی یا اس کے خاندان کا رہا، اس خط کے ذریعہ آپ کی آراء کو جاننا چاہتا ہوں، تاکہ مفتی مذکور سے کہہ سکوں آپ اس میں رہنمائی فرمائیں میں معاملہ کو شرعی عدالت کے ذریعہ سلجھانا چاہتا ہوں، چونکہ سرکاری عدالتیں بغیر جھوٹ اور رشوت کے نہیں چلتی ہیں، اور میری عمر ۶۷ سال ہے خوف خدا ہے ورنہ اب تک عدالت نگینہ منصفی جاسکتا تھا، رائے ضرور تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبدالملک نگینہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** میں نے ٹائڈہ ضلع رامپور میں دوران گفتگو اور

سوال و جواب کے درمیان صاف طور پر یہ بات کہی تھی کہ وہ مسائل جو خاص طور پر مسلمانوں کے عائلی معاملات یعنی میاں بیوی کے معاملات سے تعلق رکھتے ہوں ان کا حل محکمہ شرعیہ اور شرعی پنچایت کے ذریعہ سے کرانا چاہیے، عدالتوں میں جا کر فریقین اپنے پیسے برباد نہ کریں اور یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ جائیداد اور مالی معاملات کا حل محکمہ شرعیہ اور شرعی پنچایت

کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے کہ محکمہ شرعیہ اور شرعی پینچایت کے پاس قوت عسکری موجود نہیں ہے اس لیے مالی معاملات سے متعلق مفتی سے فتویٰ لیا جاسکتا ہے، مفتی مسئلہ بتلا دیں گے عمل کرنا نہ کرنا صاحب معاملات کا کام ہے اس لیے کہ مفتی کا فتویٰ فیصلہ نہیں ہوتا ہے بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا راستہ بتلانا ہوتا ہے۔

نیز سوال میں جو لکھا گیا ہے کہ دونوں فریق کو آنا چاہیے یہ بات درست اور صحیح ہے، جہاں بھی محکمہ شرعیہ قائم ہے وہاں کے محکمہ پر لازم ہے کہ صرف ایک فریق کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرے، بلکہ دونوں فریق کی بات سننے کے بعد ہی فیصلہ کی اجازت ہوتی ہے، لہذا مفتی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ ایک طرفہ بیان سن کر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

ولا یقضى على غائب ولا له، أى لا یصلح بل لا ینفذ علی المفتی به.

(شامی، کتاب القضاء مطلب: فی أمر الأمیر وقضائه، کراچی ۵/۴۰۹، زکریا ۸/۱۰۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۵۱/۴۰)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/۴/۱۴۳۴ھ

## ناحق فیصلہ کرنے کا حکم

**سوال [۷۵۸۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مدعی کے مدعی علیہ کے اسٹیٹ میں دو طویلے، گودام، روم وغیرہ کے ساتھ تھے، ایک طویلہ تقریباً ۶۲ رسال ہوئے، پگڑی سے رکھا تھا، دوسرا طویلہ ۲۰۰۲ء میں خرید کر رکھا تھا، جس کا ٹرانسپورٹ مدعی علیہ نے مدعی کے پاس سے تقریباً گیا رہ، بارہ لاکھ روپے لیے تھے، ایک روم تھا جس کا ٹرانسپورٹ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے لیے تھے۔

(۲) ۲۰۰۶ء میں اسٹیٹ مالک نے چاہا کہ یہاں سے سارے طویلے نکال کر یہاں پر آئی ٹی پارک بنواؤں، اس کے لیے مدعی علیہ نے مدعی کو بلا کر کہا، آپ کو دو طویلے، روم وغیرہ

کے عوض بارہ ہزار سات سو پچاس فٹ کا ایریادوں گا، اور تیرہ کارپارکنگس اور اس کے بننے تک ماہانہ ایک لاکھ دس ہزار روپے کرایہ دوں گا، اور چوبیس ماہ میں بنا کر اس کا قبضہ دیدوں گا، یہ مدعی علیہ کا مدعی سے عہد پیمان ہوا، اس پر مدعی نے اپنی جگہ خالی کر کے مدعی علیہ کو سونپ دی۔

(۳) مدعی علیہ نے مدعی کو بارہ ہزار سات سو پچاس فٹ ایریادیا تھا، اس میں سے مدعی نے دو ہزار سات سو فٹ جگہ بیچ دی، اور دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا مدعی علیہ نے مدعی کو دستاویز کر کے دیدی، اور تیرہ کارپارکنگس دیں۔

(۴) مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے چار ایکڑ زمین میں پندرہ پیسے کی حصہ داری کی ۲۰۰۸ء میں مدعی نے مدعی علیہ کو حصہ داری کے ایک کروڑ اکیس لاکھ روپے دیئے تھے۔

(۵) ۲۰۰۸ء میں مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے سات ایکڑ زمین میں دس پیسے کی حصہ داری کی تھی، جس کے مدعی نے مدعی علیہ کو چھالیس لاکھ روپے دیئے تھے۔

(۶) ۲۰۰۸ء مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ آئی ٹی ٹی میں بیس پیسے کی حصہ داری کی تھی، جس میں مدعی نے مدعی علیہ کو ایک کروڑ بیس لاکھ روپے دیئے تھے۔

(۷) مدعی نے مدعی علیہ کے پاس سے دو فلیٹ رکھے تھے، جس کی قیمت پچاس لاکھ روپے مدعی علیہ کو دیئے تھے، یہ بھی ۲۰۰۸ء میں رکھے تھے۔

(۸) مدعی علیہ نے دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا کرایہ عہد و پیمان کے مطابق اڑتیس ماہ تک دیا، پھر کرایہ دینا بند کر دیا۔

(۹) مدعی علیہ نے چوبیس ماہ میں بنا کر دینے کا وعدہ کیا تھا، چوبیس کی جگہ، چالیس ماہ ہو گئے، لیکن نہ کرایہ دیتا ہے نہ جگہ کا قبضہ۔

(۱۰) مدعی نے مجبوراً قانونی کارروائی شروع کی، جس میں مدعی کے تقریباً ایک کروڑ روپے خرچ ہو گئے، لیکن کوئی صحیح نتیجہ نہ نکلا، اگر عدالت میں جاتے ہیں تو بیس پچیس سال لگ جاتے ہیں، اس لیے مجبوراً یہ مسئلہ سماج نیچ کو سونپنا پڑا، مدعی نے تین حکم مقرر کئے، اور مدعی علیہ نے تین حکم، مدعی اور مدعی علیہ نے دس دس لاکھ روپے ڈیپوزٹ کے طور پر حکموں کے پاس

رکھیں، اور دونوں نے اپنا اپنا پاور لکھ کر دیا۔

(۱۱) مدعی اور مدعی علیہ کی پہلی میٹنگ ہوئی، مدعی علیہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ فیصلہ آر بی ٹیشن کے ماتحت ہوگا، نہ کہ سماجی لیول اور حلفیہ چونکہ مدعی نے اس معاملہ کا گواہ مدعی علیہ کے ایک حکم کو بنایا تھا، اور دوسرا مدعی علیہ کے ایک آئی ٹی پارک حصہ دار کو بنایا تھا، جو اس معاملہ کو اچھی طرح جانتے تھے، معاملہ سوچنے کے بعد چھ ماہ کے بعد فیصلہ سنایا۔

(۱۲) امور بالا خانہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مدعی کا مدعی علیہ پر کیا حق ہے؟

## حکموں کا فیصلہ

(۱) مدعی علیہ نے مدعی کو جو دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا دستاویز کر کے دیا تھا، اس میں سے دو ہزار پانچ سو فٹ جگہ کم کر دیں، پرانے دستاویز واپس لے کر نئے دستاویز بنانے کا فیصلہ کیا اور نئے دستاویز کا خرچ مدعی کے ذمہ ڈالا۔

(۲) مدعی علیہ نے عہد و پیمان کے مطابق جو اڑتیس ماہ کرایہ دیا تھا اس میں سے تقریباً چھبیس لاکھ روپے مدعی کے پاس سے واپس لیا۔

(۳) مدعی کو تیرہ کار پارکنگ دی تھی، اس میں سے نو کار پارکنگیں واپس لیں۔

(۴) مدعی کی جو دس ہزار پچاس فٹ جگہ تھی، اس میں سے چھتیس سو فٹ جگہ تین سال پہلے کرایہ پر دی تھی، کرایہ کے ایک کروڑ روپے مدعی علیہ کے پاس جمع تھے، جس میں سے مدعی کو سینتیس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا، وہ بھی ایک سال کے بعد قسط وار، ایک تو تین سال سے مدعی کی رقم استعمال کر رہے ہیں، اور فیصلہ میں تریسٹھ لاکھ روپے کم کر کے دینے کا وعدہ ایک سال کے بعد وہ بھی قسط وار۔

(۵) مدعی نے مدعی علیہ کے پاس سے دو فلیٹ رکھے تھے، جس کے پچاسی لاکھ روپے مدعی علیہ کو دیئے تھے، یہ فلیٹ ۲۰۰۸ء میں رکھے تھے، مدعی کا مطالبہ تھا کہ آج تک کے کرایہ کے ساتھ فلیٹ کا قبضہ دیا جائے نہ تو کرایہ دیا نہ تو فلیٹوں کا قبضہ دیا، نہ فلیٹوں کی قیمت واپس دی۔

(۶) مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے چار ایکڑ زمین میں حصہ داری کی تھی جس میں ایک کروڑ اکیس لاکھ روپے دیئے تھے، اور ساڑھے سات ایکڑ زمین کی حصہ دار میں چھالیس لاکھ روپے دیئے تھے، اور آئی ٹی ٹو میں حصہ داری کے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے دیئے تھے، یہ حصہ داری ۲۰۰۸ء میں کی تھی، مدعی کا مطالبہ تھا، کہ ان تینوں کا آج تک کا حساب، اور آج کی قیمت کے حساب سے، مجھے اس کی قیمت دی جائے تو نہ تو اس کا حساب دیا، اور نہ اس کی قیمت واپس کی۔

(۷) مدعی نے اپنا حق لینے کے لیے قانونی خرچ کیا تھا، اس کا مطالبہ کیا تو یہ خرچ بھی نہ دیا۔

(۸) مدعی نے حکموں سے کہا کہ آپ لوگوں نے تو ایک طرف فیصلہ کیا، میرا حق سب مدعی علیہ کو دیدیا، تو کہنے لگے کیا کریں وہ مانتا ہی نہیں، وہ تو دینے کے لیے تیار ہی نہیں، تو ہم نے سوچا یہ کچھ بھی دیگا، تو مدعی کا بڑا نقصان ہوگا اس لیے ہم نے اسی پر فیصلہ کر لیا، مدعی نے یہ مسئلہ سماجی بیچ کو اس لیے سونپا تھا کہ مدعی کی جگہ دس ہزار پچاس فٹ دستاویزی تھی، عدالت میں صرف اس کا دعویٰ چل سکتا ہے، باقی حصہ داری یہ سب دو نمبر کی چیزیں تھیں، دو نمبر کا دعویٰ عدالت میں نہیں چل سکتا، اس لیے سماج کے لوگوں کو سونپا تھا، تو سماج کے لوگوں نے جو دستاویزی جگہ تھی اس میں سے دو ہزار پانچ سو پچاس فٹ جگہ کم کر دی، پھر دو نمبر کی حصہ داری کا تو کیا کہنا؟ تو مدعی کا اتنا بڑا حق ضائع کرنے کا مجرم صرف مدعی علیہ ہوگا، یا پھر یہ حکم بھی اس جرم میں شریک ہوں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بشرط صحت سوال حکموں پر لازم تھا کہ کسی کے دباؤ اور کسی کے ماننے اور نہ ماننے کی پرواہ کیے بغیر صحیح فیصلہ کرتے مگر انہوں نے یہ سوچ کر کہ سامنے والا انہیں مانے گا اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جو غلط ہے، اور ظالم کی معاونت اور مدد ہے، احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جو شخص جھگڑے میں باطل کی بلا حق معاونت کرتا ہے تو وہ

اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ سے نکل جاتا ہے، اور تاحیات اللہ کی ناراضگی کا شکار رہتا ہے، لہذا مدعی کا حق مارنے کا جتنا گناہ مدعی علیہ پر ہوگا اس میں یہ حکم بھی شامل ہوں گے۔

عن سالم عن أبيه قال قال النبي ﷺ من أخذ من الأرض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين. (بخاری شریف، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۹۰، ف: ۲۴۵۴)

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالى يوم القيامة سبع أرضين. (المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۶/۱۶۷، رقم: ۸۳۸۳، صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاری، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ۱/۳۳۱، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲)

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من أعان بباطل ليدحض بباطله حقا فقد برئ من ذمة الله و ذمة رسوله. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربی بیروت ۱۱/۹۴، رقم: ۱۱۲۱۶، ۱۱/۱۷۲، رقم: ۱۱۵۳۹، المعجم الأوسط، دار الفكر بیروت ۲/۱۸۰، رقم: ۲۹۴۴، المستدرک، جدید نزار مصطفی الباز بیروت ۷/۲۵۲۱، رقم: ۷۰۵۲، کنز العمال قدیم ۳/۴۹۹، الدر المنثور، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۴۵۲)

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من أعان على خصومة بغير حق كان في سخط الله حتى ينزع. (المستدرک، مکتبہ نزار مصطفی الباز بیروت ۷/۲۵۲۱، رقم: ۷۰۵۱، الدر المنثور، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۴۵۲، ومثله في المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربی بیروت ۱۲/۲۹۶، رقم: ۳۴۳۵، مجمع الزوائد، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۰/۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵/۱/۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۲/۴۰)

## شریعت کے خلاف فیصلہ صادر کرنے والی پنچایت میں شرکت کا حکم

**سوال [۷۵۸۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس پنچایت میں شریعت کے خلاف فیصلے ہوتے ہوں اس پنچایت کے شرکاء کیا شرعاً گنہگار ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس پنچایت میں شریعت کے خلاف فیصلے کیے جاتے ہوں اس پنچایت میں شرکت کرنے والے شرکاء گنہگار ہوں گے۔

﴿قَالَ اللَّهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [المائدة: ۴۷]

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۳۱/۶/۱۴ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ  
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۹)

## قضاء اور تحکیم کے بعض مسائل

**سوال [۷۵۹۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل ایک مقدمہ زمین کا زیر سماعت ہے، احقر کونہ کوئی تجربہ بہ نہ علم و معلومات، صرف خیال کر کے باصرار قبول کر لیا ہے کہ اچھی بات ہے لوگ شریعت سے فیصلہ لینا چاہ رہے ہیں اس لیے اس کام پر اصرار بھی مناسب نہیں، وہ یہ ہے کہ معاملہ حوالے ہو جانے کے بعد احقر نے ایک وضاحت نامہ جاری کیا جو درج ذیل ہے:

وضاحت نامہ: فریق اول: امان اللہ خان ورفقاء

فریق ثانی: اشرف خان و برادران



مسلم شریف ودیگر کتب حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص بالشت بھرز میں بھی ناحق لے گا (دبا یگا) اس کے گلے میں (قیامت کے دن) ساتوں زمین کے طوق ڈالے جائیں گے (اتہی الحدیث) اس لیے دریافت طلب امور کے جوابات پوری سچائی ودیانت کے ساتھ اپنے علم ومعلومات کی روشنی میں صاف صاف تحریر کریں:

(۱) مطلوبہ آراضی (متنازع فیہ) میں آپ کو حق ملکیت، بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ اسباب ملک میں سے کس حیثیت سے حاصل ہوا، اس کی وضاحت کریں؟  
 (الف) حق ملکیت اگر بحیثیت خرید و فروخت حاصل ہوا ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں؟  
 (ب) اور اگر بذریعہ ہبہ حق ملکیت حاصل ہوا ہے تو واہب (ہبہ کرنے والے) کی زندگی میں آراضی موہوبہ (ہبہ کی گئی زمین) پر موہوب لہ (جس کو ہبہ کی گئی) کا قبضہ وتصرف ثابت کریں۔

(ج) اگر بذریعہ وراثت حق ملکیت حاصل ہوا ہے تو مورث سے اپنا نسبی تعلق ثابت کریں؟  
 (۲) جس زمین کے آپ مدعی وطالب ہیں اس کا موجودہ حدود و اربعہ موقع مناسبت کے ساتھ تحریر کریں؟

ضروری باتیں: (۱) ہر دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے دو معتبر دیندار شرعی گواہ پیش کرنے ہوں گے۔

(۲) گواہان پر معقول وجہ کے ساتھ نقد و اعتراض کا حق حاصل ہوگا۔

(۳) اولاً جوابات صاف اردو میں تحریر کر کے دینے ہوں گے۔

دوبارہ پھر مذکورہ بالا تحریر بھیجینی اور اس کے بعد پھیر فیصلہ کی تاریخ دینی ہے۔

والسلام: خورشید انور

تحریر یہ ہے کہ..... فریق اول (مدعی): امان اللہ ورفقاء

فریق دوم (مدعا علیہم): اشرف خاں و برادران

۳۱ اگست ۹۰ء کو صبح سات بجے بروز جمعہ کو تشریف لا کر مدعیان شرعی گواہ پیش کریں

ورنہ مدعا علیہم سے قسم لے کر معاملہ کو تکمیل فیصلہ کی صورت دیدی جائے گی، حدیث پاک میں ہے ”البینة علی المدعی والیمین علی من انکر“

والسلام: خورشیدانور

مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں بتلائیں کہ وضاحت نامہ اور دوسری تحریر درست ہے یا نہیں اس میں جو غلطی ہو اس سے مطلع فرمائیں؟

(۲) قسم کس طرح لی جائے گی؟

(۳) کیا سبھی سے قسم لی جائے یا کہ مدعا علیہم کی جانب سے ایک شخص جو خود بھی مدعا

علیہم ہی میں سے ہے صرف اسی سے قسم لی جائے؟

(۴) قسم کے الفاظ خود کہلوائے جائیں یا وہ خود جن الفاظ سے قسم کھانا چاہے اس کو

سن لیا جائے جو حرج ہو سکتا ہو، تحریر فرمائیں؟

(۵) فیصلہ کی اور بھی صورت سمجھ میں آئے تو بلا کیف تحریر فرمائیں؟

(۶) سرکاری کاغذات بیعتنامہ اور بینک کی تحقیقات وزمین نامہ بظاہر مدعا علیہم کے

حق میں ہیں تو کیا فیصلے کی تحریر میں مذکورہ دستاویزات کا حوالہ دیکھا جائے گا؟

برائے مہربانی غور فرما کر جواب عنایت فرمائیں یا جو بھی ضروری مشورہ ہو تحریر فرمائیں

اگر احقر کی حاضری ضروری ہو تو احقر خود بھی حاضر ہو سکتا ہے، مدرسہ کی ذمہ داریوں کی وجہ

سے فی الحال حامل عریضہ ہی کو میں بھیج رہا ہوں۔

المستفتی: احقر خورشیدانور ابن قاری شوکت علی بادل خان والی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) وضاحت نامہ اور تحریر مکرر درست اور صحیح

ہے، قاضی، پنچ اور فیصل کو مذکورہ وضاحت طلب کرنے کا حق ہے، اور اسباب ملک کی

وضاحت کا مطالبہ بھی سب صحیح ہے۔

رجل ادعی دارا فی ید انسان وقال فی دعواہ ہذہ الدار کانت لأبی فلان

مات و ترکھا میراثا لی، ولأختی فلانة ولا وارث له غیرنا، وترک دواباً وثیابا

فقسمنا الميراث ووقعت هذه الدار في نصيبى بالقسمة و اليوم جميع هذه الدار ملكي لهذا السبب وفي يد هذا بغير حق فدعواه صحيحة الخ. (هنديہ، كتاب الدعوى، الفصل الثالث فيما يتعلق بدعوى العقار، زكريا قديم ۱۲/۴، جديد ۱۶/۴) **فإن ادعى عقاراً حدوه و ذكر أنه في يد المدعى عليه وأنه يطالبه به لأنه تعذر التعريف بالإشارة لتعذر النقل فيصار إلى التحديد، فإن العقار يعرف به و يذكر الحدود الأربعة و يذكر إسماء أصحاب الحدود و أنسابهم ولا بد من ذكر الحد لأن تمام التعريف به عند أبي حنيفة على ما عرف هو الصحيح.** (هدايہ اشرفی دیوبند ۲۰۲/۳)

(۲-۳) مدعا علیہم میں سے ہر ایک سے الگ الگ قسم لینا ضروری ہے جو قسم سے انکار کریگا اس کا حصہ مدعی کو دیدیا جائے گا۔

مستفاد: **فإن لم تقم له بينة استحلف الشركاء.** (هدايہ، كتاب القسمة

اشرفی دیوبند ۴/۴۲۰)

(۴) کلمات قسم کہلوائے جانے چاہئیں، کیونکہ طریق قسم سے عوام ناواقف ہوتے ہیں۔ والیمین باللہ دون غیرہ وقد یؤکد بذكر أو صافه وهو التغليظ و ذلك مثل قوله "قل: والله الذى لا إله إلا هو، عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم، الذى يعلم من السر و الخفاء، ما يعلم من العلانية، ما لفلان هذا عليك ولا قبلك، هذا المال الذى إدعاه إلى آخره. (هدايہ، كتاب الدعوى، باب اليمين، اشرفی دیوبند ۲۰۷/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۹۲/۲۶)

**جائیداد کے لیے دو فریق میں جھگڑے کا فیصلہ**

**سوال [۷۵۹۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) دو فریقوں کے درمیان کسی جائیداد پر نزاع ہو تو ایسی صورت میں سرکاری کاغذات کو شرعی ثبوت سمجھ کر ان کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر فیصلہ کے لیے کن چیزوں کو شرعی طور پر بنیاد بنایا جائے، جبکہ چشم دید گواہان انتقال کر چکے ہوں؟

(۲) اگر فریقین کے کاغذی ثبوت مشتبہ اور مشکوک ہوں تو پھر فیصلہ کے لیے شرعی اصول کیا ہے؟ ایسی صورت میں ”البینة علی المدعی و الیمین علی من أنکر“ کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں جبکہ فریقین کے دلائل مشتبہ ہوں تو قبضہ والے کے حق میں فیصلہ کرنا کیسا ہے، جبکہ قبضہ کا عرصہ پچھتر سال سے زائد ہو چکا ہے اس عرصہ کے اندر کوئی تنازعہ ملکیت وغیرہ کا سامنے نہیں آیا؟

(۳) کتنے عرصہ کے قبضہ کو شریعت نے قبضہ تسلیم کیا ہے؟

المستفتی: نبی اللہ شاہ جہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) اگر جائیداد سے متعلق نزاع اور اختلاف ہے اور جن لوگوں کے قبضہ میں جائیداد موجود ہے ان کے قبضہ میں رہتے ہوئے دوسرے فریق نے اگر چھتیس سال تک کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے چھتیس سال گزرنے کے بعد دوسرے فریق نے دعویٰ کیا ہے اور جامین میں سرکاری کاغذات کا ثبوت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں جائیداد انہیں لوگوں کی ملکیت سمجھی جائے گی جن لوگوں کے قبضہ میں چلی آ رہی ہے، اور اگر چھتیس سال سے پہلے دوسرے فریق کی طرف سے دعویٰ کا سلسلہ چل رہا ہے تو اس کو واضح کیا جائے کہ قبضہ کے کتنے سالوں کے بعد اختلاف کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے بعد شرعی حکم بیان کیا جائیگا، اور اگر کسی ایک فریق کے حق میں سرکاری کاغذات موجود ہیں اور کاغذات سرکاری دفاتر میں بھی محفوظ ہیں اور ان کاغذات کے خلاف دوسرے کاغذات سرکاری دفاتر میں نہیں ہیں تو ایسی صورت میں جس فریق کے حق میں سرکاری دفاتر میں کاغذات محفوظ ہیں، شرعی طور پر اسی فریق کا حق اس جائیداد میں ثابت ہوگا، دوسرے فریق کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

و حاصلہ أن ما مر من قولہم لا یعتمد علی الخط و لا یعمل بہ مبني

على أصل المنقول في المذهب قبل حدوث العرف ولما حدث العرف في الاعتماد على الخط والعمل به في مثل هذه المواضع أفتوا به. (رسائل ابن عابدین ۱۴۴/۲ ثاقب بکڈپو دیوبند)

للعامة الشيخ علاء الدين الحصكفي شارح التنوير و الملتقى رسالة في ذلك، حاصلها بعد أن نقل ما هنا من أنه يعمل بكتاب الأمان. (رسائل ابن عابدین ۱۴۴/۲ ثاقب بکڈپو دیوبند)

(۲) اگر فریقین کے کاغذی ثبوت مشتبہ اور مشکوک ہوں تو ان کاغذات کا غیر جانبدار لوگوں کے ذریعہ سے معائنہ کرایا جائے اور پھر سرکاری دفاتر سے رجوع کیا جائے جس فریق کے حق میں کاغذات صحیح ثابت ہو جائیں اسی فریق کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر کاغذات کے بارے میں کسی ایک فریق کے حق میں صحیح ثبوت نہیں ہو پاتا ہے تو وہاں کے لوگوں کی شہادت دیکھی جائے گی، اور اگر شہادت بھی نہیں ہے تو جس کے قبضہ میں جائیداد ہے شرعی طور پر وہی مدعی علیہ اور منکر سمجھا جائے گا اس سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ولا ترد اليمين على المدعى لقوله عليه السلام: البينة على المدعى واليمين على من أنكر. (هدايه كتاب الدعوى، باب اليمين، اشرفى ديوبند ۳/۲۰۳)  
فإن في يد أحدهما قضي بها له هو الأصح. (شامى باب دعوى الرجولين، كراچى ۵/۵۷۷، زكريا ۸/۳۳۵)

(۳) سوالنامہ میں یہ جو پوچھا گیا ہے کہ کتنے عرصے کے قبضے کو شریعت نے تسلیم کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے ”القول قول القابض“ جو فرمایا ہے اس کا مصداق پوچھنا چاہتے ہیں کہ جس کے قبضے میں شئی ہے وہ مدعی علیہ اور منکر ہوتا ہے اور دوسرا فریق مدعی ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں منکر کا قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے، بایں طور کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں جس کے قبضہ میں شئی ہے اس سے قسم لے کر اسی کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہے، اور اگر سائل اس سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ جس کے قبضہ میں جائیداد ہے اس کے قبضہ میں ہوتے ہوئے دوسرے فریق کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہو سکتا ہے اگر یہی پوچھنا چاہتا ہے تو

اس کے لیے یہ لازم ہے کہ جائیداد قابض کے قبضے میں آنے کے بعد بعض روایات میں پندرہ سال اور بعض میں ۳۳ سال اور بعض میں ۳۶ سال تک اور بعض روایات میں بغیر تعیین عرصہ دراز تک دوسرے فریق کی جانب سے کسی قسم کا دعویٰ نہیں ہوا ہے تو ایسی صورت میں قابض کے خلاف دوسرے فریق کا دعویٰ معتبر نہیں ہوتا ہے، اور سوالنامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ قبضہ کو عرصہ ۷۵ سال سے زائد ہو چکا ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ۷۵ سال تک دوسرے فریق کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہوا ہے تو اتنے عرصہ کے بعد فریق ثانی کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا۔

ہاں البتہ اگر ان کے پاس سرکاری سرکاری دفاتر میں محفوظ ہیں اور ان کا غذات میں کسی قسم کے شکوک و شبہات نہیں ہیں تب ان کا دعویٰ درست ہوگا، ورنہ نہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ قابض کے پاس ۷۵ سال سے زائد ہو چکا ہے مگر جب سے قبضہ ہے اس وقت سے دوسرے فریق کی طرف سے دعویٰ کا سلسلہ جاری ہے تو ایسی صورت میں جائین کی بات قابل سماعت ہوگی اور ۷۵ سال تک قبضہ کی وجہ سے فریق مخالف کا دعویٰ منسوخ نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر ۳۳ سال یا ۳۶ سال تک دوسرے فریق نے کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے پھر اس حالت میں مزید ۳۵ سال گزر گئے، ۷۵ سال ہو گئے ہیں اس کے بعد دوسرا فریق دعویٰ کر رہا ہے تو اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

وفی الحامدية عن الولوالجية: رجل تصرف زماناً في أرض ورجل آخر يرى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذلك لم تسمع بعد ذلك دعوى ولده فترك على يد المتصرف الخ، ثم اعلم أنه نقل العلامة ابن الغرس في الفواكه البدرية عن المبسوط: إذا ترك الدعوى ثلاثاً و ثلاثين سنة ولم يكن مانع من الدعوى ثم ادعى لا تسمع دعواه لأن ترك الدعوى مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهراً ومثله في البحر، وفي جامع الفتاوى: وقال المتأخرون من أهل الفتاوى: لا تسمع الدعوى بعد ست و ثلاثين سنة.

(شامی، کتاب الخنثی، کراچی ۷/۶۴۲، زکریا ۱۰/۶۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/شعبان ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۴۹)



## ۲ باب الشہادۃ

### دعویٰ بغیر گواہی کے قبول نہیں

**سوال [۷۵۹۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ رئیسہ خاتون اپنے حقیقی خسر شوہر کے باپ جمیل احمد کے بارے میں یہ دعویٰ کرتی ہے کہ چند مرتبہ میرا خسر ناجائز طریقے سے اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے میرے جسم کے پوشیدہ حصوں، پستان، فرج، کمر بند، شلووار میں ہاتھ ڈال چکا ہے، مگر چونکہ وہ بھی میرا دوسرا باپ ہے، اس لیے میں نے اس کو اس کے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا، کچھ وقت تک یہ راز شوہر، خوش دامن، شوہر کے چچا وغیرہ گھر والوں تک ہی پوشیدہ رکھا، مگر جب طریقہ حد سے بڑھ گیا اور گھر کے افراد جمیل احمد پر کنٹرول نہیں کر سکے تو مجبوراً رئیسہ خاتون نے اپنے میکہ میں اس کا اظہار کر دیا ہے، پنچایت میں جمیل احمد نے رئیسہ کے دعویٰ کی تردید کر دی، جمیل احمد کے گھر والوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان واقعات سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا، جمیل احمد رئیسہ کے قول کی تکذیب کرتا ہے، رئیسہ کے پاس موقع کا کوئی گواہ نہیں ہے، حضرت والا سے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: بندہ خدا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** رئیسہ خاتون کا یہ کہنا کہ اس کا خسر جمیل احمد اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے کئی مرتبہ اس کے جسم کے پوشیدہ حصوں میں ہاتھ ڈال چکا

ہے، اور اس دعویٰ پر رییسہ خاتون کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے، جبکہ جمیل احمد اس دعویٰ کا انکار کر رہا ہے، اور اس واقعہ کی رییسہ خاتون کے شوہر سمیت تمام گھر والوں نے تصدیق نہیں کی ہے اس لیے رییسہ خاتون کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا، اور شوہر کے ساتھ اس کے نکاح میں فرق نہ آئے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۳۲۰)

وإن ادعت الشهوة في تقبيله أو تقبلها ابنه و أنكرها الرجل فهو مصدق وفي الشامية: ادعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها أو فروعها بشهوة أو إن أحد أصولها أو فروعها قبله بشهوة (إلى قوله) فهو مصدق لأنه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر. (شلمی، کتاب النکاح، زکریا دیوبند ۴/۱۱۴-۱۱۵، کراچی ۳/۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ العلم

الجواب صحیح  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۹۹/۳۶)

## فاسق کی شہادت مقبول ہے یا مردود؟

**سوال [۷۵۹۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بے ریش ہے، منع کرنے کے باوجود بھی ڈاڑھی منڈاتا ہے فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے ایسے میں اس کی شرعی شہادت مقبول ہے یا مردود؟

المستفتی: محمد اسلام، امر وہہ (جے پی نگر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ڈاڑھی منڈانا فسق ہے بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ہے، اس لیے کہ اس میں کھلم کھلا اور علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی ہے، اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں۔

﴿قال الله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن

تَصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾. [الحجرات: ۶]



﴿وَأَشْهَدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾ [الطلاق: ۲]

کالفاسق والذی یرتکب المعاصی أن شهادته لا تجوز. (بدائع، کتاب

الشهادة، کراچی ۶/۲۶۹، زکریا ۵/۴۰۴)

البتہ اگر عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو یا پھر وہ خود سچی تو بہ کر لے  
بایں طور کہ ڈاڑھی منڈوانا اور دوسرے معاصی کو چھوڑ دے تو پھر اس کی شہادت مقبول ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۰۴)

﴿قال الله تعالى: وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهُ

يَجِدِ اللَّهُ عَفْوَ رًا رَحِيمًا﴾ [النساء: ۱۱۰]

عن أبي عبيدة بن عبد الله عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: التائب

من الذنب كم لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة

الهندية ۳۱۳، دار السلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي

۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ

۱۴۲۰/۶/۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۸۳)

کیا فاسق اور قرآن کریم کی قسم کھانے والے کی گواہی معتبر ہے؟

**سوال [۷۵۹۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: (۱) کہ قرآن کریم کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو لوگ قرآن کریم کی قسم کھانے کو جائز سمجھتے ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ صوم و صلاۃ کے پابند نہیں ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۴) جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد علی مین بازار بڑھا پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** (۱) قرآن کریم کی قسم کھانا ممنوع اور ناجائز ہے مگر اگر کسی نے قرآن کریم کی قسم کھالی ہے تو متعارف ہونے کی وجہ سے قسم صحیح اور منعقد ہو جائے گی، خلاف ورزی پر کفارہ واجب ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶۰/۱۲)

عن ابراهيم قال: قال عبد الله: من حلف بالقرآن فعليه بكل آية يمين.

(المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور، مؤسسة علوم القرآن ۵۳۷/۷، رقم: ۱۲۳۶۲)

الأيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين و ما لا فلا ..... قال الكمال: ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا.

(الدر مع الرد، الأيمان، زكريا ۵/۴۸۴-۴۸۵، كراچی ۷۱۲/۳)

(۲) جو لوگ جائز سمجھتے ہیں ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اس سے قسم صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ اس طرح قسم کھانے سے گناہ بھی ہوتا ہے، لہذا ایسے لوگ فاسق نہیں ہیں اس لیے ان کی گواہی معتبر اور صحیح ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶۰/۱۲)

(۳-۴) بے نمازی اور داڑھی منڈانے والے شرعاً فاسق ہیں، معاملات اور حقوق میں ان کی گواہی شرعاً معتبر نہیں ہے۔

﴿قال الله تعالى: وَأَشْهَدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ.

[الطلاق: ۲] ﴿

ولا من يأتي بابا من الكبائر التي يتعلق بها الحد للفسق. (هدايه، كتاب

الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لا يقبل، اشرفی ۱۶۲/۳)

ولا بد في ذلك كله من العدالة الخ. (هدايه اشرفی ۱۰۶/۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴/۲/۱۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۰۹/۲۹)

## بیوی کا شوہر کے خلاف طلاق کے بارے میں جھوٹی گواہی دینا

**سوال [۷۵۹۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کبھی بھی کوئی طلاق نہیں دی، مگر ہندہ نے عدالت میں کچھ گواہوں کے ساتھ یہ بیان دیا ہے کہ زید نے مجھ ہندہ کو طلاق دیدی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شریعت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: قاضی محمد مرغوب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس عدالت میں ہندہ نے شوہر کے خلاف طلاق ثابت کرنے کے لیے جھوٹی شہادت پیش کی ہے، اگر اس عدالت کا جج غیر مسلم ہے تو نہ شہادت معتبر ہوگی اور نہ غیر مسلم جج کا فیصلہ طلاق کے بارے میں معتبر ہوگا اس لیے مذکورہ عدالتی کارروائی اور فیصلہ کی وجہ سے ہندہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

﴿قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾

[النساء: ۱۴۱] ﴿﴾

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي.

(شامی، کتاب القضاء، باب التحکیمت زکریا ۸/۱۲۶، کراچی ۵/۴۲۸)

ومنها الإسلام إلى ما قال لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنى الولاية وهي الشهادة فلا ن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى. (بدائع الصنائع، زکریا ۵/۴۳۸، کراچی ۷/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۹ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

۱۴۲۵/۳/۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۱۲)

## البینة علی المدعی والیمن علی من أنکر

**سوال [۷۵۹۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی محمد شمیم کارخانہ دار ہے، اس کا کاریگر حساب لینے آیا تو اس کو انہوں نے ایک ہزار روپیہ دیدیا اور اس کی نوٹ بک پر لکھ دیا، وہ روپیہ لے کر چلا گیا اور اس نوٹ بک کو وہیں چھوڑ دیا، پھر دو تین دن بعد آیا تو اس نے پانچ سو روپیہ کا مطالبہ کیا تو کارخانہ دار نے کہا کہ میں نے تم کو ایک ہزار روپیہ دیدیا تھا تو اس پر بات بڑھ گئی، دونوں کلام پاک اٹھانے کو تیار ہو گئے پھر انہیں سمجھا دیا گیا تو رک گئے، بس اب اس بات پر تکرار ہو رہی ہے لہذا ان دونوں میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا اور یہ روپے کارخانہ دار دے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر کارخانہ دار کے پاس کاریگر کو ہزار روپے ادا کرنے پر گواہ موجود ہیں تو کاریگر جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے، لہذا کارخانہ دار پر مزید پانچ سو روپیہ واجب نہیں ہیں اور اگر کارخانہ دار کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو کاریگر کو قسم دلائی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو باقی ماندہ پانچ سو روپے ادا کر دیا جائے گا۔

فکتب ابن عباس رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ ﷺ قال: ..... ولكن

البینة علی المدعی، والیمن علی من أنکر. (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدعوی والبیئات، باب البینة علی المدعی والیمن علی المدعی علیہ، دار الفکر ۱۵/۳۹۳، رقم: ۲۱۸۰۵)

البینة علی المدعی والیمن علی من أنکر. (المبسوط، دار الکتب العلمیة بیروت

۶۰/۱۶، قواعد الفقہ اشرفی ۶۶، ہدایہ، باب لقسامة، اشرفی ۴/۶۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۷ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

۱۴۱۸/۱۱/۲

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۹۷)

مقدمہ میں گواہوں کو پیش کرنا کس کے ذمہ لازم ہے، مدعی کے یا مدعی علیہ کے؟

**سوال [۷۵۹۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقدمہ میں گواہوں کا پیش کرنا مدعی علیہ پر لازم ہے یا مدعی پر؟

المستفتی: انوار الحق سری نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت اسلامی میں مدعی علیہ پر گواہوں کا پیش

کرنا لازم نہیں ہوتا ہے بلکہ گواہوں کا پیش کرنا مدعی پر ہی لازم ہوتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن النبی ﷺ قال: البینة علی المدعی، والیمن علی من أنکر. (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدعوی والبیات،

باب البینة علی المدعی والیمن علی المدعی علیہ، دار الفکر ۱۵/۳۹۳، رقم: ۲۱۸۰۵)

البینة علی المدعی والیمن علی من أنکر. (المبسوط، دار الکتب العلمیة

بیروت ۶/۶۰، قواعد الفقہ اشرفی ص: ۶۶، ہدایہ، باب القسامة اشرفی ۴/۶۳۵)

المدعی من لا یتحق إلا ببینة والمدعی علیہ من یتحق بلا حجة.

(مجمع الأنهر، کتاب الدعوی، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/۴۳۴، قدیم

۲/۲۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰/صفر المظفر ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۷۵/۲۵)

گوئی باؤلی لڑکی کا اشارے سے اپنے جمل کو دو آ میوں کا بتلانا

**سوال [۷۵۹۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک لڑکی گوئی باؤلی جو کہ گھر گھر جا کر روٹی مانگ کر کھاتی ہے اس لڑکی کے دو

بھائی بھی ہیں، اس لڑکی کو آٹھ مہینہ کا حمل ہے بغیر شادی کے، محلہ کے لوگوں نے اس لڑکی سے معلوم کیا تو وہ دو آدمیوں کے نام اشارہ سے بتلاتی ہے، کچھ لوگوں نے پولیس کیس بنا دیا ہے، پولیس کو روکنے کے لیے محلہ کے چار شخصوں نے مل کر صلح کی درخواست ڈال دی ہے، آپس میں انتشار کا اندیشہ ہے، وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے پوری بستی کو خدا کے عذاب سے بچانے کے لیے اس کی سزایا کفارہ تحریر فرمادیں، تاکہ پوری بستی عذاب سے بچ جائے، اس لڑکی سے کسی بھی وقت میں کوئی بھی شخص نکاح کرنے کو تیار نہیں ہے۔

المستفتی: شیم احمد دولت باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** محض لڑکی کے زبانی یا اشارہ سے کہنے کی وجہ سے مذکورہ دونوں افراد پر شرعاً کوئی سزا مرتب نہیں ہو سکتی، جب تک کہ چار چشم دید شرعی گواہ شہادت نہ دیں، یا ملزمان خود اس کا اقرار نہ کریں، نیز محض شبہ کی بناء پر کسی کی عزت اتارنا یا پولیس کیس کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةٍ شُهَدَاءَ فَاذْلَمُوا بِالشَّهَادَةِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ [النور: ۱۳] ﴿قال اللہ تعالیٰ: فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ﴾ [النساء: ۱۵]

ویشبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد. (در مختار، کتاب

الحدود، زکریا دیوبند ۸/۶، کراچی ۷/۴، کوئٹہ ۱۵۶/۳)

(وقولہ) فلا یثبت بعلم القاضی ولا بالبینة علی الإقرار وفي الشامی:

ثبوتہ بأحد شیین الشهادة بالزنا أو الإقرار به الخ. (الدر المختار مع الشامی، زکریا دیوبند ۱۲/۶، کراچی ۱۰۹/۴، کوئٹہ ۱۵۸/۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۸/۲۳)

مشرقی یوپی کا معاملہ مدعی علیہ کے اخراجات کے متحمل نہ ہونے کے باوجود مغربی یوپی میں دائر کرنا

**سوال [۷۵۹۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱-الف) زید کے خسر بکر نے اپنی دختر کے معاملہ میں سینکڑوں بلکہ کئی سو میل دور مغربی یوپی ہاپوڑ ضلع غازی آباد کی شرعی پنچایت میں درخواست گزاری کی ہے، جب کہ فریقین مشرقی یوپی ضلع بہرائچ کے باشندے ہیں اور پاس بھی شرعی پنچایت قائم ہے، نیز مدعا علیہ غریب ہے اور بعد مسافت کے اخراجات برداشت کرنے کا قطعاً محتمل نہیں ہے۔

(ب) کوئی فریق بہرائچ مشرق سے ہاپوڑ مغرب فیصلہ لینے کے لیے جائے وقت و روپیہ صرف کر کے وہ بھی اس صورت میں کما اخراجات کا متحمل نہ ہو یہ شرعی ضابطہ کے موافق ہے؟

(ج) کیا بہرائچ کے فیصلے ہاپوڑ کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں؟

(۲) اگر بکر مدعی نے ایسی صورت میں بہرائچ شرعی پنچایت کو نظر انداز کر کے ہاپوڑ میں چارہ جوئی کی ہے تو کیا ہاپوڑ کی شرعی پنچایت فیصلہ کرنے کی مجاز ہے؟ اگر نہیں ہے تو درخواست خارج کر گئی یا متعلقہ ضلع کو واپس کر گئی؟

واضح ہو کہ بکر مدعی کافی متمول اور اہل ثروت ہے، محض ایذا رسانی کے لیے اتنی دور کا انتخاب کیا ہے، شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: معین الدین فیروز آباد جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱-۲) زید کو اس بات کا حق ہے کہ ہاپوڑ محکمہ شرعیہ شرعی پنچایت میں درخواست دے کر بہرائچ محکمہ شرعیہ شرعی پنچایت میں مقدمہ منتقل کروالے ورنہ ہاپوڑ محکمہ شرعیہ میں اپنی آمد و رفت کے اخراجات کے سلسلے میں درخواست دے کر اخراجات دینے کی شرط پر حاضر ہوا کرے، محکمہ شرعیہ شرعی پنچایت کے قیام کا اصل مقصد مسلمانوں کے لیے سہولت فراہم کرنا ہے۔

المشقة تجلب التيسير. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۲۵، قواعد الفقه

شریعت مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ بوقت مشقت آسانی کی صورت اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے، یا تو آمدورفت کے اخراجات دیدیں یا مقدمہ بہرائچ منتقل کر دیں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۳/۲۳)

## ایک جگہ کی شرعی پنچایت کے فیصلہ کو روک کر دوسری جگہ اپیل کرنا

**سوال [۶۰۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر بہرائچ کے مقدمہ سلسلے میں ہاپوڑ کی شرعی پنچایت فیصلہ کرنے کی مجاز ہوتے ہوئے یا مجاز نہ ہوتے ہوئے کوئی فیصلہ کر دیوے تو ان دونوں صورتوں میں صوبائی یا آبائی کوئی عدالت ہے، جہاں پر اپیل کی جاسکے، اگر کی جاسکتی ہے تو کیا اور کیسے، اور مجاز نہ ہوتے ہوئے کوئی کارروائی جاری کرنے کے لیے درخواست دے کر کارروائی روکی جاسکتی ہے، یا منتقل کرایا جاسکتا ہے؟ کیونکہ عقلاً شرعی ضوابط کے تحت فیصلہ نزدیکی اور ملحقہ ضلع میں جہاں شرعی پنچایت موجود ہے، ہونا چاہئے، براہ کرم مذکورہ سوال کا جواب شرع کے مد نظر تحریر کر دیں تاکہ اس سے آگاہ ہو کر شریعت کے مطابق اس پر چلا جاسکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اب تک ہندوستان میں ایسی کوئی مرکزی مسلم عدالت قائم نہیں ہوئی ہے۔

قد اختلفوا فی ما إذا كان العقار لا فی ولاية القاضی وتنازعا فیہ عند قاض آخر فمنهم من یصحح قضاءه. [الأشباه قدیم ص: ۱۶۰] ﴿ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۳/۲۳)



## باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں کہاں کہاں معتبر ہے

**سوال [۶۰۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح نکاح کے معاملہ میں باپ کی گواہی بیٹے کے لیے اور بیٹے کی گواہی باپ کے لیے درست ہے، اسی طرح نکاح کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست ہے؟

المستفتی: سعید احمد سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نکاح کے معاملہ میں باپ بیٹے کا ایک دوسرے کے حق میں گواہ بنا شرعاً معتبر ہے، البتہ دیگر معاملات میں باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں شرعاً معتبر نہیں ہے۔

ومن الشرائط عدم قرابة أولاد. (شامی، کتاب الشهادات، زکریا ۸/۱۷۴، کراچی ۵/۶۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ شعبان ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۷۸)

## ووٹ کے متعلق چند ضروری مسائل

**سوال [۶۰۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں میں زید اور بکر دونوں پردھانی کے لیے کھڑے ہوئے تو معلوم ہوا کہ زید ذاتی مفاد اور نام و نہاد کی غرض سے کھڑا ہوا ہے اور بکر قوم و ملت کی خدمت اور سچی ہمدردی کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا بکر کو چھوڑ کر زید کا ووٹ سے تعاون کرنا از روئے شرع درست ہے؟ یہ بظاہر تعاون علی الاثم معلوم ہوتا ہے اور خود زید کا یہ اقدام اپنے حق میں کہاں تک درست ہے؟

(۲) ایک آدمی مومن ہے لیکن وہ اسلام کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتا، صوم و صلاۃ جیسے اہم امور کی بھی پرواہ نہیں کرتا، شراب و جوئے کا عادی ہے تو کیا غیر مسلم کو ایسے بدکردار مسلمان پروٹ دے کر ترجیح دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نیز مذکورہ بالا بدکردار مسلمان شخص کو عوام کے لیے ووٹ دے کر کامیاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ووٹ دینے کا یہ معنی ہوتا ہے کہ ہم ایک گواہی دیتے ہیں اور اپنا رہنما اور خادم جانتے ہیں تو غیر مسلم کو یا ایسے ہی بدعتی کو اور فاسق کو کس حد تک اپنا رہنما بنانا درست ہوگا؟

(۵) ووٹ کے بارے میں ایک مسلمان کا بازی لے جانے کی نیت سے دوسرے مسلمان بھائی کے مقابلے میں کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) حامد مطلقاً ووٹ دینے کا قائل نہیں، اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(۷) گاؤں کا پردھان اگر مسلمان ہو جائے تو قوم و ملت کی کون کون ذمہ داریاں اس پر عائد ہونی چاہئیں، اور عوام کا اس کے ساتھ کیا رویہ اور برتاؤ ہونا چاہیے، کیا اسلامی نقطہ نظر سے ایسے پردھان کا اسلام میں کچھ مقام ہے؟

(۸) ایک غیر مسلم آدمی ہے جس کے کھیت سے ہو کر لوگوں کا گذر ہوتا رہتا ہے، وہی آدمی پردھانی کے لیے کھڑا ہو گیا ہے اگر مسلمان اس کو ووٹ دیکر کامیاب نہیں بناتے ہیں تو وہ اس راستے کو ضرور بند کر دیگا، جس سے خصوصاً بارش کے ایام میں حرج عظیم لاحق ہوگا تو اب ایسی شدید ضرورت کے وقت اسے مسلمان کے مقابلہ میں کامیاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقیوم بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) الیکشن میں کھڑا ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ امور سیاسیہ میں مہارت رکھتا ہو، اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو، ذاتی مفاد اور محض نام و نہاد کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں ہے، اور جن لوگوں کو یہ حقیقت

معلوم ہو ان کے لیے ایسے شخص کو ووٹ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے شخص کو دینا چاہیے جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کر سکتا ہو، لہذا مذکورہ صورت میں زید کو ووٹ دینا جائز نہیں ہوگا، اور بکر کے اندر اہلیت ہے تو اس کو ووٹ دے کر کامیاب بنانا ضروری ہے تاکہ زید کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں، نیز مذکورہ حالات میں زید کا یہ اقدام اس کے حق میں حرام ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۷۴/۹، جدید مطول ۳/۲۵۴)

(۲) جمہوری ملک میں ووٹ اسلام و کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے ہیں اور نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں اس لیے جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا اور حقوق دلوایگا اور نفع پہنچائے گا ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دینا چاہیے، اس میں ہندو مسلم کی بات نہیں ہوتی، تاہم ہندو غیر مسلم کے مقابلے میں اگر کوئی لائق اور بااہل مسلم موجود ہو تو اس کو ووٹ دے کر کامیاب بنانا زیادہ بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/۱۶، ڈبھیل ۴/۶۱۸)

اور بدکردار خائن شخص کو کامیاب بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز کون لائق و قابل اعتماد ہے علاقہ والوں کو خود فیصلہ کرنا چاہیے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۷۴/۹، جدید مطول ۳/۲۶۰) (۳) جی نہیں۔

(۴) اگر (۱) کی شرائط موجود ہوں تو گنجائش ہے لیکن اگر ان شرائط کے حامل پابند شرع دیندار نیک صالح شخص موجود ہو تو وہی شخص اس کا مستحق ہوگا، اس کے مقابلے میں دوسروں کو کامیاب بنانا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۷۴/۹، جدید مطول ۳/۲۵۵) (۵) اگر عمومی حقوق کی حفاظت کا ارادہ نہیں ہے تو ناجائز ہے۔

(۶) اگر ووٹ میں مفاسد ظاہر ہو جائیں تو حامد پر کوئی الزام نہیں ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری ہے۔

(۷) اسمبلی اور مجلس قانون ساز کی طرف سے جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں وہی شریعت کے نقطہ نظر سے بھی عائد ہوں گی۔

(۸) اس میں اہلیت نہیں ہے تو جائز نہیں ہوگا بلکہ باصلاحیت مسلمان کو کامیاب کرنا

لازم ہے، اگرچہ بارش میں کچھ مشقت ہی اٹھانی پڑے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۷۴/۹، جدید مطول ۳/۲۵۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/۵، ڈبھیل ۴/۶۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۳/۲۴)

## ووٹ کی شرعی حیثیت

**سوال [۷۶۰۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ووٹ دینے کے لیے ووٹ بوتھ پر پہنچنا پڑتا ہے، وہاں عورتوں کو بھی جانا پڑتا ہے تو عورتیں کس طرح ووٹ دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی ہے، اور مسلمانوں کا ایک قانونی حق ہے اس کو ضائع ہونے نہیں دینا چاہیے، اور عورتیں مکمل شرعی پردہ کے لحاظ کے ساتھ بوتھ پر جا کر ووٹ ڈالیں اور بے پردگی سے پوری طرح بچیں۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۲/۲۸۸، جواہر الفقہ ۵/۵۳۶، فتاویٰ حقانیہ ۲/۲۸۵، جدید فقہی مسائل ۱/۴۵۷)

قال مالک تفسیر هذا الحديث أن الرجل يكون عنده شهادة في الحق لرجل لا يعلمها فيخبره بشهادته، زاد يحيى بن سعيد إذا علم أنه ينتفع بها الذي له الشهادة وهذا لأن الرجل ربما نسي شاهده فظل مغموما لا يدري من هو؟ فإذا أخبره بذلك فرج كربه. (أوجز المسالك، دار القلم ۱۳/۵۶۲، نووی علی ہامش المسلم ہندی ۲/۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۸۱/۴۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ۲۴ کتاب الوقف

### ۱ باب ما يتعلق بنفس الوقف

#### وقف کی جائیداد کا مالک کون؟

**سوال [۷۶۰۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وقف کی جائیداد کا مالک متولی ہے یا موقوف علیہم میں سے ہر ایک؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف کی جائیداد کا مالک نہ متولی ہوتا ہے اور نہ ہی موقوف علیہم بلکہ وقف کی جائیداد کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، متولی امین اور محافظ ہوتا ہے اور موقوف علیہم صرف جائیداد کے منافع کے حقدار ہوتے ہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمنغ وكان نخلاء، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمرة، فتصدق به عمر، فصدقته ذلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

الوقف حبس العین و إزالة ملك المالك المجازی مقتصره على  
حكم ملك الله تعالى المالك الحقيقي. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار  
الكتب العلمية بيروت ۵۷۱/۲، مصری قديم ۷۴۰/۱)

حبس العین علی حکم ملك الله تعالى علی وجه تعود منعفته إلى  
العباد. (هنديہ زكريا قديم ۳۵۰/۲، جديد ۳۴۶/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۰ ربيع الثاني ۱۴۱۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۵۵/۲)

## موقوفہ زمین اللہ کی ملک ہے

**سوال [۶۰۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: مسجد یا مدرسہ کے نام جو زمین وقف کر دی جائے یا مسجد، مدرسہ بنوایا جائے تو کیا  
بنوانے کے بعد بھی بنوانے والے کی ملکیت میں رہتا ہے، یا وہ اللہ کی ملکیت ہو جاتا ہے،  
بنوانے والے کو کیا یہ اختیار ہے کہ جب چاہے مدرسہ کی ٹپائی ٹاٹ وغیرہ اٹھالے جائے اگر  
کوئی شخص ایسا کرے تو شرعاً اس کی یہ حرکت کیسی ہے؟

المستفتی: محمد طیب سینٹا پوری، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفيق:** مسجد یا مدرسہ کے لیے زمین وقف ہو جانے کے بعد اس  
میں کسی کی ملکیت باقی نہیں رہتی، نیز جس نے وقف کیا ہے، یا وقف کی زمین پر مسجد یا مدرسہ کی  
عمارت تعمیر کر دی ہے، اس شخص کی بھی اس میں کسی قسم کی ملکیت یا حق باقی نہیں رہتا، اس کو اس میں  
کسی قسم کے حق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، نیز ٹپائی ٹاٹ وغیرہ اٹھا کر لے جانے والا شرعاً بہت بڑا  
ظالم اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اسے توبہ کر لینا چاہیے، اور ٹپائی ٹاٹ وغیرہ فوراً واپس کر دینا چاہیے۔  
عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ،

وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته ذلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴، وهكذا في الصحيح المسلم، الوصية، باب الوقف، النسخة الهندية ۲/۴۱، بيت الأفكار رقم: ۱۶۳۲)

عن أبي هريرة الرقاشى عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله في سفينة، دار الفكر ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷۴)

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يهرن الخ. (در مختار، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ۶/۵۳۹، كراچی ۴/۳۵۱-۳۵۲)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال غيره بلا سبب شرعى الخ. (قواعد الفقه اشرفى ديوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) قط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رزی الحجۃ ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۹۷)

## واقف کا مالک ہونا ضروری ہے

**سوال [۷۶۰۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد محمد بخش کا ۱۹۶۳ء میں انتقال ہو گیا تھا مرحوم کے انتقال کے بعد ہمارے تایا زاد بھائی محمد ابراہیم منصورى نے ہمارا ولی بن کر اپنی جانب سے والد مرحوم کی





(صحیح مسلم، الزکاة، باب بیان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، النسخة الهندية ۳۲۶/۱، بیت الأفكار رقم: ۱۰۱۵، مسند دارمی دار المغنی ۳/۱۷۸۶، رقم: ۲۷۵۹)

قولہ و شرط سائر التبرعات أفاد أن الواقف لا بد أن يكون مالکة وقت الوقف ملكا تاما (إلى قوله) حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح وإن ملكه بعد بشراء أو صلح. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: قد ینتھ الوقف

بالضرورة، زکریا دیوبند ۶/۵۲۳، کراچی ۴/۳۴۰-۳۴۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

یکم شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

۱۴۳۲/۸/۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۱۷/۲۰)

## ارادہ ظاہر کرنے سے وقف تام نہیں ہوتا

**سوال [۷۰۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایسی جگہ زمین خریدی جہاں آبادی نہیں تھی، پھر انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور ارادہ ظاہر بھی کیا اب کافی عرصہ بعد اس علاقہ میں آبادی بھی کافی ہو گئی ہے، اور آبادی الحمد للہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور اس آبادی میں کوئی مسجد بھی نہیں ہے اور مسجد کی ضرورت ہے، اب زمین کے مالک کو اس شخص نے جس سے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا انہوں نے مسجد تعمیر کرنے کو کہا وہ راضی ہو گئے اور اس جگہ چہار دیواری ہو گئی ہے لیکن ابھی اس جگہ نماز نہیں ہو رہی ہے۔

لیکن اب صاحب ملکیت چاہتے ہیں کہ اس جگہ کو فروخت کر کے دوسری جگہ زمین شہر کے قرب و جوار کے کسی دیہات میں خرید لی جائے کیا وہ جگہ فروخت کر کے دوسری جگہ زمین خریدی جاسکتی ہے؟ ازراہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ کو بار بار پڑھ کر دیکھا گیا ہے اس میں صرف

اتنی بات ہے کہ صاحب زمین نے اپنی زمین کے ایک حصہ پر مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے

اور ارادہ ظاہر کر کے اس کی چہار دیواری کردی ہے اور صرف ارادہ ظاہر کر کے چہار دیواری کر دینے سے وقف نہیں ہوتا ہے بلکہ وقف کے لیے مخصوص شرائط ہیں ان میں سے کوئی بھی شرط ابھی اس زمین پر لاگو نہیں ہوئی اور خالی زمین کے وقف ہونے کے لیے واقف کی طرف سے وقف کے الفاظ کا استعمال کرنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ میں نے یہ زمین مسجد تعمیر کرنے کے لیے وقف کر دی ہے، اور سوالنامہ میں اس طرح ثبوت وقف کے کوئی الفاظ ثابت نہیں ہیں، اس لیے اس پر مسجد کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے مالک زمین کو اختیار ہے کہ چاہے اس جگہ مسجد بنا دے یا اس کے بدلہ میں دوسری جگہ جہاں زیادہ مناسب سمجھے وہاں بنا دے، اور یہ زمین کسی دوسری ضرورت میں استعمال کرے یا بیچ دے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، ج ۱۴/۱۳، ۳۸۸-۳۸۹، میرٹھ ۲۱/۲۳۰)

وفي الملتقط الناصري: وإذا بنى مسجدا لا يصير مسجدا حتى يقر بلسانه أنه مسجد لا يباع ولا يوهب ولا يرهن ولا يورث، وفتح الباب وأذن فيه وأقيم وأذن للناس بالدخول فيه عامة فيصير مسجدا إذا صلى بجماعة فيه. (تاتارخانية، كتاب لوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد، زكريا ۸/۱۰۶، رقم: ۱۱۴۹۵)

وركنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالى، أو على وجه الخير والبر. (شامی مطلب: قد ثبت الوقف بالضرورة، زكريا ديوبند ۶/۵۲۲-۵۲۳، كراچی ۴/۳۴۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۱۱۴)

فأما ركنه فالألفاظ الخاصة الدالة عليه. (هندية كتاب الوقف، الباب الاول زكريا قديم ۲/۳۵۲، جديد زكريا ۲/۳۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۱۵/۴۰)

## زبانی وقف کرنے سے مسجد کا حکم

سوال [۷۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک مسلم فریق کی زمین پر زمانہ سابقہ میں کچی مسجد بنی ہوئی تھی بعد کے لوگوں نے اسے منہدم کر کے پختہ دیوار اور چھت دار مسجد تعمیر کی، اس عمارت کے مخدوش ہونے کے بعد تیسری مرتبہ مسجد تعمیر ہو رہی ہے اور ہر دفعہ گاؤں کی مدد و تعاون سے ہی مسجد تعمیر ہوئی ہے، لیکن مسجد کی زمین وقف نہیں ہے، اور اب بھی زمین مالک زمین کے نام ہے اور ۳۰ رسال کے بعد ان کے وارثین نے زمین کی رسید اپنے یا اپنے باپ دادا کے نام کٹوائی ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ زمین میری ہے، کیونکہ جب تیسری دفعہ مسجد کی تعمیر شروع کی گئی تو زمین کے وارثین نے مسجد بنوانے سے روکا اور مار پیٹ بھی ہوئی اور روز بروز سستی لوگوں نے اس مقام پر مسجد کی تعمیر شروع کر دی، اور بہت ہی مضبوط طریقہ پر بنیاد کھڑی کی اور ایک منزلہ تیار کر دی گئی لیکن ابھی بھی اس منزل میں ادھورا کام ہوا ہے اور آگے کی منزل تیار کرنی ہے، لیکن شدید طور پر رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے، اور وارثین زمین کو اپنی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اول دن ہی مسجد بنوانے سے روکا تھا، حالانکہ آج بھی اذان و اقامت باجماعت نماز ہوتی ہے، اور اذان و جماعت میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور نہ کسی فرد کو نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے ہاں فتنہ کا خوف ضرور ہے کیونکہ ناخوشگوار واقعہ رونما ہو چکا ہے، اور آج بھی وارثین زمین پر اپنا دعویٰ کیے ہوئے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی مسجد جو وقف نہیں ہے اور کھتیاں بھی مالک زمین کے نام ہے اور ان کے وارثین نے مالگذاری رسید بھی اپنے یا اپنے باپ دادا کے نام کٹوائی ہے، اور زمین پر اپنی ملکیت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کافی ہنگامہ ہونے کے بعد بھی مسجد کے نام منتقل نہیں کر رہے ہیں کیا ایسی مسجد کو مسجد کا نام دیا جاسکتا ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا؟

نیز ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے باپ دادا کی (زبانی بلا ثبوت و بلا وقف تحریری) مسجد میں دی گئی زمین کا تیس سال کے بعد اپنے نام یا اپنے باپ دادا کے نام رسید مالگذاری کٹوائے اور مالکانہ حق کا دعویٰ برقرار رکھے اور مسجد کے نام منتقل نہیں کر کے گاؤں والوں کو

پریشانی میں مبتلا کیے ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اب تک لوگ اس جگہ کو مسجد کی زمین ہی مان رہے تھے، کیونکہ کسی نے کھتیاں نہیں دیکھا تھا، ادھر ادھوری مسجد کی تعمیر ہو جانے کے بعد زمین کی حقیقت کا انکشاف ہوا ہے؟

اگر وارثین مسجد کے نام زمین کو منتقل نہیں کرتے ہیں تو اس میں صرف کی گئی رقم کا مطالبہ وارثین مدین سے کیا جاسکتا ہے، سوال کی ہر شق کا جواب شریعت کی زبان میں قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل و مفصل دیا جائے تاکہ نزاع رفع ہو سکے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسئلہ صورت میں جب زبانی وقف کر کے مسجد بنائی جا چکی ہے اور اس کے بعد ایک مرتبہ اور از سر نو تعمیر مسجد ہو گئی ہے، نیز باقاعدہ اذان و اقامت اور نماز باجماعت بھی ہونے لگی ہے، تو وہ بالاتفاق مسجد شرعی ہو گئی، اگرچہ تحریری وقف نامہ کی نوبت نہ آئی ہو، اور زمین واقف ہی کے نام ہو، اور اس مسجد میں دیگر مساجد کی طرح نماز بلا تامل درست ہے، اور واقف کے وارثوں کا اس میں ایسی مداخلت کرنا جو کہ وقف کے خلاف ہو، نیز وراثت کا دعویٰ کرنا قطعاً غلط ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈبھیل ۱۴/۳۹۱)

ویزول ملکہ عن المسجد والمصلیٰ بالفعل وبقولہ: جعلتہ مسجدا عند الثانی (در مختار) قولہ بالفعل ای بالصلاة فیہ، ففی شرح الملتقی: أنه یصیر مسجدا بلا خلاف، ثم قال عند قول الملتقی، وعند أبی یوسف یزول بمجرد القول..... قلت: وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف..... ویصح أن یراد بالفعل الإقرار. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی

أحكام المسجد، زکریا دیوبند ۶/۵۴۴ - ۵۴۵، کراچی ۴/۳۵۵ - ۳۵۷)

من بنی مسجدا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزه عن ملکہ بطریقة ویأذن بالصلاة فیہ. (ہندیہ، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق بہ، زکریا قدیم

۲/۴۵۴، جدید ۲/۴۰۸)

وأما المسجد فلیس له أن یرجع فیہ ولا یبیعه ولا یورث عنہ، لأن الوقف

اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة. (عناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف فصل فى أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٦/٢١٦، كوئته ٥/٤٤٣، دار الفكر مصرى قديم ٦/٢٣٢) ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه. (هدايه اشرفى ٢/٦٤٥)

لا تسمع الدعوى ممن رأى رجلا يتصرف فى أرض زمانا ولم يدع الرأى حال حياة المتصرف وفى منية الفقهاء رأى غيره يبيع أرضا فقبضها المشتري وهو ساكت كان ذلك إقرارا بالملك للبائع، فهذا يدل على أن السكوت عن المعارضة، إذا رأى غيره يتصرف فى شئ ينزل منزلة إقراره، بأنه لاحق له، وفى الكنز باع عقارا وبعض أقاربه حاضر يعلم البيع، ثم ادعى لا تسمع. (طحطاوى على الدر كوئته ٣/٢٠٣)

لو باع عقارا أو غيره و امرأته أو أحد أقاربه حاضر يعلم به ثم ادعى ابنه مثلاً أنه ملكه لا تسمع دعواه. (شامى زكريا ٨/١١٧، كراچى ٥/٤٢٢)

رجل تصرف زمانا فى أرض و رجل آخر رأى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذلك لم تسمع بعد ذلك دعوى ولده، فترك على يد المتصرف لأن الحال شاهد. (شامى زكريا ٨/٣١٨، كراچى ٥/٥٦٥)

والحاصل من هذه النقول أن الدعوى بعض مضى ثلاثين سنة ..... لا تسمع إذا كان الترك بلاعذر ..... لأن تركها هذه المدة مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا. (شامى زكريا ١١/٦٥٤، كراچى ٨/٩٧)

وما فى الخلاصة: المدعى والمدعى عليه إذا كانا فى موضع، ولا مانع وادعى بعد ثلاثين سنة ..... لا تسمع. (طحطاوى على الدر كوئته ٣/٢٠٣) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

کتبه: شبیر احمد قاسمى عفا اللہ عنہ

٦ رذی الحج ١٤٣٣ھ

(الف فتوى نمبر: ٣٩/١٠٥٥١)

## صرف بنیاد رکھنے سے شرعی مسجد کا حکم

**سوال [۷۶۰۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی باؤنڈری کے اندر جو چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے اور پانچ کمرے اور آگے برآمدہ ہے اب اس میں ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اس باؤنڈری کے اندر تین جگہیں تجویز کی گئی ہیں، بنیاد رکھتے وقت آپس میں انتشار ہو گیا، جھگڑے کو دبانے کے لیے عارضی طور پر پینچ صحن میں رکھ دی گئی تھی، لیکن جہاں پر عارضی طور پر بنیاد رکھی گئی تھی وہاں پر آج تک کوئی نماز ادا نہیں کی گئی، مختلف جگہوں پر نماز ادا کر رہے ہیں، تو کیا مدرسہ کے کمروں کے اتر سائیڈ والی زمین پر مسجد بنائی جاسکتی ہے؟ اب اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ مسجد اتر پچھم بنائی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مدرسہ کے احاطہ میں تعمیر مسجد کی نیت سے گڑھا کھودنے اور محض اس کی بنیاد رکھنے سے وہ جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی ہے، بریں بنا اگر ذمہ داران مدرسہ اس جگہ مسجد نہ بنا کر دوسری جگہ اتر پچھم جانب میں مسجد بنانے پر رضامند ہوں تو اس جانب میں بھی مسجد بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔

لا یصیر مسجداً بمجرد البناء ما لم یوجد القبض والتسليم وبالصلاة  
بجماعة یقع القبض والتسليم بلا خلاف. (تاتارخانیہ، کتاب الوقف، الفصل

الحادی والعشرون فی المساجد، زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

قال أبو حنیفة: لا یكون مسجداً حتی یصلی فیہ جماعة یأذنه.

(تاتارخانیہ زکریا ۸/۱۵۷، رقم: ۱۱۴۹۷)

مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانتا فی محلة واحدة أو محلة

أخری خیراً. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستیذان، زکریا دیوبند ۶/۵۸۶، کراچی

۳۸۶/۴، البناية اشرفیہ دیوبند ۷/۴۶۰، الموسوعة الفقهیة لکویتية ۴۴/۱۹۶-۱۹۷، رقم: ۱۱۴۹۷)

وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله إن اعطى مكانه  
بدلاً أكثر ريعاً منه في صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف  
والعمل عليه. (شامی زکریا ۶/۵۸۷، کراچی ۴/۳۸۷، النهر الفائق، دار الکتب العلمیة  
بیروت ۳/۳۲۰، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۶ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۲۳/۳۹)

## بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم

**سوال [۷۶۱۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے  
میں: وہ آراضی جس میں مسجد کے لیے بنیاد کھودی گئی اور صرف پانچ اینٹیں رکھی گئی تھیں اور کبھی نذاذ ان  
ہوئی اور نہ نماز پڑھی گئی تو کیا اس میں گھر وغیرہ بنایا جاسکتا ہے؟ مدلل و مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صرف بنیاد رکھنے کی وجہ سے مسجد کا حکم ثابت نہیں  
ہوتا اس لیے اگر کسی کی ملکیت کی زمین ہے تو اس کے لیے اس زمین پر مسجد کا ارادہ ملتوی  
کر کے دوسری عمارت بنانا جائز ہے۔

التسلیم فی المسجد: أن تصلى فيه جماعة یاذنه ..... ویشترط مع  
ذلک أن تكون الصلاة، بأذان و إقامة جهر الا سرا. (فتاویٰ الہندیۃ، کتاب  
الوقف، الباب الحدادی عشر فی المسجد و ما یتعلق بہ، زکریا قدیم ۲/۴۵۵، جدید ۲/۴۰۸،  
الفتاویٰ التاتاریخانیۃ زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴، المحیط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴،  
رقم: ۱۱۳۳۵-۱۱۳۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۱ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۵۹/۳۷)

میرے مکان میں مسجد بنا لو اور اس کے بدلہ مجھ کو کوئی زمین دیدینا کہنے کا حکم

**سوال [۶۱۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید وغیرہ نے میرا مکان نماز پڑھنے کے لیے مجھ سے مانگا میں نے ان کو دیدیا کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے کہا کہ مکان ہمیں مسجد بنانے کے لیے دیدو اور اس کے بدلے میں ہماری زمین لے لو میں نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، مگر جب زمین دینے کا وقت آیا تو زید وغیرہ بدلے میں مجھ کو ایسی زمین دے رہے تھے کہ جس کے یہ خود قانونی مالک ہی نہیں ہیں، (یعنی گرام سبھا کی زمین) اس پر میں نے جواب دیا کہ مجھے ایسی زمین بدلے میں چاہیے کہ جس کا تم بیعتنامہ میرے نام کر اسکو بس زید وغیرہ مجھے ایسی زمین نہیں دیے پائے کہ جس کا بیعتنامہ میرے نام ہو سکتا، لہذا میں نے اپنا مکان ان سے خالی کر لیا اور حسب سابق اس میں رہائش اختیار کر لی، نیز زید وغیرہ نے میرے مکان میں تقریباً ڈیڑھ سال نماز باجماعت ادا کی رمضان شریف میں تراویح میں قرآن شریف بھی دو مرتبہ پڑھایا گیا اور ایک مرتبہ شبینہ بھی ہوا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا:

- (۱) میرے مکان کا بدل ادا کیے بغیر زید وغیرہ کو اس کو مسجد قرار دینا جائز ہے؟
- (۲) مذکورہ مکان میں ڈیڑھ سال تک نماز باجماعت ادا کرنے سے یا تراویح میں قرآن شریف سننے سے یا اس میں شبینہ کرانے سے کیا شرعی مسجد ہو سکتا ہے؟
- (۳) زید وغیرہ عوام کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ جس جگہ پر نماز باجماعت اور تراویح میں قرآن پاک اور شبینہ ہو جائے وہ جگہ شرعی مسجد ہو جاتی ہے کیا شرعی اعتبار سے ان کا یہ پروپیگنڈہ صحیح ہے؟
- (۴) کیا ایسی صورت میں شرعی اعتبار مجھے اپنے مکان میں رہائش اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: فرید احمد، سیف جانسرائے سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** مسجد شرعی وہ ہے کہ کوئی ایک شخص یا چند اشخاص



اپنی مملوکہ زمین کو اپنی ملک سے جدا کر دیں، اور اللہ کے نام سے مسجد کے لیے وقف کر دیں اور اس کا راستہ شاہراہ عام کی طرف کھول کر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدیں اس کے بعد جب ایک مرتبہ اس میں اذان و جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو وہ جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے، اور چونکہ نہ آپ نے اپنے گھر کو مسجد کے لیے دیا ہے اور نہ ہی زید وغیرہ نے اسے خرید کر مسجد کے لیے وقف کیا ہے اس لیے وہ مکان مسجد شرعی نہیں ہو سکتا صرف نماز اور تراویح ادا کرنے سے کوئی جگہ مسجد نہیں ہو جاتی، لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ آپ نے اس شرط کے ساتھ یہ مکان لوگوں کو دیا تھا کہ اگر اس کا متبادل کوئی زمین دیں گے تب مسجد بنے گی ورنہ نہیں۔

فلو جعل وسط دارہ مسجد ا و اذن للناس بالدخول والصلاة فيه، إن شرط معه الطريق صار مسجدا ثم قال: ولو عزل بابہ إلى الطريق الأعظم يصير مسجدا ثم قال بعد ذلك بشیء رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قومہ بالصلاة فيها بجماعة قالوا: إن أمرهم ..... بالصلاة أبدا او أمرهم فيها بالصلاة بالجماعة ولم يذكر الأبد إلا أنه أراد بها الأبد ثم مات لا يكون میراثا. (حاشیة الطحطاوی علی الدر کوئٹہ ۲/۳۶، ۵، شامی، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، زکریا ۶/۴۵،

کراچی ۴/۳۵۶، قاضیخان زکریا جدید ۳/۲۰۲، وعلی ہامش الہندیہ ۳/۲۹۱)

اور اگر یہ شرط نہیں لگائی کہ اگر متبادل زمین دیں گے تب مسجد بنے گی بلکہ صرف یہ کہا کہ آپ لوگ اس کو مسجد بنا لیں مجھ کو کوئی متبادل زمین دیدینا اس کے بعد ان لوگوں نے اس کو مسجد بنا لیا اور مسجد کے ہی سارے احکام اس میں جاری کر دیئے اور اس کی شہرت بھی ہو گئی، اور لوگ اس میں مسجد سمجھ کر نماز پڑھنے لگے تو ایسی صورت میں یہ مسجد شرعی بن چکی ہے، اب اس میں قیامت تک عبادت کے علاوہ دوسرا کام کرنا جائز نہ ہوگا، اب اگر ذمہ داران مسجد آپ کو متبادل زمین نہ دے سکیں، تو ان لوگوں کے ذمہ آپ کے مکان کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگی، اور اس کو مسجد کے علاوہ کسی دوسرے کام میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، لہذا اگر یہ دوسری شکل ہے تو آپ کو اس میں رہائش کرنے کا حق نہ ہوگا، بلکہ صرف قیمت لینے کا حق آپ کو ہوگا، اور اگر پہلی شکل ہے تب رہائش کا حق آپ کو ہو سکتا ہے۔

وقال أبو يوسف هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تابد المسجد. (شامی کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره زکریا دیوبند ۶/۵۴۹، کراچی ۴/۳۵۹)

(۲) اور اگر پہلی شکل ہے، تو پھر زید وغیرہ لوگوں میں جو مسجد کی شہرت دے رہے ہیں، ان کے شہرت دینے کا کوئی اعتبار نہیں، اور اگر دوسری شکل ہے تو ان کا شہرت دینا صحیح اور آپ کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے، بس آپ صرف اس مکان کی قیمت لینے کے حقدار ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۶۳)

## نہ بیچنے کی شرط لگا کر مسجد کو زمین وقف کرنا

**سوال [۷۱۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے تھوڑی زمین ایک مسجد کے لیے وقف کی، اور شرط لگائی کہ اس زمین کو مسجد کمیٹی کبھی بھی بیچ نہیں سکتی اور مذکورہ زمین میں چند قبریں ہیں ان قبروں کی حفاظت کی بھی شرط لگائی اور زمین کے چاروں طرف ایک آدمی کی زمین ہے اس نے اپنی زمین میں بڑے بڑے درخت لگا رکھے ہیں، جن کا سایہ اس زمین پر پڑنے کی وجہ سے اس سے فصل وغیرہ کی امید نہیں کی جاتی، اب مذکورہ زمین سے برابر والی زمین کے مالک کے ہاتھ بیچنے کے علاوہ مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ زمین کا وقف درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی شرط درست ہے یا نہیں اور اگر شرط صحیح نہیں تو ضرورت کے وقت مسجد کمیٹی اس زمین کو بیچ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ وقف شرعاً درست ہے، اس زمین کو کھیتی یا

درخت وغیرہ لگا کر جس طرح بھی ہو سکے قبروں کو باقی رکھتے ہوئے مسجد کے کام میں لایا جائے لیکن اس کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلاً، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يساع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذی القربی، ولا جناح على من ولیه أن يأكل منه بالمعروف أو یؤکل صدیقہ غیر متمول به. (صحيح البخاری، الوصایا، باب قول الله عز وجل وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

فیذا تم ولزم لا یملک ولا یعار ولا یرهن ..... آی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه. (شامی، کتاب الوقف، زکریا دیوبند ۶/۵۳۹، کراچی ۴/۳۵۱-۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲۰۲۷)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳/۱۱/۱۴۲۲ھ

جس جگہ کو مسجد کے نام سے خریدا گیا ہو وہ مسجد ہے یا نہیں؟

**سوال [۶۱۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان خریدا گیا، اور خریدتے وقت یہ ارادہ تھا کہ یہاں پر فضائل اعمال کی تعلیم کی جائیگی، مسجد کے ارادہ سے جگہ نہیں خریدی گئی تھی، لیکن ارادہ یہ تھا کہ اگر اسی مکان کے پڑوس میں کوئی اور مکان مل گیا تو اسی مکان کو وسیع کر کے مسجد بنا لیا جائیگا، اور اگر اس مکان کے پڑوس میں کوئی جگہ مناسب نہیں ملی تو اس مکان کو بدل دینے کا ارادہ تھا، اور دوسری طرف

جہاں وسیع جگہ ملے، وہاں اس مکان کو فروخت کر کے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ تھا، کچھ دنوں تک مذکورہ مکان میں صرف فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی رہی، اور نماز جامع مسجد میں ادا کی جاتی تھی، پھر اس کے بعد عشاء کی نماز اولاً اس مکان میں ادا کی جانے لگی، پھر رفتہ رفتہ پنج وقتہ نمازیں اذان کے ساتھ ادا کی جانے لگیں، لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس وقت ابھی عارضی طور پر یہاں نماز ادا کی جاتی رہی، مسجد کی نیت سے نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، اور جمعہ بھی یہاں ادا نہیں کیا جاتا تھا، اور اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ جب چندہ کی ضرورت پڑی تو اس مکان کو مسجد بلال سے موسوم کیا گیا اور اسی نام پر چندہ بھی کیا گیا، تو کیا ایسی صورت میں مذکورہ مکان شرعی مسجد کے حکم میں گیا اور کیا اس مکان کو بدل کر دوسری جگہ خریدی جاسکتی ہے؟

(۲) دوسرا یہ کہ اسی مکان کو زمین دوز کر کے اسی پر مسجد بنائی جائے، لیکن کیا اس میں یہ طریقہ اختیار کرنا درست ہوگا، کہ ابھی جہاں نماز ادا کی جاتی ہے، وہاں نیچے بیت الخلاء وغیرہ بنالی جائیں اور اوپر مسجد تعمیر کر دی جائے؟

(۳) یا پہلے جہاں بیت الخلاء تھے ان بیت الخلاء کو نیچے رکھتے ہوئے ان کے اوپر مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے؟

نوٹ: مندرجہ بالا مسائل جگہ کی قلت کی بنا پر پیش آئے۔

المستفتی: عبدالعزیز

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ایسی جگہ جس کو مسجد کی نیت سے نہیں خریدا گیا اور نہ ہی مسجد کی نیت سے اس میں نماز پڑھی گئی تو اس پر مسجد شرعی کا اطلاق نہیں کیا جائیگا، لہذا مذکورہ مکان فروخت کر کے اس کی قیمت اور مسجد بلال کے نام پر جو چندہ کیا گیا ہے اس چندہ کے پیسے دونوں کو ملا کر مسجد کے لیے مناسب جگہ خرید کر مسجد بلال کے نام سے تعمیر کی جائے تو جائز ہوگا۔

وأما إن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً لومات يورث عنه. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، زکریا قدیم ۲/۴۵۵، جدید ۲/۴۰۹، الفتاویٰ التاتاریخانیہ

زکریا ۱۵۷/۸ رقم: ۱۱۴۹۹، المحيط البرہانی، المجلس العلمی ۱۲۵/۹، رقم: ۱۱۳۳۸)

(۲) اگر اس عمارت کو مسمار کر کے نیچے تہہ خانہ کی شکل دے دی جائے جس میں ضروریات مسجد پوری ہو سکیں اور پھر اس کے اوپر نماز کے لیے جماعت خانہ کی شرعی مسجد بنالی جائے، تو ایسا کرنا اس وقت جائز ہے کہ جب جماعت خانہ کے نیچے کے حصہ میں بیت الخلاء پیشاب پاخانہ وغیرہ نہ ہو، ہاں البتہ وضو خانہ، امام و مؤذن کے رہنے کے لیے کمرے مسجد کے سامان رکھنے کی جگہ یا مسجد کی آمدنی کے لیے دکانیں وغیرہ بنالی جائیں تو اس کی گنجائش ہے اور بیت الخلاء جماعت خانہ یعنی شرعی مسجد کے حدود سے باہر کے حصے میں بنانا چاہیے، شرعی مسجد کے حدود میں نیچے اوپر بنانا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۲۸۵)

الظاهر عدم الجواز وما یأتی متنا لایفید الجواز لأن بیت الخلاء لیس من مصالحہ علی أن الظاهر عدم صحۃ جعله مسجداً بجعل بیت الخلاء تحته كما یأتی أنه لو جعل السقایة أسفله لایكون مسجداً فكذا بیت الخلاء لأنهما لیسا من المصالح تأمل. (تقریرات رافعی ملحق بالشامی مطلب: فی أحكام المسجد ۲/۸۵، کراچی ۲/۸۵)

(۳) مسجد کے جماعت خانہ کے نیچے بیت الخلاء کا ہونا درست نہیں ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزر چکا ہے، بلکہ بیت الخلاء شرعی مسجد کے حدود سے الگ ہونا ضروری ہے اوپر یا نیچے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۲۸۵)

الظاهر عدم الجواز وما یأتی متنا لایفید الجواز لأن بیت الخلاء لیس من مصالحہ علی أن الظاهر عدم صحۃ جعله مسجداً بجعل بیت الخلاء تحته كما یأتی أنه لو جعل السقایة أسفله لایكون مسجداً فكذا بیت الخلاء لأنهما لیسا من المصالح تأمل. (تقریرات رافعی ملحق بالشامی مطلب: فی أحكام المسجد ۲/۸۵، کراچی ۲/۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۲/۵ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵/صفر/المظفر ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۷۹)

## زمین وقف کرنے کے بعد اپنی ملکیت میں لینا

**سوال [۶۱۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی زمین مسجد اور مدرسہ کے لیے دیدی، اور اس میں مسجد و مدرسہ کے ذمہ داران نے تعمیر کرائی، اور اب مسجد میں پنجوقتہ جمعہ نماز ہوتی ہے پھر کسی بات کے اوپر جھگڑا ہو گیا تو وہ زمین والا کہتا ہے کہ مسجد اور مدرسہ میں تالا لگا دوں گا اب اگر وہ شخص تالا لگا دیتا ہے تو کیا اس کو اس بات کا حق ہے کہ وہ مسجد یا مدرسہ میں تالا لگائے؟ اور اگر تالا لگا دیتا ہے تو کیا اس زمین کا آخرت میں اس کو اجر ملے گا یا نہیں؟ اور جس شخص سے جھگڑا ہوا ہے اس کو مسجد میں نماز پڑھنے سے اور اس کی اولاد کو مدرسہ میں پڑھنے سے روکتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد یا مدرسہ کے لیے جو زمین دیدی ہے اور اس پر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر بھی ہو چکی ہے تو اب اس سے زید یا زید کے ورثاء کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، اگر زید بہت زیادہ حد سے تجاوز کرتا ہے اور نمازیوں سے لڑائی جھگڑے کرتا ہے اور مدرسہ میں طلبہ کو پڑھنے سے روکتا ہے تو ایسی صورت میں زید ہی کو آنے جانے سے روکا جاسکتا ہے، اور ایسے شخص کو مسجد یا مدرسہ کا ذمہ دار بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/۴۱۰، لہذا الفتاویٰ ۲/۷۰۰)

﴿وقد قال الله تعالى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا

اسْمُهُ وَسَعِيَ فِي خَرَابِهَا. [البقرة: ۱۱۴]﴾

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذي القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه

غیر متمول بہ۔ (صحیح البخاری، الوصایا، باب قول اللہ عز وجل وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

۱۴۱۷/۲/۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۶۷)

## موقوفہ زمین میں مالکانہ حقوق کسی کو حاصل نہیں ہوتے

**سوال [۷۱۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) مولانا عبدالعزیزؒ نے ۱۹۸۱ء صوفی باغ مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی۔

(۲) ۱۹۸۱ء میں مولانا عبدالعزیزؒ نے مسجد شہید کرائی اور قومی تعاون سے مسجد و صحن

کے اوپر کے حصہ میں دو منزلہ بلڈنگ کی تعمیر کرائی۔

(۳) اس نئی تعمیر کے وقت صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داروں نے تحریراً دستاویز لکھ دی

تھی کہ یہ ملکیت مسجد کی ہے صرف مسجد و مدرسہ کے استعمال میں لی جاسکتی ہے خاندان والے

نہ اس کو استعمال کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو کرایہ پر دے سکتے ہیں (اس دستاویز کی نقل سوال کے

ساتھ شامل ہے)

مسجد بلڈنگ کا کام مکمل ہوا اور مدرسہ آہستہ آہستہ چلتا رہا اس درمیان ۱۹۸۶ء میں

مولانا عبدالعزیز دیوان کا انتقال ہو گیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

(۴) ۱۹۸۶ء میں مولانا عبدالعزیز کے انتقال کے وقت مفتی سلیم صاحب ویڈ چھپا

ناظم و استاذ تھے، انہوں نے بڑے درد سے مجھ سے (سلیم چاندی والا) سے کہا کہ مدرسہ بند

ہونے کی تیاری میں ہے اور صوفی باغ کے کمیٹی کے ذمہ داران اس تعمیر کو ہوٹل چلانے کے

لیے کرایہ پر دینے کی بات کر رہے ہیں، ان کی بات سن کر میں (سلیم چاندی والا) قاری

اسماعیل صدیق صاحب سعید بھائی، حسین بھائی، سید صاحب، یعقوب بھائی اور عبداللہ بھائی

نے مل کر مشورہ کیا کہ یہ ملکیت کسی بھی حالت میں ہوٹل والے کو یا کسی اور کرایہ دار کو کرایہ پر نہ

دی جائے کیونکہ مولانا عبدالعزیز نے قوم کے روپیہ سے بلڈنگ بنائی ہے اس میں مدرسہ ہی چلنا چاہیے، الحمد للہ ایسا ہی ہوا، جس کا آج مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال مدرسہ چلتا رہا پھر مشورہ کر کے مسجد کے پڑوس کی جگہ مطبخ کے لیے خریدنے کی بات طے ہوئی، اس کے لیے عبدالرحمن ہمدرد (لاچپور) سے بات کر کے ۶۵۰۰۰ روپیہ پکڑی طے کر کے ان کو نقد دے کر قبضہ حاصل کیا، لیکن کرایہ کی رسید کے بارے میں اختلاف ہوا، وہ مدرسہ کے نام سے بنانے سے منع کر رہے تھے اور سلیم بھائی کے نام سے بنانا چاہتے تھے، ہم اس بات پر متفق نہ ہوئے، کیونکہ یہ تو قوم کے روپیہ کی ملکیت ہے اس لیے مدرسہ کے نام سے کرایہ رسید بنی چاہیے، ۱۹۹۰ء میں مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے کرایہ رسید بنی، اور ۲۰۰۰ء میں مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے رجسٹر بھی ہو چکا۔

۱۹۸۶ء کے سال میں مفتی سلیم صاحب ناظم تھے اس وقت طلبہ کی تعداد ۱۷۱ تھی، اور ۳۱ استادہ تعلیم میں مشغول تھے، مفتی صاحب نے خود بھی چندہ کیا تھا اس طرح ۱۹۸۶ء کا سال ختم ہوا۔ (۵) ۱۹۸۷ء میں مفتی سلیم صاحب، سید صاحت، حضرت حسین بھائی، اور یعقوب بھائی نے مل کر اس سال کے لیے چندہ کیا اس وقت طلبہ کی تعداد ۳۰ تھی، لیکن اسی سال مفتی سلیم صاحب لندن چلے گئے، ان کی جگہ مولانا یوسف بودیات کو ناظم بنا دیا گیا۔

(۶) ۱۹۸۷ء کے بجٹ کے لیے میں (سلیم چاندی والا) سعید بھائی، قاری اسماعیل وغیرہ ۱۰ ممبروں نے ۵۰۰۰، ۵۰۰۰ روپیہ لیے، اس وقت طلبہ کی تعداد ۳۵ تھی اسی سال مولانا یوسف صاحب بودیات مدرسہ سے علاحدہ ہوئے ان کی جگہ قاری اسماعیل کو ناظم بنایا گیا۔ (۷) ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور رہائش کے لیے تنگی محسوس ہونے لگی تو میں (سلیم چاندی والا) اور قاری اسماعیل نے مل کر چندہ کیا اور مسجد کے صحن کے اوپر تیسری منزل کی تعمیر کرائی اس کا کرایہ مدرسہ آج تک صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داروں کو ادا کر رہا ہے۔

(۸) مطبخ سے متصل جگہ جو صوفی باغ کی کمیٹی کی ہے وہ ہندو گھاٹی والے کے



قبضہ میں تھی، ہم نے ان سے بات کر کے ۱۹۹۱ء میں ۲ لاکھ روپیہ چندہ کر کے پگڑی دے کر لے لی، اس جگہ کا نام بھی مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے کرایہ رسید بنی اور آج تک صوفی کمیٹی کے ذمہ داران کرایہ وصول کر رہے ہیں۔

مطبخ سے متصل جگہ جسے ہندو گھاڑی والے بھائی سے پگڑی دے کر لی تھی، ان کے اوپر کے حصہ کا قبضہ سو پرہ ہوٹل کے مالک کمال بھائی نے ۵۰۰۰ (پانچ ہزار) دے کر صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داران سے پگڑی دے کر لیا تھا۔

اس کے بعد میں خود (سلیم چاندی والا) اور قاری اسماعیل، عبداللہ بھائی، یعقوب بھائی، اور سید صاحب نے مل کر سو پرہ ہوٹل کے مالک کمال بھائی کے ساتھ مشورہ کر کے کمال بھائی سے اوپر کے حصہ کا حق ۵۰۰۰ (پانچ ہزار) روپیہ دے کر مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام حاصل کر لیا، بعدہ کمال بھائی نے ۵۰۰۰ روپے لے کر مدرسہ میں لٹد دیدیئے۔ اوپر لکھی ہوئی تفصیل پڑھ کر شرعی فیصلہ دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

## پانچ پانچ روپے کے اسٹام پیپر پر لکھا ہوا اقرار نامہ

ہم نیچے دستخط کرنے والے ”حضرت شاہ صوفی سلیمان بن حافظ احمد دیوان ٹرسٹ“ کے ارکان ٹرسٹ:

- |                               |        |
|-------------------------------|--------|
| (۱) مولوی عبدالحق میاں        | سملک   |
| (۲) مولوی عبدالعزیز ایم دیوان | لاچپور |
| (۳) عبدالاحد عبدالحفیظ صوفی   | لاچپور |
| (۴) عبدالجبار محمد سعید صوفی  | لاچپور |
| (۵) شبیر احمد عبدالصمد صوفی   | لاچپور |

اس تحریر سے ہم واضح کرتے ہیں کہ ”صوفی باغ“ اسٹیشن کے سامنے، سورت میں مذکورہ ٹرسٹ کی زمین میں ایک مسجد اور درگاہ ہے، جو ممبئی ٹرسٹ ایکٹ ۱۹۵۰ء کے تحت

سورت نمبر ۸۶۹ سے رجسٹر کیا گیا ہے۔

مذکورہ مسجد شہید کر کے از سر نو ۱۹۸۱ء میں تعمیر کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اس کا صحن اور اوپر پہلا اور دوسرا منزلہ بھی تعمیر کیا گیا ہے، مذکورہ ملکیت (جواز سر نو تعمیر ہوئی ہے) صرف مسجد کی ہے جس کو صرف مسجد و مدرسہ ہی کے استعمال میں لیا جاسکتا ہے، مذکورہ ملکیت کی کوئی بھی جگہ یا کمرے دوسری کسی استعمال میں یا خاندان کے لوگوں کو یا دوسرے کسی بھی اشخاص کو رہنے کے لیے یا دوسرے کسی بھی مقصد کے لیے کرایہ پر نہیں دی جاسکتی، اور اس میں کسی کو بھی مع فیملی رہائش کا حق نہیں دیا جاسکتا۔

دستخط ارکان ٹرسٹ :

سورت ریلوے اسٹیشن کے قریب حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان لاجپوریؒ کے زمانہ سے صوفی باغ مسجد و مدرسہ چل رہا تھا اور فی الحال بھی جاری ہے، لیکن حضرت کے زمانہ میں کبھی جاری رہتا تو کبھی حالات سے دوچار ہو کر بند ہو جاتا تھا اس طرح ایک مدت تک رہا، اخیر میں یعنی ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا عبدالعزیز دیوان لاجپوریؒ کے انتقال کے بعد صوفی ٹرسٹ کے ذمہ داران اس ملکیت کو ہٹل چلانے کے لیے کرایہ پر دینا چاہتے تھے اس کی خبر ہوتے ہی (سلیم چاندی والا) قاری اسماعیل، محمد صدیق (معروف بہ حضرت) سعید بھائی، حسین بھائی، سید صاحب، یعقوب بھائی اور عبداللہ بھائی سب نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اس ملکیت کو کسی بھی طرح کرایہ پر نہ دی جائے، اور الحمد للہ اس کام میں وہ کامیاب نہ ہو سکے، لیکن ہم نے خوب محنت سے چندہ کر کے مدرسہ کو آگے بڑھا یا یہاں تک کہ فی الحال ۱۲۰۰/ طلبہ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے اساتذہ کی ایک بڑی جماعت رات، دن جفاکشی میں لگی ہوئی ہے، مدرسہ ہماری نگرانی میں آنے کے بعد آج تک ۶۷ حفاظ، ۱۰۸ قاری، ۳۸ عالم بنے ہیں۔

مختصراً مسجد و مدرسہ ویران نہیں ہے بلکہ برابر دینی کام میں لگا ہوا ہے، موجودہ ترقی و چمک و دمک کو دیکھ کر صوفی صاحب کے خاندان والے اس ملکیت کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ یہ تو

ہمارے خاندان کی ملکیت ہے، ہمیں واپس کی جائے تو کیا اس حالت میں مسجد و مدرسہ کی ملکیت کے مطالبہ کا حق انہیں حاصل ہے؟ حالانکہ قوم کے روپیہ سے بنی ہوئی اس ملکیت کا آج تک ہم کرایہ ادا کر رہے ہیں اور کرایہ کی رسید بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

ہم ذمہ داران جو اس وقت تھے آج تک مل کر کام کر رہے ہیں، اور ہم نے اپنی کوئی غرض اور کوئی ذاتی مفاد حاصل نہیں کیا ہے، حتیٰ کہ تنخواہ کی کوئی رقم تک نہیں لی، صرف ایک دینی کام سمجھ کر تن، من و دھن سے اور پورے ذوق و شوق اور محنت سے کام کیا تھا، اور کر رہے ہیں، استفتاء کا جواب دیکر ممنون و شاکر فرمائیں اور عند اللہ اجر و ثواب پائیں؟

نوٹ: مولانا عبد العزیز کے انتقال کے بعد کی پوری تفصیل اور دستاویز اس کے ساتھ شامل ہیں۔

المستفتی: بھائی سلیم چاندی والا، مدرسہ اسلامیہ وقف سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد اور مدرسہ جس جگہ پر قائم ہیں وہ جگہ اگر وقف کی ہے یا مسلمانوں کے چندہ سے مسجد اور مدرسہ قائم کیے گئے ہیں تو مسجد تو ہمیشہ ہمیش کے لیے وقف علی اللہ ہوتی ہے اس کو ملکیت یا کسی اور چیز میں تبدیل کرنا اس میں مالکانہ حقوق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، اور جو مدرسہ قوم کے چندہ سے تعمیر کیا گیا ہے وہ بھی قومی وقف کے حکم میں ہے اس پر بھی وراثت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، نیز اگر صوفی خاندان کے لوگ صرف انتظام ہاتھ میں لینے کے لیے کوشاں ہیں اور موجودہ حالات میں جو لوگ انتظام سنبھال رہے ہیں ان کے ذریعہ سے مدرسہ اور مسجد کی ترقی ہو رہی ہے اور ان کی طرف سے کوئی خیانت اور بد نظمی بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں صوفی خاندان کے لوگوں کے لیے نظام اپنے ہاتھ میں لینے کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے، سو النامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ اس ملکیت کا کرایہ ادا کیا جا رہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ صوفی خاندان کی ملکیت ہے، اور انہیں کرایہ ادا کیا جا رہا ہے اور انہیں سے کرایہ کی رسید لی جاتی ہے، یا کسی دوسرے لوگوں کی ملکیت

ہے اور انہیں کرایہ ادا کیا جاتا ہے، یہ بات واضح نہیں ہو پائی اس لیے اس سلسلے میں کچھ لکھنے سے معذرت خواہ ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۳۵۵)

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمنغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذي القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴، وهكذا فى الصحيح المسلم، الوصية، باب الوقف، النسخة الهندية ۲/۴۱، رقم: ۱۶۳۲)

فإذا تم و لزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، وتحتة فى الشامية: لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك أى لا يقبل التملك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تملك الخارج عن ملكه. (شامى كتاب الوقف زكريا ديوبند ۶/۵۳۹، كراچى ۴/۳۵۱-۳۵۲)

رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوما أن يصلوا فيها بجماعة أبدا أو أمرهم بالصلاة مطلقا ونوى الأبد ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجدا لو مات لا يورث عنه. (هنديہ، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به، زكريا قديم ۲/۲۵۵، جديد ۲/۴۰۹، المحيط البرهاني، المجلس العلمى ۹/۱۲۵، رقم:

۱۳۳۸، الفتاوى التاتارخانية زكريا ۸/۱۵۷، رقم: ۱۴۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالى أعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

۱۴۳۱/۱۲۳

(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۶۴/۳۸)

وقف تام ہونے کے بعد واقف کے رشتہ دار کا غاصبانہ طور پر فائدہ اٹھانے سے متعلق مختلف احکام

**سوال [۶۱۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی ریاض الاسلام صاحب مرحوم نے اپنی ایک بڑی جائیداد کو باقاعدہ سرکاری کاغذات پر تحریر کرا کر وقف کر دیا تھا، اور تحصیلدار کیرانہ کے یہاں رجسٹر کرا دیا تھا، جس کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے پاس موجود ہے جس میں یہ بھی تحریر ہے کہ اس وقف کا متولی و منتظم میں خود (حاجی ریاض الاسلام) رہوں گا، اور اپنی وفات کے بعد ان کی بیوی مسماۃ ام کلثوم متولیہ ہوں گی ان کے بعد پانچ اشخاص جن کے نام تحریر کر دیئے گئے تھے، ان پانچ اشخاص میں سے ایک صاحب شیخ نثار احمد صاحب کو منیجر کے طور پر رکھا گیا تھا، ہوا یہ کہ حاجی ریاض الاسلام کے انتقال کے بعد ۱۹۶۵ء میں ہو گیا تھا، منیجر صاحب نے دفتر سنی سینٹر حال بورڈ سے اس وقف کی فائل بھی ختم کرا کر ضلع مظفر نگر میں اس وقف کو بھی ختم کرنے کی اپیلیں دائر کیں اور اس میں بھی وہ کامیاب ہو گئے اور ابھی تک اس وقف میں ملکیت جاری ہے لیکن قصبہ کے کچھ اشخاص کے علم میں جب یہ بات آئی کہ یہ وقف پر اپڑی ہے انہوں نے کوشش کر کے میرٹھ محافظ خانہ سے اصل وقف نامہ نکلوایا جس پر بطور گواہ مولوی محمد طاہر اور قاضی مسعود اور منشی سبحان بیگ کے دستخط موجود ہیں، ۱۹۶۶ء میں مولوی شبیر احمد صاحب نے اس کے لیے سنی سینٹرل بورڈ میں پھر اس وقف کے لیے درخواست کی جس پر اس وقت کے صدر جناب شوکت حمید مرحوم نے شیخ نثار احمد کو منیجر کے عہدہ سے ہٹا کر مولوی شبیر احمد کو منیجر مقرر کر دیا اور واقف کی ہدایت کے مطابق خالی جگہوں کو اس طرح پُر کیا:

(۱) مولانا اسعد اللہ صاحب، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۲) مولانا احتشام الحق کاندھلہ

(۳) مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلہ

(۴) مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، اس لمبی تحریر کے

بعد آپ سے ان امور کا جواب مطلوب ہے؟

(۱) واقف کے وقف کر دینے کے بعد کیا خود واقف کو یا نامزد متولیوں میں سے کسی کو

اس وقف کو ختم کر دینا یا کر دینا جائز ہے؟

(۲) اس وقف پر بطور ملکیت قبضہ جمائے رکھنا جائز ہے یا نہیں اور اس کی آمدنی کو اپنے

اور اپنی اولاد کے نیز اپنی اولاد کی شادی بیاہ میں خرچ کرنا اور حضرات علماء و صلحاء کو طعام الوالیئم نام رکھ کر بلانا اور ان علماء کو معلوم ہونے پر اس میں شرکت کرنا اور کھانا وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قصبہ کے اشخاص کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: صوفی جلال الدین ادارہ اصلاح امت یوپی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) جب حاجی ریاض الاسلام صاحب نے اپنی

جائیداد کو وقف کر دیا اور شرعی طور پر وقف تام اور لازم بھی ہو گیا تو وہ وقف شدہ زمین تا قیامت وقف ہی رہے گی اور خود واقف یا متولیوں میں سے کسی کے لیے بھی اس وقف کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ،

وكان يقال له ثمنغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنى استغدت مالا

وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله،

لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته

تلک فی سبیل اللہ وفی الرقاب والمساکین والضعیف وابن السبیل ولذی

القربی، ولا جناح علی من ولیه أن يأکل منه بالمعروف أو یؤکل صدیقہ

غیر متمول بہ. (صحیح البخاری، الوصایا، باب قول اللہ عز وجل وابتلوا الیتامی حتی

إذا بلغوا النکاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

فإذا تم و لزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن، وتحتہ فی

الشامیة: لا یكون مملوکا لصاحبه ولا یملک أی لا یقبل التملیک لغيره

بالبیع ونحوہ لاستحالة تمليک الخارج عن ملكه ولا يعار ولا يرهن لا قبضاء

هما الملك. (شلمی، کتاب الوقف، زکریا دیوبند ۶/۵۳۹، کراچی ۱/۴-۳۵۲-۳۵۲)

فیزول ملک الواقف عنه إلى الله تعالى علی وجه تعود منفعتہ إلى

العباد فیلزم ولا یباع ولا یوهب ولا یورث. (هدایہ، اشرفی دیوبند ۲/۶۳۷)

وإذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تمليکہ. (هدایہ، اشرفی دیوبند ۲/۶۴۰)

(۲) اس وقف میں بطور ملکیت قبضہ جمائے رکھنا اور اس کی آمدنی کو اپنے یا اپنی اولاد

کے اخراجات میں صرف کرنا ناجائز اور حرام ہے ایسا کر نیوالا شخص شرعاً غاصب ہے اس پر لازم ہے کہ وہ وقف کی جائیداد واپس کر دے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۸۱، ڈائجیل ۱۵/۲۵۹)

و ذکر ظہیر الدین فی فتاویہ أن الفتوی فی غصب العقار والدور

الموقوفة بالضمنان، وإن الفتوی فی غصب منافع الوقف بالضمنان.

(شامی، کتاب الغصب، قبیل مطلب شرعی دار و سکھہ ..... زکریا دیوبند ۹/۲۷۲، کراچی

۱۸۶/۶، ہندیہ، الباب التاسع فی غصب الوقف، زکریا قدیم ۲/۴۴۹، جدید ۲/۴۰۵)

اور اس آمدنی سے کی جانے والی شادی بیاہ میں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ شخص ظلماً ہی ہوئی

وقف کی آمدنی سے شادی بیاہ کر رہا ہے، شرکت کرنا اور اس کے یہاں کھانا کھانا درست نہیں ہے۔

لا یجیب دعوة الفاسق المعلن لیعلم أنه غیر راض بفسقه و کذا

دعوة من كان غالب ماله من حرام مالم یخبر أنه حلال وبالعکس یجیب

مالم یتبین عنده أنه حرام. (ہندیہ، کتاب الکراهة، الباب الثانی عشر فی الہدایا

والضیافات، زکریا قدیم ۵/۴۳۳، جدید ۵/۳۹۷، الموسوعة الفقہیة الکویتیة ۳۶/۱۲۲)

(۳) قصبہ کے مذکورہ اشخاص کا کوشش کر کے محافظ خانہ سے وقف نامہ کی اصل نکلوانا تاکہ

وقف کی اصلیت ثابت ہو جائے درست ہے، اور وقف کی اصلیت ثابت ہو جانے کے بعد اس میں

خورد برد کرنے والے لوگ گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: املا الفتاویٰ ۲/۵۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

۱۴۲۵/۳/۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۷۴/۳۷)

صدقہ جاریہ کی رقم سے تعمیر شدہ عمارت کو منہدم کر کے اس میں کاشت کرنے کا حکم

**سوال [۷۶۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ اصحاب خیر نے صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب برائے مرحومین دینی تعلیم گاہوں کی تعمیر کے لیے ایک معتد بہ رقم ذمہ داران مدرسہ کو دی ان ذمہ داران مدرسہ نے ابتداءً تو تعمیر شروع کر دی مگر بعد ازاں نہ صرف تعمیر کا ارادہ ترک کیا بلکہ اس ادھوری تعمیر کو صفحہ ہستی سے مٹا کر اس پر کاشت شروع کر دی، تو کیا بغیر ان اصحاب خیر کی اجازت اور علم میں لائے ایسا کرنا درست ہے؟ اس صورت میں صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب ثابت رہیں گے یا منقطع ہو جائیں گے، اگر ثابت رہیں گے تو قرآن و حدیث سے واضح فرمائیں اور اگر منقطع ہوتے ہیں تو ذمہ دار کون ہوگا؟

المستفتی: عبد الوہاب ٹانڈہ بادی، حاجی پورہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** صدقہ جاریہ اور مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے دینی تعلیم گاہوں کی تعمیر کی غرض سے جو معتد بہ رقم ذمہ داران مدرسہ کو دی گئی ہے اس رقم کو صدقہ جاریہ ہی پر خرچ کرنا ذمہ داران مدرسہ کو لازم ہے اور مدرسہ میں درس گاہ اور کمرہ کی تعمیر کر کے اس میں دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو یہ صدقہ جاریہ کی ایک قسم ہے، لہذا تعمیر کو صفحہ ہستی سے مٹا کر جس نے اس پر کاشت شروع کر دی ہے اس نے صدقہ جاریہ کو ختم کر دیا ہے لہذا اس پر لازم ہے کہ جس صدقہ جاریہ کے لیے رقم دی گئی ہے اسی میں وہ رقم خرچ کریں یا اتنی رقم اس کو واپس کر دیں جس نے یہ رقم دی ہے، ورنہ خائن اور سخت گنہگار ہوں گے، اور عند اللہ مؤاخذہ ہوگا۔

وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان  
فلا يملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکوٰۃ، زکریا دیوبند ۱۸۹/۳، کراچی ۲۶۹/۲)

رجل جمع مالا من الناس لينفقه في عمارة المسجد فأنفق من تلك

الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلك



فإن فعل فإن عرف صاحب ذلك المال رد المال عليه أو سأله تجديد الإذن فيه. (الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل الحادی والعشرون، زكريا ۸/۱۹۸، رقم: ۱۱۶۲۹، المحيط البرهانی، المجلس العلمی جدید ۹/۱۵۳، رقم: ۱۱۴۵۰، ہندیہ، الباب الثالث عشر زكريا قديم ۲/۴۸۰، جدید ۲/۴۲۰) قط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
کیم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۴۵)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
کیم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

## والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر جائیداد سے اپنی ضرورت پوری کرنا

**سوال [۶۱۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک بوڑھا بے روزگار ہوں اور میں اپنے ایک لڑکے کے ساتھ رہ رہا ہوں، گذشتہ سال اس لڑکے کی ٹانگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے آمدنی اس قدر قلیل ہو گئی ہے کہ اس کے بچوں کے لیے گذراوقات دشوار ہو گئی، چند روز سے ہینڈ پمپ بھی خراب ہو گیا اس کی درستی کے لیے ۱۵۰۰ روپیہ درکار ہیں، میری والدہ مرحومہ نے ایک جائیداد وقف علی الخیر چھوڑی ہے کیا میں اس میں سے یہ ضرورت پوری کر سکتا ہوں؟ اس سلسلے میں شریعت کے حکم سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: سردار خاں محلہ طویلہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مسئلہ میں اگر وقف علی الخیر سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً موقوفہ جائیداد سے غرباء و مساکین کی ضرورت پوری کی جائیگی تو ایسے خستہ اور نازک حالات کی بنا پر آپ اپنی والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر کی آمدنی سے مذکورہ ضرورت پوری کر سکتے ہیں، اس لیے کہ اس وقت آپ بھی فقراء میں شامل ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۲۵۷، جدید مطول ۹/۴۱۷)

فإن احتاج بعض قرابته أو بعض ولده إلى ذلك الوقف في الصحة

فہمنا أحكام أحدها أن صرف الغلة إلى فقراء القرابة أولى فإن فضل منها شئ يصرف للأجانب. (ہندیہ، کتاب الوقف الباب، الثامن زکریا قدیم ۲/۳۹۵، جدید ۲/۳۷۲، الفتاویٰ التاتاریخانیہ زکریا ۸/۱۱۲-۱۱۳، رقم: ۱۱۳۵۸-۱۱۳۵۹، المحيط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۷۸، رقم: ۱۱۲۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
کیم ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۶۰/۳۵)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۱/۴/۱۵ھ

## وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہنے کا حکم

**سوال [۷۶۱۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محکمہ شرعیہ مدرسہ فرقانیہ گوئڈہ میں ایک استفتاء بشکل عرضی دعویٰ داخل ہوا ہے اس کا فوٹو کاپی مع دستاویزات کے روانہ ہے، چند چیزیں محل بحث ہیں امید ہے کہ ساری جزئیات کو متفق کر کے مع ادلہ وحوالہ جات کے جواب تحریر فرمائیں گے۔

(۱) موصلی نے اپنے دستاویزات میں جو عبارت تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد قدیم کے حق میں وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہ بعد میری وفات کے مسجد مذکور، مکان مذکور کی مالک کامل ہوگی، اس طرح کی تعبیر کہ ”وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں“ میں وقف اور وصیت دونوں لفظ موجود ہیں اور بعد میری وفات کے یہ لفظ بھی موجود ہے تو یہ وقف ہے یا وصیت ہے؟

(۲) اور ان دونوں شکلوں میں موصلی کی جانب سے شرط لگانا شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ شرط کی تفصیل بھی دستاویز میں موجود ہے؟

(۳) اگر وصیت ہے تو کیا پورے مکان کی وصیت کو تسلیم کیا جائیگا کیونکہ دستاویز اہلیہ کی رضامندی سے تحریر ہے یا یہ رضامندی غیر معتبر ہے، وصیت صرف ایک ٹلٹ مکان میں واقع ہوگی اور باقی دو ٹلٹ میں وارثین کا حصہ ہوگا یا نہیں؟

(۴) دوثلث تقسیم کرتے وقت کیا اہلیہ اور لڑکی دونوں کا حصہ ہوگا یا صرف لڑکی کا حصہ ہوگا، کیونکہ اہلیہ کی طرف سے دست برداری کا دستاویز ہے، کیا اس کو اپنے حق سے دست برداری پر محمول کیا جائیگا، اگر دونوں کا حصہ ہوگا تو کتنا کتنا ہے، اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے اب صرف لڑکی موجود ہے؟

(۵) اگر وقف ہے تو اس شکل میں پورا مکان موقوف ہوگا یا وارثین کا حصہ اس شکل میں بھی لگے گا؟

(۶) وقف اور وصیت کے مابین فرق کیا ہے؟ دینے والے کی تحریر کو آسانی سے وقف یا وصیت پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

(۷) اگر موت کے ساتھ واقف نے تعلق کر دی ہے تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں اور یہ وقف ہی ہے یا موت کے ساتھ تعلق کے پائے جانے کی وجہ سے وصیت ہو جائیگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف اور وصیت میں تضاد نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک امر میں جمع ہو سکتے ہیں، لہذا مذکورہ معاملہ میں وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کے الفاظ سے ثلث ملکیت کے اندر وقف اور وصیت دونوں صحیح ہو چکی ہیں۔

الوقف علی ثلاثة أوجه إما أن يكون في الصحة أو في حالة المرض أو وقف بعد الموت فما كان في الصحة فالقبض والإفراز يكون شرطاً لصحته كالهبة وما كان بعد الموت فالقبض والإفراز ليس بشرط لصحته لأنه وصية إلا أنه يعتبر من الثلث وما كان في حالة المرض فحكمه حكم الوقف في الصحة. (قاضیخان، کتاب الوقف فصل فی وقف المريض، زکریا جدید

۳/۲۲۱، وعلی هامش الہندیۃ ۳/۳۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۷/رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

۱۴۱۶/۷/۲۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۵۵۲)

## کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام وقف کی آمدنی کا حکم

**سوال [۷۶۲۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک جائیداد کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے وقف ہے ہندوستان میں واقع ہے اس وقف کی آمدنی کبھی بھی مذکورہ جگہوں پر خرچ نہیں ہوئی اور نہ فی زمانہ خرچ ہونے کی ضرورت اور شکل ہے، اس وقف کا متولی اس کی آمدنی کنجڑوں والی مسجد میں صرف کیا کرتا ہے، تو کیا شرعاً ایسی مجبوری کی حالت میں کہ مکہ و مدینہ اس کی آمدنی پہنچانا دشوار گزار کام ہے اس کی آمدنی ہندوستان کی دیگر مساجد میں صرف کی جاسکتی ہے؟

(۲) ایک وقف شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک ہے، کنجڑوں والی مسجد کے ایک نمازی جو کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی والے وقف کے متولی ہیں ان کا کہنا ہے کہ سوال (۱) کی موقوفہ جائیداد کو شاہی مسجد اپنی تولیت میں لے لے، اور اس کی تمام آمدنی شاہی مسجد میں خرچ کر لے، اور جو اس سوال (۲) میں مشترک وقف ہے وہ کنجڑوں والی مسجد کے لیے مکمل دیدے تا کہ اس کی تمام آمدنی کنجڑوں والی مسجد میں خرچ کریں تو کیا شرعاً ایسا کرنا صحیح اور درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) جو جائیداد کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے ہندوستان میں وقف ہے اس کی آمدنی کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے واقف کی غرض اور شرائط کے مطابق کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے، اور یہ کہنا درست نہیں کہ فی زمانہ مذکورہ جگہوں میں خرچ کرنے کی ضرورت اور شکل نہیں ہے، اس لیے کہ جس زمانہ میں واقف نے کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام سے وقف کیا تھا اس زمانہ میں وہاں پر آمدنی پہنچانا آج کل کے مقابلہ میں بہت دشوار تھا، اور آج کے زمانہ میں وہاں پہنچانا کوئی مشکل اور دشوار نہیں، ہر مہینے میں آمد و رفت ہے، خاص کر شعبان رمضان میں عمرہ کو جانے والے اور پھر ذیقعدہ سے حجاج کرام کا تانتا لگ جاتا ہے، اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں خرچ کرنے کا

آسان طریقہ یہ ہے کہ حرمین کے متصل قرآن کریم کے مکتبات ہیں ان مکتبوں سے قرآن کریم خرید کر انہیں مکتبوں سے وقف اللہ کی مہر لگوا کر مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بسہولت رکھا جاسکتا ہے، اور لوگ اس طرح رکھتے ہیں، دنیا بھر کے لوگ ان قرآن کریم میں تلاوت کرتے رہتے ہیں، اسلئے آج تک کی جو آمدنی وہاں نہیں خرچ کی گئی ہے یہ ذمہ دار اور متولی کی طرف سے خیانت اور لاپرواہی ہے، لہذا ان جائیداد کی آمدنی کو حرمین میں نہ بھیج کر ہندوستان کی دیگر مساجد میں خرچ کرنا غرض واقف اور شرط واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

شرط الواقف كنص الشارح ..... إن عزل القاضی للخائن واجب عليه ومقتضاه الإثم بتركه والإثم بتولية الخائن. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل، دار الكتب العلمية بیروت ۶/۲، ۶۰۲، مصری قدیم ۱/۷۵)

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، مطلب:

غرض الواقفین واجبة، زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۵)

(۲) جو جائیداد شاہی مسجد اور کچڑوں والی مسجد کے لیے مشترک وقف ہے اس کو اسی طریقے سے شاہی مسجد اور کچڑوں والی مسجد کے لیے مشترک باقی رکھنا لازم اور ضروری ہے، اور اس کی آمدنی دونوں مسجدوں کے لیے جس مقدار اور شرط کے ساتھ خرچ کرنے کے لیے واقف کی ہدایت ہے، اسی مقدار اور شرط کے مطابق عمل کرنا ذمہ داروں پر لازم ہے، اگر اس کے خلاف کریں گے تو وہ ذمہ دار خائن ہوں گے، اور مستحق تولیت نہیں رہیں گے، اور جو سوانامہ میں مسجد حرام اور مسجد نبوی کے موقوفہ جائیداد کو مشترک طور پر شاہی مسجد اور کچڑوں والی مسجد کے لیے مکمل دینے کی جو بات کہی گئی ہے وہ شرعی طور پر جائز نہیں ایسا کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

شرط الواقف كنص الشارح فی وجوب العمل به فیجب اتباع شرائط الواقفین فی أوقافهم. (قواعد الفقہ اشرفی ص: ۸۰، شامی مطلب: فی قولہم شرط الواقف كنص الشارح زکریا ۶/۶۴۹، کراچی ۴/۳۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ صفر ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۱۹/۳۶)

## متعینہ مصارف پر صرف کرنا لازم ہے

**سوال [۶۲۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب رقم دیتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں پر صرف کر دیں تو کیا وصول کرنے والا شخص جس کو مزکی نے دی ہے اور مصارف متعین کیے ہیں، یہ رقم مدرسہ میں دے سکتا ہے، جبکہ خود مزکی نے مصارف متعین کر دیئے ہیں، ایسی صورت میں اگر وصول کرنے والا مدرسہ میں دے تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب صاحب خیر نے مصرف متعین کر دیا ہے تو اس متعین مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوتا ہے اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو خیانت ہو جائے گی اور اپنی جیب سے اس مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوگا، مدرسہ کو دینا بھی جائز نہ ہوگا بلکہ اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے، جہاں خرچ کے لیے متعین کیا گیا ہے۔

رجل جمع مالا من الناس لينفقہ في عمارة المسجد فانفق من تلک الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلک.

(الفتاویٰ التاتاریخانیة، الفصل الحادی و العشرون، زکریا ۸/۱۹۸، رقم: ۱۱۶۲۹)

شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به. (الدر مع الرد، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع،

زکریا دیوبند ۶/۶۴۹-۶۵۰، کراچی ۴/۳۶۶)

مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۲۰۳)

## واقف کی شرط کا حکم

**سوال [۶۲۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد مرحوم نے ایک پلاٹ مسجد کے لیے وقف کیا تھا جس پر مسجد تعمیر ہو چکی اس سے متصل ایک پلاٹ مسجد سے مشرق کی جانب مدرسہ کے لیے وقف کیا اس سے کچھ دوری پر ایک پلاٹ شادی ہال کے لیے وقف کیا آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع بہت ضروری ہو گئی، مسجد کے آگے پیچھے دائیں بائیں کوئی جگہ ایسی نہیں جس کو خرید کر مسجد کی توسیع میں شامل کر سکیں، محراب کی جانب اور دائیں بائیں روڈ ہے اور مشرق کی جانب مدرسہ کی زمین ہے جس پر ابھی مدرسہ قائم نہیں ہوا ہے مرحوم کے ورثاء جوان اوقاف کے منتظم ہیں، انہوں نے باہمی اتفاق سے یہ طے کیا کہ مدرسہ کی زمین اس مجبوری کی وجہ سے مسجد کی توسیع میں شامل کر لی جائے اور واقف کے دوسرے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مدرسہ کو اس کے عوض میں شادی ہال کی زمین دیدی جائے کیونکہ مدرسہ شادی ہال کے وقف کے مقابلہ میں اعلیٰ ترین وقف ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بستی میں کئی شادی ہال موجود ہیں، اور یہ زمین شادی ہال کے لیے ناکافی بھی ہے پھر واقف کی دوسری زمین جس میں عید گاہ قائم ہے اس میں شادی وغیرہ بھی ہوتی ہے جس سے واقف کے شادی ہال کا مقصد اس جگہ سے پورا ہو جا رہا ہے، اور شادی ہال کے نام سے وقف زمین معطل (بیکار) پڑی ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا اعذار کی وجہ سے اس میں اگر مدرسہ قائم کیا جائے جو کہ شادی ہال کی بہ نسبت اعلیٰ ترین وقف ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے، یا اس کے علاوہ کوئی متبادل شکل ہو تو رہنمائی فرمائیں، واضح رہے کہ واقف نے دستور العمل میں یہ لکھا ہے کہ جو جگہ میں نے جس کام کے لیے وقف کی ہے کسی کو اسے بیچنے ہبہ کرنے اور بدلنے وغیرہ کا اختیار نہیں ہے، مستحکم جواب سے نوازیں۔

المستفتی: اراکین مسجد ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** واقف نے دستور العمل میں صاف وضاحت کے ساتھ اس بات کی شرط لگائی ہے کہ شادی ہال کی جگہ پر شادی ہال ہی بنانا ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں اور مدرسہ کی جگہ پر مدرسہ ہی بنانا ہے اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں، اس لیے مدرسہ کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے مدرسہ کو شادی ہال کی جگہ منتقل کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ شادی ہال کی جگہ شادی ہال ہی بنانا ضروری ہوگا، چاہے شادی ہال چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه. (كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، زكريا ديوبند ۶/۷۳۵، كراچي ۴/۹۵، البحر الرائق كتاب الحواله، باب كتاب القاضي الى القاضي وغيره، كوئٹہ ۷/۱، زكريا ديوبند ۷/۲۴) **أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة.** (شامی، زكريا ديوبند ۶/۶۶۵، كراچي ۴/۴۴۵)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى. (شامی، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه، زكريا ديوبند ۶/۵۵۱، كراچي ۴/۳۵۱) وقد علم منه أنه لا يجوز لمتولى الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الواقفين للآخر. (البحر الرائق زكريا ديوبند ۵/۳۶۲، كوئٹہ ۵/۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۲/۵/۱۴۲۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۰۳)

**واقف کی شرائط کو پورا کرنے کا حکم**

**سوال [۶۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے سوال برائے فرائض شرعی آمدنی موقوفہ حاجی کلن مرحوم کے جواب مورخہ



۱۸/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ میں آپ نے سہامات قائم کیے ہیں اب چونکہ ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء کو نور جہاں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے ایک دختر مسماة بدر النساء چھوڑی ہے لیکن وقف نامہ اولاً ۱۹۳۲ء کی دفعہ ۹ کے تحت اس کو صرف اس کی زندگی تک ہی مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے، ایسی صورت میں اس کے ۱۰۵ سہام کس کس میں کس طرح تقسیم ہوں گی؟

المستفتی: عبدالرحمن شیخ سرائے محمود، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جب واقف نے یہ شرط لگائی ہے کہ نور جہاں کو وقف کی آمدنی میں سے صرف اس کی زندگی تک فائدہ اٹھانے کا حق ہو سکتا ہے اس کے بعد اس کے ورثاء کی طرف آمدنی کا حق منتقل نہ ہوگا، لہذا واقف کی شرط کی رعایت کرتے ہوئے نور جہاں کے انتقال کے بعد آمدنی میں سے جو حصہ نور جہاں کو مل رہا تھا وہ اس کی دختر بدر النساء کی طرف منتقل نہ ہوگا، بلکہ بقیہ شرکاء کے حصوں کے ساتھ منضم ہو جائے گا، کیونکہ مسئلہ وقف میں واقف کی شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع الخ. (شامی، مصری ۳/۴۶۱، کراچی

۴/۳۶۶، زکریا ۶/۶۴۹)

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، مصری ۳/۴۶۱، کراچی

۴/۴۵۰، زکریا ۶/۶۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴/رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

۱۴۱۶/۷/۲۴

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۵۵۱)

**واقف کی غرض کے خلاف وقف کے استعمال کا حکم**

**سوال [۷۶۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ منشی محمد ابراہیم مرحوم نے اپنی جائیداد واقع محلہ مغلو شاہ نجیب آباد ضلع بجنور

مدرسہ اسلامیہ عربیہ امداد العلوم محلہ مغلو شاہ نجیب آباد ضلع بجنور، کو یہ کہہ کر دی تھی کہ اس عمارت میں لڑکیوں کی دینی تعلیم ہونی چاہیے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو روز قیامت ذمہ دار لوگوں کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا، مندرجہ بالا بات کی تصدیق محلہ کے چار لوگوں نے تحریری طور پر کی ہے، تصدیق کرنے والوں میں جناب عبدالرحمن صاحب مدرسہ کے نائب مہتمم ہیں اور بشیر احمد صاحب مدرسہ کی کمیٹی کے ممبر ہیں، تصدیق کا کاغذ اس سوال کے ساتھ منسلک ہے مدرسہ کی کمیٹی میں دو بار اس بات کا ریزولیشن بھی پاس ہو چکا ہے کہ اس جگہ تعلیم نسواں شروع کی جائے لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ مدرسہ والوں نے ان کی جائیداد کی پختہ تعمیر کرا کر نیچے کے حصہ کو ایک دوکاندار کو دیدیا اور اوپر کی منزل رہائش گاہ کے لیے کسی شخص کو کرایہ پر دیدی ہے اور وہ روپیہ دینی تعلیم پر صرف ہو رہا ہے۔

براہ کرم تحریر فرمائیں کہ عمارت کو تعلیم نسواں کے بجائے کرایہ پر چڑھا دینا جائز ہے یا نہیں؟ خلاصہ تحریر فرمائیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

خادم عزیز اللہ بقلم خود

ہم لوگ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ منشی محمد ابراہیم نے اپنی جائیداد واقع محلہ مغلو شاہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ امداد العلوم محلہ مغلو شاہ نجیب آباد کو یہ کہہ کر دی تھی کہ اس عمارت میں بچیوں کی دینی تعلیم ہونی چاہیے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو روز قیامت ذمہ دار لوگوں کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا۔

بشیر احمد      سراج      عبدالرحمن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مسائل اپنے بیان میں سچا ہے اور جناب عبدالرحمن صاحب اور بشیر احمد صاحب مقبول الشہادت ہیں، دونوں اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ محمد ابراہیم نے اپنی عمارت کو تعلیم البنات ہی کی غرض سے وقف کیا ہے تو اس عمارت میں صرف تعلیم نسواں ہی جائز ہو سکتی ہے، دوسری صورتیں اس وقت تک جائز نہیں ہو

سکتیں جب تک کہ غرض واقف کے مطابق لڑکیوں کی تعلیم ممکن ہو۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، مصری

۳/۶۶۴، کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۶۶۵)

لہذا اس کے خلاف فکر کرنے والے متولی تولیت کے لائق نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۱۲/۲۳)

## غرض الواقف کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے

**سوال [۶۲۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماة فاطمہ بیگم بنت حاجی کلن مرحوم بیوہ حاجی محمد صدیق ساکن محلہ کروہ مراد آباد اپنے والد مرحوم حاجی کلن کی موقوفہ جائیداد جو کہ وقف علی الاولاد کے طور پر چلی آرہی تھی، کراہی کی آمدنی کی ذمہ دار بھی تھیں، انہوں نے اپنی بہنوں اور بھانجوں وغیرہ کے سامنے یہ زبانی وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے میرا جتنا بھی حصہ ہو میری نند مسماة مندی مرحومہ کے لڑکے اقبال حسین کو دیا جائے، مورخہ ۲۲ جون ۱۹۸۹ء مسماة فاطمہ بیگم کا انتقال ہو گیا بوقت انتقال مندرجہ ورثاء موجود تھے، سگی بہن غفرانہ بیگم، ہاجرہ بیگم، صابرہ بیگم، بھانجے اور بھانجی مرحومہ یعنی بسم اللہ بیگم کی اولاد فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، بدر النساء، خیر النساء، سگی نند، مسماة سروری بیگم۔

(۲) نند کے بچے اقبال حسین پسر مسماة مندی مرحوم الطاف حسین، ابرار حسین پسران مسماة کبریٰ بیگم، کیا زبانی وصیت کو تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر نہیں تو اوپر لکھے ہوئے وارثان میں سے کس کو کتنا حق پہنچتا ہے، از روئے شرع بتانے کی زحمت فرمائیں۔

نوٹ: واقف نے واقف نامہ میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ میرے کسی بھی

وارث کو یا کسی بھی متولی کو جائیداد ہائے موقوفہ کو کسی طرح منتقل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، نیز

یہ بھی تحریر ہے کہ کسی شخص یا مسماۃ نور جہاں کو اپنے حصہ کی رقم آمدنی کو کسی طرح منتقل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا تو ان حالات میں فاطمہ بیگم کی مذکورہ وصیت درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** چونکہ واقف نے وقف نامہ کے اندر اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ کسی بھی حقدار کو اپنے حصہ کی رقم آمدنی کو کسی کی طرف منتقل کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا اور شریعت میں واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہے، اس لیے فاطمہ بیگم کی وصیت درست نہیں ہوگی بلکہ وقف نامہ کی شرائط اور وضاحت کی رعایت کرتے ہوئے شرعی حقداروں کو ہی ملا کرے گی، موصی لہ اقبال حسین کو مذکورہ حصہ کی رقم نہیں مل سکتی۔

القضاء بخلاف شرط الواقف كالقضاء بخلاف النص لايفذ لقول العلماء، شرط الواقف كص الشارع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۶۹، جدید زکریا دیوبند ۱/۳۰۰) إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کراچی کتاب لوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا دیوبند ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکم ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۲۷/۲۵)

## شرائط واقف کی رعایت لازم لیکن استبدال کی شرط معتبر نہیں

**سوال [۷۶۲۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ واقف حاجی نثار حسین مرحوم نے اپنی کل جائیداد واقع شہر مراد آباد بتاریخ ۱۲/۱۱/۱۹۴۴ء کو واسطے پرورش پر داخت اپنی اولاد و بھانجرو بھتیجہ کے اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطناً وقف کر دی اور اپنی ملکیت سے نکال کر ملکیت خداوند تعالیٰ الحی والقیوم میں دیدی، واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ اگر خدا نخواستہ میری نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو میرے بھانجرو بھتیجے کی نسل میں جو موجود ہوں اس کی آمدنی میں بقدر نصف مستفید ہوتے

رہیں، واقف نے اپنے بڑے کے عبدالحمید کے افعال و طریقہ و بود و باش سے تنگ و پریشان ہو کر اور اپنی بہنوں کے ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے ایک تولیت نامہ تحریر کیا، تولیت نامہ میں واقف نے اپنے حقیقی بھائی کے پوتے کو جو کہ خود واقف کا بھی پوتا ہے، تازیت متولی مقرر کر دیا اور بعد وفات متولی عبدالحمید مذکور اس کی اولاد ذکر پسر اکبر متولی ہوتا رہے گا، واقف کا نافرمان لڑکا لا ولد موت ہو گیا، اور فی الحال واقف کی نسل ختم ہو گئی تو کیا ایسی صورت میں عبدالحمید کی اولاد ذکر پسر اکبر کو تولیت یا اس کی اولاد ذکر کی موجودگی میں عبدالحمید کی دختر شادی شدہ کو تولیت پہنچتی ہے، اور وہ واقف کی آمدنی کی حق دار ہے یا نہیں؟ اس سوال کے ساتھ (۱) وقف نامہ ۱۲/۱ اکتوبر ۱۹۴۴ء (۲) و تتمہ ۱۹۴۶ء (۳) و مزید تولیت نامہ برحق عبدالحمید ۱۹۵۷ء (۴) وقف نامہ مزید ۱۹۵۷ء تاریخ امروزہ تولیت نامہ، واقف شامی کے حقیقی بھائی ولایت حسین کا پڑپوتا اکبر حسین اور پڑپوتی شاہین اختر اور واقف کی حقیقی بہن کا لڑکا مناحیات ہیں، نسل ہی کوئی نہیں ہے، بھانجہ اور بھتیجے کی نسل میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، ان حالات میں جائیداد متوفیہ کی آمدنی میں کون کتنے کا حصہ دار ہے؟ اور تولیت کس کو پہنچتی ہے، اور بعد کا وقف نامہ پہلے کے وقف ناموں کے ساتھ سمجھا جائیگا یا الگ سے سمجھا جائیگا، نئے وقف نامہ کی جائیداد اور پرانے وقف نامہ کی جائیداد ایک سمجھی جائے گی یا الگ الگ سمجھی جائے گی؟

اور واقف کے نئے وقف نامہ میں جو اس نے بعد میں لکھا ہے، اس میں صراحت ہے، کل خرچ کرنے کے بعد بقیہ آمدنی متولی کی رہے گی، اس میں کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، لہذا اس میں بھی بتلایا جائے کہ اس کی آمدنی تنہا متولی کی رہے گی، یا یہ بھی تقسیم ہوگی اور اکبر حسین متولی کے بعد اکبر حسین کی، ہمیشہ مسماۃ شاہین اختر متولیہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: اکبر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حسب شرائط واقف تولیت عبدالحمید کی

باصلاحیت اولاد ذکر کی موجودگی میں شاہین اختر کو نہیں پہنچ سکتی۔

شرط الواقف کنص الشارح. (شامی، نعمانیہ ۳/۴۲۲، کراچی ۴/۳۶۶، زکریا

(۱۴۹/۶)

اور آمدنی وقف نامہ ۱۹۴۴ء کے مطابق مصارف میں سے جو جو موجود ہوں ان سب کو حسب شرائط ملتی رہے گی، بھتیجہ اور اس کی اولاد کو نصف اور بھانجا اور اس کی اولاد کو نصف ملے گی اور اس میں مذکورہ مؤنث سب برابر حصہ دار ہوں گے

رجل قال أَرْضِي هَذِهِ صَدَقَةٌ مَوْقُوفَةٌ عَلٰی وَلَدِي كَانَتْ الْعِلَّةُ لَوْلَدِ صَلْبِهِ يَسْتَوِي فِيهِ الذَّكَورُ وَالْأُنْثَى. (قاضیخان، کتاب الوقف، فصل فی الوقف علی الأولاد، زکریا جدید ۲۲۴/۳، وعلی ہامش الہندیۃ ۳۱۹/۳، ہندیہ زکریا قدیم ۳۷۳/۲، جدید ۳۵۹/۲)

مستفتی نے جو دو فتوے بقیہ تمام آمدنی عبدالحکیم اور آئندہ آنے والے متولیوں کے حق میں ہونے کے سلسلے میں پیش کیے ہیں خاکسار کو ان سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ غرض وقف میں استبدال واقف کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

كما فی الہندیۃ لو قال أَرْضِي صَدَقَةٌ مَوْقُوفَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى أَبَدًا عَلٰی أَنْ أَضَعُ غَلَّتْهَا حَيْثُ شِئْتُ جَازٌ وَلَهُ أَنْ يَضَعَ غَلَّتْهَا حَيْثُ شَاءَ فَإِنْ وَضَعَ فِي الْمَسَاكِينِ أَوْ فِي الْحَجِّ أَوْ فِي إِنْسَانٍ بَعِينِهِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ عَنْهُ. (ہندیہ، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف، زکریا قدیم ۴۰۲/۲-۴۰۳، جدید ۳۷۷/۲، المحیط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۹، رقم: ۱۰۹۶۸، الفتاویٰ التاتاریخانیہ زکریا ۴۴/۸، رقم: ۱۱۱۶۸) **فَإِنْ قَالَ لَا أَشَاءُ أَنْ أُعْطَى أَحَدًا مِنْهُمْ فَالْعِلَّةُ لَهُمْ وَقَدْ أَبْطَلَ مَشِئَتَهُ فَصَارَ كَأَنَّهُ لَمْ يَشْطَرطْ لِنَفْسِهِ مَشِئَتَهُ.** (ہندیہ، زکریا قدیم ۴۰۴/۲، جدید ۳۷۷/۲)

پرانے اور نئے وقف نامہ دونوں کا حکم اپنی اپنی شرائط کے مطابق الگ الگ ہوگا، ۱۹۴۶ء کے بعد کے اوقاف کی آمدنی حسب شرائط واقف موجودہ اور آئندہ آنے والے متولیوں کو ملتی رہے گی۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ شوال المعظم ۱۴۰۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۳/۲۸۵)

## قبرستان کے لیے زمین وقف کر کے اس سے رجوع کرنا

**سوال [۷۶۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی عبدالوہاب صاحب نے اپنی اولاد کی موت سے دلی صدمہ کی وجہ سے اپنی زمین قبرستان کے لیے وقف کر دی اور مجمع میں وقف کا اعلان کر دیا، پھر کارکنان قبرستان نے کہا کہ قبرستان کو پچاس سال تک مزید زمین کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے انہوں نے اس زمین کو فروخت کر دیا اور اس رقم کو دوسرے کے ساتھ کاروبار میں لگا دیا، مالی کمزوری کی وجہ سے ان کا کاروبار بند ہو گیا اس لیے اب وہ چاہتے ہیں کہ تجارت سے حاصل شدہ موصولہ منافع میں سے آدھے نفع کو اپنے مصرف میں آدھے کو کار خیر میں خرچ کریں تو کیا ایسا کرنا ان کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فیض الرحمن طباطبائی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جب حاجی عبدالشکور صاحب نے قبرستان کے لیے زمین وقف کر دی ہے اور مجمع عام میں اعلان بھی کر دیا تو وہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہو گئی اور بعد میں نہ کارکنان قبرستان کو واپس کرنے کا حق ہے اور نہ ہی واقف حاجی عبدالوہاب صاحب کو واپس لے کر فروخت کرنے کا حق ہے، لہذا حاجی صاحب کے لیے اس زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں اس فروخت کرنے میں ذمہ داران قبرستان اور حاجی صاحب سب گناہگار ہوں گے اور جو اس کی قیمت سے کاروبار شروع کر دیا ہے وہ بھی درست نہیں ہے، بلکہ قیمت دے کر زمین کو واپس لے کر قبرستان کے حوالہ کر دینا لازم ہوگا، حاجی صاحب کے لیے اس کے منافع میں سے آدھا اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۵۷۰، محمودیہ قدیم ۶/۱۵۸، ڈبئی ۱۴/۳۶۹، اختری بہشتی زیور ۳/۶۹)

ویزول ملکہ بمجرد القول عند أبي يوسف و محمد لا مالہ یسلمہ  
إلی ولی و بقول أبي يوسف یفتی للعرف. (الدر المنقی، کتاب الوقف، دار الکتب

العلمیة بیروت ۲/ ۵۷۰، مصری قدیم ۱/ ۷۴۱ (۷۴۱)

وقال صدر الشهيد و مشائخ بلخ يفتون بقول أبي يوسف و نحن  
نفتى بقوله أيضا لمكان العرف الخ. (البحر الرائق كوئنه ۵/ ۱۹۰، زكريا ۵/ ۳۱۸)  
وإذا صح الوقف لم يجوز بيعه ولا تمليكه الخ. (هدايه ۲/ ۶۴۰)  
وتحتنه فى فتح القدير: وهو بإجماع الفقهاء الخ. (فتح القدير بيروتى  
۶/ ۶۲۰، زكريا ۶/ ۲۰۴، كوئنه ۵/ ۴۳۳)

زمین کے واپس آنے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پوری قیمت صدقہ کر دینا لازم ہوگا۔  
ينبغي لهذا الواقف أن يتصدق بأصلها على الفقراء ولو لباعها وتصدق  
بشمنها جاز. (قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۱۹۹، وعلی ہامش الہندیۃ ۳/ ۲۸۶)  
ولارجوع فيها أى فى الصدقة لأن المقصود هو الثواب وقد حصل. (البحر  
الرائق كتاب لهنديۃ باب الرجوع فى الهبة كوئنه ۷/ ۲۹۷، زكريا ۷/ ۵۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالى اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۹۶/۲۵)

## سرکاری زمین پر مدرسہ قائم کرنا

**سوال [۷۲۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: مراد آباد شمال میں رام گنگا نام کا ایک دریا بہتا ہے اس کے کنارے پر لوگوں نے  
(ہندو مسلمان) مکانات تعمیر کر لیے ہیں، جبکہ وہ پوری کالونی بن چکی ہے، اور دریا سرکاری  
جائیداد ہے یہاں لگ بھگ دس ہزار کی تعداد میں مسلم آبادی ہے، لہذا اس جگہ ایک دینی  
مدرسہ بچوں کی تعلیم کے لیے قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے بھی اہل بستی نے ایک جگہ گھیر  
رکھی ہے، اس جگہ میں دینی مدرسہ تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اور پھر اس تعمیر شدہ عمارت میں جماعت  
سے نماز پڑھنے سے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: جملہ اہل بستی نئی آبادی رام گنگا مراد آباد



باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر اس سرکاری جگہ میں من جانب سرکار مدرسہ تعمیر کرنے کی اجازت ہو اور آئندہ اس میں سرکار کی جانب سے کسی قسم کا خدشہ بھی نہ ہو تو ایسی جگہ میں مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے، اور اس مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنے سے بلا کراہت نماز صحیح ہو جائے گی، نیز جماعت کا ثواب بھی مل جائیگا، لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

وإن صلی أحد فی الیئ بالجماعة لم ینالوا فضل جماعة المسجد. (شامی،

کتاب الصلاة، باب لوتر والنوافل، زکریا دیوبند ۲/۴۹۵، کراچی ۲/۴۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

۱۴۲۵/۳/۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۴۴)

## سوال و جواب

**سوال [۶۲۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استفتاء الف: ۱/۳۵۴۴ کے پیش نظر ایک سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں اجازت سے شرعاً اجازت قوی و تحریری مراد ہے، یا صرف حکومت کا نہ روکنا اور آباد ہونے دینا تعمیرات پر روک نہ لگانا مراد ہے نیز سرکاری طور پر وہاں پر بسنے والوں کو بجلی و پانی بھی دیا جا رہا ہے اور میٹر بھی دیئے جا رہے ہیں، آیا اس کو اجازت سمجھا جائیگا یا نہیں؟

المستفتی: اہل رام گنگا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سرکار کا پانی یا بجلی وغیرہ دینا وقتی اجازت ہے، مگر سرکار قوانین و ضوابط پر کبھی بھی عمل کر کے خالی کر سکتی ہے اس لیے وہاں پر سرکاری کاغذات حاصل ہونے سے قبل مسجد ہرگز نہ بنائی جائے البتہ مدرسہ بنانے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ مدرسہ منتقل بھی ہو سکتا ہے مسجد منتقل نہیں ہو سکتی، لہذا مدرسہ کے لیے اجازت عملی بھی کافی ہو سکتی

ہے اور مسجد کے لیے اجازت تولی و تحریری لازم ہوگی۔

الوقف وهو (إلى قوله) فلا يجوز له إبطاله الخ. (الدر المختار كراچی

۳۳۹/۴، زکریا ۶/۵۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۷)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴/۸/۲۱ھ

## پٹہ کی زمین پر مدرسہ کی تعمیر

**سوال [۶۳۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے عمر سے چھ ڈسمل زمین خریدی اور اس کا بیع نامہ نہیں کرایا صرف اسٹامپ پر لکھوا لیا اور اسی زمین سے متصل ایک پٹے کی زمین خریدی اس کا بھی اسٹام کرا لیا، اور اس تمام زمین پر فی الحال اس کا قبضہ بھی ہے اب وہ زمین اس نے جو تقریباً ایک بیگھا ہوتی ہے بکر کو چار لاکھ ساٹھ ہزار روپے میں بیچ دی ہے اور بکر اس زمین میں مدرسہ بنوانا چاہتا ہے تو کیا بکر کو اس زمین کو خریدنا اور اس زمین میں مدرسہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی صاحب ایسی زمین کے لیے مدرسہ کے اعتبار سے کچھ رقم دینا

چاہیں تو ان کو اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد معروف ساکن ویر پور تھان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** زید نے جو زمین عمر سے خریدی ہے وہ اس کا

مالک بن گیا ہے، پٹہ کی زمین کی اگر متعلقہ محکمہ سے اجازت لے کر خرید و فروخت ہوئی ہے

تو اس پر مدرسہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر پٹہ کی زمین خرید کر مدرسہ

بنانے کے لیے کسی نے پیسہ دیا ہے اور پردھان سے تحریری اجازت لے لی تو اس میں کوئی

حرج نہیں یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۲، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲/۳۳۵،

ڈا ہیل ۱۵/۶/۱۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۰/۱۱۲۵)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰/۱۹/۱۴۳۳ھ

## جائیداد مدرسہ کو دے یا بھائی کو؟

**سوال [۷۶۳۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک عورت نے رامپور دورا ہے پر ڈیڑھ سو گز زمین خریدی تھی مدرسہ کے ارادے سے کہ اس میں مدرسہ بنواؤں گی اور اس میں ایک منزلہ عمارت بھی بن گئی ہے اب لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ مدرسہ مت کھلو اور بلکہ تمہارے جو بھائی غریب ہیں انہیں وہ جگہ دیدو، کیونکہ یہ بھی ثواب ہی کا کام ہے۔

اس لیے آپ حضور والا سے مؤدبانہ و عاجزانہ التماس ہے کہ اس مسئلہ کا حل نکال کر یہ بتائیں کہ اس زمین میں مدرسہ ہی کھلوا یا جائے یا وہ زمین غریب بھائی کو دیدی جائے؟

المستفتی: سہیل احمد راد آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ عورت نے جب مدرسہ ہی کے ارادے

سے زمین خریدی اور اس میں مدرسہ کی نیت سے ایک منزلہ عمارت بھی بنا دی ہے اور دینی مدرسہ جس میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے وہ صدقہ جاریہ ہوتا جب تک اس مدرسہ میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا تو مذکورہ عورت کو ثواب پہنچنے کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، اس لیے بھائی کو دینے کے مقابلہ میں عورت کے لیے یہی بہتر ہے کہ دینی مدرسہ کے لیے ہی اس کو وقف کر دے اور بھائی کو نہ دینے کی وجہ سے مذکورہ عورت کسی طرح گنہگار نہ ہوگی۔

عن أبی ہریرۃ أن رسول اللہ ﷺ قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه

عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جاریة أو علم ینفع به أو ولد صاحب یدعو

لہ۔ (مسلم شریف، الوصیۃ، باب ما يلحق من الإنسان من الثواب بعد وفاته، النسخة

الهندية ۲/ ۴۱، بیت الأفكار رقم: ۱۶۳۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۳۷۲، رقم: ۸۸۳۱)

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة كيف شاء. (بیضاوی

شریف رشید ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۲۱/۴۱)

## اپنی ملکیت کی زمین پر مدرسہ قائم کرنا

**سوال [۶۲۳۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے پاس اس کی ملکیت میں تقریباً ایک ایکڑ زمین ہے اس زمین کے چھ حصے کر کے ایک حصہ میں اس کا خاندانی قبرستان ہے جو وقف نہیں ہے، اور بقیہ پانچ حصہ زمین کا خالی پڑا ہوا ہے، وہ کاشت کے بھی قابل نہیں ہے اب وہ شخص اپنی ملکیت کی اس خالی زمین میں مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہے، شرعی اعتبار سے اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب الرحمن محلہ خواجہ فیروز شاہ، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ خالی زمین جبکہ قبرستان کے لیے وقف

نہیں ہے اور مالک کی ملکیت میں باقی ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس میں مسجد یا مدرسہ بنائے شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة كيف شاء. (بیضاوی

شریف رشید ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳/۶/۱۴۲۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۸۰/۳۵)

## محکمہ کسٹوڈین کے قبضہ میں آنے والی موقوفہ جائیداد کا حکم

**سوال [۷۶۳۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ چھٹن نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اپنے لڑکے محمد نور کے نام وقف کیا، محمد نور ہندوستان تقسیم ہو جانے کے بعد پاکستان چلا گیا، محمد نور سے متعلق جائیداد پر محکمہ کسٹوڈین نے اپنا قبضہ کر لیا اور اس موقوفہ جائیداد کو نیلام کر دیا، محمد نور کا انتقال ہو چکا ہے اب اس کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پاکستان ہی میں ہیں اور ان کو نہر و لیاقت پیکٹ کے تحت پاکستان میں محمد نور جائیداد کا متبادل حصہ حکومت پاکستان سے مل چکا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل استفسارات جو اب طلب ہیں:

(۱) ہندوستان کی تقسیم کے بعد جو موقوفہ جائیداد محکمہ کسٹوڈین کے قبضہ میں آئیں ان کی حیثیت وقف کی رہی یا نہیں؟

(۲) محکمہ کسٹوڈین تقسیم ہند کے بعد موقوفہ جائیدادوں پر قبضہ کر لے تو اس نیلام کو خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) موقوفہ جائیدادوں کی حیثیت کن کن صورتوں میں بدل سکتی ہے؟

نوٹ: محمد نور کا بھی انتقال پاکستان میں ہوا ہے، وقف نامہ میں شیخ چھٹن کے بعد موقوفہ جائیداد کا متولی محمد نور ہوگا، محمد نور کے بعد اس کی نسل در نسل ہوتی رہے گی، محمد نور کی نسل اگر منقطع ہو جائے تو نیک ایماندار اور خفی المسلمک کوئی بھی شخص متولی ہوگا؟

المستفتی: محمد عمر، سرائے ترین مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** تقسیم ہند کے بعد جس موقوفہ زمین کو سرکار نے

محکمہ کسٹوڈین کے ذریعہ سے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اس کی حیثیت وقف کی نہیں رہی بلکہ وہ حکومت کی ملکیت میں غاصبانہ طور پر منتقل ہو گئی ہے، اب اگر منجانب سرکار نیلام کے موقع پر

کوئی مسلمان اس زمین کو اپنے پیسہ سے خرید لیتا ہے تو وہ اس کا شرعی طور پر مالک ہو جائیگا، اور موقوفہ جائیداد کی حیثیت حکومت کے قبضہ کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۳۱، جدید زکریا ۵۱۰، رقم: ۸۸۳، امداد الفتاویٰ ۳/۳۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۲/۱۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۶۶)



## ۲ باب الوقف علی الأولاد

### وقف علی الأولاد

**سوال [۷۶۳۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی کل جائیداد بہ تفصیل وقف نامہ واقع مراد آباد بتاریخ ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو وقف واسطہ پرورش و پرداخت اپنی اولاد دو بھانجہ و بھتیجہ کے اور اس کی اولاد کی اولاد نسلاً بعد نسل..... کو وقف کردی اور اپنی ملکیت سے نکال کر خداوندی قیوم کی ملکیت میں دیدی، زید نے وقف نامہ میں مزید تحریر کیا ہے کہ اگر خدا نخواستہ میری نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو میرے بھتیجے و بھانجہ کی نسل میں جو موجود ہوں اس کی آمدنی میں بقدر نصف نصف مستفید ہوتے رہیں، واقف کا لڑکا لا ولد فوت ہو گیا بھانجہ کی نسل ہی نہیں ہے، بھانجہ ابھی حیات ہے اور وہ آدھی آمدنی طلب کرتا ہے وہ آمدنی کا حقدار ہے یا نہیں، بھتیجہ کی نسل میں ایک لڑکی شاہین اختر شادی شدہ اور ایک لڑکا پسر اکبر متولی مذکور موجود ہیں ایسی صورت میں کیا لڑکی بھی آمدنی کی حقدار ہے اور اس کو کیا دیا جائیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** واقف نے وقف نامہ میں بھانجہ اور بھتیجہ کو برابر کا حق دار قرار دیا ہے اس لیے بھانجہ نصف آمدنی کا حقدار ہے اور اس کی آدھی آمدنی طلب کرنا حق بجانب اور درست ہے۔

شرط الواقف کنص الشارح. (الأشباہ والنظائر قدیم ص: ۱۷۰، جدید

زکریا ص: ۳۰۰)

اور جب بھتیجہ کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہے تو بھتیجہ کا حق (نصف آمدنی) دونوں اولاد کے درمیان برابر تقسیم ہوتا رہے گا اور اس میں لڑکا اور لڑکی دونوں کو برابر کا حق ملتا

رہے گا، لڑکے کو لڑکی سے زیادہ نہیں ملے گا، لہذا بھتیجہ کی لڑکی شاہین اختر کو اکبر حسین کے برابر کا حصہ ملتا رہے گا اور شاہین اختر کی موت کے بعد اس کی اولاد کو اس کا حصہ ملتا رہے گا۔

رجل قال أَرْضِي هَذِهِ صَدَقَةٌ مَوْقُوفَةٌ عَلَيَّ وَوَلَدِي كَانَتْ الْعَلَّةُ لَوْلَا صِلْبِهِ،  
يَسْتَوِي فِيهِ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى الْخ. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الوقف، فصل فی الوقف علی

الأولاد، زکریا ۳/۲۴، وعلی ہامش الہندیہ زکریا ۳/۳۱۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

۱۴۱۲/۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۲۹/۲۷)

## وقف علی الاولاد کی ایک صورت

**سوال [۷۲۳۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو مکانات وقف علی الاولاد ہیں جس میں ایک مکان میں متولی رہتا ہے اور دوسرے مکان میں صرف ایک کوٹھری اور ایک دیوار تھی وہ منہدم ہوگئی اب صرف اراضی ہے اور متولی کے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ اس کو تعمیر کر سکے، اور جس مکان میں رہتا ہے اس کی بھی مرمت کرانا ضروری ہے، از شرع اس کو کیا کرنا چاہئے جس سے مکان مسکونہ متولی بھی منہدم ہونے سے برقرار رہے جواب سے مطلع فرمائیں۔

واقف نے اپنے بھائی کے پوتے عشرت علی کو متولی نامزد کر دیا تھا، یہ وصیت کر دی تھی کہ وقف کی آمدنی سے عشرت علی اپنی زندگی میں مستفید ہوتا رہے گا، اور عشرت علی کی اولاد مستفید ہوتی رہے گی، نیز تولیت کے بارے میں یہ شرط لگائی تھی کہ ہر متولی اپنے بعد کے لیے اپنی مرضی سے متولی نامزد کر دے ورنہ ہر متولی کی اولاد اکبر متولی ہوتا رہے گا، نیز وقف نامہ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بوقت وقف دونوں مکانات کا کرایہ اٹھارہ روپیہ رہا ہے، متولی ان میں سے دو روپیہ مسجد قلعہ والی کو ہر ماہ دیتا رہے گا، چاہے متولی اپنے جیب سے دیدے یا کرایہ کی آمدنی سے دیدے، ان حالات میں عشرت علی کا لڑکا یعقوب علی اب متولی ہے اور



اس کے پاس اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ وقف کے مکانات کی تعمیر و مرمت کرا سکے، یا ترقی دے کر وقف کی آمدنی میں سے ہر حق دار کو حق پہنچا سکے، اور مسجد کو مسجد کا حق دے سکے اور عشرت علی کی اولاد میں سے اس وقت دولٹ کے موجود ہیں اور اس وقت عشرت علی کے ان تمام اولاد کو وقف کا فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، ان حالات میں مذکورہ وقف کا شرعی حکم کیا ہوگا؟

المستفتی: عبدالرحمن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** شرعی طور پر متولی پر لازم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے وقف کی جائیداد کی ضائع ہونے سے حفاظت کرے، اور اگر ٹوٹ پھوٹ جائے تو اس کی مرمت کرا دیا کرے، اور اگر متولی خود وقف کی حفاظت و مرمت وغیرہ سے عاجز ہے تو اس پر لازم ہے کہ کسی باصلاحیت شخص کو تولیت کا ذمہ دار بنائے اور خود تولیت سے دستبردار ہو جائے ورنہ سخت گنہگار ہوگا اور شرعاً حائناً ثابت ہوگا، نیز اس وقت اگر مرمت کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے تو قابل رہائش مکان کو کرایہ پر دے کر اس آمدنی سے دوسرے مکان کی مرمت کرا نا ضروری ہوگا، نیز اس میں فائدہ اٹھانے کا حق عشرت علی کی تمام اولاد کو برابر حاصل ہے، تہا متولی حقدار نہیں ہے، نیز مسجد قلعہ والی کو کل اٹھارہ میں سے دو روپیہ کے تناسب سے آمدنی پہنچانا لازم ہے، ورنہ متولی سخت گنہگار ہوگا۔

ولایس من النظر تولى الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولى العاجز لأن المقصود لا يحصل به ويستوى فيه الذكر والأنثى. (شامی، كتاب الوقف، مطلب: فى شروط المتولى، زکریا ۵۷۸/۶، کراچی ۳۸۰/۴، البحر الرائق کوئٹہ ۲۶۶/۵، زکریا ۳۷۸/۵)

ولو أبى أو عجز عمر الحاكم بأجرتها یعنی آجرتها الحاكم من الموقوف عليه أو غيره وعمرها بأجرتها ثم يردھا بعد التعمير إلى من له السكنى الخ. (البحر الرائق کوئٹہ ۲۱۸/۵، زکریا ۳۶۵/۵) قط والله سبحانہ وتعالى أعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۲/۵/۱۴۱۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۲۷)

## وقف علی الاولاد کا حکم

**سوال [۷۶۳۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی کلن صاحب مرحوم نے اپنی حیات ۱۹۳۲ء میں ایک وقف نامہ علی الاولاد علی الخیر تحریر کیا اور انہوں نے اسی وقت اپنی تمام جائیداد کو اللہ جل شانہ کی ملکیت میں دیدیا اور اسی وقت سے خود جائیداد موقوفہ کے متولی ہو گئے اور وقف نامہ میں تحریر کر دیا کہ تاحیات میں خود متولی رہوں گا اور بعد میرے انتقال میری بیوی نمبر (۴) مسماۃ چھوٹی وقف جائیداد کی متولیہ ہوگی، مسماۃ چھوٹی کے انتقال کے بعد یا عقد ثانی کرنے کے بعد میری اولاد در اولاد نسلًا بعد نسل بطنًا بعد بطن کا سلسلہ تولیت جاری رہے گا جس میں سب سے پہلے میری اولاد ذکور اور اولاد ذکور نہ ہوتو اولاد اناث متولی مقرر ہوگی اور جب میری اولاد ذکور اور اولاد اناث کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو میری اولاد ذکور کی اولاد ذکور اور جب اولاد ذکور کی اولاد ذکور نہ ہوتو اولاد اناث کا سلسلہ تولیت جاری ہوگا اور ہر متولی وقف نامہ کی دفعہ ۵ کے مطابق وقف جائیداد کی آمدنی کو میرے وارثان شرعی کے درمیان حصہ شرعی تقسیم کرے گا۔

حاجی کلن صاحب نے چار شادیاں کیں جن میں پہلی بیوی سے بانو فاطمہ اور بسم اللہ پیدا ہوئیں، دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، تیسری بیوی سے ایک لڑکی شاہجہاں پیدا ہوئی اس تیسری بیوی کے ساتھ ایک دختر نور جہاں جو اپنے پہلے شوہر سے پیدا تھی ساتھ میں آئی تھی، چوتھی بیوی سے غفران، ہاجرہ، صابرہ پیدا ہوئیں (ہاجرہ، صابرہ وقف نامہ تحریر کرنے کے بعد پیدا ہوئیں) بانو اور شاہجہاں کا انتقال حاجی کلن صاحب کی حیات میں ہو گیا تھا، بانو نے اپنے انتقال پر ایک پسر عبدالسلام چھوڑا، (بانو کا انتقال وقف نامہ تحریر ہونے کے بعد ہوا) شاہجہاں سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، اس کے بعد حاجی کلن صاحب کا انتقال ہوا اور بعد انتقال حاجی کلن صاحب کے ان کی چوتھی بیوی مسماۃ چھوٹی وقف جائیداد کی متولیہ بنی اس کے بعد مسماۃ چھوٹی کا انتقال ہو گیا، بعد انتقال مسماۃ چھوٹی کے فاطمہ بیگم وقف جائیداد کی

متولیہ مقرر ہوئی اور اب تک تولیت کا کام انجام دے رہی ہیں اس دوران مسماة بسم اللہ کا انتقال ہو گیا بوقت انتقال مسماة بسم اللہ نے مندرجہ ذیل وارثان چھوڑے، پسران: فاخر حسین، شاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین،..... دختران: بدر النساء، خیر النساء۔ اب ۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء کو عبد السلام پسر مسماة بانو کا انتقال ہوتا ہے اس نے صرف دو لڑکیاں زرینہ اور نفیسہ چھوڑیں۔

آج موجودہ وارثان شرعی حاجی کلن صاحب مرحوم ایک نظر میں اس طرح ہیں:  
 دختران حاجی کلن صاحب مرحوم: فاطمہ، نور جہاں، غفرانہ، ہاجرہ، صابرہ۔  
 نواسے: فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین۔  
 نواسی: بدر النساء، خیر النساء۔

پرنواسی: زرینہ، نفیسہ

لہذا از روئے شرع مندرجہ بالا حاجی کلن صاحب مرحوم کے وارثان شرعی کو کتنے کتنے سہام ملنے چاہئیں، تفصیل سے وضاحت فرمائی جائے۔  
 نوٹ: وقف نامہ ۱۹۳۲ء کی نوٹو اسٹیٹ کا پی حاضر خدمت ہے۔

المستفتی: صابرہ بیگم دختر حاجی کلن صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف نامہ کی شرائط پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کا حصہ منسوخ نہیں ہوگا بلکہ مرنے والے کا حصہ اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہو جائے گا، لہذا جو حضرات وارث چھوڑ کر گذر گئے ہیں ان کے حصے ان کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہو جائیں گے۔

الحاصل أن الواقف إذا وقف على أولاده وأولاد أولاده وعلی أولاد أولاد أولاده وعلی ذریئہ و نسلہ و طبقہ بعد طبقہ و بطنًا بعد بطن تحجب الطبقة العیاء السفلی علی أن من مات عن ولد انتقل نصیبہ الی ولده (الی قوله) و ترک ولدا و ولد ولد، أو اسفل من ذلك استحق ما كان يستحقه أبوه لو كان حیا الخ.

(الأشباہ دیوبندی ص: ۲۱۸، جدید زکریا ص: ۳۷۴ مطبوعہ کراچی ۱۸۰/۱)

لو وقف علی اولاد الظهور دون أولاد البطن فماتت مستحقة عن ولدین أبوهما أبوهما من أولاد الظهور هل ینتقل نصیبها لهما فأجبت نعم: ینتقل نصیبهما لهما لصدق کونهما من أولاد الظهور باعتبار والدهما المذکور. (شامی، کتاب الوقف، قبیل فصل فیما یتعلق بوقف الأولاد من الدرر، زکریا ۶/۶۹۵، کراچی ۴/۶۷۷)

وکل ولد یحدث له بعد هذا الوقف قبل حدوث الغلة وولد الولد أبدا ومن مات منهم قبل حدوث الغلة تسقط حصته و من مات بعد ذلك استحق سہمة ویکون ذلك لورثته والبطن الأعلى والبطن الأسفل فی ذلك علی السواء. (فتاویٰ عالمگیری، زکریا قدیم ۲/۳۷۶، جدید ۲/۳۶۱)

مذکورہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ بانو کی موت کے بعد بانو کا حصہ بانو کے لڑکے عبدالسلام کو ملے گا اس کے بعد عبدالسلام کی لڑکیوں کو ملے گا، اسی طرح بسم اللہ کی وفات کے بعد اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملا کرے گا، اور شاہجہاں چونکہ لاولد فوت ہوئی ہے اس لیے اس کا حصہ باپ کی طرف منتقل ہو کر باپ کے ورثہ کے درمیان حسب حصص شرعیہ تقسیم ہو جائے گا فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳۰۵)

## اولاد اکبر کے انتقال کے بعد مکان موقوفہ کا مالک کون؟

**سوال [۷۳۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے دادا نشی جان محمد صاحب اور داری محترمہ بلقیس جہاں بیگم نے اپنی اولادوں کی سکونت اور آرام کے واسطے اپنی کچھ صحرائی اور سلکائی جائیدادیں وقف علی الاولاد کی تھیں، میرے دادا اور دادی کے لطن سے آٹھ بچے تھے جس میں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تفصیل حسب ذیل ہے:

محمد سلطان، محمد عرفان، محمد نعمان، محمد فرقان، محمد ریحان، سردار جہاں، گوہر جہاں، کوثر جہاں، ان آٹھوں اولادوں کے لیے واسطے سکونت آٹھ مکان سب کو الگ الگ نمبر کے حساب سے اپنی حیات میں ہی تقسیم کر دیئے تھے، اور سب لوگ اپنے اپنے نمبر اور حصہ کے مکانوں کے بطور متولی قابض چلے آ رہے ہیں، اس کی تفصیل وقف نامہ کی دفعہ ۷ اور ۸ میں درج ہے۔

(۲) میرے دادا نے وقف نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے بطن کی ہر اولاد کے فوت ہونے پر اس کے حصہ و نمبر کے مکان کا متولی اس کی اولاد اکبر (بڑی اولاد) مقرر ہوگی اور ہمیشہ اولاد اکبر کو اولاد اصغر پر ترجیح دی جائیگی، اور یہ سلسلہ اسی طرح نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطن چلتا رہے گا۔ میری گزارش ہے کہ الحمد للہ میرے والد محمد عرفان صاحب باحیات ہیں ان کے پانچ بچے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں: مراد عرفان، شبلی عرفان، شمشاد عرفان، اور دو لڑکیاں: ناہید بیگم، حمیس بیگم، میرے والد کے بڑے لڑکے مراد عرفان کا انتقال ہو گیا ہے ان کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں اور ان کی اہلیہ موجود ہیں، میری ایک بہن حمیس بیگم کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ میرے والد الحمد للہ بقید حیات ہیں، میرے والد کے مکان کا ان کے بعد از روئے وقف نامہ کون متولی ہوگا، ہم دو بھائیوں میں سے یا بڑے بھائی جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کا لڑکا یعنی میرے والد کا پوتا، اس مکان موقوفہ میں کس کو سکونت رکھنے اور متولی کے حق کو انجام دینے کا حق حاصل ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ کے تینوں گوشوں پر غور کیا گیا اور وقف نامہ میں جو یہ شرط لگائی گئی ہے کہ وقف کی ہر اولاد کے فوت ہونے پر اس کے حصہ کے مکان کا متولی اس کی اولاد اکبر مقرر ہوا کرے گی، اس شرط کے پیش نظر اور قانون شریعت کے پیش نظر اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ہر متولی کی موت کے وقت اس کی زندہ اولادوں میں سے جو ولد اکبر ہوگا وہی اگلا متولی ہوگا، اس لیے عرفان کی زندگی میں اس کا بڑا

لڑکا جو فوت ہو گیا ہے عرفان کی موت کے فوت شدہ لڑکے کی اولاد کی طرف تولیت منتقل نہ ہوگی، بلکہ عرفان کی موت کے وقت جو اولادیں زندہ رہیں گی اور ان زندہ اولادوں میں جو بڑا لڑکا ہوگا وہی اگلا متولی بنے گا۔

وقف علی ولده و اولادهم و نسلهم لایدخل ولد من كان أبوه مات قبل الوقف لكونه خصص أولاد الولد الموقوف عليه فخرج المتوفى قبله. (الأشباه قديم ص: ۲۱۳، جدید زکریا ص: ۳۶۸)

وقف علی اولادہ و اولاد اولادہ و ذریئہ علی أن یبدأ بالبطن الأعلى ثم و ثم، قلنا: لاشیء للبطن الثانی مادام واحد من الأعلى فلو مات واحد من البطن الثانی و ترک ولدا مع وجود الأعلى ثم انقرض الأعلى فلا مشاركة له مع البطن الثانی لأنه من الثالث فإذا انقرض الثانی شارك الثالث. (الأشباه قديم ص: ۲۱۳، جدید زکریا ص: ۳۶۸)

و حاصل جواب السبکی أن ما اختص المتوفى وهو النصف مقسوم بین اولادہ الثلاثة، و لاشیء لولدی ابنه المتوفى فی حیاته و من فات من الثلاثة عن غیر نسل رد نصیبہ إلى إخوته فیكون النصف بینهما. (الأشباه قديم ص: ۲۱۲، جدید زکریا ص: ۳۶۶)

لو وقف علی ولده ..... لایدخل ولد ولده إن كان له ولد لصلبه فإن لم یکن له ولد لصلبه استحقه ولد الإبن، فإذا ولد للواقف ولد رجع من ولد الإبن. (الأشباه قديم ص: ۱۱۹، جدید زکریا ص: ۲۱۵)

و من مات من أهل الوقف قبل استحقاقه لشیء من منافع الوقف وله ولد استحق ولده ما كان يستحقه المتوفى لو كان حیا، لكن الأرجح اختصاص الأخ، ویرجحہ أن التخصیص علی الإخوة و علی الباقین منهم كالخاص. (الأشباه قديم ص: ۲۱۲، جدید زکریا ص: ۳۶۳-۳۶۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ

۱۴۳۲/۶/۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۳۱/۳۹)

## واقف کی شرط کی پابندی لازم ہے

**سوال [۷۶۳۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درخواست ہذا کے ساتھ وقف نامہ کی فوٹو کاپی منسلک ہے، براہ کرام مندرجہ ذیل مذکور حقائق کی روشنی میں از روئے شرع حق تولیت کس کو پہنچتا ہے، تحریر فرمائیں؟

(۱) مسماۃ بستی بیگم بنت شیخ امین الدین زوجہ مولوی بشیر الدین نے اپنا مملوکہ و مقبوضہ ایک قطعہ مکان واقع محلہ مغلیہ روہ اول مراد آباد، مورخہ ۱۹/ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو وقف علی الاولاد مع بیس روپیہ سالانہ مصرف خیر کے نام رجسٹری کرائی تھی۔

(۲) مسماۃ بستی بیگم مقررہ تاحیات اپنی موقوفہ کی متولید رہیں، اور ۱۹۴۶ء میں وفات پائی۔

(۳) بعد واقفہ وفات واقعہ مذکورہ ان کے تنہا پسر مسعی حمید الدین و حقیقی نواسہ مسعی

افتخار احمد از روئے شرائط وقف ۴/ ایک ساتھ متولیٰ مکان موقوفہ ہوئے۔

(۴) پسر واقفہ مسعی حمید الدین کا دخل و قبضہ مکان موقوفہ پر تاحیات ان کی رہا اور وہ

لا ولد ۱۹۶۵ء میں فوت ہوئے بعدہ ان کی زوجہ مسماۃ نور جہاں بیگم مکان موقوفہ میں رہائش رکھتی تھیں اور ۱۹۶۸ء میں وہ بھی وفات پا گئیں۔

(۵) یہ کہ واقفہ کا نواسہ مسعی افتخار احمد ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلا گیا تھا اور وہ بھی لا ولد

تھا باوجود اس کے کہ شرائط وقف ۵/ کے تحت اس کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو چاہے باضابطہ طور پر مکان موقوفہ کا متولی مقرر کر دے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ بھی ۱۹۹۵ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

(۶) یہ کہ ایسی صورت حال میں سلسلہ تولیت از روئے شرط ۸/ خاندان مقررہ کو

منتقل ہوگئی۔

(۷) یہ کہ شجرہ خاندان مقررہ بستی بیگم حسب ذیل ہے، سائل مسماۃ بستی بیگم کا سب

بڑا پوتا ہے۔

نوٹ: مسماۃ بستی بیگم مجھ سائل کے والد کی حقیقی چھوٹی تھیں، یعنی سائل کی دادی ہوئیں، مجھ سائل کے دو حقیقی بھائی و سات چچیرے بھائی حیات ہیں اور سائل مسماۃ بستی بیگم واقفہ کے پوتوں میں سب سے اکبر ہے، مزید یہ کہ سائل کے مورث اعلیٰ اور مولوی بشیر الدین کے والد و علاحدہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر سائل کا سوال مبنی بر صدق ہے تو موقوفہ

جائیداد کے بارے میں فقہاء کرام نے ایک اصل اور ضابطہ شرعی بیان کیا ہے وہ یہ کہ

شروط الواقف کنص الشارح. (الأشباه والنظائر قدیم ص: ۱۷۰، جدید زکریا ص: ۳۰۰) یعنی شارع کی نص کے مشابہ واقف کی شرائط کا حکم ہوتا ہے، لہذا واقفہ بستی بیگم مرحومہ نے اپنے وقف نامہ علی الاولاد میں جو دفعات و شرائط تحریر کیں ہیں ان میں دفعہ ۵ سے اولاد اکبر کا متولی ہونا ثابت ہوتا ہے، دفعہ ۶ سے واضح ہوتا ہے کہ افتخار احمد کو لاولد ہونے کی صورت میں چار علماء کرام حنفی المذہب کو متولی سمجھا جائیگا، ان سے دفعات و شرائط کے مد نظر حسب سوال سائل اولاد اکبر و احد حسین عثمانی ہیں اور افتخار احمد مرحوم نے اپنی زندگی میں کسی کو متولی بھی مقرر نہیں کیا ہے، نیز سلسلہ خاندانی مقررہ واقفہ میں واحد حسین عثمانی ہوتے ہیں، لہذا تولیت کا حق واحد عثمانی کو ہی ان کے سوالات اور واقفہ مقررہ کی دفعات و شرائط کی روشنی میں شرعاً ہوتا ہے۔ قط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: الطاف الرحمن مجھرا یونی

۳ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

مدرسہ حیات العلوم مراد آباد

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۳ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۳۲/۳۴)

## تولیت میں واقف کی شرائط کا حکم

**سوال [۶۳۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں میرے دادا مرحوم چھوٹے ولد با داد اللہ شیخ روغن گرج محلہ باڑہ شاہ صفانزدلال



مسجد مراد آباد نے ایک مکان جس میں چار کمرے اور چار درواکے ہیں محلہ کسرول چھوہو اکا نالہ کے سامنے واقع بذریعہ وقف نامہ ۱۹ جولائی ۱۹۳۲ء میں رجسٹری ۱۲/۱۴ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں کرائی اور اس کی رجسٹری سب رجسٹرار صاحب سے مراد آباد میں کرائی تھی، نمبر ایک جلد نمبر ۵۹۶/ کے صفحات نمبر ۲۳۱-۲۳۳ میں سلسلہ نمبر ۲۰۵ وقف نامہ علی الاولاد و نسل در نسل کر دیا تھا، چھوٹے مشکور نے اس طرح تحریر کیا ہے کہ میری ہی نسل میں سے متولی رہے گا، دیگر برادری کے یا دیگر قوم کا متولی نہ ہوگا، میری نسل ختم ہو جائے تو میرے رشتہ دار اور خاندان کا متولی ہوگا، میرے رشتہ داران کے بعد میری برادری کے پانچ آدمی چن کر متولی قائم کر لیے جائیں، میری برادری ختم ہو جائے تو ایسی صورت میں محلہ کے پانچ آدمی چن کر متولی قائم کر دیئے جائیں، میرے محلہ والے متولی نہ بننا چاہیں تو ایسی شکل میں مدرسہ شاہی مسجد کو متولی بنایا جائے، اور باہتمام منتظم شاہی مدرسہ متولی مذہب اہل سنت والجماعت مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہوگا، غیر قوم یا مذہب کا کوئی متولی نہ ہوگا، اور جو متولی جائیداد موثوقہ کا ہوگا، واقف نے وقف نامہ میں تحریر کر دیا ہے، کہ اس مکان میں میرے متولی سکونت کرتے رہیں گے، سکونت کے بعد اس مکان کی جتنی آمدنی ہوگی اس کے چار حصے کر کے ایک حصہ کار خیر میں خرچ ہوگا، ایک حصہ مکان کی مرمت میں خرچ ہوگا، دو حصے میری دختران اور نواسیوں کو دیتا رہے گا، نواسیوں کے بعد کسی اور آمدنی نہیں دی جائے گی وقف نامہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ میرا متولی عبدالرحمن رہے گا، عبدالرحمن جس کو چاہے گا اس کو متولی مقرر کر دے گا، بعد عبدالرحمن ذکر پسر اکبر اس کا متولی بنے گا، اسی طرح سے سلسلہ نسل در نسل بطن و بطن چلتا رہے گا کسی غیر قوم کا متولی نہ ہوگا، وقف نامہ کی رو سے تحریر لکھی گئی ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ چھوٹے مرحوم کی نسل حیات ہے، پوتے پڑپوتے حیات ہیں، وقف نامہ میں چھ نام درج ذیل ہیں:

(۱) نسل در نسل بطن و بطن۔

(۲) رشتہ داران حیات ہیں۔

(۳) خاندان حیات ہے۔

(۴) میری برادری حیات ہے۔

(۵) محلّہ والے حیات ہیں۔

(۶) مدرسہ شاہی مسجد حیات ہے۔

اس لیے علماء دین و مفتیان کرام سے مؤبانہ التماس ہے کہ مسئلہ ذیل کے بارے میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف نامہ اور سوالنامہ کو بار بار پڑھا گیا، وقف نامہ میں واقف کی طرف سے جو شرائط و قیودات لکھی جاتی ہیں ان کی رعایت اور ان کی پابندی کرنا بعد والوں پر لازم ہو جاتی ہے اور وقف نامہ میں خاص طور پر دو چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی:

(۱) مذکورہ موقوفہ جائیداد کی آمدنی کا مصرف کیا ہوگا؟

(۲) جائیداد موقوفہ کا متولی کون ہوگا؟

ان دونوں باتوں میں سے آمدنی کے بارے میں وقف نامہ میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ چار حصہ کر کے ایک حصہ کارخیر میں خرچ ہوگا اور دوسرا حصہ مرمت وغیرہ میں خرچ ہوگا، اور دو حصے واقف کی دونوں لڑکیوں کو دیئے جائیں گے، اور وصولی کی رسید بھی حاصل کی جائیگی، اور دونوں لڑکیوں کی صلیبی اولاد یعنی مرحوم کے نواسے اور نواسیوں کو دختران کے بعد ملا کریں گے، اور نواسے اور نواسیوں کے بعد نیچے کی اولاد کو نہیں دیا جائیگا، بلکہ یہ آمدنی مدرسہ شاہی کو ملا کرے گی، لہذا واقف کی اس شرط کی پابندی بعد والوں پر نہایت ضروری ہوگی، سوالنامہ میں سائل نے اس بات کو واضح نہیں کیا ہے کہ نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا نہیں؟ لہذا اگر نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا دختران زندہ ہیں تو آمدنی کے چار حصوں میں سے دو حصے ان کو ملتے رہیں گے، اور اگر نواسے اور نواسیاں موجود نہیں ہیں تو آمدنی کے چار حصہ کر کے دو حصہ مدرسہ شاہی میں پیش کر دینا لازم و واجب ہوگا، اب سائل خود دیکھ لے کہ دختران یا نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا نہیں، اور واقف نے دوسری شرط زیادہ اہمیت سے یہ لکھی ہے کہ تولیت کی ذمہ داری واقف کے بعد واقف کے چھوٹے بیٹے عبدالرحمن کو حاصل رہے گی، اور عبدالرحمن

کے بعد عبدالرحمن کی اولاد یا عبداللہ کی اولاد میں سے جس کو عبدالرحمن باصلاحیت اور اہل سمجھے اس کو متولی بنائے گا، اور سوانامہ میں سائل نے لکھا ہے کہ واقف کا پوتا زندہ ہے اگر واقف کا پوتا باصلاحیت امانتدار ہے اور وقف جائیداد کی آمدنی کو واقف کی شرائط کے مطابق خرچ کریگا اور دیانتداری اور خوف خدا اس پر غالب ہے اور خاندان کے لوگ اس کو متولی بنانے میں مطمئن ہیں تو وہ متولی بن سکتا ہے، مگر خاندان کے اہم دیندار لوگوں کے مشورہ سے جیسا کہ وقف نامہ میں واقف نے اس طرح شرط لگائی ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع أى فى المفهوم والدلالة ووجوب

العمل به. (در مختار مع الشامى، كتاب الوقف مطلب فى قولهم شرط الواقف كنص الشارع، كراچى ۴/۳۳، ۶/۶۹/۶)

لأن شرط الواقف معتبر فى راعى كالتص و عليه الفتوى. (مجمع الأنهر

قديم ۱/۷۴۳، جدید دار الكتب العلمیة بیروت ۲/۵۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

۱۴۲۸/۵/۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۸۳)

وقف علی الاولاد کی صورت میں نسل ختم ہونے پر متولی کون ہوگا؟

**سوال [۶۴۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں شیخ محمد عبدالہادی عرف محمد جان خلف نشی عبدالحکیم صاحب مرحوم قوم شیخ اپنے پیشہ زمینداری و ٹھیکہ داری محلہ شیدھی سرائے مراد آباد اپنی تمام جائیداد ہائے صحرائی و سکنائی مندرجہ دستاویز ہذا فاتیسی مبلغ نو ہزار اٹھانوے روپیہ کچھ آنہ کا بذریعہ خریداری و نیز بذریعہ خود بلاشک غیر کے مالک اور قابض ہوں، اور مذکورہ جائیداد اس وقت تمام قسم کے مؤاخذہ شرعی و قانون سے پاک ہے، میں نے مندرجہ دستاویز کی بابت یہ تجویز کیا کہ میں ان تمام جائیدادوں کا اپنی حیات میں شریعت کے احکام کے مطابق ایسا انتظام کر دوں جس

کی آمدنی سے میں اور میری زوجہ اور اولاد نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن اور اگر میری کوئی اولاد پیدا نہ ہو تو میرے بھائی منشی عبدالباری صاحب مرحوم کی لڑکی نایاب بیگم اور اس کی اولاد اور اس کے شوہر کی پرورش و پرداخت ہوتی رہے، اور خیراتی امور بھی انجام پاتے رہیں، اور اگر خدا نخواستہ میری چھٹی نایاب بیگم کی نسل میں بھی کوئی اولاد مذکور موجود نہ رہے تو اس وقت جائیداد ہذا کی کل آمدنی خدا کی راہ میں خیراتی امور میں خرچ ہوئے تاکہ خوشنودی خدا اور رسول ہو، مجھے اور میرے وارثین کو ثواب اخروی ملتا رہے، لہذا میں حسب ایک نمبر ۶/۱۹۱۳ء آج کی تاریخ سے تمام جائیداد مذکورہ دستاویز ہند کے تحت تمام متعلقات و توابعات سے تمام حقوق داخلی و خارجی کے اور بغیر کسی استثناء کے حق آمدنی کو اپنی ذات اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد در اولاد نسلاً بعد نسل کی پرورش و پرداخت کے واسطے اور نیز انجام دہی خیراتی امور کے واسطے جن کی تصریح ذیل میں ہے وقف کرتا ہوں، اور اپنے قبضہ اور ملکیت سے نکال کر اللہ کی ملکیت میں دیتا ہوں، اور آج کے بعد میں اور میرا کوئی وارث اس کا مالک نہیں رہا۔

شرائط و مقاصد وقف جن پر ہمیشہ عمل ہوتا رہے گا۔

(۱) اپنی زندگی میں خود متولی رہوں گا، مجھ کو اپنے زمانہ تولیت میں جائیداد موقوفہ میں تصرف کرنے اور ان کے متعلق ہر طرح کے انتظامات کرنے اور ان کی آمدنی اپنی مرضی سے اپنی اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت کرنے اور خیراتی امور میں خرچ کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور کسی بھی شخص کو اس میں دخل اندازی کا حق نہ ہوگا۔

(۲) میرے بعد میری زوجہ اختر بیگم متولیہ ہوں گی اور ان کو میری طرح تمام جائیداد کو اپنے تصرف میں رکھنے کا اور ان کے متعلق ہر طرح انتظامات کرنے کا حق حاصل ہوگا لیکن ان پر یہ لازم ہوگا کہ وہ جائیداد موقوفہ کی آمدنی حسب ذیل طریقہ سے خرچ کریں:

(۳) اس کے بعد میں اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد از قسم اناث

جائیداد ہائے موقوفہ کی متولی مقرر ہوگی۔

(۴) اگر خدا نخواستہ میری کوئی اولاد پیدا نہ ہو یا میری زوجہ کی حیات میں کوئی اولاد

موجود نہ رہے تو متولیہ میری بھتیجی نایاب بیگم مقرر ہوگی۔

(۵) اور میری بھتیجی کے انتقال پر اس کی اولاد کبر از قسم ذکر متولی ہوگی۔

(۶) اور اگر خدا نخواستہ میری بھتیجی کی نسل میں کوئی اولاد ذکر موجود نہ رہے تو اس وقت جائیداد مذکورہ کا متولی مذہبی، دیانت دار، اہل سنت والجماعت میں سے کوئی شخص بحکم عدالت مجاز مقرر ہوگا، جو کمیٹی کی نگرانی میں جس کو عدالت مقرر کرے گی تو لیت کی خدمت انجام دے گا، اور اب عبد الہادی کے اولاد ختم ہونے کے بعد واقف کی شرائط کے مطابق عبد الہادی کی اکلوتی بھتیجی نایاب بیگم کو متولیہ بنا دیا گیا تھا، ۸۷ء کو نایاب بیگم کا انتقال ہو گیا اور نایاب بیگم کی نسل میں کوئی اولاد ذکر وراثت بھی باقی نہ رہی اور نہ اس کا شوہر البتہ عبد الحکیم کے بھائی اور عبد الہادی واقف کے تایا عبد الرحیم کی دوسری نسل میں عبد الساجد ولد عبد الاحد ولد عبد الرحیم موجود ہیں، ان کے علاوہ اس نسل میں بھی اب کوئی دیگر فرد حیات نہیں ہے، یعنی عبد الساجد کے علاوہ عبد الہادی کے کنبہ میں اب کوئی فرد موجود نہیں ہے تو ان حالات میں مذکورہ وقف نامہ کے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے عبد الساجد ولد عبد الاحد، عبد الہادی کی جائیداد کا متولی از روئے شرع بن سکتا ہے یا نہیں؟ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب واقف کی نسل ختم ہونے کے بعد نایاب بیگم کی نسل بھی ختم ہو چکی ہے تو واقف کی شرائط کے مطابق مذکورہ جائیداد موقوفہ کا متولی اہل سنت والجماعت میں سے عدالت مجاز کے حکم سے کمیٹی کی نگرانی میں کوئی مذہبی دیانتدار شخص ہی ہو سکتا ہے، عبد الساجد ولد عبد الاحد محض خاندانی ہونے کی بنیاد پر مذکورہ جائیداد کا متولی شرعاً نہیں بن سکتا، کیونکہ واقف کی شرائط و اغراض کی مخالفت جائز نہیں ہے، نیز واقف کی شرائط کے مطابق مذکورہ جائیداد کی کل آمدنی دیانتدار اور متولی کی نگرانی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنی واجب ہوگی۔

القضاء بخلاف شرط الواقف كالقضاء بخلاف النص لا ينفذ لقول

العلماء شرط الواقف كنص الشارع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۷۰، جدید

زکریا ۳۰۰، شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی قولہم شرط الواقف کنص الشارع، زکریا  
۶/۶۴۹، کراچی ۴/۳۳ (۴۳۳/۴)

إنہم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقف واجبة الخ. (شامی کراچی  
۴/۴۵۰، زکریا ۶/۶۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷ رجب الاول ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۰/۲۳)

## وقف علی الاولاد میں واقف کی اولاد کے علاوہ کا متولی بننا

**سوال [۶۴۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: کہ منیرا بنت نجابت علی مرحوم نے اپنی ایک آراضی ۱۸۹۰ء میں وقف علی الاولاد کیا  
اور کچھ حصہ آمدنی قبرستان اور مسجد وغیرہ کے لیے وقف کیا، اور وقف نامہ میں بصراحت لکھا  
کہ اس آراضی کا متولی میرے خاندان کا لائق آدمی رہے گا، اور ۱۸۹۰ء سے خاندان سے ہی  
متولی ہوتے رہے اب ایک شخص گلزار عابد خاں ولد ابن خاں ساکن شیدی سرائے مراد آباد  
نے عدالت میں یہ دکھا کر کہ منیرا کے خاندان میں کوئی زندہ نہیں ہے اس آراضی ۱۹۹۰ء میں  
متولی بن گیا جبکہ منیرا کے خاندان میں نرینہ اولاد پڑپوتے سلیمان، محبوب حسین، سلطان  
حسین وغیرہ موجود ہیں، تو گلزار حسین کا متولی بننا از روئے شرع جائز ہے یا حسب تحریر وقف  
نامہ ناجائز ہے، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟ کرم ہوگا۔

المستفتی: محبوب حسین ولد علی حسین گل شہید مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ صورت میں منیرا بنت علی مرحوم کا وقف علی  
المقابر اور اس کی ولایت اپنی اولاد کے حق میں کرنا جائز ہے اور جب تک واقف کی لائق اولاد  
موجود رہے گی دوسرا کوئی بھی شخص اس آراضی موقوفہ کا متولی نہیں بن سکتا ہے، لہذا مسئلہ

صورت میں گلزار عابد خان کا متولی بننے کی کوشش کرنا شرعاً ناجائز ہے، وہ متولی نہیں ہو سکتا ہے۔

شرط الواقف كص الشارح. (شامی، كتاب الوقف مطلب فی قولهم شرط

الواقف كص الشارح، زکریا ۶/۶۴۹، کراچی ۴/۴۳۳، قواعد الفقہ اشرفی دیوبند ص: ۸۵)

ومراعات غرض الواقفين واجبة. (شامی زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵)

ولو جعل الولاية لأفضل أولاده وكانوا في الفضل سواء تكون

لأكبرهم سنا ذكرا كان أو انثى ولو لم يكن فيهم أحد أهلا لها فالقاضي

يقيم أجنبيا إلى أن يصير أحد منهم أهلا لها فترد إليه. (هنديہ، الباب الخامس فی

ولاية الوقف زکریا قديم ۱/۲، جدید ۲/۳۸۱ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۸/ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

۱۴۱۸/۳/۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۱۴)

وقف علی الاولاد کا متولی کون ہو؟ اس کو فروخت کرنے اور اس میں رہائش اختیار کرنا حق کس کو ہے؟

**سوال [۷۶۴۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: فیاض حسین ولد محمد بخش و مسماة عزیزن زوجہ فیاض حسین کا ایک مکان پختہ واقع

محلہ تمباکو والا ن مراد آباد میں ہے، فیاض حسین کی کوئی اولاد نہیں ہے، عزیزن نے اپنے بھائی

منشی عظیم الدین کے لڑکے جناب عین الدین عرف مونے میاں کو گود لے کر اپنی اولاد کی

طرح پرورش کی اور شادی بھی کی، مکان کو ہر طرح کے ضرر و شر سے محفوظ رکھا، بلا اکراہ و

اجبار برائے راحت و رہائش اپنے و اپنے پسر متبنیٰ مذکور، برائے حصول ثواب اخروی وقف علی

الاولاد ۱۴۱۴/۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو تحریر لکھ کر رجسٹری آفس میں رجسٹری کرادی، اس تحریر میں فریق اول

فیاض حسین تاحیات متولی رہیں گے، اور ان کو تاحیات سکونت و اختیارات کرائے پر دینے

کے ہر طرح کے حاصل ہوں گے، کوئی شخص حساب لینے یا کسی طور پر دخل دینے کا مجاز نہ ہوگا،

فریق اول کے بعد ان کے پسر عین الدین عرف مونے میاں کو متولی ہونے کا حق حاصل

ہوگا، اور جو اختیارات فریق اول کو حاصل ہوں گے وہ اختیارات عین الدین عرف مونے میاں کو حاصل ہوں گے، عین الدین عرف مونے میاں کے بعد ان کی اولاد ذکور میں جو شخص قابل تولیت ہو جب تولیت نامہ ہوگا وہ متولی نسل در نسل بدلتا رہے گا، اور ہر متولی کو اپنی حیات میں متولی نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

عین الدین عرف چھوٹے میاں نے دو شادیاں کی، پہلی بیوی کا انتقال ۱۹۴۶ء کو ہوا، اس وقت یہ تحریر نہیں لکھی گئی تھی ان سے ایک لڑکا اظہر الدین ولد عین الدین عرف مونے میاں و ایک لڑکی فریدہ خاتون تھی شادی کے بعد اظہر الدین مکان کے بالائی منزل میں رہتے ہیں، عین الدین عرف مونے میاں نے ۱۹۴۷ء میں نسیمہ خاتون سے دوسری شادی کی ان سے چار لڑکے (۱) ضیاء الدین (۲) صغیر الدین (۳) نوید الدین (۴) عبید الدین۔

چھ لڑکیا: نوشاد جہاں، انور جہاں، کوثر جہاں، منور جہا، ثروت جہاں، کشور جہاں (یہ طلاق شدہ ہیں) اور ضیاء الدین اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔

عین الدین کا انتقال ۱۹۷۵ء کو ہوا اور تمام ذمہ داریاں عین الدین کے پسر ضیاء الدین نے سنبھالیں والد کا کاروبار سب بہنوں کی شادیاں، بھائیوں کی شادی، پڑھائی تمام اخراجات کی ذمہ داری آج تک انہوں نے ہی سنبھال رکھی ہے، ۱۹۷۵ء میں والد کے انتقال کے بعد سب نے مل کر والد کے مال و متاع میں بٹوارہ کر کے اپنے اپنے حصے لے لیے، ۱۹۸۳ء میں اظہر الدین ولد عین الدین کا انتقال ہو گیا، ان سے دو لڑکے مظہر الدین، اظہر الدین اور تین لڑکیا: غزالہ پروین، سیمپروین، فوزیہ پروین ہیں، اس تفصیل کے بعد درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) دین و شریعت اور وقف نامہ کی روشنی میں اس وقت وقف ہذا کا متولی کس شخص کو

ہونا چاہیے؟

(۲) خاندان بڑا ہے مکان چھوٹا ہے اس وجہ سے کیا مکان کو تقسیم کیا جا سکتا ہے تاکہ

اپنا اپنا حصہ بنوا کر رہا جاسکے؟

(۳) کیا متولی کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو مکان میں رہنے سے منع کرے اور خالی کرنے



کے لیے کہے؟

(۲) اگر مکان تقسیم کیا جائے تو اس کو کس طرح سے کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) عین الدین کے انتقال کے بعد عین الدین کا بیٹا اظہر الدین وقف نامہ کی شرائط کے مطابق متولی رہا اور اب اظہر الدین کے انتقال کے بعد عین الدین کے لڑکوں میں جو زیادہ دیانت دار تبع شریعت ہوگا اس کو تولیت کا حق پہنچے گا۔

إنہم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف،

مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ۴/۴۵، زکریا ۶/۶۶۵)

شرط الواقف کنص الشارح. (شامی، زکریا ۲/۶۶۹، کراچی ۴/۴۳۳)

(۲) مکان جب چھوٹا ہے اور خاندان بڑا ہے تو اس مکان کے اوپر منزلہ بنا کر کے الگ الگ رہائش اختیار کرنے کی گنجائش ہے مگر اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ،

وكان يقال له ثمنغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذی القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى

إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۵)

إذا صح الوقف لم يجوز بيعه ولا تملكه. (هدايہ، اشرفی دیوبند ۲/۶۴۰،

ہندیہ، زکریا قدیم ۲/۳۵۰، جدید ۶/۳۴۶)

(۳) جب مکان واقف کی اولاد کے علاوہ کسی اور کے پاس کرایہ پر نہیں ہے بلکہ صرف

واقف کی اولاد ہی اس مکان میں رہتی ہے تو متولی کو یہ حق نہیں ہے کہ واقف کی اولاد میں سے کسی

کورکھے اور کسی کو رہنے سے منع کر دے، بلکہ اس مکان سے فائدہ اٹھانے کا سبھی کو حق ہے۔  
(۴) اس کا جواب نمبر ۲ میں آ گیا ہے۔

نعم لأن للناظر التصرف في الوقف بما فيه الحفظ والمصلحة وحيث  
عرض المتولي المشروط له. (تنقيح فتاویٰ لحامدیة، کتاب الوقف الباب الثالث فی أحكام  
الناظر ۱/۲۲۱، مکتبہ میمنیہ مصر بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۴/۳۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۶ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۶/۴۰)

## وقف علی الاولاد جائیداد کو میراث کی طرح تقسیم کرنا

**سوال [۷۶۴۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شارق شلیل کو ایک قطعہ مکان اور باغ دوکانیں وراثت میں ملیں یہ مکان میری دادی کو ان کے والد کی وراثت میں ملا تھا، جس کو میرے والد مرحوم نے تعمیر کر دیا تھا، اس مکان کو حافظ مہربان علی صاحب (میری دادی کے والد) نے تقریباً ۱۹۳۵ء میں وقف علی الاولاد کر دیا تھا، ان کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوا جس کی وجہ سے اس وقف نامہ کو اس وقت کے عالموں کو دکھایا گیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وقف نامہ مکمل ہے اس وقت مجلس میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے بتایا کہ:

(۱) اس وقف میں فی سبیل اللہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس وقف کی آمدنی کو صرف واقف کے پوتے امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں اور انوار النساء کی پرورش اور شادی وغیرہ میں صرف کرنے کو لکھا ہے، جو کہ ان کی حیات میں ہی پوری ہو گئی۔

(۲) وقف میں علی الخیر کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی وقف کی آمدنی کا کوئی حصہ اللہ کی راہ میں صرف کرنا لکھا ہے یہ وقف صرف اپنی اولادوں تک محدود ہے علی الخیر کا اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، لہذا اس وقف کو ختم کر کے سبھی وارثان مہربان علی جن میں ان کا ایک بیٹا چار بیٹیاں ایک پوتا ایک پوتی حیات تھے، ان سب لوگوں کی موجودگی میں مہربان علی کی وراثت کا حصہ بنا لیا گیا۔

(۳) وراثت کی تقسیم میں مذکورہ مکان کا آدھا حصہ اور ایک دوکان میری دادی کے حصہ میں آئی اور آدھا مکان اور ایک دوکان دادی کی بہن کے حصہ میں آئی، ایک دوکان مہربان علی کے بیٹے کے حصہ میں آئی، دو دروازوں والی دوکان ایک پوتا امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں کے حصہ میں آئی۔

(۴) اس تقسیم کے بعد میرے والد اور دادا نے مکان پر قابض کرایہ داروں کو روپیہ دے کر مکان خالی کرایا، اور میرے والد نے اس مکان کو تعمیر کرائی، میری دادی کی بہن کے حصہ کو بھی میرے والد نے روپیہ دے کر خرید لیا دو دروازوں والی ایک دوکان میرے دادا نے مہربان علی کے پوتے امتیاز علی اور روشن جہاں سے خرید لیا جس کی رجسٹری موجود ہے، ایک دوکان جو مہربان علی کے بیٹے کے حصہ میں آئی تھی اسے بھی روپیہ ادا کر کے خرید لیا، یہ ساری تقسیم علماء اور خاندان کے بزرگ حضرات اور وارثان مہربان علی کی موجودگی اور سہمتی سے ہوئی جس کے کچھ گواہان آج بھی موجود ہیں۔

راقم الحروف اس جائیداد کے مسئلہ میں آپ کی رائے جاننے کا خواہشمند ہے:

(۱) کیا جس وجہ سے میری معلومات کے مطابق اس وقف کو ختم کر کے وراثت میں تقسیم کیا گیا ہے صحیح ہے یا اس وقف کو ختم کرنے کی دیگر وجوہ بھی ہیں؟

(۲) جن لوگوں کو اس وقف میں متولی بنایا تھا انہوں نے علماء کی موجودگی میں اس وقف کو ختم کر کے وراثت میں تبدیل کر لیا، اور اپنے حصہ کی جائیداد کو فروخت کر دیا تو کیا یہ وقف پھر بن سکتا ہے؟

(۳) کیا یہ وقف دوبارہ سے قائم ہو سکتا ہے تو ہماری کیا حیثیت رہے گی؟

(۴) کیا اس وقف علی الاولاد کو ختم کر کے وراثت میں شامل کیا گیا تو یہ تقسیم وراثت

صحیح ہوئی؟

(۵) کیا میری دادی اور ان کی بہن کو وراثت میں صحیح حق مل گیا؟

مہربان علی کے پوتے امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں اس وقف کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں جبکہ وقف ختم کرنے اور وراثت تقسیم کرنے میں وہ پیش پیش تھے اور وہ وراثت

کے ذریعہ ملی دوکانوں کو میرے دادا کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں؟

المستفتی: شارق تکلیل رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف کی تین قسمیں ہیں: (۱) وقف علی اللہ جیسا

کہ مساجد مقابر وغیرہ کا وقف ہوتا ہے، اسی طرح مدارس کا وقف (۲) وقف علی الفقراء:

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی جائیداد کی آمدنی کو فقراء پر خرچ کرنے کے لیے وقف کیا

جائے اور فقراء و مساکین پر خرچ کا سلسلہ جاری رہے (۳) وقف علی الاولاد: اس کا

مطلب یہ ہوتا ہے کہ مالک جائیداد کو یہ خطرہ ہے کہ اس کے بعد اولاد جائیداد کو خرد برد کر کے

ختم کر دے گی اس سے بچنے کے لیے اس طریقہ سے وقف کیا جاتا ہے کہ جائیداد کو فروخت

کرنا، ہبہ کرنا وغیرہ جائز نہیں ہوگا، اور کسی شخص کو مالک بنانا بھی درست نہیں ہوگا، بلکہ اولاد

ان جائیداد میں رہائش اختیار کر کے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا جائیداد کو کرایہ وغیرہ پر دے کر اس کی

آمدنی اولاد کے درمیان ان کے تناسب کے حساب سے تقسیم ہوتی رہے گی، اس طرح سے

وقف کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں، اور وقف علی الاولاد کے لیے وقف علی الخیر اور فی سبیل اللہ

وغیرہ کی قید لگانا مشروط نہیں ہے، لہذا مورث اعلیٰ جس نے وقف علی الاولاد کیا تھا وہ وقف

اپنی جگہ درست تھا، اور بعد میں اسے میراث بنا کر تقسیم کرنا درست نہیں تھا، اور اس کے بعد

جس طریقہ سے کسی نے خرید کسی نے کسی کو فروخت کیا کسی کو دوسرے سے وراثت

میں ملایا یہ سب چیزیں اس ایک غلطی پر موقوف ہیں جس میں وقف کو ختم کر کے میراث بنا لیا گیا

ہے، اب اس الجھاؤ کو کس طریقہ سے ختم کیا جائے وہ خود اصحاب معاملات جانیں۔

عبارۃ المواہب فی الوقف علی نفسہ وولده و نسبہ و عقبہ جعل ربیعہ

لنفسہ ایام حیاتہ ثم و ثم جاز عند الثانی وبہ یفتی۔ (شامی، کتاب الوقف، فصل فیما

یتعلق بوقف الأولاد من الدرر، کراچی ۴/۶۷، ذکر یا ۶/۶۹۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

۱۶/۸/۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۳۹)

## وقف علی الاولاد کی جائیداد کی تقسیم

**سوال [۷۶۴۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نواب ساجد خاں کا انتقال ہو گیا، ان کے ورثاء میں پانچ لڑکے، پانچ لڑکیاں ہیں، ترکہ میں وقف علی الاولاد والہی جائیداد ہے اس میں کس وارث کو کتنے کتنے حصے ملیں گے؟

المستفتی: محمد اویس، میاں سرانے سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف علی الاولاد کا حکم شرعی یہ ہے کہ جو جائیدادیں وقف علی الاولاد کی گئی ہیں، ان کو فروخت کرنا جائز نہیں، صرف ان کی آمدنی وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اولاد کے درمیان تقسیم ہوا کرے گی، اگر وقف نامہ میں آمدنی تقسیم ہونے کے بارے میں کوئی شرط اور تفصیل نہیں لکھی ہے، بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ میری اولاد کے درمیان اس کی آمدنی تقسیم ہوا کرے گی، تو ایسی صورت میں اولاد ذکر وراثت سب کو برابر آمدنی کا حصہ ملتا رہے گا، اور سوال نامہ میں درج ہے کہ پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں موجود ہیں، لہذا مذکورہ جائیداد کی آمدنی دس حصوں میں تقسیم ہو کر ہر لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ ملا کرے گا۔

رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر والأنثى لأن إسم الولد مأخوذ من الولادة والولادة موجودة في الذكر والأنثى. (قاضیخان فی ہامش الہندیۃ ۳/۹۱)

وصحح قاضیخان دخول البنات فيما إذا وقف على أولاده و أولاد أولاده وهو المعمول به الآن، ولا يفضل الذكر على الأنثى في القسمة بينهم. (مجمع الأنهر قديم ۱/۷۴۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۸۶)

## وقف علی الاولاد جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ

**سوال [۷۶۳۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فردی کے والد کو انتقال ہوئے قریب پانچ سال کا عرصہ ہوا ہے، ان کے پسماندہ گان میں فردی کی والدہ تین بہنیں اور فردی خود موجود تھے، ایک سال قبل ایک بہن کا انتقال ہو چکا ہے، والد کے انتقال کے وقت والد کا ایک اوقافی پلاٹ  $۳۵ \times ۴۰$  نزول پر حاصل کیا ہوا تھا، جس پر والد صاحب اپنے اخراجات سے ایک کمرہ  $۸ \times ۱۰$  تعمیر کروا کر رہ رہے تھے، پھر فردی اس پلاٹ کے مابقیہ حصہ پر اپنے اخراجات سے اس تعمیر میں وقتاً فوقتاً اضافہ کرتے ہوئے قابل رہائش شکل دی، کل تعمیر اینٹ مٹی اور ٹین پوش پر مشتمل ہے، اس پلاٹ اور جملہ مکان کے جملہ ٹیکس واجبات فردی اپنے ذاتی اخراجات سے ادا کرتا آ رہا ہے، مرحومہ بہن اور ان کی اولاد عرصہ دراز سے اس مکان میں رہتے آ رہے ہیں، چونکہ وہ مطلقہ تھیں، مرحومہ کے دو لڑکے اور ایک لڑکی جو بالغ ہیں موجود ہیں، والد کی اس میراث سے ایک بہن اپنا حصہ طلب کر رہی ہے، میراث کی تقسیم بموجب شرع تفصیلاً عرض کر دیں؟

المستفتی: محمد معروف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بشرط صحت سوال و بعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحوم کی جائیداد و ترکہ بوقت وفات موجود و رثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا، نیز یاد رکھئے کہ اوقافی نزول کی زمین پر صرف حق رہائش حاصل ہوتا ہے، فروختی کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

					$\frac{۲۰}{۸}$
					مرحوم
					می
					بیوی
					لڑکا
					لڑکی
					لڑکی
					لڑکی
					$\frac{۱}{۵}$
					۱۴
					۷
					۷
					۷

مذکورہ مکان اور دیگر ترکہ ۲۰/۲۰ سہام میں تقسیم ہو کر بیوی کو ۵/۱ اور لڑکے کو ۱۲/۱ اور لڑکیوں کو ۷/۷ ملیں گے، اور مرحومہ لڑکی چونکہ باپ کی وفات کے وقت زندہ تھی اس لیے باپ کی وارثہ ہو جائے گی، اور اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملے گا، اور بعد میں لڑکے نے جو کچھ ذاتی پیسہ سے تعمیر کی وہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا، کیونکہ خرچ کرتے وقت دیگر وراثہ سے اس کی اجازت نہیں لی ہے، ہاں البتہ دیگر وراثہ بخوشی اس خرچ کو مجری کرانے پر راضی ہو جائیں، تو کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/۹۲۲۲)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۸/۱/۱۹۲۹ھ

## وقف علی الاولاد میں مذکورہ مَوْنِث سب شامل ہوتے ہیں

**سوال [۷۶۴۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے ترکہ میں کافی جائیداد چھوڑی اور جائیداد کی آمدنی بھی چھوڑی، لیکن زید نے اپنی وفات سے پہلے ایک وقف نامہ وقف علی الاولاد لکھا اس میں کہیں مذکورہ مَوْنِث کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ زید کی کوئی لڑکی نہیں تھی، صرف تین لڑکے تھے، لیکن آ کے چل کر زید کے لڑکوں کے لڑکیاں بھی ہوئیں، اب زید کے پوتے موجود ہیں اور وہ زید کی جائیداد پر قابض ہیں تو کیا ان پوتوں کو اس جائیداد میں سے کچھ حق ملے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف علی الاولاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اولاد ذکور واناث سب وقف میں حقدار ہوں گے، اور مذکورہ صورت میں جب مذکورہ مَوْنِث کا ذکر نہیں ہے اور وقف علی الاولاد ہے تو اس میں پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی شریک ہو جائیں گی اور آمدنی میں سے میراث کے طریقہ سے ”للذکر مثل حظ الانثیین“ یعنی لڑکے کو لڑکی کا ڈبل ملے گا۔

وبیان ذلك أن عبد القادر لما توفي انتقل نصيبه إلى أولاده الثلاثة وهم على و عمر و لطيفة، "لذكر مثل حظ الأنثيين" فلعلني خمسا و لعمر خمسا و للطفيفة خمسه وهذا هو الظاهر عندنا. (الأشباه قديم ص: ۲۰۶، جديد زكريا ص: ۳۵۷)

رجل قال: أَرْضَى هذه صدقة موقوفة على ولدى كانت الغلة لولد صلبه يستوى فيه الذكور والأنثى. (قاضيخان كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد زكريا جديد ۳/۲۲۴، وعلى هامش الهندية زكريا قديم ۳/۳۱۹، هندية، قديم ۳۷۳/۲، جديد ۳۵۹/۲) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۶/۳/۱۱ھ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۳۸۱)

## وقف علی الاولاد میں تولیت کا حق کس کس کو حاصل ہے؟

**سوال [۷۶۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب حاجی کلن نے اپنی دو جائیدادوں (ایک مکان مسکونہ واقع محلہ گل شہید پختہ باغ، ایک دوکان کاروبار کپڑا، بازار منڈی چوک مراد آباد) کی بابت ایک وقف نامہ ۱۹۳۲ء میں علی الاولاد علی الخیر کیا تھا اس کے بعد تین مکانات حاجی کلن نے اور خریدے اور سال ۱۹۳۵ء میں پہلے وقف نامہ کا ذکر و ترمیم کرتے ہوئے دوسرا وقف نامہ علی الاولاد علی الخیر کر دیا، وقف نامہ میں واقف نے اپنی دختر مسماة بانو کو بھی تحریر کیا تھا مگر حکم خداوندی کہ بانو کا واقف کی حیات میں ہی ۱۹۳۶ء میں انتقال ہو گیا، اور اس نے اپنا ایک پسر عبد السلام چھوڑا، دونوں وقف ناموں کی نقول سوال کے ساتھ ہمرشتہ ہیں۔

۱۹۴۷ء میں حاجی کلن (واقف) نے اپنے انتقال پر مسماة چھوٹی بیوہ اور پانچ لڑکیاں: فاطمہ، غفورن، ہاجرہ، صابرہ بسم اللہ، (ایک لڑکی نور جہاں بھی جو مسماة چھوٹی اپنے ساتھ لائی تھی) اور ایک نواسہ عبد السلام کو وارث چھوڑا۔



۱۹۵۵ء میں چھوٹی بیوہ کا انتقال ہو گیا اس نے اپنے انتقال پر اپنے پلٹن کی چار لڑکیوں کو: غفورن، ہاجرہ، صابرہ، نور جہاں (جو پہلے شوہر سے ساتھ لائی تھی) اور اپنے سوکن کے پلٹن کی دو لڑکیاں فاطمہ اور بسم اللہ کو وارث چھوڑا۔

۱۹۶۶ء میں بسم اللہ نے اپنے انتقال پر شوہر حامد حسین، چار لڑکے فاخر حسین، زاہد حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، دو لڑکیاں: بدر النساء، خیر النساء کو وارث چھوڑا۔

۱۹۸۸ء میں عبد السلام نے اپنے انتقال پر دو لڑکیاں زریینہ خاتون و نفیسہ خاتون کو وارث چھوڑا۔

۱۹۸۹ء میں مسماۃ فاطمہ کا اولاد انتقال ہو گیا، وراثت میں تین حقیقی بہنیں، غفورن، فاخرہ، صابرہ، سوتیلی بہن نور جہاں، پانچ بھانجے: فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، دو بھانجیاں: بدر النساء، خیر النساء، دو پوتیاں: زریینہ خاتون، نفیسہ خاتون دختران عبد السلام ان کی وارث ہوئیں، ۱۹۹۳ء میں زاہد حسین نے اپنے انتقال پر چار لڑکے: افتخار حسین، اسرار حسین، شہزاد انور، جاوید انور، ۶ لڑکیاں: زاہدہ یاسین، عابدہ بیگم، ممتاز جہاں، پروین جہاں، عشرت جہاں، مشرف جہاں، وارثان چھوڑے۔

۱۹۹۵ء میں مسماۃ صابرہ نے اپنے انتقال پر شوہر عبد الرحمن تین لڑکے اقبال انور، کمال انور، جلال انور، تین لڑکیاں: شہناز انور، نشاط انور، نگار انور وارث چھوڑے۔

نوٹ: بسم اللہ مرحومہ کے شوہر حامد حسین اور صابرہ مرحومہ کے شوہر عبد الرحمن واقف کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور یہ وقف علی الاولاد ہے تو وقف میں کون کون حصہ دار ہوگا اور کتنا کتنا حصہ ملے گا اور کون کون محروم رہے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسماۃ چھوٹی چونکہ اولاد کے دائرے میں داخل

نہیں ہے اس لیے اس سے سلسلہ جاری نہ ہوگا بلکہ وصیت واقف کی وجہ سے چھوٹی صرف اپنی زندگی میں فائدہ اٹھا سکتی تھی، اس کے بعد اس کی اولاد یا وراثت میں آمدنی وقف کا حق جاری نہ

ہوگا، بلکہ صرف حاجی کلن ہی کی اولاد میں سلسلہ جاری رہے گا، نیز بسم اللہ مرحومہ کے شوہر حامد حسین اور صابرہ مرحومہ کے شوہر عبدالرحمن بھی واقف کی اولاد میں داخل نہیں ہیں، اس لیے یہ لوگ بھی بسم اللہ اور صابرہ کے توسط سے مذکورہ وقف کی آمدنی میں حصہ دار نہیں ہوں گے، جن کا حق ۸ صفر ۱۴۱۲ھ کے لکھے ہوئے فتوے میں مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۱ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۲۳)

۱۱/۲/۱۴۱۶ھ

## اولاد ذکور کی عدم موجودگی میں اولاد اناث متولی بنے گی

**سوال [۷۶۴۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قادر بخش و قادر النساء نے اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد کر دیا اور تولیت کے حقوق پیارے جان کو دیدئے پھر پیارے جان اس جائیداد کے متولی رہے، دفعہ ۳ میں لکھا ہے کہ پیارے جان متولی کے بعد ان کی اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد موقوفہ کی متولی مقرر ہوگی، اور جب تک پیارے جان کی نسل کا سلسلہ باقی رہے گا ہر متولی کے بعد پیارے جان کی نسل اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور موجود نہ ہوں تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد موقوفہ کی متولی مقرر ہوا کرے گی، اور اس متولی پر لازم ہو گا کہ مثل پیارے جان کے جائیداد موقوفہ کی آمدنی..... الخ

اس دفعہ کی روشنی میں بتلایئے کہ پیارے جان کی ایک ہی لڑکی فضیل النساء تھی جو کہ پیارے صاحب کی حیات میں انتقال کر گئی تھی، اس کی اولادوں میں دو لڑکے: بڑا لڑکا ثروت حسین اور شوکت حسین ہیں، تو پیارے جان کے انتقال کے بعد دفعہ ۳ کی رو سے بڑا لڑکا ثروت حسین متولی ہو گا یا نہیں؟

المستفتی: ثروت حسین محلہ مغل پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** چونکہ مذکورہ وقف نامہ میں لکھا ہوا ہے کہ اگر متولی

کی اولاد ذکر موجود نہ ہو تو اولاد اناث کو تولیت ملے گی، لہذا مسئولہ صورت میں واقعتاً اگر متولی کی اولاد ذکر موجود نہیں ہے تو اولاد اناث یعنی نواسے کو متولی بنایا جاسکتا ہے، اور حسب شرائط واقف متولی کی لڑکی کا بڑا لڑکا اس کا متولی بننے کا مستحق ہوگا۔

شرط الواقف کنص الشارح، وفي الشامية: أى فى المفهوم: والدلالة

ووجوب العمل به. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الوقف، مطلب فى قولهم شرط الواقف كنص الشارح، كراچى ۴/ ۴۳۳، زكريا ۶/ ۶۹۹، قواعد الفقه اشرفى ديوبند ص: ۸۵، الأشباه و النظائر قديم ص: ۱۷۰، جديد زكريا ص: ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷ شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۸۷)

## وقف علی الاولاد سے متعلق ایک جامع فتویٰ

**سوال [۶۲۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اکبر حسین ولد عبدالحکیم نے کچھ جائیداد موقوفہ سے متعلق مدرسہ شاہی سے مفتی ریاض الدین صاحب پھر مفتی شبیر احمد صاحب پھر مفتی سلمان صاحب سے مختلف اوقات میں فتاویٰ حاصل کیے، اور ان ہی جائیداد سے متعلق جامعہ نعیمیہ اور مظاہر علوم سہارنپور سے اور مفتی حبیب الرحمن خیر آبادی سے جو ابات حاصل کیے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ مفتیان کرام کے جو ابات کا الگ الگ حکم ہے، لہذا گزارش ہے کہ جائیداد موقوفہ کے تمام وقف نامے، تولیت نامے، اور مفتیان کرام کی طرف سے لکھے ہوئے تمام جو ابات پر غور فرما کر صحیح رہنمائی، شریعت کی روشنی میں پیش فرمائیں تاکہ الگ الگ فتویٰ کا حکم بھی معلوم ہو جائے، اور ہم شریعت کے مطابق عمل بھی کر سکیں، تمام کاغذات سوال کے ساتھ ہم رشتہ ہیں۔

المستفتی: اکبر حسین ولد عبدالحکیم، ساکن محلہ بھٹی مراد آباد

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سائل کے پیش کردہ تمام کاغذات جن میں وقف نامہ اور تبدیل تولیت نامہ اور بعد کے خرید کردہ جائیداد کے وقف کی شرائط اور مختلف دارالافتاء سے حاصل کردہ تمام جوابات بغور دیکھے گئے، سائل کے مختلف سوالات میں تولیت نامہ اور وقف نامہ میں خلط ملط بھی ہے، اب تمام کاغذات کی روشنی میں جو صحیح بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ واقف نے ۱۹۴۴ء میں جن جائیداد کے بارے میں وقف علی الاولاد کیا ہے اور اس میں واقف نے خود شرط نمبر آٹھ میں لکھا ہے کہ میں اس وقف کو کسی وقت مسترد و منسوخ نہ کر سکوں گا، لہذا یہ وقف علی الاولاد ہمیشہ وقف علی الاولاد ہی رہے گا، لہذا جن جائیداد کے بارے میں ۱۹۴۴ء میں وقف علی الاولاد کر دیا تھا ان کو نہ وقف علی اللہ میں تبدیلی کرنا جائز ہوگا اور نہ وقف علی الفقراء میں تبدیل کرنا جائز ہوگا، اور نہ ہی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی ہو سکتی ہے، لہذا اس وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اس وقف علی الاولاد کی آمدنی میں سے جس طرح جتنا اکبر حسین کو ملے گا اتنا ہی اکبر حسین کی بہن شاپین اختر کو ملے گا، لیکن شاپین اختر کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہوگا، اور یہی بات مدرسہ شاہی سے حاصل شدہ فتویٰ ۱۵ شوال المحرم ۱۴۰۷ھ اور ۹ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ کا حاصل ہے، اور ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے لکھے ہوئے فتوے کا حاصل بھی یہی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ۱۹۵۷ء میں واقف نے دو کام کیے: ایک کام تو یہ کیا کہ اپنے بہنوئی ننھے ولد علی بخش کے ضعیف العمری کی وجہ سے اپنے بھتیجے عبدالحکیم کو نامزد کر دیا اور یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ محض تولیت کی تبدیلی کی وجہ سے نفس وقف اور شرائط وقف اور وقف علی الاولاد کی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے، اس لیے آمدنی کے مصارف اپنی جگہ بدستور باقی رہیں گے، اور مصارف میں تبدیلی جائز نہ ہوگی، اور تولیت میں تبدیلی جائز ہے، یہی مظاہر علوم سہارنپور کے فتوے کا حاصل بھی ہے، دوسرا کام ۱۹۵۷ء میں واقف نے یہ کیا ہے کہ اس نے کچھ نئی جائیداد خریدی ہے اور ان نئی جائیدادوں کے بارے میں وقف علی الاولاد کی کوئی صراحت نہیں ہے بلکہ ان کا متولی عبدالحکیم کو بنانے کا ذکر ہے، اور عبدالحکیم کے بعد اس کے اولاد ذکور میں سے پسر اکبر کے متولی بنتے رہنے کا

ذکر ہے، اور اولاد کے درمیان اس کی آمدنی کے تقسیم ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ مرمت اور دیگر کارخیر میں خرچ کرنے کے بعد بقیہ آمدنی متولی کے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے، اس لیے بعد کے خرید کردہ جائیداد میں سے شاہین اختر اور اس کی اولاد کو نہیں ملے گا، بلکہ ضروری اخراجات کے بعد بقیہ بیسہ متولی اپنے تصرف میں لاسکتا ہے، اور نہ ہی ان جائیداد کا متولی شاہین اختر ہو سکتی ہے، اور سائل نے ۱۴۰۵ھ میں مفتی ریاض الدین صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا مدرسہ شاہی سے جو جواب حاصل کیا ہے وہ جواب اور پھر ۱۹۸۵ء میں جامعہ نعیمیہ سے حاصل کردہ جواب اور ۱۴۰۹ھ ربیع الثانی کو مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کردہ جواب اور ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ کو مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ جواب، ان تمام جوابات کا تعلق بعد کے خرید کردہ جائیداد سے متعلق ہے، اس لیے کہ ان جوابات کے سوال میں سائل نے جو لکھا ہے وہ بعد کے خرید کردہ جائیداد کے مطابق ہی ہے، ۱۹۴۴ء میں وقف کردہ جو جائیداد ہے اس سے ان سوالات اور جوابات کا تعلق نہیں ہے، اگرچہ بعض سوالات میں خلط ملط کر دیا گیا ہے، مفتیان کرام کو سوالات کی عبارت کے ذریعے سے واقعہ کی گہرائی تک پہنچنے میں کافی دشواری ہوئی ہے، اور ۱۵ اشوال ۱۴۰۷ھ میں مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ جواب اور ۱۴۱۲ھ ۹ ربیع الثانی کو مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ دوسرا جواب، اور ۲۱ رجب ۱۴۰۴ھ میں مفتی حبیب الرحمن سے حاصل کردہ جواب کا پہلا جز، اور ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ کو مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کردہ جواب، ان تمام کا تعلق ۱۹۴۴ء میں کیا ہوا وقف علی الاولاد سے متعلق ہے، اس لیے کہ ۱۹۴۴ء میں جن جائیداد کو وقف علی الاولاد کے طور پر وقف کر دیا گیا تھا، اور ان کے مصارف بھی متعین کر دیئے گئے تھے تو ان جائیداد کے وقف کی نوعیت اور وقف کی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، لہذا تمام مفتیان کرام کا لکھا ہوا فتویٰ اپنی اپنی جگہ پر درست ہے، سائل نے پہلے کے وقف اور بعد کے وقف کو مخلوط کر کے سوال کیا ہے اس لیے یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ ایک جائیداد کے متعلق مختلف مفتیان کرام کے مختلف انداز سے الگ الگ جوابات ہیں، بلکہ تمام جوابات اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ ۱۹۴۴ء میں جو وقف علی الاولاد کیا ہے اس میں تبدیلی بھی جائز نہیں ہے اور اس کی آمدنی کے مصارف میں

تبدیلی کرنا بھی جائز نہیں ہے، لہذا اس کی آمدنی میں شاہین اختر اکبر حسین کے برابر کی شریک ہوگی، پھر ان دونوں کی وفات کے بعد ان دونوں کی اولاد میں ان دونوں کا حق منتقل ہوتا رہے گا، اور ۱۹۴۴ء کے بعد جن جائیداد کو وقف کیا گیا ہے ان کی آمدنی میں شاہین اختر یا اس کی اولاد شریک نہیں ہوں گی اور مختلف دارالافتاء سے لیے گئے فتاویٰ کا حاصل بھی یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۲۸ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۳۳/۳۶)

۱۴۲۳/۲/۲۸ھ

## وقف علی الاولاد میں شرعی و رثاء کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں ہے

**سوال [۷۶۵۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۹۴۱ء میں ہمارے نانا ننھے بخش نے ۱۱۵ گز آراضی وقف علی الاولاد کی اور اس آراضی میں رہنے کے لیے گھر بھی بنایا اور ننھے بخش کے انتقال کے بعد اس زمین کی متولیہ ان کی بیوی اور ہماری نانی بھولی تھی، اور بھولی نے بعد میں ہماری والدہ سعیدہ اور بڑے بھائی شریف کو متولی بنا دیا تھا، اس کے بعد ہمارے بڑے بھائی کے سہالے عبدالعلی عرف منا اور اس کی بیوی کو رہائش کے لیے ہماری والدہ نے اسی گھر میں ایک کوٹھری دیدی، جس میں یہ کئی سال تک رہائش پذیر رہے، اور اب تقریباً ۱۵ سال پہلے انہوں نے لالباغ میں اپنا مکان بنا لیا تھا، اور اس کوٹھری کو انہوں نے تالا لگا رکھا ہے اور اس وقت اس کا متولی ننھے بخش کی اولادوں میں سے صرف میں تھا ہوں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کوٹھری پر شرعاً کس کا حق ہے، اور کیا عبدالعلی کے لیے اس کوٹھری کو جو اب بوسیدہ ہو کر ڈھانے کے قریب ہے اس کے اوپر قبضہ کر کے مالکانہ طور پر تعمیر کرنے کا حق ہے، جبکہ اس کا میں متولی ہوں اور میری طرف سے اس کی اجازت نہیں۔

المستفتی: رئیس احمد پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ کے بڑے بھائی کے سہالے عبدالعلی اور

ان کی بیوی آپ کے نانا کی اولاد میں شامل نہیں ہیں، اور مذکورہ جائیداد وقف علی الاولاد ہے اس لیے متولی کی اجازت کے بغیر اس میں عبد العلی اور اس کی بیوی وغیرہ کو رہنے کا بھی حق نہیں ہے اور متولی کی اجازت کے بغیر اپنے استعمال کے لیے اس کو تعمیر کرنا اور اس کا قبضہ نہ چھوڑنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف

مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ۴/۴۵، زکریا ۶/۶۶۵)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی زکریا ۶/۶۴۹، کراچی ۴/۴۳۳، قواعد الفقہ

اشرفی دیوبند ص: ۸۵، الأشباه و النظائر قدیم ص: ۷۰، جلید زکریا ص: ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

۱۴۳۵/۳/۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴/۱۱۲۷)

## واقف کی اولاد کا موقوفہ علی الاولاد مکان پر دوسری منزل تعمیر کرنا

**سوال [۶۵۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنا مکان وقف علی الاولاد کر دیا، وقف کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس وقف شدہ جائیداد میں کسی کا تصرف اور اثر نہیں ہوگا اور یہ وقف اللہ کی ملکیت میں ہے اس میں زوال نہیں ہو سکتا، اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ واقف نے خود اس وقف شدہ مکان پر دوسری منزل تعمیر کر دی ہے، تو یہ دوسری منزل وقف ہوگئی یا وقف نہیں مانی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر بغرض وقف بنایا ہے تو وقف میں داخل ہوگی

اور اگر اپنی ملکیت کے لیے بنایا ہے تو ناجائز ہے، اب بہتر صورت یہ ہے کہ اس منزلہ کو بھی وقف ہی کر دے، ورنہ اس کی اجرت حاصل کر کے وقف میں شامل کر دے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وقف کے مکان کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنا ملبہ وہاں سے علاحدہ کر کے لے جائے، اور وقف

کے مکان پر کوئی نقص بھی نہ آنا چاہیے۔

فإن بنى للوقف فوقف وإن لنفسه أو أطلق فله رفعه إن لم يضر الخ.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی حکم بناء المتولی وغیره، کوئٹہ ۴/ ۷۰، کراچی

۴/ ۵۵، زکریا ۶/ ۶۷۹)

واستفاده من الأشباه: ومنها لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس فإن

كانت قيمة الأرض أكثر (من قيمته) قلعها وإلا ضمن له قيمتها. (الأشباه

والنظائر قديم ص: ۱۴۴، جدید زکریا ص: ۲۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۱/۲۳)

## وقف علی الاولاد شی کی بیع

**سوال [۷۶۵۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک جائیداد وقف ہے اس وقف نامہ کو توڑ کر اس کا بیع نامہ ایک صاحب نے

کرایا ہے، جس کو وقف کے متولی و دیگر مالکان جائیداد نے روپیہ لے کر بیع کیا تھا، اس

جائیداد کے خریدار جو کہ اب مالک جائیداد ہیں کرایہ داروں سے دوکان خالی کرنے کو کہہ رہے

ہیں، جائیداد کا کرایہ برابر جمع ہو رہا ہے کیا نئے بنے مالک کے کہنے پر پرانے کرایہ دار کو دوکان

خالی کر دینا چاہیے یا نہیں؟ کیا نئے مالک کو دوکان خالی کرانے کا حق ہے؟

وقف نامہ وقف علی الاولاد ہے وقف کرنے والے کی اولاد نے بیع نامہ کیا ہے وقف

علی اللہ رب العالمین نہیں ہے، کیا اولاد کو بیع کرنے کا حق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب بھی کوئی چیز وقف کی جاتی ہے تو وہ اللہ کی

ملکیت ہو جاتی ہے اور منافع بندوں کے لیے ہوتے ہیں جب ایک مرتبہ وقف تام ہو جائے تو



اس کی بیع ہبہ جائز نہیں، اسی طرح اس میں وراثت بھی نہیں چل سکتی، اب مسئلہ مذکورہ میں جب جائیداد وقف علی الاولاد ہے تو متولی اور مالکان وقف کو شئی موقوف کا بیچنا ہی جائز نہیں ہے، بیع صحیح نہیں ہوئی، اس کی واپسی لازم ہے، جس کی بناء پر نئے مالک کی ملک کا تحقق ہی نہ ہوا، لہذا اس کو دوکانیں خالی کروانے کا حق حاصل نہ ہوگا، اور اس کے کہنے پر دوکانداروں پر دوکانیں خالی کرنا بھی لازم نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذی القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۵)

وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالى على وجه تعود منفعة إلى العباد، فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث. (هدايه، كتاب الوقف اشرفى ديوبند ۲/۶۳۷، عيني قديم ۲/۹۸۵، جديد اشرفيه ديوبند ۶/۸۸ هندیه زكريا قديم ۲/۳۵۰، جديد ۲/۳۴۶، فتح القدير، دار الفكر بيروت ۶/۲۰۴، كوئته ۵/۴۱۹، زكريا ۶/۱۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۹/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ  
الحق محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۹/۳/۱۹ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۸۹)

## وقف علی الاولاد جائیداد کو فروخت کرنا

سوال [۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عبدالرشید نے ایک مکان جس کا وقف نمبر A/178 ہے وقف علی الاولاد کیا جس کی اس وقت کی کل آمدنی ۲۷ روپے میں سے تین روپے شہتوت والی مسجد کے مصرف خیر میں صرف کرنے کو لکھا تھا، لیکن عبدالرشید کے لڑکے کی بہو اور پانچ پوتیوں نے اس وقف مکان کو بدست محمد حسین عرف لورا کو فروخت کر دیا، اب محمد حسین چاہتا ہے کہ اس مکان میں جو مسجد کا حق بنتا ہے وہ پورا مسجد کو دیدے، مجھے اپنی آخرت کا پورا خیال ہے، لہذا قانون شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ مسجد کا کتنا حق بنتا ہے، مکان مذکورہ کی آراضی موقع پر دو سو بیس گز ہے، جو کہ لب سڑک ہے، یہ مکان وقف بورڈ میں آج بھی اندراج ہے اور اس مکان کی آمدنی میں سے ۲۰ جنوری ۱۹۵۰ء سے ۲۰ جنوری ۲۰۱۳ء تک مسجد کو کچھ نہیں ملا، واقف عبدالرشید کا انتقال ۳۱ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہو گیا یعنی گیارہویں دن، اس سوال میں کچھ بھی چھپایا نہیں گیا ہے، اللہ میری مدد کرے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف علی الاولاد کی جائیداد کو بیچنا جائز نہیں ہے اور سوال نامہ میں جس جائیداد کا ذکر ہے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ۱۹۵۰ء تک اس کی آمدنی ۲۷ روپے سالانہ رہی اور ان ۲۷ روپیوں میں سے تین روپیہ شہتوت والی مسجد کے لیے ہوا کرے گا، تو اس تناسب سے ۲۲۰ روپیوں میں سے ۹ گز مکمل اور ایک گز کے چھٹے حصے کی آمدنی مسجد کو ملنا ضروری اور لازم ہے اس لیے بااثر لوگوں کو چاہیے کہ مسجد کا حق ضائع ہونے نہ دیں۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك وتحتہ فی الشامیة: ای لایکون مملو کا لصاحبه ولا يملك ای لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ. (شامی، کتاب

الوقف، مطلب مهم: فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة، کراچی ۴/۳۵۱-۳۵۲، زکریا ۶/۵۳۹)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف

مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۶۶۵)

شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة. (الدرمع الرد،

کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، زکریا دیوبند ۶/۶۴۹-۶۵۰، کراچی ۴/۴۳۳، قواعد الفقہ اشرفی ص: ۸۵، الأشباه والنظائر قدیم

ص: ۱۷۰، زکریا جدید ص: ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

۱۴۳۳/۲/۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۶۰/۲۰)

## وقف علی الا اولاد جائیداد کو ضائع ہونے کے خطرہ سے فروخت کرنا

**سوال [۷۶۵۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ایک جائیداد وقف علی الا اولاد ہے اور وہ جائیداد غیر مسلم کے پاس ۴۰ سال سے ہے، اور اس کا کرایہ بھی پانچ سال سے نہیں آ رہا ہے اور کچھ جائیداد مسلم بھائیوں کے پاس بھی ہے، اور اس کا کرایہ بھی کسی کے پاس دس سال سے ہے اور کسی کے پاس ۶۵ سال سے ہے تو اس صورت میں کیا اس جائیداد کو بیچا جاسکتا ہے، اس کے بیچنے سے کوئی گناہ تو نہیں؟ اگر اس کو بیچ کر دوسری جگہ لے لیں تو کیا حرج ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور وقف کی

جائیداد سے موقوف علیہم کو کچھ نہیں مل رہا ہے اور نہ ہی کرایہ داروں سے خالی کرانا باسانی ممکن ہے تو مناسب قیمت میں فروخت کر کے دوسری جگہ مناسب جائیداد خرید کر موقوف علیہم پر وقف کر دینا جائز و درست ہوگا۔

والثانی أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث

لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا

جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی

استبدال الوقف و شروطه، کراچی ۴/ ۳۸۴، زکریا ۶/ ۵۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۰۷/۲۶)

## ۳ باب ولایۃ الوقف

### کیا تولیت میں حق وراثت جاری ہوتی ہے؟

**سوال [۷۱۵۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کسی وقت میں ایک مسجد، ایک خاندان کے لوگوں کی آراضی میں اپنے یا اور لوگوں کے تعاون سے بنائی یہ ایک پرانی بات ہے، ہماری یادداشت کے مطابق اس خاندان کے علاوہ سبھی لوگوں کا تعاون برابر جاری ہے، لیکن وہ ہمیشہ سے اپنی تولیت کے دعویدار بننے چلے آ رہے ہیں، اور آج تک ان ہی کے خاندان میں تولیت چلی آ رہی ہے، آج اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو اعتراض ہے کہ متولی بناتے وقت نمازیوں سے بھی رائے لینی چاہیے، اس پر انہوں نے صاف طور پر یہ کہہ کر نمازیوں کی بات مسترد کر دی کہ اس میں ہم کو کسی کی رائے لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمارا حق وراثت ہے، اب نمازیوں کا سوال یہ ہے کہ کیا تولیت میں حق وراثت جائز ہے، اگر جائز ہے تو گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی صحیح وضاحت فرمائیں، اس بات پر کچھ لوگوں نے نماز پڑھنی چھوڑ دی کیا یہ جائز ہے؟ نیز چند علماء دین نے اس مسجد میں نماز نہ ہونے کا مسئلہ بتایا کہ مسجد ہذا میں نماز پڑھنا بس سر کا پھوڑنا ہے۔

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی، مسجد مولویان سہس پور، بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جب تک واقف کے خاندان میں تولیت کے لائق کوئی شخص موجود ہوگا اس وقت تک اسی کو متولی بنایا جائیگا، واقف کے خاندان والوں پر کسی اجنبی کو مقدم نہیں کیا جائیگا، ہاں ان کے خاندان میں کوئی بھی شخص تولیت کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس صورت میں اجنبی شخص کو متولی بنانا درست ہے، البتہ آج کل کے زمانہ کے اعتبار سے متولی کو چاہیے کہ وہ اپنی

ماتحتی میں ایک کمیٹی بنا لے اور امور مسجد کے بارے میں اس کمیٹی سے مشورہ لیا کرے، یہی بہتر شکل ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۷۹، جدید مطول ۹/۱۵۳۱ امداد الفتاویٰ ۲/۷۲۶)

ولا يجعل القيم فيه من الأجنب ما وجد في ولد الواقف و أهل بيته من يصلح لذلك، فإن لم يجد فيهم من يصلح لذلك فاجعله إلى أجنبي. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: لا يجعل الناظر من غير أهل الوقف، زکریا دیوبند ۶/۶۳۷-۶۳۸، کراچی

۴/۷۲۴، المبسوط للسرخسی دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/۷۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ

۲۳/۶/۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۸۲۸)

## واقف کے ورثاء کی موجودگی میں غیر کا متولی بننا

**سوال [۷۶۵۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منیر بن بنت نجابت علی نے ۱۹/بیگھ ۶/بسوا، ۲۵/۱-۱۵۱/۱ کی آراضی ۷/اپریل ۱۸۹۰ء کو مصرف خیر کے لیے وقف کی اور اس کی شرائط نامہ میں سے شرط ۴/یہ ہے کہ میرے خاندان اور اولاد میں سے لائق شخص متولی ہوتا رہے گا، اور اس متولی کو خود بھی یہ اختیار ہوگا کہ میرے خاندان سے لائق شخص کو متولی مقرر کیا کرے، اور ان شرائط کے ساتھ یہ جائیداد وقف ہوتی ہے اور ابھی واقف کے خاندان میں فلاں فلاں لوگ موجود ہیں ان تمام وارثین کی موجودگی میں کچھ فراڈ قسم کے لوگوں نے ایک خفیہ کمیٹی بنا کر اپنے آپ کو مذکورہ جائیداد کا متولی ثابت کرنے کے لیے مراد آباد کے سی اوصاحب سے غلط بیانی سے کام لے کر لکھوا لیا ہے، پھر لکھنؤ وقف بورڈ میں اس کا اندراج کرا لیا ہے، نیز جامعہ نعیمیہ کے نائب مفتی مختار احمد نعیمی اور دوسرے شخص مقبول حسین نعیمی انہوں نے سی اوصاحب سے غلط بیانی سے تصدیق لکھوائی ہے اور گلزار عادل کو ذمہ دار ثابت کیا ہے، اور ان کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے پر محمد یامین کی صدارت میں کمیٹی تشکیل دینے کی تصدیق کی ہے اور یہ سب خفیہ طور پر ہوا ہے، وارثین کو اس سلسلے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں ہوئی،

تو کیا شرعاً اس طرح کی کمیٹی تشکیل دینا جائز ہے، جبکہ ہم فلاں فلاں سب وارثین موجود ہیں، اس لیے ہم فلاں فلاں وارثین دھوکہ دے کر متولی بننے والوں کو ہرگز اس جائیداد کے قریب بھی آنے نہیں دینا چاہتے، تو کیا شرعی طور پر ہماری موجودگی میں خفیہ طور پر ایسے فراڈ قسم کے لوگوں کو متولی بننے کا حق ہے، شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد معروف سنبھلی گیٹ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ اور وقف نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ واقف کے خاندان میں وارثین کی موجودگی میں کسی بھی شخص کو خود متولی بننے کا حق نہیں ہے، نہ گنڈا عادل کو متولی بننے کا حق ہے اور نہ ہی محمد یامین کی صدارت میں کمیٹی تشکیل دینے کا کسی کو حق ہے، اور نہ ہی جامعہ نعیمیہ کے کسی مفتی کو اس ناجائز تولیت کی تصدیق کرنے کا حق ہے، بلکہ واقف کے وارثین میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ خود اس کے متولی بننے کا حق رکھتے ہیں، لہذا واقف کے وارثین کو خبر نہ دے کر جو کمیٹی تشکیل دی گئی ہے وہ شرعی طور پر فراڈ کمیٹی ہے، ایسی فراڈ کمیٹی کو جائیداد موقوفہ کا ذمہ دار بننے کا کوئی حق نہیں ہے، ایسے لوگوں کو تولیت سے فوراً علاحدہ کر دیا جائے، نیز ایسے خائن لوگوں کو شرعی متولی بنانا جائز بھی نہیں ہے، اور ایسے لوگوں کو کمیٹی سے فوراً علاحدہ کر کے غرض واقف اور شرائط واقف کے مطابق واقف کے وارثین مذکورہ موقوفہ جائیداد اپنی تولیت میں لے لیں۔

لیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود. (شامی، کتاب الوقف،

مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰۱/۳۶، ۲۰۷/۴۴، ۲۰۹/۴۴، البحر الرائق زکریا دیوبند ۵/۳۷۸، کوئٹہ ۵/۲۲۶)

إن عزل القاضی للخائن واجب علیه ومقتضاه الإثم بترکه والإثم

بتولیة الخائن ولاشک فیہ. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ۶۰۲/۲، قدیم ۱/۷۶۲، شامی، مطلب: یأثم بتولیة الخائن، زکریا ۶/۵۷۸، کراچی

۴/۳۸۰، البحر الرائق زکریا ۵/۴۱۱، کوئٹہ ۵/۲۴۵)

فإن كان فی نزعه مصلحة يجب علیه إخراجہ دفعا للضرر عن

الوقف . (بزازیہ، زکریا جدید ۳/۱۳۴، وعلی ہامش الہندیہ ۶/۲۵۳)

انہم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب:

مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۶۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۶/رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۷/۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۲۰/۳۵)

## واقف کی اولاد میں بیٹا متولی ہوگا یا پوتا؟

**سوال [۷۶۵۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: اولاد واقف میں بیٹے اور پوتے ہیں کون متولی ہوگا؟ مقدم کون ہوگا؟

المستفتی: محمد خدابخش، گویند پوری، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر واقف نے کسی کے متولی ہونے کی تعیین

کردی ہے تو وہی متولی ہوگا اور اگر متعین نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں واقف کے خاندان میں جو متقی پرہیزگار اور امانتدار ہوگا وہی تولیت کا حقدار ہوگا بیٹا پوتا کی کوئی تخصیص نہیں اور اگر خاندان میں امانت دار کوئی نہیں ہے تو جائیداد موقوفہ سے قریب رہنے والوں میں جو امانتدار شخص ہو اسی کو متولی بنانا چاہیے، اس لیے کہ خائن کی تولیت جائز نہیں۔

ولا یولی إلا امین قادر بنفسه أو بنائیه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر

ولیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود. (شامی، کتاب الوقف،

مطلب: فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، البحر الرائق کوئٹہ

۵/۲۲۶ زکریا ۵/۳۷۸، ہندیہ، الباب الخامس، زکریا قدیم ۲/۴۰۸، جدید ۲/۳۸۰،

الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۲۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۶۵/۳۷)

## باشرع متولی پر الزام لگا کر تولیت سے ہٹانا

**سوال [۷۶۵۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسمیٰ محمد یاسین صاحب کو بانی مسجد نے مسجد تعمیر کر کے وقف کرتے وقت متولی مقرر کیا تھا اور اسی زمانہ سے آج تقریباً ۲۰/۲۵ سال کا عرصہ ہو رہا ہے کہ وہ تولیت کی ذمہ داری دیا ننداری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں اور حساب و کتاب میں کبھی کسی طرح کی کمی زیادتی یا خیانت کی بات سامنے نہیں آئی اور اب بھی کسی قسم کی خلاف شرع بات ان سے ثابت نہیں ہے، لیکن ابھی کچھ دنوں سے کچھ لوگوں کا محمد یاسین سے نظریاتی اختلاف کا سلسلہ شروع ہوا اور اس اختلاف کے نتیجے میں ان لوگوں نے محمد یاسین صاحب کو خان بدعقیدہ وغیرہ کے الفاظ سے بدنام کرنا شروع کر دیا ہے، اور بلا وجہ ان کو مسجد کی تولیت سے معزول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور محمد یاسین صاحب باضابطہ متولی وقف ہیں، تو کیا اس طرح بلا وجہ کسی مسلمان پر جھوٹے اور غلط الزامات لگا کر مجروح کرنا شرعاً جائز ہے؟ نیز ان کے خلاف مقدمہ بازی کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ پریشانی میں ہیں، اور نماز روزہ اور باشرع ہونے میں بھی کوئی کمی نہیں ہے، اور یہ بات بھی واضح رہے کہ حساب و کتاب اور تولیت کی ذمہ داری میں کوئی کمی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں محمد یاسین صاحب کو پریشان کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟

(۲) اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے محمد یاسین صاحب کی دفاع میں اگر مقدمہ کے نام سے چندہ کیا ہوا پیسہ خرچ کریں تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) ایسا متولی جو کہ صوم و صلاۃ کا پابند اور متبع شریعت ہو اس سے مال وقف میں کسی قسم کی خیانت ظاہر نہ ہوئی ہو تو ایسے متولی کو معزول کرنے کی کوشش کرنے کا شرعاً کسی کو حق نہیں ہے، نیز کسی مسلمان پر بے بنیاد اور غلط الزامات



لگانا اور بلاوجہ اس کو بدنام کرنا اور جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر اس کو پریشان کرنا سخت ترین گناہ ہے احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، ایسے لوگوں کو اپنی اس بد عملی سے باز آ کر تائب ہونا چاہیے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/۱۷۴، جدید ڈائجیل ۱۴/۳۵۰)

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: المسلم أخو المسلم لا یخونہ ولا ینکذبہ ولا ینخذلہ، کل المسلم علی المسلم حرام، عرضہ و مالہ و دمہ، التقویٰ ہلہنا. (ترمذی شریف، باب ما جاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم، لنسخة الہندیة ۲/۱۴، دار السلام رقم: ۱۹۲۷، مسند بزار، مکتبہ العلوم ولحکم ۱۵/۳۳۵، رقم: ۸۸۹۱)

لیس للقاضی عزل الناظر بمجرد شکایة المستحقین حتی یشتوا علیہ خیانة. (در مختار علی الشامی، کتاب الوقف، مطلب: لیس للقاضی عزل الناظر، زکریا ۶/۶۵۶، کراچی ۴/۴۳۸-۴۳۹)

(۲) مقدمہ کے عنوان سے جو چندہ جمع کیا گیا ہے اس کو دفاعی مقدمہ میں صرف کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۲۹، جدید مطول ۱۰/۲۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۴ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ  
الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۴/۲۴۲/۱۴۲۲ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۴۴۴)

## فاسق مسجد کا متولی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

**سوال [۷۶۵۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اونچی مسجد دھامپور وقف ۱۱۹ کی انتظامیہ کمیٹی کا سکریٹری جو پیشہ سے وکیل ہے اور کبھی مسجد مذکور میں نماز پڑھنے تک نہیں آتا اور اس کی بیوی مذہباً ہندو ہے، کیا ایسا شخص کسی وقف جائیداد خاص طور پر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کا سکریٹری بننے کا مستحق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو آدمی غیر مسلم ہندنی کو بیوی بنا کر رکھتا ہے شرعاً

وہ فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، نیز باوجود قدرت کے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہ کرنا بھی فسق ہے، ایسا شخص شرعاً کسی مسجد یا دینی ادارہ کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں ہے، اہل مسجد پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو مسجد کی منظمہ کمیٹی کا سکریٹری ہرگز نہ بنائیں، نیز جو شخص ذمہ دار بننے کی خواہش کرتا ہو اس کو بھی سکریٹری یا رکن کمیٹی بنانا جائز نہیں ہے۔

عن ابی موسیٰ قال: دخلت علی النبی ﷺ أنا ورجلان من بنی عمی، فقال أحد الرجلین: یا رسول اللہ! أمرنا علی بعض ما ولاک اللہ عز وجل وقال الآخر: مثل ذلك، فقال: إنا واللہ لا نولی علی هذا العمل أحدا سأله، ولا أحدا حرص علیہ. (صحیح مسلم، الإمارة، باب النهی عن طلب الإمارة والحرص علیہ، النسخة الهندیة ۲/۱۲۰، بیت الأفكار رقم: ۱۷۳۳)

ولایولی إلا أمين قادر بنفسه أو بنائیه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود. (شامی، کتاب الوقف مطلب: فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۲۶ زکریا ۵/۳۷۸، ہندیہ، الباب الخامس، زکریا قدیم ۲/۴۰۸، جدید ۲/۳۸۰، الموسوعة الفقهیة الكويتیة ۴۴/۲۰۷)

وطالب التولیة لا یولی. (الدر المنتقى، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۶۰۳، قدیم ۱/۷۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۵۶/۲۴)

## جو شخص مسجد کا حساب و کتاب نہ دے اس کو متولی بنانا

**سوال [۷۶۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عرصہ دراز سے ایک مسجد کی دیکھ بھال اور نگرانی کر رہا تھا، مسجد کی آمد و صرف کا

حساب بھی وہ اپنے پاس رکھتا تھا، اس درمیان جب جب بھی مصلیان مسجد نے زید سے مسجد کے حساب سے متعلق رابطہ کیا وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا، تین سال قبل مصلیان مسجد نے مسجد کا حساب سمجھنے کے لیے زیادہ اصرار کیا تو زید نے نہ صرف مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا بلکہ مسجد کی ضروریات کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت حال میں زید مسجد کا ذمہ دار بننے کا اہل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کا ذمہ دار ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو دیانتدار ہو مسجد کی ضروریات کا اچھی طرح انتظام کر سکتا ہو، اور آمد و خرچ کا حساب صحیح طریقے سے رکھ سکتا ہو، لہذا سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت اگر صحیح ہے تو زید مسجد کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں، کمیٹی والوں کو چاہیے کہ زید کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مسجد کا ذمہ دار بنالیں جو دیانتدار ہو اور حساب و کتاب صحیح طور پر کرتا ہو اور مسجد کی ضروریات کا انتظام اچھی طرح کرتا ہو۔

وينزع وجوباً لو غير مامون أو عاجزاً أو ظهر به فسق وفي الشامي:  
ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس  
من النظر تولية الخائن وكذا تولية العاجز لأن المقصود لا يحصل به .

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/۵۷۸، کراچی

۴/۳۸۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۲۰۷، البحر الرائق كوئٹہ ۵/۲۲۶، زکریا

۵/۳۷۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۰۲، مصری قدیم ۱/۷۶۲، بزازیہ

زکریا جدید ۳/۱۳۴، وعلی هامش الهندية ۶/۲۵۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

۱۴۲۹/۵/۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۹۱)

**تولیت وقف کا حقدار خائن شخص نہیں ہے**

**سوال [۶۶۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی درگاہ کے سجادہ نشین کا انتقال ہو گیا، انہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں کسی کو متولی یا سجادہ نشین نہیں بنایا تھا، اور نہ کسی کے لیے کچھ وصیت کی تھی، کچھ آراضی درگاہ کے نام وقف بھی سجادہ نشین صاحب کے نام تھی، اور بکرنے سوچا بھائی زید حافظ قرآن بھی ہے اور سید بھی ہے، بھلے ہی لڑکا ہے آگے چل کر ہوشیار ہو جائے گا، سجادہ نشین کے نام سے ایک فرضی وصیت نامہ زید کی سجادہ نشینی کے لیے مشتمل کر دیں، اور زید سے یہ اقرار لے لیں کہ درگاہ کا سجادہ نشین ہو جانے کے بعد آپ ساری بقیہ آراضی اور جملہ سامان درگاہ کے نام وقف کر دیں، چنانچہ اور بکرنے زید سے گفتگو کی، زید نے حلفیہ کہا کہ میں سجادہ نشین ہونے کے بعد آراضی و جملہ سامان درگاہ کو درگاہ کے نام وقف کروں گا۔

چنانچہ وہ وصیت نامہ جعلی تیار ہوا، اور زید کو سجادہ نشین وصیت نامہ کی رو سے قرار دیا گیا، جملہ آراضی جو سجادہ نشین متونی کے نام تھی، زید کے نام منتقل ہو گئی، جب زید نے دیکھا کہ میں بالکل مالک و مختار ہو گیا تو وہ آراضی درگاہ کے نام وقف نہ کی، اور یہ کہ وہاں کا سامان اور زر نقد خفیہ طریقے سے اپنے آبائی مکان کو روانہ کرنا شروع کر دیا، جب بکرنے یہ حالت دیکھی تو بکرنے زید سے کہا کہ بھائی اس بقیہ آراضی کو آپ حسب وعدہ وقف کر دیں، تب زید نے صاف انکار کر دیا کہ میں مالک و مختار ہوں، میں وقف نہیں کروں گا، نہ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے، قرآن کریم کو اٹھانے اور قسم کھانے لیے تیار ہو گئے، زید مرید بھی برابر کر رہے ہیں اور ہماری مسجد کے امام بھی ہیں، کیا ایسے پیر سے بیعت ہونا اور اس کو امام بنانا شرعی اعتبار سے درست ہے؟ براہ کرم جو اب مفصل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سائل اگر اپنے بیان میں سچا ہے تو سوال نامہ میں درج شدہ شخص شرعاً سخت خائن ہے، ایسے خائن شخص کو فوراً تولیت سے علاحدہ کر دینا تمام مسلمانوں پر لازم ہے، اور ایسا خائن شخص شرعاً فاسق ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گمراہی کا

باعث ہوگا، جو لوگ بیعت ہو چکے ہیں، سلسلہ بیعت اس سے ختم کر دیں، نیز اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳/۱۳۶)

ولایولی إلا آمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن وكذا تولية العاجز لأن المقصود لا يحصل به . (شامی، كتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۲۰۷، البحر الرائق كوئنه ۵/۲۲۶، زکریا ۵/۳۷۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۰۲، مصری قدیم ۱/۷۶۲، بزازیه زکریا جدید ۳/۱۳۴، وعلی هامش الهندية ۶/۲۵۳)

إن كراهة تقديمه كراهة تحريم . (شامی مصری ۱/۵۲۳، زکریا ۲/۲۹۹، کراچی ۱/۵۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۱ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۸۵)

## متولی کا نااہل کو جانشین بنانا

**سوال [۶۶۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا جانشین و متولی اور درگاہ کا سجادہ نشین و متولی تھا، زید اس مسجد و درگاہ کا واحد با اختیار جانشین و متولی حسب دستور سابق بذریعہ تولیت نامہ باضابطہ منتخب کر دیا گیا تھا، اس کو اپنی جانب سے مناسب شخص کو اپنی جگہ اپنی حیات میں متولی و جانشین مسجد کیلئے اور سجادہ نشین و متولی درگاہ مقرر کرنے کے اختیارات حاصل تھے، کہ بموجب اپنے اختیارات کسی دیگر شخص کو بذریعہ تولیت نامہ منتقل کرے اور یہی دستور و طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا تھا، لہذا زید و متولی و جانشین مسجد اور سجادہ نشین و متولی درگاہ نے بمر ۶۷ سال ضعیف العمری، پیرانہ سالی، لاغری، کو لہے کی ہڈی کر یک ہو جانے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری کی بناء پر وجہ سے اپنی

حیات میں اپنی جانب سے حسب دستور سابق اپنے حقوق و اختیارات استعمال کرتے ہوئے جو کہ بذریعہ تولیت نامہ اس کو حاصل تھے، مورخہ ۱۲/۳۱/۱۹۷۰ء کو اس مسجد و درگاہ مذکورہ کا اپنی جانب سے باضابطہ سجادہ نشین و متولیٰ درگاہ اور جائشیں و متولیٰ مسجد مذکور مقرر کر دیا۔

جیسا کہ صاف طور سے واضح ہے کہ اس سے پہلے بھی اسی طرح باضابطہ مسجد و درگاہ مذکور کے جائشیں و متولیان اور سجادہ نشین و متولیان بموجب تولیت نامہ ایک دوسرے کو اس طرح حقوق و اختیارات منتقل کرتے چلے آئے ہیں، یعنی ایک شخص جو بذریعہ تولیت نامہ منصب پر فائز تھا، اپنے اختیارات و حقوق بموجب تولیت نامہ دیگر مناسب شخص کو منتقل کرتا چلا آ رہا ہے، زید کا منتخب کردہ موجودہ متولیٰ و جائشیں مسجد اور سجادہ نشین و متولیٰ درگاہ مذکور بموجب تولیت نامہ مورخہ ۱۲/۳۱/۱۹۷۰ء باضابطہ حسب دستور سابق قائم ہے، قدیم وقف مسجد و درگاہ سے متعلقہ قدیمی وقف نامہ زمانہ قدیم سے فساد میں برباد ہو گیا، اس لیے وقف کا نام نامعلوم ہے، اس لیے وقف کی نیت کا معلوم ہونا ناممکن ہے، اسی لیے عرصہ دراز سے منصب پر فائز متولیان و جائشیں مسجد اور سجادہ گان و متولیان درگاہ مذکور نے اول ہی سے کسی تولیت نامہ میں وقف کا نام وقف نامہ کا ذکر اور وقف کی شرائط اور نیت کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف بذریعہ تولیت نامہ و سابقہ دستور منصب مسجد و درگاہ مذکور صاف طور سے واضح ہوتا ہے، یہی دستور اب تک چلا آ رہا ہے، تولیت نامہ محفوظ ہے، لیکن قدیمی وقف نامہ عرصہ قدیم سے ہی فساد میں برباد ہو چکا ہے، واقف کا نام اور واقف نے وقف نامہ کس تاریخ میں اور کس سن کو تحریر کیا تھا اور وقف نامہ کا دستاویزی حوالہ نمبر کیا تھا، چونکہ ان سب باتوں کا علم نہیں ہے اس وجہ سے حکومت کے دفتر سے قدیمی وقف نامہ مہیا نہیں کیا جاسکتا، کیا زید کا منتخب کردہ شخص مسجد و درگاہ کا متولیٰ و سجادہ نشین رو بشریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم مقرر کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: عزیز الرحمن، رحمن بلڈنگ، بلیلی خانہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر تولیت نامہ میں متولیٰ کو اپنی حیات میں جائشیں

بنانے کے اختیارات کی صراحت موجود ہے، تو زید کا کسی لائق باصلاحیت معاملہ فہم و امانت دار شخص کو جاننیش بنانا صحیح ہے، وہاں کی قوم اگر اس سے زیادہ باصلاحیت والے شخص کو مقرر کر دے تو قوم کا مقرر کردہ شخص زیادہ اولیٰ و افضل ہوگا۔

مرض المتولی و فوض التولية إلی غیرہ جاز (إلی قوله) و البانی للمسجد أولیٰ من القوم بِنصب الإمام و المؤذن فی المختار إلا إذا عین القوم أصلح مما عینہ (إلی قوله) أراد المتولی إقامة غیره مقامه فی حیاته إن كان التفویض له عاما صح و إلا فلا. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ۶۰۳/۲، مصری قدیم ۷۵۴/۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۶/۲۳)

## رشوت دے کر اپنے نام تو لیت کرانا

**سوال [۷۶۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ چھوٹے نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اور مکان کا کچھ حصہ وقف کر دیا، جس میں تا حیات خود متولی بنے رہنے کی صراحت کی، اور شیخ چھوٹے کے انتقال کے بعد اپنے لڑکے محمد نور کو متولیٰ جائیداد ہونے کی صراحت کی اور اس بات کی بھی وضاحت کی کہ محمد نور کے بعد اس کی اولاد متولی ہوتی رہے گی، وغیرہ، پھر محمد نور پاکستان چلے گئے جہاں ان کی اولاد میں عبد السبع و مسماة شمشادی پیدا ہوئے، محمد نور کے پاکستان چلے جانے کے چند سال بعد محمد نور کا انتقال ہو گیا پھر محمد نور کی جائیداد کو محکمہ کسٹوڈین نے نیلام کر دیا، یہ نیلام شیخ محمد رفیق مرحوم نے خریدا جس کی خریداری کے جملہ کاغذات مکمل طور پر شیخ محمد رفیق کی اولاد محمد عمر و محمد شفیق کے پاس موجود ہیں، اب ۲۵ سال گزر جانے کے بعد محمد اسلام ولد عبد السلام نے یو پی سنی سینٹرل بورڈ آف وٹنس اتر پردیش لکھنؤ کے دفتر کو رشوت دے کر اپنا نام تو لیت میں درج کرا لیا۔

(۱) تو دریافت یہ کرنا ہے کہ محمد اسلام ولد عبد السلام جبکہ شیخ محمد نور کی نسل میں سے نہیں ہے، اور وقف نامہ میں محمد نور کے بعد ان کی نسل سے متولی ہونا درج ہے، تو محمد اسلام ولد عبد السلام کا رشوت دے کر سنی سینٹرل بورڈ آف وقف اتر پردیش سے اپنے کو متولی بنوانا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) نیز محمد نور کے پاکستان چلے جانے کے بعد ان کی جائیداد کو محکمہ کسٹوڈین کا نیلام کرنا اور اس نیلام کو شیخ محمد رفیق کا خریدنا کیسا ہے؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جبکہ محمد اسلام ولد عبد السلام محمد نور کی اولاد میں داخل نہیں ہے تو اس کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہے، نیز رشوت دے کر اپنے نام سے تولیت حاصل کر لینا جائز نہیں ہے، ایسے شخص کو متولی بننے کا حق نہیں ہے، شریعت میں بے نفس اور امانت دار شخص کو متولی بنانے کا حکم ہے۔

لا یولی إلا امین قادر بنفسه (الی قولہ) من طلب التولية علی فسق استحق العزل. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند

۵۷۸/۶ - ۵۷۹، کراچی ۴/۳۸۰، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۶۶، زکریا ۵/۳۷۸)

(۲) شیخ محمد رفیق کا مذکورہ نیلام کو خریدنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، اور شیخ محمد رفیق کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/۳۹۱، جدید ڈیجیٹل) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۴/۹/۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عقاب اللہ عنہ  
۹ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۸۹)

**واقف کی شرط کے خلاف اولاد ارباناث کی مذکور اولاد کو متولی بنانا**

**سوال [۷۶۶۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب غلام محمد صاحب مرحوم نے اپنی جائیداد وقف ناموں کے ذریعہ وقف



کردی، ایک وقف نامہ وقف فی سبیل اللہ کے لیے تحریر کیا اور دوسرا وقف نامہ وقف علی الاولاد کے لیے تحریر کیا اور انتظام وقف کے لیے جو شرائط وقف نامہ میں اپنی طرف سے تحریر کیں وہ مختصر اُس طرح ہیں:

(۱) تاحیات خود میں واقف متولیٰ جائیداد موقوفہ مذکورہ رہوں گا، اور آمدنی موقوفہ کو اپنی رائے سے صرف کروں گا۔

(۲) بعد وفات مجھ واقف کے میرا پسر غلام سبحانی و میرا داماد حافظ عظمت علی متولیٰ جائیداد موقوفہ مذکورہ رہیں گے اور بعد وفات متولیان مذکور (ہر متولیٰ) کے ان کی اولاد میں جو پسر کلاں اور لائق تولیت ہوگا وہ متولیٰ موقوفہ ہوگا۔

(۳) اگر متولیان مذکور کی اولاد سے کوئی پسر (خورد و کلاں) لائق تولیت نہ ہوں تو دیگر پسران کی اولاد سے جو شخص لائق تولیت ہوں گے وہ متولیٰ موقوفہ ہوں گے۔

(۴) اگر کسی پسران کی اولاد سے کوئی لڑکانہ ہو تو پھر لڑکیوں کی اولاد میں سے جو کوئی لڑکا لائق تولیت سمجھا جائے وہ متولی مقرر ہوگا، جس کو ارکان انجمن قوم پنجابیان یا چار شخص معزز اہل برادری مقرر کریں گے۔

(۵) اگر خدا نخواستہ اولاد پسران و دختران واقف سے بسلسلہ ذکور و اناث کوئی باقی نہ رہے تو آمدنی موقوفہ مذکورہ کو اصحاب انجمن قوم یا معزز اہل برادری مقررہ مدوں میں خرچ کریں گے۔

چنانچہ جو جب شرائط وقف غلام حضرت صاحب تاحیات وقف کے متولی رہے ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے غلام سبحانی اور عظمت علی صاحب مرحوم نے تولیت کے فرائض مشترکہ طور پر انجام دیئے، ان دونوں حضرات کے انتقال کے بعد عظمت علی صاحب مجھے فرزند انصاری صاحب اور غلام سبحانی صاحب کے فرزند کلاں غلام سلطانی صاحب وقف کے متولی ہوئے، کیونکہ عظمت علی کے بڑے بیٹے اسرار احمد صاحب بیرون ملک تھے جب وہ ہندوستان آگئے تو انصاری صاحب اپنے برادر کلاں کے حق میں تولیت سے دستبردار ہو گئے، اور اسرار احمد صاحب اور غلام سلطانی صاحب متولی رہے، اسرار احمد صاحب کے انتقال کے بعد چونکہ ان کی

کوئی اولاد ملک میں نہیں تھی، اور عظمت علی صاحب کی اولادوں میں سے بھی کوئی لائق تولیت نہ تھا تو غلام حضرت صاحب کے دوسرے پسر غلام جیلانی مرحوم کے فرزند غلام مصطفیٰ بجائے اسرار احمد صاحب وقف کے متولی وقف بورڈ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے، غلام مصطفیٰ اور غلام سلطانی ہر دو حضرات وقف کی تولیت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

غلام سلطانی صاحب کا حال میں انتقال ہو گیا اور ان کے پسر کلاں عرفان احمد جو بموجب وقف نامہ متولی ہونے کے زیادہ مستحق اور لائق تولیت ہیں، وقف بورڈ کے سامنے ان کی درخواست زیر غور ہے، غلام حضرت صاحب مرحوم کی دوسری لڑکی کے صاحبزادے امتیاز احمد نے بھی وقف کی تولیت کے لیے درخواست گزاری ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

(۱) کیا وقف نامہ کی شرائط کی رو سے عرفان یا ان کے دوسرے برادران خور و تولیت کے حقدار ہیں یا نہیں؟

(۲) اسرار احمد صاحب کے انتقال کے بعد جب وقف غلام حضرت صاحب کی اولاد اناث میں تولیت کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور وقف نامہ کی شرائط ۳ کے مطابق دیگر پسر کی اولاد میں سے غلام مصطفیٰ صاحب متولی ہو گئے، تو کیا پھر سے یہ سلسلہ تولیت دوسری اولاد اناث کی طرف منتقل ہو سکتا ہے، جبکہ واقف کے پسران کی اولاد میں موجود ہیں اور لائق تولیت ہیں؟

(۳) اگر واقف کی اولاد اناث میں دوبارہ سے تولیت کا سلسلہ منتقل ہو سکتا ہے تو وہ

غلام مصطفیٰ صاحب جو اسرار احمد صاحب (جو اولاد اناث کے سلسلے میں سے تھے) کے انتقال کے بعد متولی مقرر ہوئے تھے، بجا ہونا چاہیے، کیونکہ موجودہ درخواست گزار امتیاز احمد صاحب واقف کی اولاد اناث میں سے ہیں، اور غلام مصطفیٰ صاحب کے متولی مقرر ہوتے وقت ان کے حق میں حلف نامہ کے ذریعہ اپنا حق چھوڑ چکے ہیں جبکہ اسرار احمد صاحب کے بعد ان کی جگہ امتیاز احمد صاحب اپنے کو متولی مقرر ہونے کے لیے پیش کرنا چاہتے تھے۔

(۴) کیا وقف نامہ کی شرائط کے مطابق غلام سبحانی و غلام سلطانی صاحب مرحوم کی اولاد میں تولیت کا حق ختم ہو گیا ہے، براہ کرم مندرجہ بالا سوالات کے جوابات وقف نامہ کی شرائط کے مطابق عنایت فرمائیں، عند اللہ ماجور ہوں گے؟

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف نامہ کی شرائط میں یہ بات صاف الفاظ میں مذکور ہے کہ واقف کی اولاد ذکور کی موجودگی میں یا اولاد ذکور کی مذکور اولاد کی موجودگی میں واقف کی اولاد اناث کی طرف تولیت منتقل نہیں ہوگی، اور جب واقف کی اولاد ذکور کی مذکور اولاد موجود ہے تو اس کے ہوتے ہوئے اولاد اناث کی مذکور اولاد کی طرف تولیت منتقل نہیں ہوگی، لہذا عرفان احمد واقف کی اولاد ذکور کی اولاد میں سے موجود ہے، اس لیے امتیاز احمد کو تولیت حاصل نہیں ہوگی اور عرفان احمد کو چھوڑ کر امتیاز احمد کو تولیت کا حق دینا شرط واقف کی خلاف ورزی ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے، لہذا وقف بورڈ کو اس شرط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ان مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة ..... زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵)

لأن شرط الواقف معتبر في راعى كالتص الشارح وعليه الفتوى.

(مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۷۴، مصری قدیم ۱/۷۴۳)

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ لفظ اولاد میں صلبی اولاد کے پوتے پڑپوتے وغیرہ سب علی الترتیب شامل ہوتے ہیں، یہ کہنا غلط ہے کہ صلبی لڑکوں کے نہ ہونے کی حالت میں پوتے پڑپوتے اولاد میں شامل نہیں ہیں، بلکہ علی الترتیب پوتے پڑپوتے بھی شامل ہوتے ہیں۔

لأن ولد الولد اسم لمن ولده ولده وابنته ولده (إلى قوله) فإذا قال على ولدى فإن ولد البنت لا يدخل في ظاهر الرواية لأن اسم الولد يتناول ولده لصلبه وإنما يتناول ولد الابن لأنه ينسب إليه عرفاً. (شامی زکریا دیوبند ۶/۶۹۰، کراچی ۴/۴۶۴)

ومن وقف على أولاده دخل في ذلك أولاد الأولاد ماتنا سولوا. (فقہ

السنة ۳/۳۸۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۶۰)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵/۱۱/۱۴۲۶ھ

## وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر عمل کرنا لازم ہے

**سوال [۷۶۶۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قادر بخش و مسماة رحمت النساء بنت چھٹن نے ایک وقف نامہ ۱۷ مئی ۱۹۳۸ء میں لکھا جس میں پیارے خاں کے لڑکے کو اپنے بعد متولی مقرر کیا تھا، قادر خان کے ایک لڑکے پیارے خاں اور ایک لڑکی پیاری اولاد اناث میں سے ہیں، پیارے خاں کا انتقال ہو گیا ان کے کوئی لڑکا نہیں تھا، ایک لڑکی تھی رفیقن وہ اپنے والد پیارے خاں کے سامنے مرگئی اس وقت مسماة پیاری دختر قادر خان و مرحومہ رفیقن کے لڑکے زندہ ہیں وقف نامہ میں یہ لکھا ہے کہ پیارے خاں متولی کے بعد اس کی اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور موجود نہ ہو تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد مذکورہ میں متولی مقرر ہوگی، مذکورہ بالا تحریر کے تحت جب واقف کی اولاد اناث زندہ ہیں تو کیا پسر کی لڑکی کی اولاد متولی ہو سکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شریعت محمدیہ میں وقف نامہ میں واقف کی شرائط

پر ہی عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، فقہ کا جزئیہ ہے:

شرط الواقف کنص الشارح. (قواعد الفقہ اشرفی ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲)

لہذا حسب سوال واقف نے جبکہ اس کی وضاحت وقف نامہ میں کی ہے، کہ پیارے خان کی جب اولاد ذکور و اناث نہ رہے تو پیاری جو کہ دختر قادر بخش کی ہیں ان کو حق تولیت پہنچے گا، ان کے بعد ان کی اولاد اکبر از قسم ذکور متولی ہوگا اس لیے اس دفعہ کا چونکہ وقف نامہ میں تذکرہ ہے اس لیے اب جبکہ پیارے خاں مرحوم کی اولاد ذکور و اناث نہیں ہیں تو حق تولیت شرعاً قادر بخش کی بیٹی پیاری کو پہنچتا ہے، اور وقف نامہ کی تفصیل کے مطابق ہی جملہ امور پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ صفر ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۱۰)

## وقف کے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنے والے متولی کو ہٹانا

**سوال [۷۶۶۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب ثروت شخص نے دلی میں ایک چار منزلہ عمارت بنائی اس میں تہ خانہ بھی ہے، کل پانچ منزل ہو گئے، اس میں سے ایک منزل اپنے کار خیر کے لیے متعین کر لیا، باقی منزلیں لڑکوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اور جس منزل کو اپنے کار خیر صدقہ جاریہ کے لیے متعین کیا ہے اس کے لیے ایک تحریر لکھ دی کہ میرے لڑکوں میں سے فلاں لڑکا اس کا متولی رہے گا، اور اس کے مرنے کے بعد مرکز نظام الدین کے ذمہ دار علماء اس کے متولی رہیں گے، اور اس کی آمدنی مساجد و مدارس ضرورت مند علماء و صلحاء اور اہم کار خیر میں خرچ ہوتی رہے گی، اس کے بعد وہ سرمایہ دار ۱۹۹۹ء میں وفات پا گئے اور ان کے وفات پانے سے لے کر کے آج تقریباً ۱۴ سال تک وہ منزل یونہی خالی پڑی ہوئی ہے اور جو لڑکا متولی ہے اس کو اس سلسلے میں کوئی فکر نہیں ہے، شروع میں اس جگہ کو تقریباً ۷۰/۸۰ ہزار روپے ماہانہ کرایہ دار لینے کو تیار تھے، اور بڑھتے بڑھتے اب اس کا کرایہ ماہانہ ڈیڑھ لاکھ ہے اور ڈیڑھ، سو لاکھ روپے ماہانہ کرایہ پر لینے کے لیے لوگ تیار ہیں، لیکن جو لڑکا متولی ہے وہ اجازت نہیں دیتا اور آج تک چودہ سال میں اس منزل کا کرایہ ایک کروڑ سے زیادہ ہو جاتا جو کار خیر میں خرچ ہو سکتا تھا، کوئی اچھی مسجد بھی بن جاتی، اور مدارس اور دیگر کار خیر میں بڑی بڑی رقم مرحوم کی طرف سے خرچ کی جاتی اور ان کو ثواب پہنچتا لیکن مذکورہ لڑکے کے متولی ہونے کی وجہ سے یہ سلسلہ جام ہو گیا ہے اب حضرات مفتیان کرام سے یہ سوال ہے کہ جس لڑکے کو والد نے متولی بنایا تھا اس کی لاپرواہی کی وجہ سے اس کو ہٹا کر کے وارثین میں سے کسی دوسرے ایسے لڑکے کو متولی بنایا جا سکتا ہے جو مذکورہ جائیداد کو کرایہ پر دے کر صدقہ جاریہ کا مناسب سلسلہ جاری کر دے، امید ہے کہ شرعی حکم کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمائیں گے تاکہ والد کو پہنچنے والا ثواب جو رک پڑا ہے وہ جاری ہو جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف کی ملکیت بندہ کے حق سے نکل کر اللہ کی ملک ہو جاتی ہے اور متولی اس کی دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے جس پر مصالح وقف اور غرض واقف کا بجالانا ضروری ہوتا ہے تاکہ واقف کا مقصد پورا ہوتا رہے لیکن شخص مذکور چونکہ غافل ہے، اور صدقہ جاریہ کا سلسلہ جاری ہونے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے جس بنا پر واقف کا مقصد بھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ رہا ہے، اس لیے محلہ یا خاندان کے بااثر افراد مذکورہ شخص کو برطرف کر کے کسی ایسے دوسرے لڑکے کو متولی بنا دیں جو صدقہ جاریہ کا سلسلہ جواب تک جاری نہ ہو سکا اس کو جاری کرے اور واقف کے مقصد کو بروئے کار لانے میں معاون ثابت ہو۔

إنہم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی زکریا ۶/۶۶۹، کراچی ۴/۴۳۳)  
القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضي. (شامی زکریا ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰)  
للقاضي أن يعزل الذي نصبه الواقف إذا كان خيرا للوقف.....  
(ہندیہ، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زکریا قدیم ۲/۲۰۹، جدید ۲/۳۸۰)

ليس للسلطان ولا للقاضي أن يدخل عليه في ذلك إلا أن لا يصلح لذلك  
فكان الشرط باطلا ويوليها غيره وينزعها من يده. (تاتارخانیہ زکریا ۸/۵۶، رقم: ۱۱۱۹۴)  
إذا حاكم ناظر لمصلحة الوقف فإن كان في نزعها مصلحة يجب عليه  
إخراجها دفعا للضرر عن الوقف. (بزازیہ زکریا جدید ۳/۱۳۴، وعلی ہامش ہندیہ ۶/۲۵۳)

إن تصرف القاضي في الأوقاف مقيد بالمصلحة ويجب الإفتاء والقضاء لكل  
ما هو أنفع للوقف وحيث رأى القاضي المصلحة في عزله لتعطيل مصالح الوقف  
بذلك فقد صح عزله. (تنقيح الفتاوى الحامدية ۱/۲۰۸، محمودیہ ڈابھیل ۱۴/۳۶۶)  
قال في الأسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية  
مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل المقصد وكذا

تولیۃ العاجز لأن المقصود لا یحصل به . (طحطاوی علی الدر کوئٹہ ۲/۴۷، ۵۴  
البحر الرائق زکریا ۵/۳۷۸، کوئٹہ ۵/۲۲۶، شامی کراچی ۴/۳۸۰، زکریا ۶/۵۷۸)  
ولو کان خائناً تنزع منه ویولیه غیره . (مجمع الانهر، دار الکتب العلمیة  
بیروت ۲/۴۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۲/۵/۱۴۳۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۶/۴۰)

متولی کا کہنا کہ مسجد ہم نے اپنے فائدے کے لیے بنوائی ہے کیسا ہے؟

**سوال [۷۶۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: جو مسجد چندہ سے بنی ہو اور متولی یہ کہے کہ مسجد ہم نے اپنے فائدہ کے لیے بنوائی  
ہے جبکہ تمام محلہ کی اس میں قربانی ہے تو یہ قول متولی کا کیسا ہے؟  
المستفتی: محمد عرفان سلیم پور گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوال مذکور میں متولی کا یہ کہنا کہ مسجد میں نے اپنے  
فائدہ کے لیے بنوائی ہے اس سے مراد اگر آخرت کا فائدہ ہے تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ حدیث  
”من بنی لله مسجدا بنی الله له فی الجنة مثله“ . (صحیح مسلم، باب  
فضل بناء المساجد والحث علیها، النسخة الهندیة ۱/۲۰۱، بیت الأفكار رقم: ۵۳۳)

کا مصداق ہوگا، اور اگر دنیاوی فائدہ مراد ہے تو مسجد کو اپنے ذاتی فائدہ کے لیے  
مخصوص کرنا درست نہیں اور متولی کا قول غلط ہے حتیٰ کہ نماز کے لیے بھی مسجد میں اپنی جگہ  
مخصوص کرنے کا حق نہیں کہ وہاں کسی کو کھڑا ہونے اور نماز پڑھنے سے روکے، کیونکہ مسجد کسی  
کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔

وتخصیص مکان لنفسه ولیس له ازعاج غیره منہ لو مدرسا وتحتہ

فی الشامیة: (ولیس له) قال فی القنیة: له فی المسجد موضع معین یواظب علیہ وقد شغلہ غیرہ قال الأوزاعی له أن یرعجہ و لیس له ذلك عندنا أى لأن المسجد لیس ملکا لأحد. (در مختار مع الشامی، کتاب الصلاة باب ما یفسد الصلاة، وما یرکھ فیہا، مطلب: فیمن سبقت یدہ إلی مباح، زکریا ۲/۳۶-۳۷، ۴، کراچی ۱/۶۶۲، ہندیہ زکریا قدیم ۱/۱۰۸، جدید ۱/۱۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۳۳)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۷/۵/۱۴۱۵ھ

## وقف علی الخیر کو وقف علی الاولاد میں تبدیل کرنا

**سوال [۷۶۶۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد دریس واقف نے ۱۹۶۰ء میں اپنی کل جائیداد وقف علی الخیر کر دیا اور تاحیات خود ہی متولی رہے اور اپنے بعد اپنی دونوں بیویوں کو متولی قرار دیا، پھر بیویوں نے اپنے بعد کے لیے واقف کی شرط کے مطابق واقف کے نواسے اور پوتے افضال احمد ولد محمد جان کو متولی بنا دیا، پھر افضال احمد نے نجمہ (جو واقف کی بیٹی تھی اور گود پالی لڑکی تھی) کو متولیہ بنا دیا، جو اب تک متولیہ کل جائیداد ہے۔

دفعہ ۷ میں واقف نے لکھا ہے کہ جائیداد مذکورہ کا متولیہ نہ انتظام کر کے باقاعدہ اس کی آمدنی و مصارف کا حساب رکھوں گا اور منہائی خرچ خانگی و مرمت و انتظام وغیرہ اور بعد ادا کیے کل ٹیکس وغیرہ جو رقم بچے گی اس کو بکا خیر خرچ کرتا رہوں گا، اور ہر متولی اسی طرح عامل رہے گا۔ دفعہ ۸ میں لکھا ہے کہ اس طرح جائیداد کی خالص آمدنی میں سے غرباء و مساکین کی امداد کی جائیگی، نیز منڈی ہلدوانی میں لڑکیوں کے مسلم اسکول کو (اگر کوئی قائم ہو جائے) رقم سالانہ دی جایا کرے گی، اگر کسی وقت ہلدوانی اور مراد آباد میں مندرجہ بالا قسم کے اسکول نہ ہوئے تو متولی دوسرے اسکولوں میں زیر تعلیم غریب مسلم طالبات کو وظائف دیا کریگا، ہلدوانی



کے مسلم اسکولوں کے علاوہ متولی دیگر جگہ پر بھی مسلم اسکولوں کو سالانہ رقم دے سکتا ہے۔  
تو دریافت یہ کرنا ہے کہ واقف محمد ادریس کی وقف کردہ جائیداد مذکورہ شرائط کے مطابق وقف علی الخیر ہے گی اور شرط کے مطابق خرچ کیا جائیگا یا اسے اب موجودہ متولیہ وقف علی الاولاد کر سکتی ہے، جیسا کہ وقف بورڈ لکھنؤ سے وقف علی الخیر کو بدل کر وقف علی الاولاد کروایا ہے، تو وقف علی الاولاد کروالینے کی وجہ سے وقف کی تمام اولاد کو اس میں سے آمدنی ملے گی یا صرف متولیہ کی اولاد کو آمدنی سے حصہ ملے گا، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس وقف شدہ جائیداد کو وراثت کے طور پر تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمادیں۔

المستفتی: اخلاق احمد قادیانگر ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف نامہ کی دفعات اور شرائط کو بغور پڑھا گیا اس میں متولی نے صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ مذکورہ جائیداد وقف علی الخیر ہے اور اس وقف میں ترمیم کا حق خود متولی کو بھی نہیں تھا، جیسا کہ متولی نے لکھا ہے اس لیے بعد میں لے پالک لڑکی نجمہ نے جو وقف بورڈ لکھنؤ سے وقف علی الخیر سے وقف علی الاولاد کی طرف منتقل کر لیا ہے، یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسی متولیہ کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہے، اور جیسا کہ وقف نامہ کے اندر منشاء وقف کے خلاف عمل ہونے کی صورت میں یا مناسب متولی کی تلاش کے لیے ہلدوانی کے حج کا مشورہ لازم قرار دیا گیا ہے، اس لیے حج کے سامنے موجودہ متولیہ کے خلاف تحریر اپیل کر کے اس متولیہ کو معزول کر دیا جائے، اور مسلمانوں کے پانچ دیندار افراد کے ساتھ حج صاحب کی زیر سرپرستی تولیت کی تشکیل دی جائے، اور اس کے بعد مذکورہ جائیداد جس طرح وقف علی الخیر تھی اسی طرح وقف علی الخیر کی طرف منتقل کر دی جائے، اور ہلدوانی مراد آباد میں مسلم لڑکیوں کے اسکول میں خرچ کرنے کی جو شرائط ہیں ان شرائط کے تحت طالبات کے مذکورہ اسکولوں میں خرچ کیا جائے اور مراد آباد محلہ اصل پتورہ میں بنات القریش کے نام سے اسکول چل رہا ہے، اور یہ اسکول کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اور فی الحال

بھی چل رہا ہے، ہلدوانی میں مسلم لڑکیوں کا اسکول ہے، تو اس (بنات القریش) میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے، اور اگر ہلدوانی میں نہیں ہے تو اس جائیداد کی آمدنی بنات القریش اصالت پورہ مراد آباد میں اور غریب مسلمانوں میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے اور وقف علی الاولاد کی شکل دینا ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی اس جائیداد کو فروخت کرنا اور اس میں مالکانہ تصرف کرنا جائز ہے، بلکہ جس متولی کی سرپرستی میں وقف نامہ کی شرائط کے خلاف عمل ہوا ہے اس کو برطرف کر دینا لازم ہے۔

وفی البزازیة: إن عزل القاضی للخائن واجب علیہ، ومقتضاه الإثم بترکہ والإثم بتولية الخائن ولاشک فیہ. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۶۰۲، مصری قدیم ۱/۷۶۲، شامی، مطلب یأثم بتولية الخائن، زکریا ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، البحر الرائق زکریا ۵/۴۱۱، کوئٹہ ۵/۲۴۵، بزازیہ زکریا جدید ۳/۱۳۴، وعلی هامش الہندیة ۶/۲۵۳)

نیز یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ وقف نامہ میں متولی نے کہا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، لیکن سوال میں متولی کے نواسہ اور پوتا کا تذکرہ ہے، یہ کہاں سے آئے؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۴ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۴/۲۳/۱۴۲۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۸)

حسب مصالح واقف منتظمین کا جائیداد موقوفہ میں ترمیم و تعمیر کرنا

**سوال [۷۶۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی شہر میں مسافر خانہ، مدرسہ، قبرستان وغیرہ دیگر عوامی مسلم فلاحی تعمیرات قائم کرتی ہے اور افراد کے بجائے رہبر اصول دستور و ضوابط مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کو مابعد کارکنان کے لیے اس شرط کے ساتھ قابل پابندی قرار دے کر اس دارفانی سے کوچ کر جاتی ہے کہ حسب مصالح ضوابط کے تحت ترمیم کا حق مابعد کے منتظمین کو حاصل رہے گا، تو کیا

مذکورہ بالا قسم کی عمارتوں میں توسیع و تعمیر و ترمیمات ضروریہ کو یہ کہہ کر روکا جاسکتا ہے کہ یہ کارروائی منشاء واقف کے خلاف ہے، ضرورتِ سوال یوں پیش آئی کہ موجودہ گورنمنٹ نے اکثر فلاحی عمارتوں کو اگر کسی نے وقف میں درج کرادیں تو جائیدادِ موقوفہ قرار دیا یہ ہے اور لفظ منشاء واقف مخالفین بطور حربہ استعمال کر سکتے ہیں جبکہ واقف موجودہ ادارہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: محمد علاؤ الدین ہردوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ وقف جائیداد میں تعمیر و ترمیم کی نہایت ضرورت ہے اس کے بغیر منافع بہت دشوار ہیں اور اس جماعت کے بانی ارکان نے حسب مصالح ضوابط کے تحت ترمیم کا حق مابعد منتظمین کو دے رکھا تھا تو اب ان عمارتوں میں تعمیر و توسیع و ترمیمات ضروریہ ان کی منشاء کے خلاف نہیں ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۳۳۳، کفایت المفتی قدیم ۷/۳۱۴، جدید مطول ۹/۴۸۶)

كما في الشامية في الخيرية: قد صرحوا بأن الإعتبار في الشروط لما هو الواقع لا لما كتب في مکتوب الوقف. (الشامی، کتاب الوقف مطلب: فی قولہم شرط الوقف کنص الشارح، کراچی ۴/۳۳، زکریا ۶/۶۴ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

۲۸/۳/۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۲/۴)

**وقف علی الاولاد مکان کو متولی کا فروخت کرنا یا کرائے پر دینا**

**سوال [۷۶۷۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب الطاف حسین مرحوم نے اپنی ایک جائیداد مکان وقف علی الاولاد کیا اور اپنی حیات تک خود متولی رہے اور اپنے انتقال کے بعد اپنی لڑکی اشفاق جہاں اور اس کے بعد اس کی لڑکی عابدہ بیگم کو متولی قرار دیا، عابدہ کے بعد اس کی اولاد ذکور و انث میں سے جو پسر

اکبر ہوگا یا بڑی دختر ہوگی متولی ہوتے رہیں گے۔

(۱) اس وقت اس مکان کی اشفاق جہاں متولیہ ہیں کیا اشفاق جہاں متولیہ اس مکان موقوفہ کو فروخت کر سکتی ہیں؟

(۲) کیا متولیہ اشفاق جہاں اس مکان کو اپنی اولاد کو کرایہ پر دے سکتی ہیں اور جو آمدنی ہوگی وہ کس طرح تقسیم ہوگی؟

(۳) جو اولادیں اس مکان میں نہیں رہ رہی ہیں وہ رہنے والوں سے کرایہ لے سکتی ہیں یا نہیں؟

(۴) اس وقت اس مکان موقوفہ کی اشفاق جہاں متولیہ ہیں اور عابدہ بیگم کا انتقال ہو چکا ہے تو اب اشفاق جہاں کے بعد متولی کون ہوگا؟

نوٹ: اس مکان میں اس وقت اشفاق جہاں اور ان کی اولادوں میں تین لڑکے اور ایک لڑکی رہتی ہیں اور تین لڑکیاں اور ایک لڑکا باہر رہتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) اشفاق جہاں متولیہ کے لیے اور اسی طرح

بعد میں آنے والے کسی بھی متولی کے لیے مذکورہ مکان موقوفہ کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ،

وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا

وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله،

لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمرة، فتصدق به عمر، فصدقته

تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذی

القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه

غير متمول به. (صحيح البخاری، الوصایا، باب قول الله عز وجل وابتلوا الیتامی حتی

إذا بلغوا النکاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

والمعلوم بالوقف من شرطه عدم البيع ونحوه. (فتح القدير، کتاب

الوقف، دار الفکر ۶/۲۰۴، زکریا ۶/۱۹۰، کوئٹہ ۵/۴۱۹)

(۲) اشفاق جہاں متولیہ اپنی اولاد کو مکان موقوفہ کرایہ پر دے سکتی ہے، اور جن لوگوں پر آمدنی خرچ کرنے کے لیے واقف نے شرط لگائی ہے وقف نامہ کی شرط کے مطابق ان مستحقین پر آمدنی کا تقسیم ہونا لازم ہے۔

رجل وقف دارہ علی قوم بأعیانہم وجعل آخرہ للفقراء فأجر المتولی الدار من الموقوف علیہم جازت الإجارة. (عالمگیری، الباب الخامس فی ولایة الوقف، زکریا قدیم ۲/۴۲۱، جدید ۲/۳۸۸)

فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم یکن معصية. (شامی زکریا ۶/۵۵۹، کراچی ۴/۳۶۶ الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۱۳۱-۱۳۲)

(۳) جب اشفاق جہاں متولیہ خود موجود ہیں تو آمدنی انھیں کو ملے گی، اشفاق جہاں کی موجودگی میں اشفاق جہاں کی ان اولادوں کو جو اس مکان میں نہیں رہ رہی ہیں آمدنی کا حصہ نہیں ملے گا، ہاں البتہ ماں جو چاہے اپنی مرضی سے اپنی اولاد کو دے سکتی ہے، وہ اس کے اختیار میں ہے، البتہ اشفاق جہاں کے مرنے کے بعد مکان میں رہنے والی اولادوں سے مکان میں نہ رہنے والی اولادیں اپنے حصوں کا کرایہ وصول کر سکتی ہیں۔

ولو قال أرضی هذه صدقة موقوفة علی أولادی یدخل فیہ البطون کلها لعموم اسم الأولاد ولكن یكون الكل للطن الأول مادام باقیًا فإذا انقرض یكون للثانی فإذا انقرض یكون للثالث والرابع والخامس فتشترک هذه البطون فی القسمة، والأقرب وإلا بعد فیہ سواء. (عالمگیری، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الثانی زکریا قدیم ۲/۳۷۴، جدید ۲/۳۶۰)

لو قال علی أولادی یدخل فیہ البطون کلها لعموم اسم الأولاد ولكن یقدم البطون الأول، فإذا انقرض فالثانی ثم من بعدهم یشترک جمیع البطون فیہ علی السواء قریبهم وبعیدهم. (شامی، کتاب الوقف، مطلب لو قال علی أولادی بلفظ الجمع، زکریا دیوبند ۶/۶۹۷، کراچی ۴/۴۶۹)

(۴) جب عابدہ بیگم کا انتقال اشفاق جہاں متولیہ کی موجودگی میں ہو چکا تو وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اشفاق جہاں کی مذکورہ اولادوں میں جو سب سے بڑا زندہ ہے اسی کو تولیت حاصل ہوگی، لیکن آمدنی ذکور و اثاث کے درمیان ”وللد ذکر مثل حظ الأنثیین“ کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لڑکوں کو دو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک۔

ولو جعل الولاية لأفضل أولاده و كانوا في الفضل سواء تكون لأكبرهم

سنا۔ (عالمگیری، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زکریا قدیم ۱۱/۲، ۴، جدید ۳۸۱/۲)

يعطيهم على قدر المواريث للذكر مثل حظ الأنثیین. (تاتارخانیة

الفصل التاسع کوئٹہ ۵/۷۶۵، زکریا ۸/۸۲، رقم: ۱۱۲۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ

۱۴/۲/۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۰۴)

## متولی کا مسجد کے سامان میں خیانت کرنا

**سوال [۷۶۷۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی دوکان ایک ہندو فوٹو گرافر کو دینا اور اس میں پوجا پاٹ ہونا جائز ہے یا نہیں، مسجد کے کرنٹ سے مسجد کے متولی صاحب اپنے گھر کی لائٹ اور لی وی چلاتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز، مسجد کا پانی گھر میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، مسجد کی لکڑی گھر میں جلانا، مسجد کا گھنٹہ گھر میں چلانا جائز ہے یا نہیں، اور مسجد کا چندہ اور کر ایہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مسجد کا میٹر بند کرنا، حافظ قرآن کو جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں، اور یہ ثابت ہو جائے کہ یہ جھوٹا ہے تو ان کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: سرفراز احمد لنگھمر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ میں جتنے امر لکھے گئے ہیں ان کا

ارتکاب کرنے والا سخت ترین خائن ہے، ایسا شخص فاسق ہے اس کو متولی بنانا جائز نہیں ہے اور علاقہ کے تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اس شخص کو فوراً مسجد کی تولیت سے الگ کر کے کسی متبع شریعت متولی کا انتخاب کریں۔

إن عزل القاضی للخائن واجب علیہ و منقضاه الإثم بترکہ و الإثم بتولية الخائن ولاشک فیہ . (مجمع الانهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۶۰، مصری قدیم ۱/۷۶۲، شامی، مطلب: یأثم بتولية الخائن، زکریا ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۴۵، زکریا ۵/۴۱۱، بزازہ جدید ۳/۱۳۴، وعلی هامش الہندیة ۶/۲۵۳)

نیز جھوٹ بولنا کسی کے لیے بھی عام حالات میں جائز نہیں ہے ہاں البتہ دو آدمی کے درمیان صلح کرنے کے لیے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے تو اگر مذکورہ حافظ نے صلح اور جوڑ پیدا کرنے کے لیے جھوٹ بولا ہے اور بعد میں جھوٹ بولنا ثابت ہو گیا ہے تو وہ فاسق نہیں ہے۔

عن أسماء بنت یزید قالت: قال رسول الله ﷺ: لا يحل الكذب إلا فی ثلاث: يحدث الرجل امرأته ليرضيها والكذب في الحرب، والكذب ليصلح بين الناس. (سنن الترمذی، باب ما جاء في إصلاح ذات البين النسخة الہندیة ۲/۱۵، دار السلام رقم: ۱۹۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۸/۱/۱۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۴۶)

متولی مسجد کی خیانت اگر ثابت ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منشی محمد جان و بلقیس جہاں میرے والدین نے کچھ مکانات وغیرہ وقف علی الاولاد کیے اور ہر لڑکی لڑکے کا الگ الگ مکان مقرر کر دیا اس طرح اپنی جائیداد اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دیئے گئے۔

وقف کے ایک فرزند محمد نعمان نے وقف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے حصے کا وقف مکان وقف بورڈ سے اجازت بیع منسوب کر کے نہایت خفیہ اور راز دارانہ طریقے سے ایک شخص کے ہاتھ بیع قطعی کر دیا مجھ واقف کی دختر نے ان باتوں کی انکوائری کرائی اور مقدمہ لڑایا اور سیل پرمیشن جعلی ثابت کرادی، وقف بورڈ لکھنؤ میں مقدمہ ہوا اور اس نے اجازت بیع کو جعلی بتایا اور کلکٹر کو خریدار کا قبضہ ہٹانے کا آرڈر دیا مکان خالی ہو گیا میں نے بورڈ سے معلوم کیا کہ اب نعمان جو Defaulter بن گئے ہیں ان کا اس مکان میں کوئی حق بنتا ہے یا نہیں، وقف بورڈ نے صاف کہہ دیا کہ محمد نعمان کا اب ہرگز کوئی حق نہیں بنتا، اس سلسلے میں جناب عالی شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

المستفتیہ: گوہر جہاں محلہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس کی خیانت ثابت ہو جائے اس کی تولیت باقی رکھنا جائز نہیں ہے، جب محمد نعمان کی طرف سے خیانت ثابت ہو گئی اب اس کو کبھی متولی نہیں بنایا جاسکتا اور اس کے فروخت کر دینے کے بعد جتنا نقصان ہوا اور مقدمہ کا صرفہ اور خرچہ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ اس کے حق میں سے وصول کیا جائیگا اس کے بعد وقف کی آمدنی میں سے اس کا جو حق بیٹھتا ہے وہ اس کو ملے گا مگر خود متولی اور منتظم نہیں بن سکتا، بلکہ جو دیانتدار شخص متولی ہوگا، وہی اس کا حق اس کو دیتا رہا کریگا۔

وقف علی نفر استولی علیہ ظالم لایمکن انتزاعہ من یدہ فادعی الموقوف علی واحد منهم أنه باع من هذا الظالم و سلمه إلیہ و هو منکر فأرادوا تحلیفہم ذلک (الی قولہ) کما أن الفتویٰ فی غصب منافع الوقف بالضمنان نظراً للوقف و هو اختیار مشائخنا و متی قضیٰ علیہ بالقیمۃ تؤخذ منه القیمۃ فیشتری بها ضیعۃ أحرى فتکون وقفا الخ. (ہندیہ، کتاب الوقف الباب التاسع فی غصب الوقف، زکریا قدیم ۲/۴۹، جدید ۲/۵۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۹۳)



## متولی کو مسجد پر مالکانہ قبضہ اور ناجائز تصرف کا حق حاصل نہیں

**سوال [۷۶۷۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص عرصہ دراز سے مسجد کا متولی ہے اب دیرینہ تولیت کی بناء پر مسجد کے اندر مالکانہ تسلط کا اظہار کرنے لگا، وہ اس طرح کی نہ تو کسی کو مسجد کے چندہ کے اندر حق دار بناتا ہے، اگرچہ یہاں کی عوام چندہ بیعت ثواب دینا چاہتی ہے؟

(۲) اور نہ ہی مسجد کے اندر فضائل قرآن و حدیث کی تعلیم ہونے دیتا ہے اور نہ ہی مسجد کا کوئی حساب وغیرہ مصلیوں کے سامنے رکھتا ہے، مصلیوں کے زبردست اصرار پر بھی مسجد کے اندر فضائل قرآن و حدیث کو نہیں ہونے دیتا، عوام اس حالت سے کافی پریشان ہے۔

(۳) جب ہوش مند حضرات کہتے ہیں کہ صاحب تعلیم حدیث کے اجراء کے خاطر اصحاب رسول ﷺ نے جام شہادت نوش فرمائے اور اب موجودہ علماء حق اس کی تگ و دو میں پسینہ بہا رہے ہیں اور فرماتے ہیں نیز تجربہ بھی بتا رہا ہے کہ اس طریقہ تعلیم سے عوام کے اندر چند ہی روز کے اندر دینی شعور پیدا ہو جاتا ہے، اور عوام آخرت سے متعلق اپنے مستقبل سے آگاہ ہو جاتی ہے، تو متولی صاحب کا جواب یہ ہوتا ہے کہ میں کسی عالم و الم کی باتوں کو نہیں مانتا، اب عوام کا سوال یہ ہے کہ کیا ایسا آدمی تولیت کا حق دار ہو سکتا ہے، یا کہ نہیں نیز اس آدمی کا شریعت کے اندر کیا درجہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد شرعی وقف ہے اس کا متولی امین و حفیظ ہوتا ہے اگر سوال نامہ میں شخص مذکور واقعی خائن اور املاک مسجد اور مسجد میں اپنا مالکانہ تصرف جما رکھا ہے، تو مسجد کی کمیٹی اور مسلمانوں پر کسی دیا نندارتع شرع متولی مقرر کرنا اور ایسے متولی کو معزول کر دینا لازم ہے۔

إن عزل القاضی للخائن واجب علیه ومقتضاه الإثم بترکه والإثم بتولية الخائن. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۶۰۲، مصری قدیم ۱/۷۶۲، کراچی ۴/۳۸۰، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۴۵، زکریا ۱/۴۱)

(۲) مسجد کے اندر فضائل قرآن و حدیث کی تعلیم باعث نجات اور قبولیت اور بڑی فضیلت ہے۔

عن أبی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله، يتلون كتاب الله ويتدرسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة و غشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة و ذكرهم الله فيمن عنده الحديث. (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، النسخة الهندية ۲/۳۴۵، بيت الأفكار رقم: ۲۶۹۹)

(۳) اگر علماء کی دینی باتیں پیش کرنے کی وجہ سے مذکورہ جملہ استعمال کیا ہے تو بہت ممکن ہے کہ کفر تک پہنچ جاوے، اس لیے اپنے اس قسم کے جملوں سے توبہ کر کے باز آنا لازم ہے۔

(إلى) رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة فردها وقال ”جه بار نامه فتوى أوردته“ قيل: يكفر الخ. (عالمگیری، الباب التاسع في أحكام المرتدين، زکریا قدیم ۲/۲۷۲، جدید ۲/۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۸۹)

سود اور مسجد کی رقم استعمال کرنے والے متولی کا حکم

**سوال** [۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سہس پور محلہ قاضیان کی مسجد کی آٹھ بیگہ زمین آبادی کے لیے مبلغ ساڑھے تین لاکھ روپے میں فروخت ہوئی خریداران نے مہتمم صاحب کو مبلغ اسی ہزار روپے بطور بیع

نامہ دیا، مہتمم صاحب نے وہ روپیہ بینک میں جمع کر دیا، اتفاق سے مہتمم صاحب ایک قتل کے مقدمہ میں مشکوک ہو گئے جس کی وجہ سے بیع نامہ نہیں ہو سکا، مہتمم صاحب نے خریداران سے کہا کہ تم اپنا روپیہ مع سود کے واپس لے لو اب ہمیں زمین نہیں بچنی ہے، لہذا ان کو اسی ہزار روپے کی رقم واپس کر دی، اور سود کا روپیہ ان کو نہیں دیا، جو کہ مبلغ بارہ ہزار روپے تھا، وہ روپیہ مہتمم صاحب نے نہ تو مسجد کو دیا اور نہ خریداران کو واپس کیا جب محلہ والوں نے تقاضہ کیا تو انہوں نے صفائی سے منع کر دیا کہ نہ تو مسجد کو دینا ہے اور نہ خریداران کو، مہتمم صاحب بے نمازی اور بے عمل ہیں، مسجد کی رقم کو اپنے خرچ میں لگا لیتے ہیں، یہ رقم دو سال تک بینک میں رہی اب آپ کی رائے کے محتاج ہیں اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟

المستفتی: واصف علی محلہ سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بائع (متولی مسجد) اور مشتری کی باہم رضامندی سے معاملہ بیع ختم ہو جانے کی وجہ سے بیع فسخ ہوگئی اور مشتری کی اصل رقم اس کو مل چکی ہے، اور مشتری کی بطور بیع نامہ دی ہوئی رقم سے جو سود کا بارہ ہزار روپیہ جمع ہو گیا ہے وہ بہر حال سود ہے، جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

﴿وَاحِلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [البقرة: ۲۷۵]

اس روپیہ کو شرعاً استعمال کرنے کا حق نہ متولی مسجد کو ہے اور نہ مشتری کو بلکہ اس روپے کو بلا نیت ثواب غرباء محتاجوں میں اس نیت سے تقسیم کر دینا کہ اس کے وبال سے محفوظ رہیں واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/۲۲۱، ڈبجیل ۱۶/۴۳۳، ۲۰۳/۲، ڈبجیل ۱۶/۳۰۱، ایضاح النوادر ۱/۹۹)

وَأَمَّا إِذَا كَانَ عِنْدَ رَجُلٍ مَالٌ خَيْشِفًا مَا إِن مَلَكَهُ بَعْدَ فِاسِدٍ أَوْ حَصَلَ لَهُ بَغِيرَ عَقْدٍ وَلَا يُمْكِنُ أَنْ يَرُدَّهُ إِلَى مَالِكِهِ وَيُرِيدُ أَنْ يَدْفَعَ مَظْلَمَتَهُ عَنْ نَفْسِهِ فَلَيْسَ لَهُ حِيلَةٌ إِلَّا أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى الْفُقَرَاءِ. (بذل المحجود، كتاب الطهارة، باب فرض

الوضوء، سہارنپور قدیم ۱/۳۷، دار البشائر الإسلامیہ ۱/۳۵۹، رقم: ۵۹)

جو متولی مسجد کی رقم کو اپنے خرچ میں استعمال کرتا ہے اس کو شرعاً متولی رہنے کا حق نہیں

ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ کسی دوسرے شخص کو جو دیندار و امانت دار ہو متولی مقرر کر لیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۲۰۸، ڈبھیل ۱۳/۳۶۲)

لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائيه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر (إلى قوله) وأن الناظر إذا فسق استحق العزل ولا ينزل، كالقاضي إذا فسق

لاينعزل على الصحيح المفتى به. شامى كتاب الوقف مطلب: فى شروط المتولى  
زكريا ديوبند ۶/۵۷۸-۵۷۹، كراچى ۴/۳۸۰ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

۲۸/۴/۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۸۷)

## واقف کی غرض کے خلاف موقوفہ زمین میں تصرف کرنا

**سوال [۷۶۷۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی جگہ اس شرط پر مدرسہ دینیہ کو دی کہ وہ مدرسہ قائم کریں تاکہ ان کو ان کے بزرگوں کو ایصال ثواب ہو، محلہ کے لوگوں نے اس کو قبول کر لیا اور اس میں تقریباً پندرہ بیس ہزار روپے مدرسہ کے لگا دیئے، اب وقف کرنے والے وہ جگہ دینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدرسہ بناؤ تو لے لو ورنہ ہم نہیں دیں گے، محلہ والے کہتے ہیں کہ آپ کو کوئی مطلب نہیں ہے ہم چاہیں مدرسہ بنوائیں یا مدرسہ کی آمد کا کوئی مکان تعمیر کرائیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ ان کو دی ہوئی جگہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ریاست علی خان بدایوں، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب شخص مذکور نے اسی شرط پر اپنی جگہ مدرسہ کو

دی ہے کہ اس میں مدرسہ ہی قائم کریں گے دوسرا کام نہیں تو ایسی صورت میں اس جگہ پر مدرسہ کے علاوہ دوسرا کام کرنا جائز نہ ہوگا، وقف کرنے والے کو اپنی غرض وقف کے خلاف

کرنے پر روک لگانے کا حق ہے، اور غرض وقف کے خلاف تصرف کرنے والے متولی اور ذمہ دار کو شرعی طور پر تولیت اور ذمہ داری سے برطرف کرنے کا حق ہے۔

وفی الجواهر: التقييم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضي (وقوله) أن للقاضي عزل المتولى الخائن غير الواقف بالأولى. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فیما یعزل بالناظر، زکریا ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰)

فإن كان في نزع مصلحة، يجب عليه إخراجه دفعا للضرر عن الوقف.

(بزازیہ زکریا جدید ۳/۱۳۴، و علی ہامش الہندیۃ ۶/۲۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۳/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

۵/۸/۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۳۳)



## ۴ باب بیوع الأوقاف

### وقف کی زمین فروخت کرنا

**سوال [۷۶۷۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی کلن مرحوم ساکن گل شہید مراد آباد نے اپنی حیات میں خرید کردہ و تعمیر کردہ جائیداد کو ۱۹۳۲ء و ۱۹۳۵ء میں وقف علی الاولاد و علی الخیر کیا جس کی عبارت کو دونوں وقف ناموں میں اس طرح درج کیا گیا ہے:

وقف کیا میں نے اور جائیداد ہائے موقوفہ کو اپنے قبضہ و ملکیت سے نکال کر اللہ جل شانہ کے قبضہ اور ملکیت میں دیدیا میں نے اور آج کی تاریخ سے ہی میرا کوئی وارث یا جانشین مالک ان جائیدادوں کا نہیں رہا، اور وہ تمام جائیداد ملکیت اللہ جل شانہ میں داخل ہو گئیں اور اثر زوال سے محفوظ ہو گئیں، اور اب یا آئندہ مجھ کو یا میرے وارثان کو جائیداد ہائے موقوفہ کے جز یا کل کو یا ان کی آمدنی کو بذریعہ بیع یا ہبہ، رہن دخلی یا ضمانت بکفالت یا بالعوض دین مہربا کسی اور طریقہ پر منتقل کیا کسی مطالبہ کے زیر بار کرنے کا حق اور اختیار نہیں رہا۔

اس وقت جائیداد ہائے موقوفہ کی آمدنی کرایہ وارثان شرعی کو کم آمدنی کرایہ ہونے کی وجہ سے کم مل رہا ہے ایسی حالت میں وراثہ اور متولیان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کیوں نہ ان تمام وقف جائیداد کو فروخت کر کے جدید جائیداد خرید کر زیادہ سے زیادہ کرایہ پردی جائے خرید کردہ جائیداد کو وقف ناموں کے مطابق اس پر عمل کیا جائے، تاکہ وراثہ کو زیادہ سے زیادہ آمدنی کرایہ حاصل ہو اور اس کے مطابق مصارف خیر میں خرچ کیا جائے، لہذا متولی یا کوئی بھی وارث اس کام کو شرعاً یا اخلاقاً کر سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحمن سرانے شیخ محمود مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** محض آمدنی کم ملنے کی وجہ سے وقف کی جائیداد فروخت کر کے دوسری جائیداد لینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے جو کچھ مل رہا ہے اس پر قناعت کر کے وقف کی جائیداد کو اپنی جگہ باقی رکھنا لازم ہے۔

والتالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خیر منه ريعا و نفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف وشروطه، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا ۶/۵۸۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۶۰۲)

## زیادتی آمدنی کی غرض سے وقف کی زمین فروخت کرنا

**سوال [۷۶۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی زمین یا مکان کسی مدرسہ یا مسجد کے لیے وقف کی گئی جس سے وقف کرنے والے کا مقصد صدقہ جاریہ ہے اور اس سے بذریعہ کاشت یا کرایہ آمدنی بھی ہو رہی ہے لیکن اگر اس کو فروخت کر کے اس رقم سے کسی دوسری جگہ اچھی کوئی مکان یا دوکان بنا کر اس کو کرایہ پر چڑھایا جائے تاکہ پہلے کے مقابلے پر آمدنی زائد حاصل ہو سکے، یا پھر اس رقم سے اسی مسجد میں کوئی درسگاہ یا کمرہ اور اسی مسجد کا کوئی حصہ بنا دیا جائے، تاکہ وقف کرنے والے کا مقصد صدقہ جاریہ بھی پورا ہو سکے، اور آمدنی بھی بڑھ جائے یا مدرسہ اور مسجد کی ضرورت بھی پوری ہو جائے، اس مقصد سے اس موقوفہ جائیداد کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم روڑکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں موقوفہ زمین

اور مکان قابل انتفاع ہیں اس لیے محض نفع کی زیادتی کی غرض سے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔  
والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه  
ربعا و نفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار. (شامی، کتاب الوقف،  
مطلب: فی استبدال الوقف وشروطه، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا ۶/۵۸۴)

(وقوله) بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بضمنه ما هو خير منه مع كونه  
منتفعا به فينبغي أن لا يجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون  
زيادة. (شامی کوئٹہ ۳/۲۷۴، کراچی ۴/۳۸۸، زکریا ۶/۵۸۹، فتح القدیر، مطبوعہ دار  
الفکر لبنان ۶/۲۲۸، کوئٹہ ۵/۴۴۰، زکریا ۶/۲۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ العلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۰ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۰/۷۵۰)

## نا قابل انتفاع موقوفہ زمین کو بیچ کر قابل انتفاع زمین خریدنا

**سوال [۷۶۷۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل  
کے بارے میں: مسماة میمونہ نے اپنی حیات میں تقریباً اپنی چار بیگھہ زمین مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ  
بادلی کے نام وصیت کر دی تھی، مدرسہ اب تک اس پر قابض بھی ہے لیکن اس زمین کے قرب  
و جوار کے لوگوں سے اس زمین پر قابض ہونے کا سخت خطرہ ہے، وہ زمین فی الحال انہیں  
لوگوں کی کرایہ داری میں ہے، لیکن مدرسہ رحمانیہ کو کرایہ کے نام پر کوئی پیسہ نہیں دیتے ہیں،  
اب اس زمین کے مدرسہ کے قبضہ سے نکلنے کے خطرہ کے ساتھ ساتھ مدرسہ کو کرایہ نہ ملنے کی  
بناء پر بالکل ناقابل انتفاع ہوگئی ہے، ان وجوہات کی بنا پر مدرسہ رحمانیہ کی منتظمہ نے یہ فیصلہ  
کیا ہے کہ اس زمین کو بیچ کر واقف کے نام مدرسہ رحمانیہ میں کمرہ یا درسگاہ تعمیر کرادی جائے تا  
کہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا رہے، تو کیا یہ فیصلہ شرعاً درست ہے؟ تحریر فرمائیں۔  
نیز بتلائیں کہ اگر کوئی وقف ناقابل انتفاع ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کے عوض



دوسری زمین اس رقم سے خرید کر وقف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفور صاحب مہتمم جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ راجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جبکہ مذکورہ زمین موقوفہ مدرسہ رحمانیہ کے حق میں

بالکل ناقابل انتفاع ہوگئی ہے تو منظمہ کا مذکورہ فیصلہ شرعاً صحیح اور درست ہے۔

والثانی أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث

لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز

على الأصح. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی استبدال الوقف وشرطه، مطبوعہ کوئٹہ

۴/۴، ۳۸۴، زکریا ۶/۵۸۳، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳)

وصح شرط أن يستبدل به أي بالوقف غيره أي يبيعه و يشتري بثمنه أرضا

أخرى إذا شاء عند أبي يوسف استحساناً لأن فيه تحويلة إلى ما يكون خيراً

من الأول أو مثله فكان تقريراً لا إبطالاً فإذا فعل صارت الثانية كالأولى في

شرائطها. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۷۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲/۲۳)

## مسجد کی زمین کو فروخت کرنا

**سوال [۷۶۷۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید ایک قطعہ مکان کا مالک ہے وہ غیر شادی شدہ ہے اس کے ورثاء میں صرف

بھتیجے ہیں اس نے اپنی زندگی میں سلامتی ہوش وحواس بھتیجوں کو نہ دے کر اپنا سارا حصہ مسجد کو

وقف کر دیا ہے لیکن مسجد اس پر ابھی تک اپنا قبضہ و دخل نہیں کر سکی ہے، بھتیجے اس وقف پر راضی

نہیں ہیں، کیا یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اس وقف کو تبدیل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذاکر حسین، محلہ دانگ محمد علی روڈ مراد آباد

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ واقعہ کے مطابق نہیں ہے، سوالنامہ میں مسجد کو وقف کرنے کا ذکر ہے، اور ۲۲/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ میں وقف نامہ کہہ کر اس کا جواب لیا گیا ہے، اور اب جبکہ وقف نامہ منکولایا گیا تو ثابت ہوا کہ وقف نامہ نہیں ہے بلکہ رجسٹری بیع نامہ ہے کہ مسجد نے مذکورہ مکان خریدا ہے لہذا مکان کا وہ حصہ جس کی رجسٹری مذکور ہے وہ شرعی طور پر مسجد کی ملکیت ہے، اور جن لوگوں کا قبضہ اس مکان پر ہے وہ ناجائز قبضہ ہے، ہاں البتہ اگر مسجد کو قبضہ نہیں مل پارہا ہے اور قابض لوگ اس کو خرید کر قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں تو اس کی مناسب قیمت متعین کر کے مسجد اس کو فروخت کر دے اور اس پیسہ کے ذریعہ سے مسجد کے لیے کوئی مناسب جائیداد خرید لی جائے جس سے مسجد کے لیے آمدنی کا سلسلہ جاری رہے، تو اس طرح کرنے کی ضرورتاً گنجائش ہے۔

مبادلة الوقف بدار آخر إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرى خيرا وبالعكس لا يجوز. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستبدال، کراچی ۴/۳۸۶، ذکر یا ۶/۵۸۶)

مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما تجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة وعلى عكسه لا يجوز. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۷۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ شعبان ۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۸۷)

## تکمیل وقف کے بعد ہبہ کرنا

**سوال [۷۶۸۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی جائیداد وقف علی الاولاد ہو تو کیا اس کو بیچا جاسکتا ہے، اس کے بیچنے سے کوئی گناہ تو نہیں؟

المستفتی: منصور احمد ششی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف کامل وکمل ہو چکنے کے بعد اس کا فروخت کرنا ہبہ کرنا، گروی رکھنا وغیرہ ہرگز جائز نہیں ہے، اگر فروخت کی جائے تو فروخت کرنے والا سخت ترین گنہگار ہوگا اور عقدرنج منجھ کرنا لازم ہوگا۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذی القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن. (الدر المختار، كتاب الوقف مطلب: مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة الخ كراچی ۴/۳۵۲، زكريا ۶/۵۳۹) إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه. (هدايه، اشرفى ديوبند ۲/۶۴، هندیہ زکریا قدیم ۲/۳۵۰، جدید ۲/۳۴۶، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمیة بیروت ۲/۵۷۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۹۸)

## موقوفہ زمین کو فروخت کرنا

**سوال [۷۶۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک چوپال جس میں نماز پنجگانہ و جمعہ و تعلیم و دینیات اردو لگ بھگ عرصہ پچاس ساٹھ برس پیشتر سے ہو رہی تھی، جب کہ اس بستی میں کوئی مسجد و دینی مدرسہ نہیں تھا یہ جگہ چند لوگوں کی ملکیت تھی، جس کو ان لوگوں نے مستقل طور پر نماز پنجگانہ و جمعہ و تعلیم دینی کے لیے وقف کر رکھا تھا، اب چند سال سے مسجد بھی اسی محلہ میں قائم ہو گئی ہے جس میں نماز پنجگانہ و جمعہ ہو رہا ہے، نیز زمانہ کے حالات دیکھتے ہوئے چونکہ اس چوپال کے بغل میں ایک پنڈت کا مکان ہے جس کے دینیات کے سکھانے میں خارج ہونے کا امکان تھا، نیز جگہ کے بے موقع ہونے کی وجہ سے ایک صاحب خیر نے اپنی مقبوضہ گرام سماج کی زمین کو وقف کر دیا جس میں مدرسہ کی کچھ عمارت پختہ بلاچھت کے قائم ہے، اور تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔

اب مذکورہ چوپال خالی پڑی ہے جبکہ یہ طے ہوا تھا کہ یہ جگہ مدرسہ ہی میں وقف رہے گی اور مدرسہ کے ہی کام میں خرچ ہوگی، اب اس چوپال کے بیچنے کے بچار میں ہیں، مسلمان (بالخصوص جن لوگوں نے وقف کیا تھا ان میں بعض باحیات ہیں اور بعض فوت ہو گئے ہیں لیکن ان کے ورثاء) لہذا بالتفصیل واضح فرمائیں کہ اس موقوفہ چوپال جس میں برسہا برس سے پنج وقتہ نماز اور نماز جمعہ اور تعلیم و دینیات ہوتی چلی آرہی تھی، بعدہ چند سالوں سے خالی پڑی ہے، اس کی بکری (فروختگی) جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کی رقم مدرسہ میں یا مسجد میں یا ان دونوں جگہوں میں سے کس جگہ استعمال کی جائے نیز اس کی فروختگی مسلم کے ہاتھ کی جاسکتی ہے یا غیر مسلم کے ہاتھ بھی کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: محمد اسلم مدرسہ ضیاء العلوم سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب زمین ایک مرتبہ وقف ہو چکی ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی ملکیت ہوگی اس کو بلا عذر شرعی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ غرض واقف کے مطابق اس کو مسجد یا مدرسہ کے کام میں لانا لازم و ضروری ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ،  
وكان يقال له ثمغ و كان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغفرت مالا

وہو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

وإذا صح الوقف لم يجز يبعه ولا تمليكه. (هدايه، كتاب الوقف، اشرفى

ديوبند ۲/۶۴۰، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۳۵۰، جدید ۲/۳۴۶، بدائع زکریا ۶/۳۲۶، فتاویٰ

خانیہ زکریا ۳/۱۹۹، وعلى هامش الهندية زكريا ۳/۲۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۱۷)

## موقوف زمین کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری زمین خریدنا

**سوال [۷۶۸۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مدرسہ اسلامیہ معارف العلوم قصبہ سہس پور بجنور یوپی ہند کی تقریباً ۳۰ رسال سے ایک موقوفہ زمین پڑی ہے اس سے مدرسہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے اب تک کوئی پیسہ اس سے مدرسہ کو نہیں ملا اور آئندہ بھی اس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچنے کی کوئی امید نہیں، اب مدرسہ کے ذمہ داران یہ چاہتے ہیں کہ اس موقوفہ زمین کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے قریب کی ایک زمین لی جائے جس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچے گا، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

المستفتی: امیر احمد سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر موجودہ حالت میں موقوفہ زمین موقوف علیہ یعنی

مدرسہ کے لیے کسی قسم کے فائدہ کا باعث نہیں ہے اور اس سے کوئی پیسہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، اور نہ ہی مدرسہ کو وہاں تعمیر کی ضرورت ہے تو ایسی بے فائدہ حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی پوری قیمت سے ایسی زمین خرید کر مدرسہ کے نام رجسٹری کر دینا جائز ہوگا جس سے مدرسہ کو فائدہ اور آمدنی پہنچتی ہو، نیز اس کا خیال رکھنا لازم ہے کہ جو زمین خریدی جائے اس کی مدرسہ کے نام پر رجسٹری کروالی جائے نیز یہ بھی لازمی شرط ہے کہ یہ سارا کام کمیٹی کی متفقہ رائے سے ہو۔

والثانی أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً ولا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان ياذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، کوئٹہ ۳/۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا ۵/۲۲۳، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۵۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۶ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۲۰)

## مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا

**سوال [۷۸۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے سرکار سے زمین خریدی کچھ مدت تک اس زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے بعد مسجد کے نام پر وقف کر دیا، مسجد والے اس زمین کی پیداوار غلہ کو فروخت کر کے مسجد میں صرف کرتے رہے لیکن اب اس زمین کو فروخت کر کے محلہ کی اس مسجد کی تعمیر کو مکمل کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے وہ وقف کی گئی تھی، لہذا حضور والا سے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں دلیل دے کر وضاحت فرمائیں کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یاسین گوپال پور بھاگل پور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر اس مسجد کی ملکیت میں نہیں دی ہے بلکہ اس مسجد کے نام سے وقف کیا ہے تاکہ اس کے منافع سے مسجد کو فائدہ پہنچتا رہے تو ایسی صورت میں اس موقوفہ زمین کے کسی بھی حصہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس کی رقم اسی مسجد ہی میں خرچ ہوتی ہو اس لیے کہ فروخت کرنے میں غرض واقف کی مخالفت لازم آتی ہے جو جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة

غرض الواقفین واجبة، کراچی ۴/۴۴۵، ذکر ۶/۶۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۴ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

۱۴۱۸/۳/۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۱۰/۳۳)

## مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنا

**سوال [۶۸۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماة سعیدہ جولاء ولد تھیں ۱۹۴۴ء میں اپنا ایک مکان مسجد نیازیان امر وہہ کے لیے وقف کر دیا جو اس وقت منہدم ہو چکا ہے اس موقوفہ مکان کا سرکاری کاغذ جو سعیدہ نے وقف کرتے وقت مسجد کے لیے لکھا تھا موجود ہے، بیس سال سے جو کرایہ دار اس میں رہتا تھا بیس سال سے اس نے اس کا کرایہ بھی ادا نہیں کیا، کرایہ ۱۲ روپیہ ماہانہ مقرر ہوا تھا کرایہ دار اس منہدم مکان کو ترک کر کے دوسرے مکان میں رہنے لگا یہ موقوفہ مکان ایسے چند مکانوں میں سے ایک ہے جن کا راستہ مشترک ہے، اسی درمیان شاہنواز نامی ایک شخص نے مسجد کے نمازیوں اور متولی سے پوچھے بغیر اس موقوفہ مکان کی تعمیر کرائی شروع کرادی، مسجد کے اکثر نمازیوں نے مینٹنگ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ہم مکان مذکور نہ تو شاہنواز صاحب کو دیں گے اور نہ گذشتہ کرایہ دار کو یہ مکان مسجد سے ہٹ کر ذرا فاصلہ سے ہے دونوں طرف (شاہنواز اور گذشتہ کرایہ دار) کے درمیان تنازع شدید ہے، مسجد کے اکثر نمازی متولی سمیت مکان

مذکور کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر کے اس کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا چاہتے ہیں کیا مسجد کے نمازی ایسا کر سکتے ہیں یعنی یہ مکان موقوف فروخت ہو سکتا ہے یا نہیں اگر یہ مکان فروخت نہیں ہوگا تو کوئی بھی اس کو اپنے قبضہ میں لے لے گا؟

المستفتی: محمد عبداللہ امر وہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داران کی اجازت کے بغیر شاہنواز کا اس موقوفہ زمین میں تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی پرانا کرایہ دار کے لیے جائز ہے بلکہ ذمہ داران مسجد ہی مسجد کی مصلحت اور منافع کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں گے نیز اس کو فروخت کر کے اس کا پیسہ مسجد میں لگانا اس کے وجود کو وقف سے ختم کر دینا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد کے زیر تحت مکان یا دوکان کی شکل میں مسجد کی کل آمدنی کا ذریعہ بنایا جائے اور ذمہ داران مسجد پر اس کی حفاظت لازم ہے۔

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القیم أن یبیع بعضا منها لیرمّ الباقي بضمن ما باع، لیس له ذلك. (فتاویٰ تاتارخانیہ زکریا ۶۶/۸ رقم: ۱۱۲۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۹۲/۳۳)

## مسجد کی زمین کب فروخت کرنا جائز ہے؟

**سوال [۷۶۸۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موتی مسجد ٹانڈہ کا ایک باغ ہے جو کہ وقف ہے مسجد کے پاس کوئی نقشہ آراضی لمبائی چوڑائی کا نہیں ہے وقف کرنے والا، ایک زمانہ ہوا، انتقال کر چکا ہے، سرکاری تحصیل کے نقشہ سے معلوم ہوا کہ کچھ آراضی وقف ہذا کی دوسرے کے قبضہ میں ہے، سابق متولی حاجی سبطہ نبی مرحوم نے عدالت میں دعویٰ کر دیا مقدمہ مسجد کے حق میں طے ہو



گیا اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ پینچایتی طور پر مسجد کو آراضی کا معاوضہ دلوا دیا جائے اور آراضی قبضہ دار سے خالی نہ کرائی جائے، قبضہ دار کے حق میں چھوڑ دیا جائے تو کیا از روئے شرع مقتدیان مسجد کو پینچایتی طور پر آراضی مسجد کو چھوڑ دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ متولی مسجد کو جو کہ وقف کرنے والوں کا پڑپوتا ہے کیا قبضہ دار سے زمین کا معاوضہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء النبی متولی مسجد موتی ٹاڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مقدمہ میں کامیابی حاصل ہو جانے کے بعد اگر آئندہ وقف کی مذکورہ زمین کے ضائع ہو جانے اور دوسروں کے قبضہ میں چلے جانے کا خطرہ نہ ہو تو اس زمین کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا زمین ہی وقف کی شکل میں باقی رکھنا لازم ہوگا لہذا اگر باسانی زمین ہی وصول ہو سکتی ہے تو معاوضہ وصول نہ کیا جائے، کیونکہ واقف کی شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتی ہے۔

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة الخ. (شامی کتاب الوقف،

مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵)

لہذا زمین ہی واپس لے لی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ

۱۴۱۵/۷/۲۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۱۰۶)

## مسجد کی زمین بضرورت فروخت کرنا

**سوال [۷۶۸۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد کی موقوفہ آراضی جو کسی وقت قابل کاشت تھی اب اس کے چاروں طرف رائس ملز کے بن جانے سے قابل انتفاع نہیں رہی، اہل محلہ کی خواہش ہے کہ اس آراضی کو

فروخت کر کے کسی اور جگہ آراضی خرید لی جائے، معلوم کرنا یہ ہے کہ اس طرح کی تبدیلی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ چونکہ آراضی کی مالیت تو راس ملز کے درمیان واقع ہونے سے بہت بڑھ گئی ہے مگر کاشت ہونا بند ہو گئی ہے جس کی وجہ سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہو گئی اور فروختگی کی صورت میں آراضی دو گنا بڑھ جائے گی، اور آمدنی بھی بہتر ہو جائے گی، امید ہے کہ جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: مولانا عبدالغفور صاحب ٹائٹلہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ آراضی سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہو رہی ہے تو اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کی آمدنی کے لیے کوئی دوسری اچھی زمین خرید لینا اور مسجد کے نام وقف کر دینا جائز اور درست ہے، البتہ مسجد کی کمیٹی کی اجازت بھی اس میں لازم ہے۔  
والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شیء أصلاً ولا یفی بمؤنته فهو أيضاً جائز وعلی الأصح، إذا کان یأذن القاضی. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، کوئٹہ ۳/۴۲، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا ۶/۵۸۳، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۷۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۳۲/۲۶)

## مسجد کی خستہ زمین فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا

**سوال [۷۶۸۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعہ زمین جو مسجد کی ہے باپ دادا کے زمانہ سے متولی کے نام سے چلی آ رہی ہے، متولی اس کو فروخت کر کے مسجد کی دوسری آراضی پر مسجد کے لیے مکانات تعمیر کرانا

چاہتا ہے آیا ایسی زمین فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: مسجد کی مذکورہ زمین بیکار پڑی ہے آبادی کے قریب ہے اور تالاب کے کنارے ہے اس آراضی سے لوگ مٹی کھودتے ہیں کچھ حصہ تالاب ہو گیا ہے تو اس زمین کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور فروخت کرنے کے بعد حاصل شدہ رقم سے مسجد کی دوسری آراضی پر مسجد کے لیے مکانات تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حامد علی، خادم ارشاد العلوم ٹانڈہ راجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ زمین سے مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین خریدنا جائز ہے جس سے مسجد کو مستقل فائدہ پہنچتا رہے لیکن فروخت شدہ زمین کی قیمت اور پیسہ کو تعمیر وغیرہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔

سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی بیعها ویشتری بثمانها آخری قال نعم (إلی قوله) وإذا صار الوقف بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبعه ویشتری بثمانه غیره ۵. (فتح القدیر، کتاب الوقف فصل وإذا بنی مسجدالم یزل ملکہ عنہ، دار الفکر بیروت ۶/ ۲۳۷، کوئٹہ ۵/ ۴۴۷، زکریا ۶/ ۲۲۰، بنایة قدیم ۲/ ۱۰۷، جدید اشرفیہ دیوبند ۷/ ۵۹، ۴، ہکذا فی البحر کوئٹہ ۵/ ۲۵۲، زکریا ۵/ ۳۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

۱۴۱۶/۱/۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۲۹۴)

**کیا مسجد شرعی بننے کے بعد اسے بیچا نہیں جاسکتا؟**

**سوال [۷۶۸۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے تینتالیس سال قبل یعنی ۱۹۵۵ء میں پورے عوام الناس کی اتفاق رائے

سے چار گھنٹہ زمین تعمیر کے لیے خریدی گئی، ابھی تعمیر زیرِ غور ہی تھی، کہ عرصہ پانچ سال گزر گیا، دریں اثناء زید نے اپنی تنازعہ زمین میں سے ایک گھنٹہ زمین تعمیر مسجد کے لیے وقف کر دیا جو مجوزہ چار گھنٹہ سے کافی دور الگ ہے، باتفاق رائے زید کی دی ہوئی زمین ایک گھنٹہ پر کچے گارے کی کھپڑا پوش مسجد تعمیر ہوگئی، تقریباً چالیس سال سے باقاعدہ پانچ وقت کی نماز واذان جمعہ قائم ہے دریں اثناء مجوزہ چار گھنٹہ مسجد کی زمین اتفاق رائے سے بکر کو ایک بیگھہ زمین کے بدلے دیدی گئی جس میں انہوں نے مکان تعمیر کر لیا، ایک بیگھہ زمین کی آمدنی مسجد موجودہ کے فنڈ میں آتی ہے اور اب چالیس سالہ قائم کی ہوئی کچی مسجد سے پچھم تقریباً چالیس گز کی دوری پر جبریہ دو گھنٹہ زمین خرید کر ایک پختہ مسجد کی بنیاد ڈال دی گئی ہے جو زیر تعمیر ہے، بار بار ایسا کرنا کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے؟ اور کون سی مسجد صحیح ہوگی؟

المستفتی: محمد رستم علی بھگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو چکی ہے اور اس میں کچی تعمیر کر کے نمازیں بھی شروع ہو چکی ہیں وہ زمین ہمیشہ کے لیے مسجد کی رہے گی قیامت تک مسجد کے علاوہ اس زمین کو کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں ہے، پختہ مسجد اسی زمین پر بنانی چاہیے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق..... فإذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى. (در مختار، كتاب الوقف قبيل مطلب: فيما لو حارب المسجد او غيره، زكريا ۵۴۸/۶، ۳۵۸/۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۲۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۵/۱۵ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۹)

## مسجد شرعی کے تحقق کے بعد اس کی خرید و فروخت کا حکم

**سوال [۷۶۸۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر نیچریال ضلع عادل آباد محلہ رحمت نگر میں ۱۹۸۴ء میں ایک دینی درسگاہ بچوں کی تعلیم کے لیے بنوائی گئی تھی، یہ درسگاہ جو سیمنٹ کے ٹین شیڈ سے بنائی گئی تھی، جامع مسجد کافی دور ہونے کے باعث ہم تمام اہلیان رحمت نگر اس میں پنج وقتہ نمازیں و جمعہ وغیرہ بھی ادا کرنے لگے اور آج تک مستقل ادا کر رہے ہیں اور اس کا نام مسجد نورین دے دیا لیکن یہ عمارت شہر سے بالکل ہٹ کر متصل آبادی کے ایک نشیبی جگہ پر واقع ہے، جو ایک چھوٹی ندی کا ساحل بھی ہے قریب ہی گوداوری ندی واقع ہے، زیادہ بارش ہونے کی صورت میں طغیانی کا پانی مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور تقریباً ۴ رफٹ اونچائی تک ہو جاتا ہے پانی ختم ہونے تک دو تین دنوں تک اس میں نماز ادا نہیں کر سکتے، اس لیے اہلیان محلہ و مصلیان مسجد کا ارادہ ہے کہ اس ٹین شیڈ کو صرف مدرسہ کی حد تک رکھ کر مسجد کہیں اندرون محلہ اونچے مقام پر تعمیر کر لیں اس پریشانی کے باعث اس عمارت جس کا نام مسجد نورین دیدیا گیا ہے یہ مدرسہ میں منتقل کر کے دوسری جگہ مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر عمارت مذکورہ کو مدرسہ میں منتقل کرنا ناجائز ہے تو پھر اس پریشانی میں کیا کریں، جبکہ بارش کے ایام میں پانی مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کی عمارت متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ کئی دنوں تک ہم لوگ اس میں نماز بھی ادا نہیں کر سکتے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سید مصطفیٰ علی رحمت نگر ضلع عادل آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ عمارت مسجد کی نیت سے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ ضرورت کی بناء پر وہاں نماز کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور نہ ہی بعد میں ذمہ داران نے اس کو ہمیشہ کی مسجد میں تبدیلی کی نیت کی ہے بلکہ وقتی ضرورت کے لحاظ سے جمعہ و پنج گانہ نماز

اس میں ادا کی جا رہی ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہے اس کو دوسری ضروریات کیلئے منتقل کرنا جائز ہوگا لیکن اگر تعمیر کے وقت مسجد کی نیت کی گئی ہے یا بعد میں مسجد میں منتقل کرنے کی نیت کی جا چکی ہے تو پھر اس کو کسی دوسری چیز میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہمیشہ کے لیے وہ مسجد ہی رہے گی اب لوگ خود اس بارے میں خود غور فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے؟

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق.

(در مختار، کتاب الوقف قبیل مطلب: فیما لو حرب المسجد أو غیره، زکریا ۶/۵۴۸،

کراچی ۴/۳۵۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۲۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۱۰۰/۳۳)

## تعمیر مسجد کے لیے زمین کو فروخت کرنا

**سوال [۷۹۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بستی میں ایک پرانی مسجد ہے جس کی پرانی عمارت کو توڑ کر از سر نو بنانے کا ہم نے فیصلہ کیا ہے مگر غربت کی وجہ سے بستی والوں کو اتنی مالی قدرت نہیں ہے کہ باہمی چندہ دے کر اسے جدید بنا سکیں، اس لیے مسجد کے متولی صاحب نے ساری بستی والوں سے مشورہ کر کے مسجد کی وقف زمینوں میں سے دو زمینوں کو بیچ دیا اور اسی روپیہ سے تجدید کے کام کو شروع کیا، مذکورہ دونوں زمینوں کو ایک مسلمان نے وقف کیا تھا، جن کا بہت برس پہلے انتقال ہو چکا ہے، اور حال میں مرحوم کی نہ کوئی اولاد باقی ہے نہ کوئی ہم عمر نہ کوئی ایسا شخص جس سے ہم یہ بات معلوم کر سکیں کہ مرحوم نے دونوں زمینوں کو عدم فروخت کی شرط پر وقف کیا تھا، یا مطلقاً مسجد کی اعانت کے لیے وقف کیا تھا، پھر دونوں زمینوں میں سے ایک زمین مسجد سے بہت دور ایک پہاڑی بستی میں تھی، جس کی کوئی رجسٹری وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھی صرف زبانی ہبہ مسجد کے نام تھا، وہاں کے لوگ اسے خالی پا کر آباد کرتے تھے، اور ہر سال کچھ غلہ مسجد

کو دیتے تھے، اگر کبھی اس کو آباد کرنے والے یا ان کے بعد ان کی اولاد اپنی زمین ہونے کا دعویٰ کرے اور ہماری ہونے کا انکار کر دے تو ہم اس زمین کو واپس لینے میں ناکام ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر انہوں نے اسے بیچ ڈالا تب بھی کوئی چارہ نہیں، کیونکہ زمین کی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے، اور قوت بازو بھی وہاں کا رآمد نہ ہوگی، اس لیے ہم نے اسے آباد کرنے والوں کے ہاتھ بیچ دیا اور دوسری زمین جو ہم نے بیچی تھی وہ ایک مدرسہ کے قریب تھی مدرسہ کا میلہ پانی اور بیت الخلاء کی نالی اس زمین کے کنارے پر ہے جس کی وجہ سے زمین سال بھر گندے پانی سے بھری رہتی ہے اور وہاں کھتی وغیرہ کرنے کا بندوبست نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ سالہا سال سے بیکار پڑی ہوئی تھی، اس لیے ہم نے مدرسہ والوں کے ہاتھ زمین کو بیچ دیا انہوں نے خرید کر اسے میلے پانی کیلئے چاہ بنا دیا تو دونوں زمینوں کو بیچ کر ہمیں ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ ملا جو سارا روپیہ تجدید کے کام میں صرف ہو گیا صرف بیس ہزار روپیہ اب تک باقی ہے، جو بقیہ کام میں خرچ ہوگا، اب ہم خدام اس ارشاد گرامی کے انتظار میں ہیں کہ:

(۱) مذکورہ علت پر ہمارا ان دونوں زمینوں کو بیچنا جائز ہو یا نہیں اور اس روپیہ کو تجدید کے کاموں میں خرچ کرنا جائز ہو یا نہیں؟

(۲) اگر جائز نہیں ہو تو اب اس جبر نقصان کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ ایک لاکھ روپیہ کو باہمی چندہ سے جمع کرنا بستی والوں کی طاقت سے باہر ہے؟

(۳) اس جدید مسجد میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی یا نہیں؟ جبکہ مسجد کے اندرونی صحن کی آدھی تعمیر اسی روپیہ سے ہوئی ہے، اور بقیہ آدھا صحن اب تک پرانا ہے، اور جب پورا صحن اسی روپیہ سے بنے گا تب ادائے نماز کا کیا حکم ہوگا؟

(۴) بقیہ روپیہ کو تجدید کے کام میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں یا اور کچھ کرنا ہے؟

المستفتی: مسٹر محمد کرامت علی متولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** (۱-۲) جن دوزمینوں کا سوال نامہ میں ذکر ہے ان میں سے پہلی والی زمین سے مسجد کے منافع کا سلسلہ جاری تھا، لیکن کاغذی اور سندھی

اعتبار سے مسجد کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں تھا، اس لیے زمین کے بارے میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ ذمہ داران مسجد سرکاری طور پر اس زمین کو رجسٹری کرا لیتے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ اس زمین کو فروخت کر دیا گیا، لہذا اب اہل مسجد پر لازم ہے کہ جتنے پیسے میں اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر کی ہے اتنے پیسے میں دوسری زمین خرید کر مسجد کے نام رجسٹری کرائیں تاکہ ہمیشہ کے لیے اس زمین کے منافع مسجد کے لیے آتے رہیں، اگر فی الحال گنجائش نہیں ہے تو آئندہ دیر سویر یہ کام کرنا اہل مسجد پر لازم ہے۔

اور دوسری زمین کی حیثیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسجد کے منافع سے خارج ہو چکی ہے، تو ایسی زمین کے بارے میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین مسجد کے نام سے خرید کر رجسٹری کرا لی جائے جس سے مسجد کو ہمیشہ نفع پہنچتا رہے، مگر یہاں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اس پیسہ کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کر دیا گیا، لہذا اب ذمہ داران مسجد پر یہ بات لازم ہے کہ دیر سویر مسجد کے نام سے چندہ جمع کر کے اتنے پیسے سے دوسری زمین خرید کر مسجد کے نام رجسٹری کرائیں جتنا پیسہ فروخت شدہ زمین کا مسجد کی تعمیر میں خرچ ہو چکا ہے۔

(۳) جب یہ بات طے کر لی جائے گی کہ وقف شدہ زمین کی قیمت جو مسجد میں لگائی گئی ہے اتنی قیمت کی دوسری ایسی زمین مسجد کے نام خرید کر رجسٹری کرا دی جائے گی جو مسجد کے لیے نفع مند ہو اور اس کے منافع مسجد کے لیے ہوں اور یہ بات باضابطہ تحریر میں بھی آجائے اور اس سلسلے میں کوشش بھی شروع کر دی جائے تو تعمیر کی ہوئی مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی۔

(۴) جو روپیہ بچا ہوا ہے اس کو آگے کی تعمیر میں خرچ نہ کیا جائے، بلکہ زمین خریدنے کے لیے باقی رکھا جائے

والظاہر عدم اشتراط اتحاد الجنس فی الموقوفة للاستغلال لأن المنظر فيها كثرة الربيع وقلق المرممة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع ويحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدموم



وَأَبْقَى وَ أَغْنَى عَنْ كَافَةِ التَّرْمِيمِ وَ التَّعْمِيرِ بِخِلَافِ المَوْقُوفَةِ لِلسَّكَنِ لِظُهُورِ  
أَنَّ قِصْدَ الوَاقِفِ الِاتِّفَاعِ بِالسَّكَنِ وَ لا يَخْفَى أَنَّ هَذِهِ الشَّرُوطَ فِيمَا لَمْ  
يَشْتَرَطِ الوَاقِفِ اسْتِبْدَالَهُ لِنَفْسِهِ أَوْ غَيْرِهِ . (تسامی، کتاب الوقف مطلب فی شروط  
الاستبدال، کراچی ۴/۳۸۶، زکریا ۶/۵۸۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

۲۹/۵/۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۹۴)

## تعمیری ضرورت کے پیش نظر مسجد کا مکان فروخت کرنا

**سوال [۷۶۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہماری مسجد (مسجد قریشیان) کا ایک مکان ہے جس کو مسجد نے خریدا ہے اور اس کا بیعنامہ بحیثیت متولی متولی مسجد کے واسطے مسجد کے نام ہے اب کمیٹی تعمیری ضرورت کے پیش نظر اس کو فروخت کرنا چاہتی ہے، تو کیا اس کو فروخت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ مکان خریدا ہوا ہے، وقف نہیں ہے اور فروختگی کے لیے اعلان کرنا ضروری ہے یا خاموشی سے بیچنا صحیح ہے؟

(۲) اس مکان کو پہلے مکان مالک نے زید کے ہاتھ فروخت کیا مگر ایفائے وعدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے بیع کا معاملہ ختم ہوا اور مسجد کے نام چندہ کے ذریعہ سے کمیٹی نے خریدا تو کیا یہ خریدنا صحیح ہے؟

(۳) اس مکان پر زید قبضہ ہے مسجد نے نہ اس کو کرایہ پر رکھا ہے اور نہ ہی اس کو کرایہ کی رسید دی جاتی ہے اور زید مکان خالی نہیں کر رہا ہے تو ایسی شکل میں مسجد کی کمیٹی کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۴) کمیٹی مسجد اس مکان کو مسجد کے لیے اپنے آپ کو جھگڑا سے بچا کر اس زید کی خاطر کل مالیت کی تہائی رقم لے کر اس کو فروخت کر سکتی ہے، جبکہ دوسرے خریدار کل مالیت کی نصف یا اس سے بھی زیادہ رقم دینے کیلئے آمادہ اور تیار ہیں اور کہتے ہیں کہ مکان ہمارے نام فروخت کرو ہم مسجد کے فائدے کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم دیں گے، اب کمیٹی تہائی پر

فروخت کر سکتی ہے یا اس سے زائد رقم دینے والے کے ہاتھ فروخت کرنا یا مکان عدالت کے ذریعہ سے خالی کرا کر بڑی رقم سے بیچنا ضروری ہے؟

(۵) بعض ممبران کمیٹی کہتے ہیں کہ عدالت کی کیا ضرورت ہے، مسجد کا مکان ہے

کون پریشان ہوگا اور بعض مصر ہیں اب کونسی راہ اختیار کی جائے؟

(۶) اگر کمیٹی مسجد اپنے آپ کو جھگڑے یا عدالت کی پریشانی سے بچا کر مسجد کا مکان

بہت کم قیمت میں فروخت کر دے یا مسجد کی آراضی کی دیکھ بھال نہ کرے تو کیا اللہ کے یہاں

اس کی پکڑ ہوگی کیا اس کے لیے کوئی زبردست وعید ہے؟

المستفتی: کمیٹی مسجد قریشیان، محلہ رانڈ ٹائٹھ بادی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) جب مسجد نے اس کو خریدا ہے تو بوقت

ضرورت مسجد اس کو فروخت بھی کر سکتی ہے اس میں کوئی قباحت نہیں البتہ کم قیمت میں

فروخت نہ کیا جائے جس سے مسجد کا نقصان ہو، نیز فروخت کرنے کے لیے اعلان کرنے میں

کوئی حرج نہیں بلکہ قیمت بڑھانے کے لیے اعلان کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

لابأس بیع من یزید الخ. (ہدایہ، کتاب البیوع باب البیوع الفاسد فصل فیما

یکرہ، اشرفی دیوبند ۶۶/۳)

(۲) زید کے ساتھ معاملہ ختم ہو چکنے کے بعد اگر مسجد نے خریدا ہے تو عقد صحیح ہو چکا

ہے اور زید پر لازم ہے کہ مسجد کا مکان فوراً خالی کر دے اگر زید نے صاحب مکان کی شرائط

پوری نہ کر سکنے کی وجہ سے خریدا نہیں ہے، اور مسجد نے شرائط پوری کر کے خریدا ہے یا صاحب

مکان نے اپنی طرف سے مسجد کے حق میں کچھ رعایت کی ہے پھر مسجد نے خریدا ہے تو یہ بیع

بھی ”من یزید“ کے دائرہ میں داخل ہو کر صحیح ہوگئی ہے۔

وأما إذا لم یکن أحدہما إلی الآخر فهو بیع من یزید. (ہدایہ، اشرفی

(۳) جب مسجد نے زید کو کرایہ پر نہیں دیا ہے تو زید کا اس مکان پر قبضہ جمائے رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بغير إذنه. (قواعد الفقه ۱۱۰)

(۴) پہلے کمیٹی کے لوگ اس کا خیال کریں کہ اگر اپنا مکان ہوتا تو اتنی کم قیمت میں فروخت کر دیتے یا نہیں جبکہ مسجد کی جائیداد کی اپنی ذاتی جائیداد سے زیادہ حفاظت کرنا لازم ہے اس لیے کم قیمت اور مسجد کو نقصان پہنچا کر فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کرنا لازم ہوگا۔

فلايجوز بالأقل أى لا يصح إذا كان بغبن فاحش. (شامی، کتاب الوقف

مطلب: لا يصح إيجار الوقف، کراچی ۴/۲۰۴، زکریا ۶/۸۰۶)

(۵) اگر عدالت کے ذریعہ خالی کرانے میں مسجد کا فائدہ ہے تو عدالت مجاز سے رابطہ قائم کرنا لازم ہوگا۔

(۶) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسجد کی جائیداد کے لیے عدالت کی کیا ضرورت ہے؟ تو نقصان کی صورت میں وہ اپنی ذاتی جائیداد کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کریں گے؟ (۷) اگر موجودہ کمیٹی کو مسجد کی جائیداد اور مالیت کی حفاظت از خود یا عدالت مجاز کے ذریعہ سے نہیں کر سکتی تو ان کو دست بردار ہونا چاہیے، اور جو لوگ اس کی اہلیت رکھتے ہیں ان کو یہ ذمہ داری انجام دینا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۳/۱۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۷۷۷)

## مسجد کے پرانے ملبے کا حکم

**سوال [۷۶۹۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) کسی مسجد کی تعمیر نو کی جائے تو اس کے پرانے ملبے جیسے اینٹ روڑہ مٹی

وغیرہ کو کہیں بھی پھینکا جاسکتا ہے یا اس کے لیے کوئی شرط ہے؟  
 (۲) پرانے سامان میں سے لوہا چوٹھ، کواڑ وغیرہ جو موجودہ تعمیر میں کام نہ آ رہے  
 ہوں تو کیا ان کو فروخت کر کے اس کا پیسہ موجودہ تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟  
 المستفتی: صہالہی محلہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) مسجد کے پرانے پتھر اینٹ روڑہ مٹی وغیرہ جو مسجد کے کسی استعمال میں نہیں لائے جاسکتے وہ بھی قابل احترام ہیں، اس لیے ان کو ایسی جگہ پھینکنا کہ جس سے بے ادبی لازم آئے مناسب نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو فروخت کر دیا جائے کہ جو بیت الخلاء و پیشاب خانہ کے علاوہ عمارت کے دوسرے کام میں لے آئے اور اگر فروخت نہ ہو سکے تو ایسی جگہ پر ڈال دیں جہاں ناپاکی وغیرہ کی وجہ سے بے ادبی لازم نہ آئے۔ (مستفاد: رحمیہ قدیم ۹/۱۹۷، جدید زکریا ۹/۱۵۲)

ولا ترمی برایة القلم المستعمل لاحترامہ کحشیش المسجد و  
 کناستہ لایلقى فی موضع یخل بالتعظیم. (در مختار علی الشامی، کتاب الطہارۃ  
 کراچی ۱/۱۷۸، زکریا ۱/۳۲۲)

(۲) مسجد کی چوٹھ، کواڑ وغیرہ متولی اور کمیٹی مسجد کی اجازت سے فروخت کر کے اس رقم کو مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہے، لیکن لینے والے کو یہ ہدایت کر دی جائے کہ اس کو بیت الخلاء و پیشاب گھر میں استعمال نہ کرے تاکہ سوء ادبی لازم نہ آئے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/۲۰۷، جدید ڈابھیل ۱۴/۳۷۷)

ویصرف نقضہ إلى عمارتہ إن احتاج وإلا حفظہ للاحتیاج وقد منا أنه  
 لافرق بین المتولی والحاکم فی الإجارۃ والتعمیر فكذا فی النقض قال فی  
 الہدیۃ: و إن تعذر إعادة عینہ إلى موضعه بیع و صرف ثمنہ إلى مرمۃ صرفا  
 لبلد إلى مصروف المبدل. (البحر الرائق، کتاب الوقف، زکریا ۵/۳۶۷، کوئٹہ  
 ۲۱۹/۵ تا ۲۲۰)

ویصرف إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظ إلى وقت الحاجة وإن  
تعذر صرف عينه يباع و يصرف ثمنه إليها . (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية  
بيروت ۵۸۹/۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۶ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲۹۰)

## مسجد فروخت کر دینا اور سامانِ مسجد اپنے کاروبار میں لگانا

**سوال [۷۶۹۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ایک مسجد تعمیر کرائی جس میں مقامی و بیرونی چندہ جمع کیا گیا، مسجد کے نام پر اور ایک عرصہ تک تقریباً ڈھائی سال تک مسجد میں آذان و نماز برابر ہوتی رہی اور رمضان المبارک میں قرآن پاک بھی ہوا لیکن بعد میں یہ مسجد آپسی اختلاف کا شکار ہو گئی، مسجد میں آذان و نماز ہونی بند ہو گئی، اور مسجد ویران پڑی رہی، کچھ دن بعد زید نے یہ مسجد فروخت کر دی اور مسجد کی اینٹ اور رقم سے اپنا مستقل کاروبار شروع کر دیا ہے، تو اس صورت میں شریعت زید کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے، اس کے گھر کا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور شادی بیاہ میں شرکت کرنا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں، اور اس کا چندہ لینا دوسری مسجد کے لیے کیسا ہے؟ اس کا شریعت کیا حکم دیتی ہے، کیا وہ مسلمان ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انور مدرسہ اسلامیہ عربیہ مفتاح العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب باقاعدہ مسجد بن چکی ہے، اور اس میں باقاعدہ نماز ہو چکی ہے، تو وہ شرعی مسجد بن چکی ہے، اب وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، کوئی انسان اس مسجد کا مالک نہیں ہو سکتا، لہذا مذکورہ صورت میں مسجد کی بیع ختم کر کے مسجد کو اپنی حالت میں لوٹانا تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے اگر متولی نہ مانے تو حکومت سے احتجاج کر کے

مسجد کو بحال کرنا لازم ہوگا۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع إلى قوله ولو خرب ما حوله  
و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام، والثاني أبداً إلى قيام الساعة و به  
يفتى. در مختار، كتاب الوقف قبيل فيما لو خرب المسجد أو غيره، كراچی ۴/ ۳۵۸،

زکریا ۶/ ۵۴۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/ ۲۹۶)

نیز جب تک متولی مسجد کو نہ لوٹائے اس کا بائیکاٹ کرنا درست ہوگا۔

﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ [هود: ۱۱۳] ﴿فظواللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم﴾

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۸۳۶)

## مسجد کی زمین فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنا

**سوال [۷۹۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اب سے تقریباً چالیس سال قبل جب عام سرکاری زمین کی چک بندی ہوئی تھی، تو موضع نعمت پور کے کم و بیش چالیس کاشتکاروں نے مشترکہ طور پر اپنی مسجد کے اخراجات صف، لوٹے، تعاون امام وغیرہ کی غرض سے ساڑھے تین بیگھہ خام تہائی آراضی چھوڑوائی تھی، جو اسی بستی کی ۵۴ سالہ معروف دینی درسگاہ مدرسہ انوار القرآن نعمت پور کی جنوبی دیوار سے بالکل ملحق ہے، مدرسہ مذکورہ کو اس زمین کی اپنی تعلیمی و تنظیمی شعبہ جات کی ترقیات کے لیے بہت اشد ضرورت ہے اس لیے کہ زمین مذکور کے علاوہ کوئی دوسری زمین مدرسہ کے آس پاس کسی بھی طرف نہیں ہے کہ جس سے مدرسہ کی روز افزوں ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر و تکمیل ہو سکے، کیونکہ مدرسہ کے مشرق میں سرکاری پختہ سڑک مغرب میں قبرستان شمال میں عام سرکاری راستہ ہے، بس یہی زمین ہے جو مدرسہ کی جنوبی دیوار سے ملی ہوئی ہے، اس میں فی الحال مسجد کی طرف سے بشکل ٹھیکہ کاشت ہو رہی ہے جس سے مسجد کی

ضروریات اور مدرسہ کی حدود اربعہ میں گنجائش نہ ہونے کی مجبوری کی بنا پر مدرسہ کی طرف سے مسجد کی اس زمین کے تبادلہ میں ایسی زمین جو مذکورہ زمین سے زیادہ قیمتی زیادہ پیداوار دینے والی یعنی آمدنی میں اضافہ کرنے والی ہو برائے مصارف مسجد مذکورہ کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اہل بستی متولی مسجد اور ارباب مدرسہ باہم متفق ہوں؟

المستفتی: عبدالغفور سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد و مدارس کی وہ جائیداد جس کو مسجد یا مدرسہ نے از خود خریدی ہے اس کو تو نفع کو پیش نظر رکھتے ہوئے فروخت کر کے اس کے عوض دوسری زمین خریدے یا کسی اور ضروریات میں لگائے تو یہ جائز ہے، لیکن مسجد یا مدرسہ کی وہ جائیداد جس کو کسی شخص واحد نے دی ہے یا مشترک لوگوں نے دی ہے وہ وقف کے حکم میں ہو جاتی ہے، پس چک بندی میں جو جائیداد مسجد کو حاصل ہوئی ہے وہ بھی وقف کے حکم میں ہوگی، لہذا اگر اس سے کسی بھی درجہ کا نفع مسجد کو حاصل ہوتا ہے تو اس کو فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی ہاں البتہ چک بندی کے موقع پر جن جن لوگوں کی زمین کا حصہ مسجد کی اس زمین میں آیا ہے ان سب لوگوں کی مرضی اور اجازت سے اس تبدیلی کی گنجائش ہو سکتی ہے، اور یہ خیال رکھا جائے کہ نعمت پورہ ہی سے تبادلہ والی زمین دی جائے، اور نفع بھی ہو اور یہ واقفین کی اجازت کے ساتھ مقید کر کے لکھا جا رہا ہے، نیز دوسرے علماء سے بھی رائے معلوم کر لی جائے تو اچھا ہے۔

مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كانت في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة و على عكسه لا يجوز و إن كانت المملوكة أكثر مساحة و قيمة و أجرة لاحتتمال خرابها في أدون المحلتين لدانتها و قلة رغبات الناس فيها. (البحر الرائق، كتاب الوقف كرتھ ۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵، شامی کراچی ۳۸۶/۴، زکریا ۵۸۶/۶، مجمع الأنهر، دار لکنت العلمیة بیروت ۲/۵۷۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۲/۲۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عقاب اللہ عنہ

۲۹ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۵۵)

## مسجد کے نام پر دیئے گئے پلاٹ کو فروخت کر کے رقم دوسری مسجد میں لگانا

**سوال [۷۶۹۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۹۴۶ء میں شہرناگپور سے دو ایک کھیتی کی زمین پر مسلمان بھائیوں نے ایک لے آؤٹ ڈالا اور اس میں بڑے بڑے پلاٹس ڈالے گئے، اس زمین پر مسلم آبادی بسانے کی غرض سے پلاٹ ڈالے گئے، اور ایک بڑا پلاٹ لے آؤٹ مالک نے مسجد کے لیے ایک شخص کے نام رجسٹری کر دی، اس رجسٹری میں یہ تحریر ہے کہ اس پلاٹ کو فروخت نہیں کر سکتے، لیکن افسوس کہ اس خطہ زمین پر مسلمان آبادی نہیں بٹھائی جاسکی، ہوا یوں کہ یہاں پر دوسرے مذہب کے لوگوں نے پلاٹس خرید کر مکانات تعمیر کیے اور وہ لوگ یہاں آباد ہو گئے۔

خاص بات یہ ہے کہ اس لے آؤٹ پر ایک پلاٹ مسجد تعمیر کرنے کی غرض سے رکھا گیا لیکن آج تک یہاں مسجد تعمیر نہیں کی جاسکی، کیونکہ یہاں پر مسلم آبادی بہت کم ہے، اس پورے لے آؤٹ میں مشکل سے مسلمانوں کے رہائشی چھ سات مکانات ہیں، مسجد کی تعمیر کے مقصد سے رکھا گیا یہ پلاٹ زید کی نگرانی میں تھا، زید کے انتقال کے بعد اس پلاٹ کی نگرانی کا ذمہ زید کے رشتہ دار بکر کے ہاتھوں میں آ گیا لیکن بکر کا انتقال بھی ہو گیا، اور فی الحال اس پلاٹ کی نگرانی کی ذمہ داری بکر کے بیٹے عمر کے ہاتھوں میں ہے، اس پلاٹ کی نگرانی اس کے ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی پہلے زید پھر بکر اور آج تک عمر کے ہاتھوں میں ہے۔

زمین کی بڑھتی ضرورت اور بڑھتی قیمتوں کے اس دور میں اس پلاٹ پر دوسرے مذاہب کے لوگوں پر بری نظر ہے، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پلاٹ کو ان کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ یہ لوگ اس پلاٹ پر اپنی عبادت گاہ بنا لیں، اس رمضان شریف کے آخری عشرہ میں غیر مذہب کے چند نثر پسند عناصر نے ناجائز قبضہ کر کے اس پلاٹ پر ایک مورتنی نصب کر کے پوجا پاٹ کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن عمر اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے کافی محنت اور



جدوجہد کے بعد اس پلاٹ کو کسی صورت میں ناجائز قبضہ سے آزاد کیا گیا۔  
 ایسے دشوار کن حالات میں مسجد کے اس پلاٹ کی نگرانی ایک دشوار کن مسئلہ بن گیا ہے  
 مندرجہ بالا حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ مسجد کے نام پر رکھے گئے اس پلاٹ کو  
 فروخت کر دیا جائے اور اس سے حاصل ہوئی رقم کو کسی دوسری مسجد میں دیدیا جائے؟  
 المستفتی: عبدالحجیر نسورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ میں جو حالات پیش کیے گئے ہیں اس  
 میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مذکورہ پلاٹ میں اب تک مسجد تعمیر نہیں کی گئی ہے، لہذا وہ  
 پلاٹ شرعی مسجد کے دائرے میں نہیں آیا، اور بعد میں مسجد تعمیر کی بھی جائے تو خطرات سے  
 خالی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ایسا کرنا جائز ہے کہ اس پلاٹ کو فروخت کر کے جہاں  
 مسلمانوں کی آبادی کی کثرت ہے وہاں پر اس پیسے سے مسجد تعمیر کر لی جائے۔

اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه: والثانی أن لا یشرطه سواء شرط  
 عدمه أو سکت لکن صار بحيث لا ینتفع به بالکلية بأن لا یحصل منه شیء أصلاً.  
 (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ۳۸۴/۴، زکریا ۵۸۴/۶)  
 أفتی به الإمام أبو شجاع و الإمام الحلوانی و کفی بهما قدوة  
 ولا سیما فی زماننا فإن المسجد أو غیره من رباط أو حوض إذا لم ینقل  
 يأخذ انقاضه اللصوص و المتغلبون كما هو مشاهد و كذلك أو قافه  
 يأکلها النظار أو غیرهم. (شامی زکریا ۵۵۰/۶، کراچی ۳۶۰/۴)

سئل شیخ الاسلام عن أهل القرية افترقوا و تداعی مسجد القرية إلى  
 الخراب و بعض المتغلبة یتسولون علی خشب المسجد و ینقلونه إلى  
 دیارهم هل لو احد من أهل القرية أن یتبع الخشب بأمر القاضی و یمسک  
 الثمن لیصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال: نعم الخ.

(ہندیہ، زکریا قدیم ۲/۴۷۹، جدید ۲/۴۱۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/۱۰/۱۴۳۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲/شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۰۷)

## مسجد بنانے کی غرض سے خریدی گئی زمین کی قیمت ادا کرنے سے قبل مسجد کی تعمیر

**سوال [۶۹۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک زمین جس کا معاہدہ ہوا ہے، اور جس نے اس زمین کو لیا تھا اس کا تقریباً تین سال پہلے انتقال ہو گیا اس کی والدہ اور اس کے بھائی اس زمین پر مسجد بنوانا چاہتے ہیں تو کیا وہ مسجد بنا سکتے ہیں، جبکہ اس کی رجسٹری نہیں ہوئی ہے، اور پیسہ زمین کا باقی ہے زمین والا کہتا ہے پہلے میرا حساب کرو، پھر مسجد بنواؤ جب تک میرا پیسہ ادا نہیں کرو گے مسجد بنانے کی اجازت نہیں دوں گا، تو کیا ایسی مسجد میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی بشیر احمد صاحب محلہ کسرول مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب تک زمین والے کا پیسہ مکمل ادا نہ کیا جائے

اس وقت تک اس کی رضامندی کے بغیر وہاں مسجد کا بنانا جائز نہ ہوگا، اگر بنالی جائے تو پیسہ ادا کرنے تک اس مسجد میں نماز مکروہ ہوتی رہے گی۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقہ اشرفی

دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶/۸/۱۴۱۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/ربیع الثانی المعظم ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۱۷)

## مدرسہ کی زمین کس کے ہاتھ فروخت کی جائے

**سوال [۷۶۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ کی زمین کا تھوڑا سا ٹکڑا ہے جس کو مدرسہ کے صدر اور زیادہ تر اراکین کمیٹی حافظ محمد شفیع کو فروخت کرنا چاہتے ہیں اور زمین کا یہ حصہ لمبی مدت سے حافظ محمد شفیع کے قبضہ میں بھی ہے وہی اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں جبکہ کمیٹی کے قلیل ممبران اس زمین کو حافظ محمد شفیع کے بھائی محمد وجیہ کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ان تھوڑے اور تعداد میں کم ممبران کا اس زمین کو صدر اور بیشتر ممبران کی اجازت کے بغیر محمد وجیہ کو فروخت کرنا جائز ہے؟

المستفتی: مستزی محمد نبی ٹانڈہ بادی، رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مدرسہ کی مذکورہ زمین مدرسہ کے نام سے وقف ہے تو اس کو بچپنا ہی جائز نہ ہوگا نہ محمد وجیہ کے ہاتھ نہ محمد شفیع کے ہاتھ اور اگر وہ زمین وقف کی نہیں ہے بلکہ مدرسہ کی ملکیت ہے تو اس میں مدرسہ کو تصرف کا حق ہے اگر مدرسہ کے ذمہ داران اس کی فروختگی پر متفق ہو جائیں تو جس کے ہاتھ سے مدرسہ کو پیسہ زیادہ ملتا ہے اسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیے، اس میں محمد وجیہ، محمد شفیع یا کسی اور میں کوئی فرق نہیں بلکہ نفع لے مدرسہ ہونا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمنغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلک فی سبیل اللہ وفي الرقاب والمساكين والضعيف وابن السبیل ولذی القربى، ولا جناح علی من ولیہ أن يأکل منه بالمعروف أو یؤکل صدیقہ

غیر متمول بہ۔ (صحیح البخاری، الوصایا، باب قول اللہ عز و جل وابتلوا الیتامی حتی

إذا بلغوا النکاح، النسخة الهندیة ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

فی الشامیة: وقد صرح صاحب الحاوی القدسی بأنه یفتی بكل ما

هو أنفع للوقف. (شامی، کتاب الوقف مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف

الشرع، کراچی ۴/۳۴۴، زکریا ۶/۵۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۹۶/۳۸)

## مدرسہ کی زمین بیچ کر اپنا قرضہ وصول کرنا

**سوال [۷۶۹۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید، عمر اور بکر تینوں نے ایک مدرسہ بنانے کی نیت سے آراضی خریدی جس میں تینوں نے گیارہ گیارہ ہزار روپے اپنی جیب سے ڈالے اور باقی رقم چندے کے پیسوں میں سے ڈالی، اور اس کی باؤنڈری بھی چندے کے سیمینٹ اینٹ اور پیسوں سے کرائی ابھی زمین میں مدرسہ نہیں بنا کہ زید کا انتقال ہو گیا اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد عمر کا بھی انتقال ہو گیا، ابھی زمین یوں ہی پڑی تھی کہ بکر نے اس آراضی کو فروخت کر دیا اس نیت سے کہ یہ رقم اسی شہر کے مدرسوں میں لگ جائے گی جس شہر میں آراضی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں حصہ داروں کے وارث اور تیسرا حصہ دار بکر یہ تینوں صرف گیارہ گیارہ ہزار کے ہی مالک ہوں گے یا اس مقدار رقم کے جس میں آراضی آج فروخت ہوئی سے جبکہ اس آراضی کی خرید و رجسٹری و باؤنڈری میں مسلمانوں سے چندہ شدہ رقم بھی صرفہ میں آئی تھی؟

گیارہ گیارہ ہزار کیلئے یہ طے کیا تھا کہ جب مدرسہ پروان ہو جائے گا تو اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار واپس لے لیں گے۔

نوٹ: وہاں مدرسہ بننے کے حالات نہیں رہ گئے تھے تب آراضی فروخت کی گئی ادھر

المستفتی: محمد انظر کاشی پور

دو شریکوں کا انتقال بھی ہو گیا تھا؟

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ سے واضح ہوا کہ مذکورہ تینوں افراد نے گیارہ گیارہ ہزار کل ۳۳ ہزار روپے اکٹھا کر کے مدرسہ قائم کرنے کے لیے زمین خریدی ہے کہ مدرسہ کے پاس جب پیسہ آجائے گا اپنا اپنا پیسہ واپس وصول کر لیں گے، اور ۳۳ ہزار روپے پر مزید روپیہ جو زمین کی خریداری میں لگا ہے وہ چندہ کے پیسے سے لگا ہے اور سوالنامہ کے مطابق سوئے اتفاق تینوں افراد میں سے دو اللہ کو پیارے ہو گئے اور مذکورہ زمین کی صرف چہار دیواری ہو پائی ہے اور وہ بھی چندے کے پیسے سے ہوئی ہے، اور سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں مدرسہ قائم کرنے کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں اس بناء پر جو فریق زندہ ہے اس کے لیے اس زمین کو مناسب قیمت پر فروخت کر کے اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار روپے تینوں فریقوں کا یا مرحوم فریقوں کے وارثین کا وصول کرنا درست ہوگا اس کے بعد ما بقیہ مدارس ہی پر خرچ کرنا لازم ہوگا، ان پیسوں سے نئی زمین خرید کر مدرسہ قائم کریں یا اس کے قریب ترین مدرسہ پر وہ پیسہ خرچ کریں، اور یہ بات واضح رہے کہ اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار روپے سے زائد پیسہ تینوں فریقوں میں سے کسی کے لیے اپنی ذات پر یا اپنے وارثین پر خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ مدارس پر خرچ کرنا واجب ہوگا۔

سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل

للمتولی أن یبیعها و یشتري بثمانها آخری؟ قال: نعم. (فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل و اذا بنی مسجداً لم یزل ملکہ عنہ، دار الفکر بیروت ۶/۲۳۷، کوئٹہ ۵/۴۴۷، زکریا ۶/۲۲۰، بنایہ قدیم ۲/۱۰۰۷، جدید اشرفیہ دیوبند ۷/۵۹، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۵۲، زکریا ۵/۳۴۵)

یصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی کراچی ۴/۳۵۹، زکریا

۶/۵۴۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۱۶۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۲۳/۳۸)

## آبادی کے لیے قبرستان فروخت کر کے دوسری جگہ اس کی زمین خریدنا

**سوال [۶۹۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبرستان آبادی سے ملحق ہے اس میں میت دفنائیں جا رہی ہیں، اس قبرستان کو آبادی کے لیے فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان کے لیے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲) میت کے ثواب کے لیے یا خیر و برکت کے لیے قرآن پاک پڑھوا کر دعا کرانے کے بعد قرآن پاک پڑھنے والوں کو چائے مسکٹ کھلانا پلانا کیسا ہے؟ پڑھنے والے اس کو کھاپی سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: احقر عطاء الرحمن کوری روانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) جب تک قبرستان دفنائے جانے کے قابل ہو اس وقت تک اس کو فروخت کرنا یا اس میں دوسرا کام کرنا ناجائز نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۲۳۶، ۱۰/۱۲۸، جدید ڈائجیل ۱۲/۲۳۲، ۱۵/۳۵۹)

فإذا تم أي الوقف ولزم لا يملك ولا يملك أي لا يقبل التملك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تملك الخارج عن ملكه. (شامی، کتاب الوقف مطلب مهم: فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة الخ، کراچی ۴/۳۵۱ - ۳۵۲، زکریا ۵۳۹/۶)

(۲) ختم قرآن کے موقع پر بغیر لوازمات کے معمولی چائے ناشتہ میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لیے کہ اس طرح کا معمولی انتظام کرنا عام رواج ہے، مگر کھانا کھلانا ناجائز نہیں ہے اس لیے کہ عام رواج نہ ہونے کی وجہ سے وہ عوض بن جائے گا۔

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المراسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص، والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة

القرآن لأجل الأكل يكره. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنابة، مطلب فی کراهیة

الضيافة من أهل الميت، کراچی ۲/۲۰۰، زکریا ۳/۱۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۹ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

۱۴۲۶/۱/۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۲۸/۳۷)

## قبرستان کو فروخت کرنا

**سوال [۷۰۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرزمین امرتسر محلہ سلطان وینڈروڈ پر ایک قدیم قبرستان واقع ہے جس میں کافی پرانی قبریں اور کئی ایک مزارات بھی موجود ہیں اور نئی میت بھی دفنائیں گئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ قبرستان جاری و ساری ہے لیکن قبرستان کا کچھ حصہ پنجاب وقف بورڈ نے کرایہ پر دے کر یہ اجازت دیدی ہے کہ وہ اس جگہ پر مارکیٹ بنا لیں لیکن امرتسر کے سارے مسلمان اس کے خلاف ہیں، لہذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل و مفصل جواب سے ہمیں نوازیں۔

المستفتی: محمد جمیل احمد انصاری مسلم جنتا ویلفئر ایکشن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** وقف کے قبرستان کو فروخت کر دینا وقف بورڈ کو حق نہیں ہے، قبرستان کو قبرستان ہی رکھنا لازم ہے، وقف کو کلی طور پر ختم کر دینا ہرگز جائز نہیں ہے، اور نہ ہی مارکیٹ بنانے کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہو سکتا ہے، البتہ اگر بالکل بوسیدہ قبرستان ہے تو اس کو اوقاف کے جنس میں سے صرف مسجد یا دینی مدرسہ کی تعمیر کے کام میں لانا جائز ہو سکتا ہے، فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

إنہم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف،

مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

۱۴۱۸/۲/۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۶۶/۳۳)

## وقف کردہ ذاتی قبرستان کی خالی زمین کو فروخت کرنا

**سوال [۷۷۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نجی قبرستان ۱۸۷۵ء سے ہے اس میں کچھ حصے میں ابھی بھی جنازہ کو دفنایا جاتا ہے باقی آراضی خالی ہے جہاں کافی عرصہ سے کوئی تدفین نہیں ہوئی، اور جو اس آراضی کے وارثین ہیں وہ خالی آراضی کو فروخت کرنا چاہتے ہیں اس خالی پڑی آراضی کے متعلق اہل محلہ کے سبھی لوگوں کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں یہ فیصلہ طے پایا کہ اس جگہ کو اس کے وارثین سے خرید کر ایک مسجد تعمیر کروادی جائے تو کیا وارثین سے خرید کر اس آراضی پر مسجد تعمیر کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المسئفتی: اعجاز حسین محلہ بارہ دری مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ قبرستان کے جس حصہ پر تدفین کا سلسلہ بند ہے اس قبرستان کے وارثین اور مالکوں کی اجازت سے اس حصہ پر مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، چاہے وارثین خود مسجد تعمیر کریں یا مسجد تعمیر کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں اور وہ لوگ وہاں مسجد تعمیر کریں ہر طرح جائز اور درست ہے۔

وذكر أصحابنا إذا خرب و دثر لم يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكاً لأربابها، فإذا عادت ملكاً يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجد وغير ذلك. (عمدة القاری، کتاب الصلاة باب هل

تنبش قبور مشرکی الجاهلیة، زکریا ۳/۴۳۵، دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۷۸)

لوان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم علیها مسجداً لم أر بذلك بأساً.

(عمدة القاری زکریا ۳/۴۳۵، دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۷۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

۱۵/۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۵۶)



## پرانے قبرستان کی خرید و فروخت

**سوال [۷۷۰۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان جو شیعہ خاندان کا تھا جس میں تقریباً ۴۰ یا ۵۰ سال سے کسی مردہ کو نہیں دفن کیا گیا تھا وہ ان کے وارثین نے فروخت کر دیا، تو خریدار کے واسطے کیا حکم ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیجئے خریدار مکان تعمیر کرا کر اس میں رہائش پذیر ہے، تو کیا وہ اس جگہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عزیز الرحمن محلہ عید گاہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر قبرستان بالکل پرانا ہے اور ملکیت کا قبرستان ہے تو اس کے مالکان کے لیے فروخت کرنا اور اس میں کھیتی وغیرہ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۱۸، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۰۶)

جاز زرعه والبناء عليه إذا بلی و صار ترابا الخ. (الدر المختار کراچی

۲۳۸/۳، زکریا ۱۴۵/۲)

وإذا بلی السمیت و صار ترابا فی قبره جاز نبش القبر و زرعه والبناء عليه وغیر ذلك باتفاق. (الفقه علی مذاہب الأربعة دار الفکر بیروت ۱/۵۳۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

۲۶/۳/۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۰۷)

## جس مکان میں قبرستان کی جگہ آگئی اس کو خریدنا

**سوال [۷۷۰۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان قبرستان سے متصل ہے یوں تو بہت سے مکانات قبرستان سے

متصل ہیں ان میں سے ایک مکان بک رہا ہے اس مکان کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبرستان کی جگہ کچھ گھری ہوئی ہے تحقیق کچھ نہیں ہے اب آیا وہ مکان خریدیں یا نہیں، اگر خرید لیں تو شرعاً کوئی قباحت تو نہیں اگر نہیں خریدی تو پھر اس مکان کو کوئی دوسرا خرید لے گا تو اس کے بارے میں بھی وہی قباحت ہوگی تو کیا کرنا چاہیے جبکہ بہت دنوں سے وہ مکان بنا ہوا ہے بہر کیف مشتری کو وہ مکان خریدنا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: شکیل احمد بروان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** تحقیق کر لی جائے اور قبرستان کے حدود سے متعلق کاغذات دیکھ لیے جائیں اگر واقعی قبرستان کا حصہ مذکورہ مکان میں نہیں آیا ہے تو خرید سکتے ہیں اور اگر قبرستان کا حصہ اس میں آیا ہوا ہے تو اس کو خریدنا جائز نہ ہوگا اور اگر کوئی دوسرا آدمی خریدیگا تو ذمہ دار وہی ہوگا آپ پر کچھ نہیں ہوگا۔

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي. (قواعد الفقہ اشرفی

دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۳/۱۵ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۲۴)

## چہار دیواری کے لیے قبرستان کی کچھ زمین فروخت کرنا

**سوال [۷۷۰۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی گرام سبھا کی تھی اس میں لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا شروع کر دیا، اسی آراضی کے قریب مکانات ہیں ان مکانات سے گندہ پانی وغیرہ اس آراضی کی قبروں میں جاتا ہے، یہ قبریں تقریباً ۸۰ سال پرانی ہیں تو اب اس آراضی کے کچھ حصہ کو فروخت کر کے اسی قبرستان میں چہار دیواری وغیرہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، تاکہ بقیہ قبروں کی بے حرمتی نہ

ہو، اور جس حصہ کو فروخت کرنا ہے اس میں قبریں ہیں، لیکن مجبوری صرف یہ ہے کہ کچھ حصہ کی طرف لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں اور گندی نالیاں جس سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے اس لیے ان گھروں کے دروازوں کے سامنے کی آراضی کو فروخت کر کے بقیہ قبروں کو چہار دیواری کے ذریعہ سے محفوظ کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر لوگوں کے دروازوں کے سامنے چہار دیواری قائم کرتے ہیں تو فساد ہونے کا خطرہ ہے، اپنے دروازوں کے سامنے چہار دیواری نہیں بنوانے دیں گے، ایسے حالات میں کچھ آراضی انہیں دے کر جھگڑا ختم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین قاسم پور گڑھی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کی چہار دیواری کے اندر پورا قبرستان آجانا چاہئے اور جس حصہ کو فروخت کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے سو النامہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس حصہ میں قبریں موجود ہیں اور قبروں سمیت اس حصہ پر فروخت کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کیونکہ جب اس میں قبریں موجود ہیں تو سرکاری اعتبار سے بھی اس حصہ کو قبضہ کرنے میں کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا، اور جب ادھر سے لوگ دروازے کھول رہے ہیں تو اس طرف سے اول فرصت میں دیوار بنا دینا چاہیے، فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لایجوز لأحد أن یملکھا . (عمدة القاری، کتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة، دار احیاء

التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۹، زکریا ۳/ ۴۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۹ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ

۱۴۱۵/۲/۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۵۸)

**قبرستان کے درخت فروخت کر کے چہار دیواری قائم کرنا**

**سوال [۷۷۰۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے گاؤں کے عام قبرستان مسجد کے نام ریکارڈ شدہ ہیں وقف کی ملکیت نہیں، قبرستان کو جانوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے قبرستان کے اندر جو پرانے درخت ہیں پھلدار نہیں ہیں، فروخت کر کے قبرستان کو گھیرا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب دیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کی حفاظت نہایت ضروری ہے، اس لیے قبرستان کے درختوں کو بیچ کر اس سے حاصل شدہ رقم کے ذریعہ قبرستان کی چہار دیواری قائم کرنا جائز اور درست ہے۔

سئل نجم الدین فی مقبرة فیہا أشجار هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد قال: نعم، إن لم تكن وقفا علی وجه آخر، قيل له: فإن تداعت حیطان المقبرة إلى الخراب یصرف إليها أو إلى المسجد قال إلى ما هی وقف علیہ إن عرف. (عالمگیری، کتاب الوقف، قبیل الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی ستغنی عنها، زکریا قدیم ۲/۴۷۶، جدید ۲/۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

۲۹/۲/۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۴۶)

## قبرستان کی چہار دیواری کیلئے زمین کو فروخت کرنا

**سوال [۷۰۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں والوں نے پرانے قبرستان کے پیڑ فروخت کر کے اسی قبرستان کے برابر ایک بیگھے زمین خریدی تھی، جس میں تین قبریں ہیں ایک مینڈھ پر ہے باقی زمین میں کوئی قبر نہیں ہے، قبرستان آبادی کے بیچ میں ہے، گاؤں کے گندے نالوں کا پانی قبرستان میں آنے کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہو رہی ہے، قبرستان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، گاؤں

والے قبرستان کی حفاظت کے لیے نئی خرید کردہ زمین میں سے کچھ زمین فروخت کرنا چاہتے ہیں، جس میں کوئی قبر نہیں اور اس فروخت کردہ زمین کی رقم سے چہار دیواری کرا کے قبرستان کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں جس سے قبرستان کی بے حرمتی نہ ہو، واضح رہے کہ زمین قبرستان کی ملکیت کے لیے خریدی تھی، وقف نہیں کیا تھا، قبرستان کے تصرف کے لیے خریدی تھی؟

المستفتی: فرقان احمد کندرکی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر نئی خرید کردہ زمین باقاعدہ وقف نہیں ہے محض قبرستان کی ملکیت ہے تو ایسی صورت میں قبرستان کی ضرورت اور چہار دیواری وغیرہ کے لیے اس میں سے بقدر ضرورت زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی چہار دیواری کرانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۳۵، جدید زکریا ۵۱۵، اہتمام و شوریٰ کی شرعی حیثیت ۵۳۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۳۰ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۶۸)



## ۵ باب استبدال الأوقاف مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا

**سوال [۷۷۰۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بھائی نے مدرسہ اور پنچ گانہ نماز کے لیے کچھ زمین وقف کر دی ہے تو اس زمین میں مدرسہ اور پنچ گانہ نماز بہت سال سے ہو رہی ہے، پھر ابھی اس کا بھائی اپنے بھائی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس مدرسہ اور پنچ گانہ نماز کی جگہ کو اپنی زمین میں لے آیا تو اس مدرسہ اور پنچ گانہ نماز کی جگہ میں تعلیم اور نماز کیسی ہوگی؟

المستفتی: عبدالکریم آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو زمین مسجد کے لیے وقف کر دی گئی اور اس میں ایک دو مرتبہ اذان اور جماعت ہو چکی ہے تو یہ مسجد شرعی بن گئی ہے، اور قیامت تک مسجد رہے گی اس مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا ناجائز نہیں، لیکن جب صورت مذکورہ میں مسجد کو منتقل کر لیا گیا اور پہلی مسجد کو توڑ دیا گیا تو پہلی مسجد کی جگہ کی پوری حفاظت ضروری ہے، اور ثانی مسجد میں نماز پڑھنے اور تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں البتہ منتقل کرنے والا گنہگار ہوگا اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۸۰، جدید ڈائجسٹ ۱۳/۳۰۲)

**قلت:** وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف حتى إذا بنى مسجداً و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد، زکریا دیوبند ۶/۵۴۵، کراچی ۴/۳۵۶، المحيط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶، الفتاویٰ التاتاریخانیة زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

ولو خرب ما حوله أی ولو مع بقائه عامراً و كذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر. (شامی، مطلب: فيما لو خرب

المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ۶/ ۵۴۸، كراچى ۴/ ۳۵۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۹۵، قديم ۱/ ۷۴۸، هندیه الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ۲/ ۴۵۸، جديد ۲/ ۴۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۶۶/۳۵)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۲/۶/۱۸ھ

## مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

**سوال [۷۷۰۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مسجد کے لیے ایک آراضی وقف کی تھی جس آراضی میں چھپر ڈال کر تقریباً چار سال سے باجماعت نماز ادا کی جا رہی ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ یہ جگہ بھی تنگ ہے اور راستہ بھی صحیح نہیں ہے اسی زمین کا دوسرا حصہ جو اس کے برابر میں ہے وہ سڑک کے کنارہ پر ہے اگر شرعاً گنجائش ہو تو موجودہ مسجد کے حصہ کو برابر والے حصہ سے بدل لیا جائے؟

المستفتی: محمد بارون سرائے کھجور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کے لیے وقف شدہ آراضی پر جب چھپر ڈال کر اس میں باضابطہ تین چار سال تک نماز ہوتی رہی ہے تو وہ شرعی مسجد ہو چکی ہے وہ اب قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی اس زمین کی تبدیلی کسی طرح جائز نہیں ہے۔

لو تمت المسجدیۃ ثم أراد البناء منع (قولہ) ولو خرب ما حوله واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الإمام والثانی أبدا إلى قیام الساعة الخ. (درمختار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ۶/ ۵۴۸، كراچى ۴/ ۳۵۸، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۹۵، مصری قديم ۱/ ۷۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۵۸/۳۲)

## مسجد منتقل کرنے کا حکم

**سوال [۷۰۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنگل میں ایک کھیت کے بالکل درمیان میں ایک مسجد ہے اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مسجد کو شہید کر دیا جائے یا وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، تاکہ درمیان سے ہٹ کر مسجد ایک گوشہ میں آجائے تو کیا ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات درست ہے؟

المستفتی: قاری عزیز احمد کمرالہ ضلع بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جب مسجد ایک بار بن جاتی ہے تو وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے اس کو شہید کرنا جائز نہیں ہوتا، لہذا جو مسجد جنگل میں کھیت کے درمیان واقع ہے اس کو شہید کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا، اس کو بحالہ باقی رکھنا اور اس کے تمام حقوق اور احترام کو باقی رکھنا وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے، یہاں تک کہ اگر وہاں سے مسلمانوں کی آبادی بھی ختم ہو جائے تو پھر بھی اس کو وقف بورڈ سے رجسٹریشن کرا کے حفاظت کرنا لازم ہوگا، اور منتقل کرنا جائز نہ ہوگا۔

ولو خرب ما حوله ای ولو مع بقاءه عامراً و کذا لو خرب و لیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر. (شامی، مطلب: فیما لو خرب المسجد أو غیره، زکریا دیوبند ۵۴۸/۶، کراچی ۳۵۸/۴، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۵۹۵/۲، قدیم ۷۴۸/۱، ہندیہ الباب لحدای عشر فی المسجد ما یتعلق به زکریا قدیم ۴۵۸/۲، جدید ۴۱۰/۲)

خربت القرية والمسجد ولا یصلی فیہ أحد عند الثانی رحمہ اللہ ہو مسجد أبدا: لأن کونه مسجدا لا یتوقف فی الإبتداء علی الصلاة عنده فكذا فی البقاء. (بزازیہ، الوقف، الفصل الرابع فی المسجد و ما یصل به زکریا جدید ۱۴۴/۳، و علی هامش الہندیہ ۲۷۰/۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۴۰/۲۷)



## کیا مسجد کی زمین کو تبدیل کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

**سوال [۷۷۱۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کا موقوفہ مکان ہے جس کا کرایہ مسجد کے اخراجات میں استعمال ہوتا ہے اس مکان کے پچھواڑے میں ایک مسلمان کا مکان تھا جب ان صاحب نے اپنا مکان بنایا اللہ جانے کیا صورت پیش آئی جان بوجھ کر یا انجانے میں اللہ کو ہی معلوم، موقوفہ مکان کی ۳۰×۵ جگہ اس مکان میں آگئی اور پڑوسی مسلمان نے موقوفہ مکان کی جگہ اپنے مکان میں شامل کر کے پکا مکان بنا لیا اور اس واقعہ کو چند سال ہو گئے اب جب کہ مسجد کی نئی کمیٹی بنی، موقوفہ مکان کو سرکاری محکمہ کے آدمیوں کے ذریعہ ناپا گیا تو واقعاً موقوفہ جگہ میں سے تقریباً ۳۰×۵ جگہ اس پکے مکان میں شامل نکلی، اب اگر اس جگہ کو جو کہ پکے مکان میں شامل ہے واپس لیا جائے تو مکان اس نوعیت کا بنا ہوا ہے کہ لمبائی میں از ابتدا تا انتہاء مکان کو توڑ کر ہی اس موقوفہ مکان کی جگہ واپس لی جاسکتی ہے، جبکہ وہ مسلمان غالباً پکا مکان توڑ کر جگہ کی واپسی پر راضی نہیں ہے، یا پھر معاملہ کورٹ میں جائے تو ۲۰۱۵ رسال کی فرصت ہو جائے گی، ان حالات میں چند صورتیں عقلاً سمجھ میں آتی ہیں، کوئی صورت شرعاً درست اور موقوفہ زمین کے احکامات اور پڑوسی مسلمان کے حالات کے مناسب ہوگی بتادیں؟

- (۱) پکا مکان توڑ کر موقوفہ جگہ واپس لی جائے، جبکہ یہ کام اہل شہر و محلہ از خود نہیں کر سکتے، معاملہ کورٹ میں جائے گا اور کئی سال فائل میں رہے گا؟
- (۲) اس شامل جگہ کی قیمت لے لی جائے؟
- (۳) گذشتہ دنوں اور آئندہ کے لیے کمیٹی کرایہ متعین کر لے؟
- (۴) اس موقوفہ جگہ جو کہ مکان میں شامل ہو چکی ہے اس کے بدلے کوئی جگہ بدلہ میں وصول کر لی جائے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عتیق الرحمن قاسمی، کامٹی ناگپور، مہاراشٹر

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** حسب تحریر سوال مسجد کی جو زمین پڑوسی مسلمان کے مکان میں شامل ہوگئی ہے اور اب وہ مسلمان پڑوسی بھی مکان توڑ کر مسجد کی زمین واپس کرنے پر راضی نہیں ہے، اور معاملہ کورٹ میں لے جانے کی صورت میں وقت و سرمایہ کے ضیاع کے باوجود مسجد کے حق میں فیصلہ یقینی نہیں ہے تو اب مسئلہ صورت میں شرعاً اتنی گنجائش ہے کہ اس زمین کی معتد بہ اور معقول قیمت صاحب مکان سے وصول کر کے مسجد کی ملکیت کے لیے مناسب جگہ پر دوسری زمین خرید لی جائے۔

لايجوز استبدال العامر إلا في أربع: قال الشامي: والثالثة أن يجحد الغاصب ولا بينة أي وأراد دفع القيمة فللمتولى أخذها ليشتري بها بدلا.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع، زکریا ۶/۵۸۸، کراچی ۴/۳۸۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۹۸۱، الفقه الإسلامي وأدلته، مكتبة الهدى انترنیشنل ۸/۲۲۰، دار الفکر ۱۰/۷۶۷۶، الأشباه والنظائر کراچی ۱/۳۰۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۵ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۵۱/۳۹)

## مسجد کے موقوفہ مکان کو دوسری مسجد میں تبدیل کرنا

**سوال [۱۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان جو کہ مسجد کھجور والی کے نام سے وقف ہے، لیکن مسجد مذکورہ مکان سے دور ہے، مکان موقوفہ محلہ ہذا ہی میں واقع ہے لیکن مسجد مذکور میں شامل کرنا ناممکن ہے اس محلہ میں دوسری مسجد کی ضرورت کا احساس ہے، اہل محلہ و ذمہ داران مسجد مذکور اس مکان مذکور کو مسجد کی شکل میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں کیا اس مکان مذکور کا مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اگر اس موقعہ مکان کی مسجد کو ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کو اس مسجد میں شامل کرنا ممکن ہے، اور ذمہ داران مسجد بھی اس مکان کو دوسری مسجد بنانے کی اجازت دیدیں تو پھر اس مکان کو ضرورت کے پیش نظر دوسری مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المشتی قدیم ۳۲/۷، جدید مطول ۱۱۶/۱۰)

مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً أو المسجد رحبة و أرادو أن يحدثوا له باباً و أرادو أن يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلك فإن اختلفوا نظر أيهم أكثر و أفضل فلهم ذلك. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب السجادی عشر فی المسجد و ما يتعلق به، زکریا قدیم ۲/۵۶، جدید ۲/۹۰، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۹، الفتاویٰ التاتاریخانیہ زکریا ۸/۱۵۷ - ۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۰، حاشیة الجلیبی علی تبیین الحقائق، امدادیہ ملتان ۳/۳۳۱ زکریا ۴/۲۷۴، شامی کراچی ۴/۳۷۸، زکریا ۶/۵۷۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ  
۲۰ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۶۲/۳۷)

## مسجد اور اس کی زمین کا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا

**سوال [۷۷۱۲]:** (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ عرصہ پہلے ایک مسئلہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا جس کی نقل ساتھ میں لگادی گئی ہے، پہلے آپ کے ذریعہ طلب کردہ امور کی وضاحت میں عرض ہے کہ قدیم مسجد کا رقبہ ۱۵۰۰/اسکوائر فٹ ہے اور اس سے متصل قطعہ اراضی میں سے واقف نے ۱۵۰۰/اسکوائر فٹ جگہ وقف کی ہے، کل ملا کر قدیم مسجد ۵۰۰+۱۵۰۰ وقف کردہ زمین، کل جگہ ۲۰۰۰ اسکوائر فٹ، اب اس وقت یہ مسئلہ پیش آیا ہے کہ:

واقف نے پہلے کہا تھا کہ میں نے مسجد کے علاوہ ۱۵۰۰ اسکوئرفٹ جگہ وقف کی ہے لیکن اب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ۱۵۰۰ اسفٹ جگہ مسجد پکڑ کر میری مراد تھی، یعنی اب میں جو جگہ مدرسہ کو دوں گا وہ کل ملا کر ۱۵۰۰ اسکوئرفٹ ہوگی اور مسجد بھی اس میں گنی جائے گی، اب بلڈر جو جگہ خرید رہا ہے وہ ۱۵۰۰ اسکوئرفٹ جگہ کی قیمت متعین کرے گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) جب پورے جگہ کی قیمت لگائی جا رہی ہے تو اس میں مسجد بھی گنی جائے گی تو کیا اس طرح مسجد کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟ واقف کا کہنا ہے کہ اب ہم قیمتاً دیدیں گے اور پھر اسی جگہ کو اس بلڈر سے خرید کر پھر وہاں مسجد بنائیں گے، بلڈر بھی اس پر راضی ہے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز و درست اور صحیح ہے؟

(۲) پہلے ۱۱۵۰۰ اسکوئرفٹ کا وعدہ کرنا مختلف شخصیات کے سامنے اپنے وقف کردہ جگہ کا تذکرہ کرنا اور پھر وقت آنے پر اپنے سارے وعدوں کو فراموش کر کے مسجد بھی اسی میں شامل کر کے گننا کیسا ہے؟

(۳) ایسے حالات میں ناظم مدرسہ (جو کہ مدرسہ کے اراکین میں ہیں) کے لیے خاموش رہنا چاہیے یا علاحدگی اختیار کرنی چاہیے یا اگر یہ غلط ہو رہا ہے تو مسجد کی حفاظت کی خاطر اور مدرسہ کی بقاء کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے؟ امید ہے کہ آپ کو دی گئی زحمت کے لیے معاف فرما کر جواب کافی و شافی دیں گے۔  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** (۱-۲) جب پہلے ہی سے مسجد شرعی موجود ہے اس مسجد اور اس کی زمین کو دوسری زمینوں کے ساتھ فروخت کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ مسجد انسانوں کی ملکیت سے الگ تھلگ رہے گی اور اس کا خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، اب رہی یہ بات کہ مسجد کی جگہ کو چھوڑ کر الگ سے ۱۵۰۰ اسکوئرفٹ زمین مدرسہ کو دینے کا وعدہ کرنا اور پھر اس وعدہ سے مکر جانا اگر واقعی یہ بات صحیح ہے تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، لیکن مالک زمین یہ کہہ رہا ہے کہ میری مراد مدرسہ اور مسجد دونوں کا ۱۵۰۰ اسکوئرفٹ میں شامل ہونا تھی، گویا کہ ۱۵۰۰ اسکوئرفٹ مسجد کا پہلے سے وقف تھا ہی اور اب ہزار فٹ مدرسہ کے لیے وقف

ہے کل ۱۵۰۰ اسکوار فٹ ہو جائیں گے، اگر مالک زمین واقف بھی مراد لیتا ہے تو وہ اس کے اختیار میں ہے، اگر بالفرض واقف نے مسجد کو چھوڑ کر مدرسہ کے لیے ۱۵۰۰ اسکوار فٹ دینے کا اظہار کیا ہے تو صرف اظہار کی وجہ سے وقف نہیں ہوتا بلکہ بوقت وقف جتنے حصے کو وقف کرے گا اتنا ہی وقف ہوگا۔

عن عبد اللہ بن عمرو أن النبي ﷺ قال: أربع من كن فيه كان منافقا خالصا (إلى قوله) وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر. (بخاری، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ۱۰/۱، رقم: ۳۴)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵)

(۳) پہلے سوال کا جواب ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ کو لکھا جا چکا ہے اس کے اوپر پھر واقف کی طرف سے وعدہ خلافی کی بات کو بعینہ اسی پیڈ پر لکھ کر بھیجا گیا ہے جس پر پہلے واقف کی طرف سے لکھا گیا تھا، مدعی اور مدعی علیہ دونوں کا پیڈ ایک ہی ہے اس لیے اصل معاملہ کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں، لہذا اس معاملہ میں وہاں کے قریبی علماء و مفتیان کرام سے رابطہ قائم کر کے مسئلہ کا حل طلب کریں، وہ اصل حقیقت کے بارے میں تحقیق کر کے شرعی مسئلہ بتائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۲/۳/۱۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۰۶/۲۰)

## مسجد کی زمین کا تبادلہ کرنا

**سوال [۷۷۱۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خسرہ (۱) مسجد موجود آباد بھی ہے خسرہ ۲ مسجد کے سامنے عام سڑک اور مسجد کے درمیان زید کی زمین (مسجد اور سڑک کے درمیان زید کی زمین) ہے خسرہ ۳ مسجد سے اتر

جانب مسجد کی خالی غیر آباد زمین اس زمین کے بعد بھی زید کی زمین بعدہ عام سڑک ہے۔ مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ خسرہ ۳ والی زمین جانب شمال غیر آبادیہ زمین مسجد کی ایک عرصہ سے مانی جا رہی ہے، گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسجد کی زمین ہے، ہم بھی اس کو یہی جانتے تھے، اب چونکہ مسجد سے متصل اپنی زمین میں رہن سہن کر رہے ہیں ہمارے سامنے مسجد کی خالی زمین ہمارے آنے جانے میں رکاوٹ ہے اور دل بھی گوارہ نہیں کرتا کہ ہم مسجد کی زمین کو استعمال کریں تو ہم کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم یہ زمین بدل لو، مسجد کو دوسری جگہ دیدو، تو ہم نے غور و فکر کیا تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ مسجد کے سامنے اور خالی پڑی زمین کے سامنے ہماری خود اپنی زمین ہے، لہذا مسجد کے ٹھیک سامنے ہم اپنی زمین مسجد کو دیدیں اور باقی جو کی رہ جاتی ہے وہ ہم دوسری جگہ سے دیدیتے ہیں، زیادہ اگر لینا چاہیں تو اس کے لیے بھی تیار ہیں، یہ بات تو اس وقت تک تھی جب ہم لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ خسرہ ۳ مسجد کی زمین ہے، لیکن جب ہم نے اس زمین کے کاغذات وغیرہ دیکھے تو تقریباً پچاس سال پہلے سروے میں اس زمین کو بہار سرکار نے غیر مجروحہ عام کھیتیاں میں لکھا ہوا ہے لہذا یہ زمین مسجد کی نہیں رہی، بہار سرکار غیر مجروحہ عام کا مطلب ہے کہ کوئی بھی اس کو قبضہ کر سکتا ہے رہ سکتا ہے گاؤں کا پردھان کھیان غریبوں کے نام سے پٹہ کر سکتا ہے، یا کسی کے نام پر پٹہ کر سکتا ہے، اسی کو یوپی وغیرہ میں گرام سماج کی زمین کہا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ پورے گاؤں والوں کی نگاہ میں ہے کہ مسجد کی زمین ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ مسجد کو کوئی نقصان نہ ہو مسجد کا کام بھی ہو جائے اور ہمارا بھی کام ہو جائے، خسرہ ۳ ہم کو نہیں چاہیے اور خسرہ ۲ کی زمین جو کہ ہماری ہے ٹھیک مسجد کے سامنے سڑک تک مسجد کو مل جائے چونکہ یہاں زمین پوری نہیں تو دوسری جگہ اس کمی کو پورا کر دیں۔

نوٹ: پورے گاؤں میں اس مسجد کے علاوہ دوسری مسجد نہیں ہے ہم اگر اپنی زمین خسرہ ۲ کو استعمال میں لے لیں تو مسجد میں آنے جانے کا راستہ بند ہو جائے گا، اور مسجد میں راستہ دینے کے لیے ہم کو کوئی مجبور بھی نہیں کر سکتا، یہ باتیں تو صرف سمجھانے کے لیے لکھ

دی ہیں، تفصیل کے ساتھ، ورنہ مسئلہ صرف یہ ہے کہ بہار سرکار غیر مجروحہ عام جو ایک زمانے سے مسجد کے قبضہ میں مانی جا رہی ہے خالی ہے، بے مصرف ہے، مسجد اور ہم کو اپنی اپنی ضرورت ہے، کیا تبادلہ کر سکتے ہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل و مفصل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تبادلہ کی صورت میں مسجد کا فائدہ زیادہ ہے اس لیے تبادلہ کرنے کی گنجائش ہے، تاکہ مسجد کی توسیع اور نمازیوں کی آمدورفت اور مسجد کی دیگر ضروریات سہولت سے پوری ہو سکیں۔

وفیہا (أی الأشیاء) لایجوز استبدال العامر إلا فی الأربع و تحتہ فی الشامیة: الرابعة أن یرغب إنسان فیہ ببدل أكثر غلۃ و أحسن صقعا فیجوز علی قول أبی یوسف و علیہ الفتویٰ کما فی فتاویٰ قاری الہدایة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا فی أربع، زکریا دیوبند ۵۸۸/۶، کراچی ۳۸۸/۴، الموسوعة الفقهیة الكويتیة ۱۹۸/۴۴، الفقه الإسلامی و أدلتہ، مکتبہ الہدیٰ انٹرنیشنل ۲۲۰/۸، الأشیاء والنظائر کراچی ۳۰۵/۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

۱۴۳۴/۵/۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۸۸/۴۰)

## مسجد کی زمین کا تبادلہ کب جائز ہے؟

**سوال [۷۷۱۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ سے ملاقات پر ایک مسجد کی موقوفہ آراضی کو مسجد کے متصل ایک آراضی سے بدل کر مسجد کی توسیع کا مسئلہ معلوم کیا تھا، وقف نامہ اس وقت تک نظر سے نہیں گذرنا تھا واپسی پر وقف نامہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ زمین نواب رامپور کی وقف شدہ ہے نواب صاحب نے مؤذن امام اور مسجد کے معمولی صرفہ کے لیے یہ زمین وقف کی ہے، مزید برآں یہ معلوم ہوا کہ

زمین مؤذن کے ورثاء کے نام سرکاری کاغذات میں رجسٹرڈ ہوگئی اب تک آمدنی مسجد کے حوالے کر رہے ہیں لیکن آئندہ بھی یہ صورت باقی رہے اس پر لوگوں کو کچھ زیادہ اطمینان نہیں ہے، مسجد کے متصل جو زمین ہے وہ مؤذن ہی کی ہے اور اس تبادلہ پر وہ راضی بھی ہے کیا ایسی صورت میں تبادلہ کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

المستفتی: مفتی محمد اشتیاق مفتی مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ مذکورہ موقوفہ زمین مؤذن کے ورثاء کے نام سرکاری طور پر رجسٹرڈ ہوچکی ہے تو وہ آراضی نیم ہلاکت کا شکار ہوگئی ہے، اور آئندہ تکمیل ہلاکت کا خطرہ ہے، اس لیے واقف کے صدقہ جاریہ کو باقی رکھنے کے لیے مؤذن کی مذکورہ زمین سے تبادلہ کر کے مسجد کے نام سے رجسٹری کرائی جائے تو اس کی گنجائش ہوگی جبکہ مسجد کی کمیٹی بھی اس سے متفق ہو۔

والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بأن لا یحصل منه شیء أصلاً أو لا یفی بمؤنته فهو ایضاً جائز علی الأصح إذا کان یاذن القاضی و رأیه المصلحة فیہ . (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، زکریا ۶/۵۸۳-۵۸۴، کراچی ۴/۳۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۹۶، الفقه الإسلامی و أدلته مکتبه هدی انٹرنیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر ۱۰/۷۶۷۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
یکم صفر المظفر ۱۴۱۵ھ  
الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۵۰

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۵/۲/۱ھ

نماز کے لیے مخصوص مسجد کی جگہ کو دوسرے مقصد میں استعمال کرنا

سوال [۷۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے



بارے میں: ایک بڑی مسجد جس میں جمعہ، عیدین وغیرہ کی نمازیں ہوتی ہیں، اس کے صحن میں نماز کے لیے صفوں کا نشان موجود ہے، جس پر جماعت ہوتی ہے، صحن کے آخری حصہ کی صف اور فرش ماربل کا پختہ بنا ہوا ہے، تقریباً آٹھ دس نمازیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک کمرہ بنا کر اس میں پانی کے لیے بجلی کا موٹر لگا دیا ہے، جبکہ یہ کام خارج مسجد میں بھی انجام دیا جاسکتا تھا، ایسی صورت میں جبکہ وہ جگہ نماز کے لیے مخصوص تھی کیا شرعاً کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا اور اس جگہ کو نماز کی ادائیگی سے محروم کر دینا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عبدالسلام پیرزادہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** یہ فعل ناجائز ہے، اس کمرہ کو توڑ کر مسجد میں داخل

کر لینا ضروری ہے ورنہ ایسا کرنے والے سب گنہگار ہوں گے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) فيجب هدمه ولو على

جدار المسجد. (شامی، کتاب الوقف، قبیل مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ، زکریا

۵۴۸/۶، کراچی ۴/۳۵۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۲۹۶/۱ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ ارشوال المکرّم ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۲/۲۳)

## مسجد کی جگہ تبدیل کرنا

**سوال [۷۷۱۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے ایک زمین رہائش کے لیے خریدی، خریدتے وقت یہ ارادہ کیا کہ ایک

طرف اتنا حصہ نئی مسجد کی تعمیر کے لیے ہے اس میں مسجد بنوائی جائے گی، چنانچہ جب ارادہ

کے مطابق مسجد کے لیے جگہ دیدی، چھپر وغیرہ پڑ گیا، نماز ہونے لگی، دو تین سال نماز اور

رمضان میں تراویح بھی ہوئیں، اب محلّہ والے کہتے ہیں کہ اس کے بدلے دوسری جگہ مسجد

تعمیر کرائیں اس کے پیسہ کو وہاں لگالیں گے، تو کیا زمین مذکورہ میں مسجد نہ بنوا کر دوسری جگہ اس کی رقم لگائی جاسکتی ہے، جب کہ واقف وہاں ہی مسجد کے لیے بضد ہے؟

المستفتی: مولوی عبدالباسط بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اول جگہ نماز قائم ہونے کی بناء پر شرعی قاعدے سے وہ مسجد بن گئی ہے، اب وہ تاقیامت مسجد ہی رہے گی، پس اہل محلہ یا کسی بھی شخص کو اس کے منتقل یا تبدیل کرنے کا اختیار نہ ہوگا، بالفرض اگر مسجد ویران ہو جائے اور کوئی نماز پڑھنے والا بھی وہاں نہ ہو تب بھی اس کی بقاء واجب ہے، اور اگر واقف منتقل کرنے پر رضامند ہو جائے تب بھی جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۳۵)

إذا بنی مسجداً و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد، زکریا دیوبند ۶/۵۴۵، کراچی ۴/۳۵۶، منحة الخالق کوئٹہ ۵/۲۴۸، زکریا ۵/۴۱۶، المحيط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶، الفتاویٰ التاتاریخانیہ زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

فی فتاویٰ الحجۃ: لو صار أحد المسجدين قديماً و تداعى إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع القديم و صرفه فی المسجد الجديد فإنه لا يجوز. (ہندیہ، کتاب لوقف، الباب لحدی عشر فی المسجد و ما يتعلق به، زکریا قدیم ۲/۴۵۸، جدید ۲/۴۱۰، شامی کراچی ۴/۳۵۸، زکریا ۶/۵۴۸، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۵۹۵، مصری قدیم ۱/۷۴۸، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۵۱، زکریا ۵/۴۲۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ

۱۶/۶/۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۰۳)

## مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: خسره ۱۷/۹ زمین ۹/۸ ڈسمل، خسره ۲/۱۱ مسجد ۱۱/۸ ڈسمل، خسره ۳/۱۳ مسجد سے اتر جانب ۱۷/۸ ڈسمل جو برٹش حکومت کے دور سے زید کے والد مرحوم آباد کرتے رہے، بعدہ تقریباً چالیس سال سے خود زید آباد کر رہا ہے، صورت مسئولہ یہ ہے کہ مسجد سے متصل زید تقریباً سال بھر سے اپنا مکان بنا کر بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے، زید کے خیال میں یہ بات آئی کہ مسجد کی زمین کی پیمائش کرائی جائے اس کے لیے کاغذات وغیرہ دیکھے گئے تو اب یہ بات سامنے آئی کہ یہ ۱۵/۸ ڈسمل زمین خسره ۳/۱۳ والی سرکاری کاغذات میں بہار سرکار غیر مجرودہ عام مسجد کا ایک کمرہ اور صحن درج ہے، اور یہ بات آج تک کسی کو معلوم نہیں، خود زید کو بھی نہیں اور مسجد جس خسره میں بنی ہوئی ہے اسی خسره کی تقریباً ایک ڈیڑھ ڈسمل زمین جانب اتر خالی ہے اگر کمرہ وغیرہ والی بات ہوتی تو خسره میں ہونی چاہیے لیکن دوسرے خسره میں اس کو دکھایا جا رہا ہے۔

بہر حال دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح سرکاری دستاویز میں لکھا ہوا ہونے سے مسجد کی ملکیت تسلیم کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر تسلیم کر لی جائے تو اس صورت میں خسره ۳/۱۳ کا تبادلہ مسجد کے فائدے کو دھیان میں رکھ کر کیا جائے تو تبادلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟، مسجد کا فائدہ یہ ہے کہ مسجد کے سامنے زید کی زمین ہے، بعدہ عام سڑک اگر زید اپنی زمین کو استعمال میں لے آئے، تو مسجد کا راستہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، وجہ اس کی خسره ۱۷/۹ زمین کی زمین خسره ۳/۱۳ والی کے سامنے آرہی ہے اور خود خسره ۲/۱۱ بھی مسجد کے سامنے تو ہے ہی، اسی کے پیش نظر زید چاہتا ہے کہ مسجد کے سامنے جتنی زید کی زمین آرہی ہے مسجد لے لے اپنا راستہ بنا لے اگر وہ زمین پوری نہیں ہوتی تو کمی کو دور کرنے کے لیے مسجد سے متصل پیچھے باقی ماندہ زمین مسجد کو دی جائے گی، جو مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہوگی اور مسجد پہلے کے مقابلہ مربع ہو جائے گی، شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: الحاج عبدالرؤف، مقام چکنی، ضلع ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** خسره ۳/۱۳ کی زمین جس کے بارے میں کاغذات

میں عام مسجد کا ایک کمرہ اور صحن ہونا درج ہے اور اس پر زید آباد ہے، وہ زمین سرکاری

کاغذات کے اعتبار سے مسجد کی ملکیت ہے جو واقعہ میں بالفعل زید کے تصرف میں چلی آ رہی ہے، اور خسرہ ۱۱ بجائے خسرہ ۱۲ کی ملکیت ہے جو اسی کے تصرف میں ہے تو ایسی صورت میں اگر خسرہ ۱۳ کے بجائے خسرہ ۱۱ سے مسجد کا فائدہ زیادہ ہو سکتا ہے، تو تبادلہ کی گنجائش ہے۔

مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما تجوز إذا كانت في محلة واحدة و تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة. (ہندیہ، الباب الرابع، فیما يتعلق بالشرط فی الوقف، زکریا قدیم ۲/۴۰۰، جدید ۲/۳۷۵، الدر مع الرد کراچی ۴/۳۸۶، زکریا ۶/۵۸۶، مجمع الانهر، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۵۷۶، مصری قدیم ۱/۷۳۶، البناہ اشرفیہ ۷/۴۶۰، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۳۰/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳/۱۱۲۷)

## وقف کی اجازت سے مسجد کی زمین کو دوسری زمین سے بدلنا

**سوال [۷۷۱۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے چند سال قبل اپنی قطعہ آراضی پر ایک پلاٹ مسجد کے لیے دیا تھا، اور وہ پلاٹ جن صاحب کے حوالہ کیا تھا، انہوں نے کسی عالم دین کو بلا کر تبرکاً چند اینٹیں ان سے وہاں رکھوا لیں بعدہ اس جگہ کی نہ تو کوئی حد بندی ہوئی اور نہ ہی اس پر کوئی نماز ادا ہوئی، اب میں اپنی مرضی سے اسی قطعہ آراضی پر اس کے بدلہ میں دوسرا پلاٹ مسجد کے لیے دینا چاہتا ہوں، جو اس کے مقابلہ میں زیادہ موزوں بھی ہے اور اس پر جلد ہی مسجد تعمیر ہونا اور زیادہ آباد رہنا یقینی ہے، تو کیا مجھے اس تبدیلی کا اختیار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** تعمیر مسجد کے لیے جو زمین دی گئی ہے اور اس میں مسجد کی تعمیر کی نیت سے صرف گڑھا کھود کر بنیاد رکھی گئی ہے ابھی تعمیر شروع نہیں ہوئی ہے،

اور سوالنامہ کے مطابق اس زمین سے بہتر آبادی سے قریب واقف کی دوسری زمین موجود ہے، تو ایسی صورت میں واقف کے لیے یا واقف کی اجازت سے اس زمین کے بدلہ میں آبادی سے قریب والی زمین کو مسجد کے لیے لینا جائز اور درست ہوگا، اس لیے کہ پہلے والی زمین شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی ہے، لہذا اس زمین کو دوسری موزوں زمین سے بدل کر اس دوسری زمین میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے۔

لا یصیر مسجداً بمجرد البناء ما لم یوجد القبض و التسلیم و بالصلاة فیہ  
بجماعة یقع القبض و التسلیم بلا خلاف . (تاتارخانیۃ الوقف، لفصل الحلائی و العشرون، زکریا

۱۵۶/۸، رقم: ۱۱۴۹۴، لمحیط البرہانی، المجلس العلمی ۱۲۴/۹، رقم: ۱۱۳۳۵-۱۱۳۳۶)

قال أبو حنیفة رحمة الله علیه: لا یكون مسجداً حتی یصلی فیہ جماعة

بیادہ. (تاتارخانیۃ زکریا ۱۵۷/۸، المحیط البرہانی، المجلس العلمی ۱۲۴/۹، رقم: ۱۱۳۳۶)

مبادلة دار الوقف بدار الأخریٰ إنما تجوز إذا كانتا فی محلة واحدة

أو محلة الأخریٰ خیراً. (شامی، الوقف، مطلب فی شروط الاستبدال، زکریا دیوبند

۵۸۶/۶، کراچی ۳۸۶/۴)

وإن كان للوقف ریع ولكن یرغب شخص فی استبدالہ إن أعطیٰ مكانه

بدلاً أكثر ریعاً منه فی صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي یوسف

و العمل علیہ. (شامی زکریا ۵۸۷/۶، کراچی ۳۸۷/۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

۱۴۳۱/۱۲/۲۹

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۳/۳۹)

مسجد کے لیے دی گئی زمین کو دوسری بری زمین سے تبدیل کرنا

**سوال [۷۷۱۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے ایک زمین جس کا رقبہ سترہ سومربع فٹ ہے، بغرض حصول ثواب دارین

مسجد بنانے کے لیے وقف کر دی ہے لیکن مشورہ سے یہ طے پایا کہ یہ جگہ مسجد کے لیے ناکافی ہے۔ لہذا اسی جگہ کچھ فاصلہ پر ایک بڑا پلاٹ (سترہ سو پچاس مربع فٹ) عمر و کا ہے، عمر و سے بات کرنے پر وہ راضی ہو گئے کہ بڑے پلاٹ کے عوض چھوٹا پلاٹ سترہ سو مربع فٹ والا لے لیں اور مسجد کی تعمیر بڑے پلاٹ پر ہو، اس سلسلے میں واقف پلاٹ زید سے بھی گفتگو کی گئی تو ان کا قول یہ ہے کہ اس طرح نیت بدلنے میں کوئی شرعی حرج نہ ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میں بھی بہتر خیال کرتا ہوں کہ مسجد وسیع سے وسیع تر ہو جائے، اس سلسلے میں احکام شرع سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: نیاز احمد انصاری، بارہ بنگلی یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب مسجد کے نام سے مذکورہ زمین وقف کر دی گئی ہے تو وہ زمین وقف ہو کر مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے، لیکن ابھی تعمیر کا سلسلہ شروع نہیں ہوا ہے، اور اس سے بڑی زمین اس کے معاوضہ میں مناسب جگہ پر تعمیر مسجد کے لیے مل رہی ہے تو اس کے بدلے میں بڑی والی زمین لے کر اس میں مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس تبدیلی میں مسجد ہی کے لیے زیادہ نفع اور فائدہ ہے، اور نمازیوں کی زیادہ گنجائش بھی تبدیلی کی صورت ہی میں ہے، لہذا اس تبدیلی کی وجہ سے واقف کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آئیگی، بلکہ اس کا ثواب اپنی جگہ باقی رہے گا اور بڑی زمین کا ایثار کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا، اور یہ کام مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داروں کی منعقدہ رائے سے ہونا چاہئے۔

وأما الاستبدال بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي، قال الشامي بحشا عنه: وإن كان للوقف ريع، ولكن يرغب شخص في استبداله إن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه في صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف، والعمل عليه. (شامی زکریا ۶/۵۸۷، کراچی ۴/۳۸۶)

وأما الاستبدال بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي بإذن السلطان، حيث

رأى المصلحة فيه، وفي القنية: مبادلة دار الوقف بدار أخرى، إنما تجوز إذا كانتا في محللة واحدة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۵۷۶/۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۸۹/۳۸)

۱۴۳۱/۳/۱۷

## مسجد کے مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنا

**سوال [۷۷۲۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مرکزی نوری مسجد شہر ”ہردہ“ سے ملے ہوئے غیر مسلم اور مسلم کے مکانات ہیں اور چار مکان آگے مسجد کے مکانات ہیں، آبادی کی کثرت کی وجہ سے مسجد چھوٹی پڑنے لگی ہے اور نماز پڑھنے، مدرسہ لگانے اور جماعت ٹھہرنے میں دقت ہوتی ہے، ایسی صورت میں مسجد سے لگے ہوئے غیر مسلم اور مسلم کے مکانات مسجد میں لے کر ان کے بدلے میں مسجد کے مکانوں میں سے مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے مکان کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو مسجد کے کام میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

**وضاحت:** جس مکان کا مسجد میں لینے کا ارادہ ہے اس کی قیمت کم ہے، اور جو مکان بدلے میں دینا ہے اس کی قیمت زیادہ ہے، برائے مہربانی جواب میں اس صورت کے حکم کی بھی وضاحت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوال نامہ میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ مذکورہ مکان مسجد کی ملکیت میں ہے یا وہ موقوفہ مکان ہے، اگر ملکیت میں ہے تو متولی اہل محلہ کے باہمی مشورہ سے تبادلہ کر سکتا ہے، جس میں مسجد کا زیادہ نفع ہو اور اگر موقوفہ مکان ہے تو جب تک اس مکان سے ادنیٰ فائدہ حاصل ہوتا رہے تبادلہ درست نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ

فإن أراد المتولى أن يبيع ما اشترى ..... وقال بعضهم: يجوز هذا البيع وهو الصحيح الخ. (البحر الرائق، كتاب الوقف كوئته ۵/۲۰۷، زكريا ديوبند ۵/۳۴۶، قاضيخان زكريا جديد ۳/۲۰۷، وعلى هامش الهندية ۳/۲۹۷)

إن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تنهب أصلاً فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال. (شامی، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه زكريا ۶/۵۸۴، كراچی ۴/۳۸۴-۳۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۳۲۹/۸/۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۳ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۹۱)

## مسجد کی آراضی موقوفہ کا استبدال

**سوال [۷۷۲۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) خدمت اقدس میں گزارش ہے کہ میرے دادا جی نے اپنی حیات میں ۱۷/۱ کاٹھا زمین مسجد میں وقف کی تھی لیکن انہوں نے ۶/۱ کاٹھا زمین پر مسجد بنائی، اور باقی زمین ان کے قبضے میں تھی اور اس وقت سے آج تک وہ ہمارے قبضے میں ہے، ان کی وفات کے بعد ہم نے زمین ناپ کے دیکھی کہ ۱۱/۱ کاٹھا زمین مسجد میں دینے کے بعد مسجد کی زمین پوری ہوگی، لیکن اگر وہ زمین چھوڑ دیں تو ہمارے جانے آنے کا راستہ اور دیگر ضروریات زندگی سب بند ہو جائیں گی، تو ہم نے اپنے مقامی علماء سے فتویٰ طلب کیا تھا تو ان حضرات نے ہمارے گھر کی پوزیشن اور وہ زمین جو مسجد بلد کا کی باہر ہے جو مسجد کے لیے کارآمد نہیں ہے اس کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیا تھا کہ اس زمین کے ۴۲/۱ رڈیل زمین دینی ہوگی، جو مسجد کے لیے زیادہ کارآمد ہو، ہم نے اسی کے مطابق ڈبل زمین دیدی جو قیمت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہے، آج سے ۱۶/۱۷ سال قبل کی بات ہے، اور اسی کے مطابق گھر دو بار بنا کر رہتے ہیں اور سابق متولی اور دیگر



خواص کی موجودگی میں دلیل ریکارڈ وغیرہ ہو چکا ہے، موجودہ متولی صاحب نے کہا کہ یہ عوض بدل کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، لہذا یہ زمین چھوڑ دینی ہوگی، حالانکہ وہ زمین مسجد کے لیے کچھ کارآمد نہیں ہے اور اس کو چھوڑ دینے سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہے گا، لہذا حضور والا سے گزارش ہے کہ مسجد کی زمین کا استبدال کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ مسجد کے لیے زیادہ نفع و کارآمد نہیں، شریعت کے مطابق فتویٰ عنایت فرمادیں، اور حوالہ دینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

المستفتی: محمد اظہار الحق ۲۴ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر واقف نے بعد کے متولی وغیرہ کے لیے بوقت وقف استبدال کی شرط لگائی تھی تو استبدال صحیح رہے گا۔

لو شرط الواقف فی الوقف الاستبدال لكل من ولی هذا الوقف صح ذلك ولكل من ولی الوقف ولاية الاستبدال. (قاضیخان، کتاب الوقف، فصل فی مسائل الشرط فی الوقف، زکریا جدید ۳/۲۱۵، وعلی ہامش الہندیہ زکریا ۳/۳۰۸) الأول أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه و غيره فلا استبدال فيه جائز على الأصح. (الدرمع الدر، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، کوئٹہ ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا دیوبند ۶/۵۸۳، الفقہ الاسلامی و أدلتہ مکتبہ الہدی انٹرنیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر دیوبند ۱۰/۷۶۷)

اور اگر واقف نے استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی اور مسجد کے لیے بالکل ناقابل انتفاع ہو چکی ہے، تو قاضی شرعی کی اجازت سے استبدال جائز رہے گا۔

والثانی أن لا يشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح، إذا كان بإذن القاضي و رأيه المصلحة فيه. (الدرمع الرد کوئٹہ ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا دیوبند ۶/۵۸۳-۵۸۴، الفقہ الإسلامی و أدلتہ، ہدی

انٹرنیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر ۱۰/۷۶۷۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۱۹۶)

اور اگر زمین کسی حد تک منفع بہ ہے تو کسی کے لیے استبدال جائز نہیں رہے گا اگرچہ اس کا عوض اس سے زیادہ نفع ہو۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۰۳)

## مسجد کی زمین کا دوسری جگہ سے متبادل کرنا

**سوال [۷۷۲۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے ایک آراضی مسجد کے لیے وقف کردی اس میں مسجد کی سنگ بنیاد بھی رکھی گئی اور اب تک موجود ہے اور کئی وقتوں کی نماز باجماعت بھی اس میں ادا کی گئی البتہ اس کی چوحدی ہنوز نہیں ہوئی ہے، اب واقف صاحب اس زمین کو بیچنا چاہتے ہیں، تو کیا واقف کے لیے اس وقف کردہ زمین کو بیچنا جائز ہے، اور اس سنگ بنیاد کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ پر مسجد بنائی جاسکتی ہے، اور یہ دوسری جگہ اس پہلی جگہ کے مقابلے میں قیمتی بھی اور اچھی بھی ہے تو کیا اس کا بدلہ دوسری جگہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: کھلے میدان میں نماز بھی ہوئی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو زمین تعمیر مسجد کے لیے دی گئی ہو اس میں صرف گڑھا کھود کر بنیاد رکھ دینے سے وہ مسجد شرعی نہیں ہوتی، اسی طرح کھلے میدان میں چند لوگوں کے یونہی نماز پڑھ لینے سے وہ مسجد شرعی کے حکم میں داخل نہیں ہوتی، بلکہ مسجد شرعی ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ واقف کی اجازت سے اس زمین میں باضابطہ تعمیر ہو اور پھر اذان و اقامت کے ساتھ نماز کا سلسلہ شروع ہو جائے اور زمین میں نمازیوں کے نماز پڑھنے کے لیے آنے جانے کی غرض سے راستہ بنا دیا جائے، اور مذکورہ زمین میں یہ سب شرائط نہیں

پائے گئے، اس لیے یہ زمین شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی، لہذا اس زمین کو ایسی زمین سے بدلنا جو مسجد کے لیے زیادہ بہتر اور موزوں ہو جائز اور درست ہے اور سوالنامہ میں یہ مذکور ہے کہ دوسری جانب زمین پہلی زمین کے مقابلے میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور بہتر ہے، اس لیے مذکورہ زمین کے بدلے میں دوسری مناسب زمین لے کر اس میں مسجد تعمیر کرنا جائز اور درست ہوگا۔

لا یصیر مسجداً بمجرد البناء ما لم یوجد القبض والتسلیم وبالصلاة  
بجماعة یقع القبض والتسلیم بلاخلاف. (تاتارخانیة، الفصل الحادی والعشرون  
فی المساجد، زکریا ۱۵۶/۸، رقم: ۱۱۴۹۴)

قال أبو حنیفة رحمہ اللہ: لا یكون مسجداً حتی یصلی فیہ جماعة  
بیاذنہ. (تاتارخانیة زکریا ۱۵۷/۸، رقم: ۱۱۴۹۷)

لو صلی فیہ جماعة بغیر أذان وإقامة سرا لا جہرا لا یصیر مسجداً.  
(تاتارخانیة زکریا ۱۵۶/۸، رقم: ۱۱۴۹۴)

مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما یجوز إذا كانتا فی محلة واحدة أو  
محلة أخرى خیرا. (شامی زکریا ۵۸۶/۶، کراچی ۳۸۶/۴، البحر الرائق کوئٹہ  
۲۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ رذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۲۶/۳۹)

## مسجد کے کونے کو عذر کی بناء پر مسجد سے خارج کرنا

**سوال [۷۷۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کونہ جو پہلے خارج مسجد تھا اور مسجد کے سیدھ سے باہر تھا کچھ لوگوں کو معلومات نہ ہونے کی بنا پر وہ کونہ انہوں نے مسجد میں داخل کر لیا اس کے مسجد میں داخل ہونے

سے سبھی لوگوں کو راستے کی تکلیف ہوگئی ہے اب سبھی لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ کوئٹہ خارج مسجد ہو جائے اور یہاں کو راستہ نکل جائے جبکہ یہ جگہ تقریباً دو یا تین میٹر ہوگی، اور یہ جگہ مسجد کی دیوار کی سیدھ سے باہر ہے لیکن یہ جگہ مسجد ہی کی ملکیت میں ہے، عرض ہے کہ ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتلائیں کہ کیا ہم اس جگہ کو خارج مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ جگہ اور کوئٹہ مسجد کی ملکیت ہے اور اب وہ حدود مسجد میں آچکی ہے اور اس میں نماز بھی ہو چکی ہے، تو وہ مسجد شرعی کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہے، اب اس کو مسجد سے خارج کرنا جائز نہ ہوگا۔

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) ولو على جدار المسجد و تحته فى الشامى: مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً.

(الدرمع الرد، كتاب الوقف، قبيل مطلب: فيما لو حارب المسجد أو غيره، زكريا ۶/ ۵۴۸، كراچى ۴/ ۳۵۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/ ۹۶۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۲۵)

**مسجد کا بعض حصہ سڑک میں شامل کر کے دوسری جانب زمین لینا**

**سوال [۷۷۲۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم ۲-۳ کے درمیان دھن کنارے پر ایک قدیم مسجد ہے، مسجد پلیٹ فارم سے نشیب میں ہے، اب جبکہ محکمہ ریلوے پلیٹ فارم کی توسیع کر رہا ہے، مسجد پلیٹ فارم سے تین چار فٹ نیچی ہو جائے گی، آفیسران ریلوے کی درخواست ہے کہ مسجد کی پشت یعنی پچھم سے پلیٹ فارم کے لیے چارپانچ فٹ زمین ریلوے کو دیدی جائے، محکمہ ریلوے اس کے عوض میں مسجد سے متصل زمین دیدیگا اور مسجد کی از سر نو تعمیر کروائے گا، تاکہ مسجد

اوپرچی ہو جائے اور باہر سے پانی نہ جائے۔

مسجد کا رقبہ درج ذیل ہے:

لمبائی: ۳۴ رُفٹ ۶ رانچ ..... چوڑائی: اتری حصہ ۳۱ رُفٹ ۶ رانچ، درمیانی حصہ

۳۰ رُفٹ ۶ رانچ، دکھنی حصہ: ۲۹ رُفٹ ۶ رانچ

جس حصہ میں نماز ہوتی ہے اس کا رقبہ لمبائی میں ۲۵ رُفٹ ۶ رانچ اور چوڑائی میں ۲۰ ر

فٹ ۶ رانچ ہے، محراب کا حصہ ۴ رُفٹ ہے۔

درج ذیل امور کا شرعی جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں:

(۱) دیوار کا کچھ حصہ پلیٹ فارم کے لیے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) دیوار کا کچھ حصہ دینے کے بعد حکمہ ریلوے کا مقصد پورا نہ ہو تو کیا محراب کا

کچھ حصہ دیا جاسکتا ہے؟

(۳) مفاد عامہ کے پیش نظر اگر حکومت زبردستی محراب کا کچھ حصہ لے تو مسلمانوں کو

کیا کرنا چاہیے؟

(۴) کیا کوئی ایسی صورت شریعت مطہرہ میں ہے جس سے حکومت اور مسلمانوں

میں ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کے بعض حصہ کو سڑک میں شامل کر کے اس

کے بدلہ میں دوسری جانب مسجد کے لیے زمین دینے یا مسجد بنا کر دینے سے متعلق اکابر اہل

فتاویٰ سے بھی سوال کیا جا چکا ہے، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ سے اسی قسم کا سوال کیا جا چکا ہے، اور

حضرت گنگوہیؒ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۴۵، جدید زیریا ۵۲)

اور اسی طرح کا سوال حضرت تھانویؒ سے کیا گیا اور حضرت تھانویؒ نے شامی وغیرہ کی

مختلف عبارات کو شامل کر کے تقریباً ڈھائی صفحہ پر عربی میں جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے

کہ مسجد کا کوئی حصہ معاوضہ میں دینا ناجائز ہے، اور جن عبارات میں ضرورت عامہ کی بنا پر مسجد کے

بعض حصہ کو گزرگاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے ان عبارات کا مطلب یہ نہیں کہ جس حصہ کو گزرگاہ

بنایا جائے وہ مسجد سے خارج ہو جائے گا بلکہ وہ حصہ مسجد ہی میں رہے گا، اور اس حصہ سے ہر طرح کے لوگوں کو گزرنے کی اجازت ہے، حتیٰ کہ کافر کو بھی گزرنے کی اجازت ہے، مگر حائضہ، نساء اور جنسی کو گزرنے کی اجازت نہیں، اس لیے کہ وہ حصہ مسجد ہی ہے، اسی طرح معاوضہ اور تبادلہ میں مسجد کا کوئی حصہ سڑک اور راستہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۵۵)

اور بیعہ بھی سوال حضرت مفتی کفایت اللہ سے کیا گیا تو انہوں نے کافی وضاحت کے ساتھ یہ بات لکھی ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ تبادلہ میں دینا، یا عام لوگوں کے گزرنے کے لیے سڑک میں دے دینا جائز نہیں ہے، مفتی صاحبؒ کا یہ فتویٰ بیعہ ہمارے مذکورہ سوال کے جواب سے ملتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۳۶، جدید مطول ۱۰/۱۴۴)

اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا، انہوں نے بھی عدم جواز کا جواب لکھا۔ (امداد المفتیین کراچی ۶۰-۷)

اور فتاویٰ عبدالحی میں بھی تقریباً اسی طرح کے عدم جواز کا فتویٰ ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ لکھنؤ ۲۵۵/۱)

درمختار، البحر الرائق، طحطاوی علی الدر، مجمع الانہر، تبیین الحقائق وغیرہ کتابوں کے مصنفین نے ان سب کتابوں میں درمختار و شامی کی اس عبارت کی طرح عبارتیں نقل فرمائی ہیں، جس میں وسیع مسجد کے زائد حصہ کو ضرورت عامہ کی بناء پر گزرگاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن سبھی حضرات نے ساتھ میں یہ قید لگائی ہے کہ اس راستہ میں علمۃ المسلمین کے ساتھ کافر بھی گزر سکتا ہے، مگر وہ حصہ مسجد ہی کا حصہ رہے گا، لہذا اس حصہ پر سے جنسی، حائضہ اور نساء کا گذر ہرگز جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ حصہ مسجد ہے، اور مسجد سے ان لوگوں کا گزر ناجائز نہیں ہے، ان کے علاوہ عام انسانوں کو اپنی دنیوی ضرورت کے لیے بھی گزر کر آنا جانا جائز ہوگا، اسی وجہ سے گزرنے کی اجازت دی گئی مگر بیچنے اور تبادلہ میں دینے کی اجازت نہیں دی گئی، لہذا فقہ کی مذکورہ کتابوں کی وہ عبارات جن میں دیوار مسجد تک مسجد میں شامل ہونے کے بعد اس کو مسجد سے خارج کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اس کے اور گزرگاہ اور راستہ بنانے کی اجازت والی عبارت کے درمیان تعارض نہیں ہے۔

واعلم أنه لو ضاق المسجد وبجنبه طريق العامة يوسع منه وكذا بالعكس؛ لأنهما للمسلمين نص عليه محمد كذا في الاختيار، ونحوه في الدرر والتنوير، والمراد بعكسه أن يجعل في المسجد ممر لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء والدواب كما في المنح وغيره عن الزيلعي. (سكب الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۹۶، مصرى قديم ۱/۷۴۸)

ومعنى قوله كعكسه أنه إذا جعل في المسجد ممرا فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء لما عرف في موضعه. (البحر الرائق زكريا ۵/۴۲۸، كوئته ۵/۲۵۵، تبیین الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ۳/۳۳۲، زكريا ديوبند ۴/۲۷۴)

قلت: وظاهر كلام المصنف والشارح جوازه إلا أنه لا يعطى حكم الطريق من كل وجه. (الطحطاوى عل الدر كوئته ۲/۵۴۳)

ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه. (شامى زكريا ۶/۵۴۸، كراچى ۴/۳۵۸)

اور دیوار مسجد بھی مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۷۹۳، فتاویٰ خلیفہ ۱/۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۲۲)

## مسجد کا حصہ قیمت یا بلا قیمت پڑوسی کو دینا

**سوال [۷۷۲۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک قطعہ دو منزلہ مکان جنوب روایک سال قبل عبد الغفار ولد عبد الغفور

مرحوم جو کہ میرے حقیقی چچا ہوتے ہیں سے خرید کیا ہے مکان کے مشرق جانب رحیم والی مسجد محلہ کسرول واقع ہے، میرے چچا نے یہ مکان تقریباً تیس سال قبل دو منزلہ بنایا تھا، مکان کی خریداری کرنے کے بعد میرے علم میں آیا کہ اس مکان اور مسجد کے بیچ میں ایک آپجک مسجد کا ہے، جو کہ بسمت جنوب سے شمال کی جانب پیش طاق کے بعد ختم ہو جاتا ہے، جس کا رقبہ ۳ رگزر ۱۴ رگرہ ہے، آپجک کی پیمائش کی فوٹو کا پی سوال کے ساتھ منسلک ہے، مسجد کی تعمیر کے وقت ذیلی منزل میں اسکو شامل کر لیا گیا ہے اور دوسری منزل پر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، عبدالغفار کے مکان کی تعمیر سے پہلے متولی مسجد ہذا نے کہا جب آپ مکان تعمیر کر رہے ہو تو اسے اپنے مکان میں شامل کر لو کیونکہ اگر اسے ایسے ہی چھوڑتے ہو تو یہ آپجک مسجد اور آپ کے مکان دونوں کو نقصان پہنچائے گا، کیونکہ دوسری منزل پر اس چھوٹے سے آپجک کی صفائی کون کرے گا، میں نے اپنے چچا سے مکان خریدنے کے بعد دوسری منزل پر آپجک چھوڑ کر اپنے حصہ میں دیوار کر لی، اور مسجد ہذا اور محلہ کے ذمہ دار حضرات کو موقع کو دکھایا کیونکہ میں مسجد کی آراضی کو اپنے مکان میں شامل کر کے کوئی گناہ کا عمل نہیں کرنا چاہتا ہوں، لیکن مسجد ہذا اور محلہ کی دیواروں کو برسات کے پانی و گندگی سے کافی نقصان پہنچے گا، لہذا مفتیان شرع سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ میرے لیے اور مسجد کے لیے کوئی ایسا شرعی حل تلاش کریں جس سے میرے اوپر گناہ عائد نہ ہوتا ہو، ویسے میں اس جگہ کی قیمت یا جگہ کے بدلے دوسری جگہ مسجد کو دے سکتا ہوں، کیونکہ دوسری مسجد کے برابر میں میرا مکان ہے، خدا میری مدد کرے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کے جس آب چک کا ذکر کیا گیا ہے یہ درحقیقت حکم شرعی کے اعتبار سے آب چک نہیں ہے، بلکہ عین مسجد ہے اس لیے کہ مسجد کے نیچے کی منزل اس حصہ کو شامل کر کے بنی ہوئی ہے، اور دوسری منزل میں اہل مسجد نے ناواقفیت میں اس حصہ کو باہر چھوڑ دیا ہے اور دوسری منزل میں اس حصہ کو مسجد سے باہر چھوڑنے کی وجہ سے وہ حصہ مسجد سے خارج نہ ہوگا، بلکہ داخل مسجد ہی ہوگا، لہذا اس حصہ کو پڑوسی کے حوالہ کرنا یا



اس کی تحویل میں دینا کسی طرح جائز نہیں، اس طرح اس حصہ کو نہ ہی مفت میں دینا جائز ہے، اور نہ ہی اس حصہ کا کرایہ لینا جائز ہے، اس لیے کہ وہ عین مسجد ہے، کیونکہ دیوار مسجد بھی حکم مسجد میں داخل ہوتی ہے، اور سوالنامہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ پڑوسی نے اپنے حصہ میں دیوار کھینچ کر اس حصہ کو اپنے حدود سے باہر نکال دیا ہے یہ انہوں نے صحیح کیا ہے، اب ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ تیسری منزل کی چھت کے اوپر چہار دیواری قائم کر کے، اور لینٹر کو باقی رکھ کر مسجد میں چھوڑ دیں اور اوپر سے ٹیپر بنادیں تاکہ وہاں پر پانی نہ رکنے پائے اور مسجد کی عمارت نقصان سے محفوظ رہے، اور دیکھنے والے دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ حصہ مسجد کا ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى. (شامی کتاب الوقف، قبیل مطلب فيما لو حارب المسجد أو غيره زكريا ۵/۴۸، ۶/۴۸، کراچی ۴/۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۸)

## نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے درمیان کی مسجد کے تبادلہ کا مسئلہ

**سوال [۷۷۲۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نئی دہلی پلیٹ فارم کے بیچ میں ایک مسجد ہے حکومت ہند چاہتی ہے کہ اس مسجد کو ختم کر کے اس جگہ کو ریلوے کے استعمال میں لے آئے، اور اس کے بدلے مسلمان جہاں چاہیں جتنی بڑی مسجد چاہیں بنالیں، کیا اس طرح کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس جگہ ایک بار مسجد بن چکی ہے وہ تاقیامت مسجد

ہی رہے گی اس کو کسی دوسرے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، لہذا پلٹ فارم کی مسجد کو ریلوے کے استعمال کے لیے دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ حکومت اس کے بدلے میں دوسری جگہ مسجد بنا کر دے۔ (مستفاد: فتاویٰ حقانیہ حیدرآباد ۵/۱۰۴، کفایت المفتی قدیم ۷/۳۶، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۰۴)

لو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولا يسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضا ما هو خير له فيسع فيه أهل المحلة؟ قال محمد: لا يسعهم ذلك. (ہندیہ، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما يتعلق به، زکریا قدیم ۲/۵۷، جدید ۲/۴۱۰، الفتاویٰ الساتار خانیاہ زکریا ۸/۱۶۲، رقم: ۱۱۵۱۱، المحيط البرہانی کوئٹہ ۷/۱۳۰، الملجس العلمی ۹/۱۲۷، رقم: ۱۱۳۴۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ صفر المظفر ۱۵۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۲۷)

## واقف کے وارث کا موقوفہ مکان کو ایک ہزار روپے کے بدلہ لینا

**سوال [۷۷۲۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک آدمی زید نے اپنے پچازاد بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا اور پھر چند دنوں کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا جس نے رکھا تھا، انتقال سے پہلے اپنے لڑکے بکر سے وصیت کر دی تھی کہ اپنے پچا کا خیال رکھنا لیکن کسی وجہ سے وہ لڑکا اپنے پچا سے کنارہ کش ہو گیا، پھر اس لڑکے کے پچا کی طبیعت خراب ہو گئی، پھر بھی اس لڑکے نے اپنے پچا کا کچھ خیال نہ کیا، زیادہ طبیعت خراب ہونے پر اس نے اپنا حصہ مکان کا مسجد کے نام وقف کر دیا، جب یہ بات اس کے لڑکے کو معلوم ہوئی تو وہ اپنے پچا کا خیال کرنے لگا، تو وقف شدہ مکان اس لڑکے کو دیدیا اور جس مکان میں وہ لڑکا رہتا تھا وہ مسجد میں وقف کر دیا، پچا نے انتقال کے وقت اس لڑکے سے کہا کہ اگر ایک ہزار روپیہ لے آؤ تو اس مکان کے بدلے میں ایک ہزار روپیہ مسجد میں

دیدوں اور وہ مکان مسجد سے واپس کر لوں اس لڑکے کے پاس اتنی جلدی روپے نہ ہو سکے اور اس کے چچا کا انتقال ہو گیا، اب اس لڑکے بکر کو قریب ۳۰ سال ہو گئے ہیں تو کیا ایک ہزار روپیہ دے کر مسجد سے مکان واپس لوٹا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مسئلہ میں اب جبکہ عمر کا انتقال ہو گیا ہے

اس کے بھتیجے بکر کو مسجد سے وہ مکان ایک ہزار روپیہ کے بدلے میں واپس لینا جائز نہیں ہے۔  
 أما إذا قال الواقف على أن لفلان ولاية الاستبدال فمات الواقف  
 لا يكون لفلان ولاية الاستبدال بعد موت الواقف. (عالمگیری، کتاب الوقف،  
 الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف، زکریا قدیم ۲/۴۰۰، جدید ۲/۳۷۵،  
 قاضیخان زکریا جدید ۳/۲۱۵، وعلی ہامش الہندیہ ۳/۳۰۸ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۴/۳/۱۴۱۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۱۲)

## مسجد کی زمین میں ذاتی رقم سے رہائشی مکان تعمیر کرنا

**سوال [۷۷۲۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد قریشیان محلہ فیل خانہ کی جگہ تھی اس جگہ میں احسان الہی اور ان کے داماد عظمت حسین نے اپنے ذاتی پیسوں سے مکان بنوایا اور اسی مکان میں رہتے رہے، اور کرایہ داری کی رسید احسان الہی کے نام آتی رہی، اور کرایہ بھی احسان الہی ادا کرتے تھے، پھر ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوی کے نام کرایہ داری کی رسید آنے لگی، اور وہ کرایہ ادا کرتی رہیں، پھر ان کی لڑکی شاہدہ کے نام رسید کرایہ داری آنے لگی، اور وہ کرایہ ادا کرتی رہیں۔  
 اب دریافت یہ کرنا ہے کہ احسان الہی کے ایک بھائی محبوب الہی تھے، (جواب بغیر

شادی شدہ انتقال کر چکے ہیں) اور ایک بھائی نور الہی تھے اور ایک بھائی مہر الہی تھے جو احسان سے پہلے انتقال کر گئے، نور الہی کی دو لڑکیاں ہیں: ۱۔ چندا ۲۔ قمر جہاں۔  
تو کیا شرعاً اس مکان میں احسان الہی کے دیگر بھائیوں یا مذکورہ بھتیجیوں کے کسی طرح حقوق نکلتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عظمت حسین فیل خانہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کی جگہ پر کسی کے لیے رہائش کی غرض سے ذاتی رقم صرف کر کے مکان بنانا جائز نہیں اور نہ ہی متولی یا ذمہ داران مسجد کے لیے اس کی اجازت دینے کا اختیار ہے، البتہ اگر ذمہ داران مسجد نے اس وقت مسجد کے مفاد کی خاطر اس طرح کرایہ پر دیا تھا کہ مکان کی قیمت کرایہ میں مجرئی ہو جائے گی، اس کے بعد پھر کرایہ کا سلسلہ جاری رہے گا، تو اس کی اس وقت گنجائش تھی مگر جب احسان الہی جو اصل کرایہ دار تھا اس کا انتقال ہو چکا ہے تو کرایہ داری کا معاملہ شرعی طور پر ختم ہو چکا ہے، اب معاملہ صاف کر کے زمین و مکان مسجد ہی کو دیدینا لازم ہے، اس میں احسان الہی کے ورثاء میں سے کسی کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، البتہ مکان کی قیمت کرایہ میں مجرئی ہونے سے اگر کچھ باقی ہے تو صرف وہی مسجد سے وصول کر سکتے ہیں۔

وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت

الإجارة. (هدایہ اشرفیہ دیوبند ۳/۱۵۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

۱۴۱۷/۱/۲۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۲۹)

**مسجد کی دیوار توڑ کر اس کو پختہ بنا کر اپنے مکان کی چھت ڈالنا**

**سوال [۷۷۲۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک موقوفہ جائیداد بنام مسجد ہے، اس کی ایک دیوار پڑوسیوں نے توڑ کر اپنی پکی دیوار بنا کر اس کے اوپر لینٹرز ڈال لیا ہے اب از روئے شرع ان کے لیے کیا حکم ہے؟  
المستفتی: لیاقت حسین کاتب، بلاری مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کی دیوار بھی مسجد کی طرح وقف میں داخل ہے اس لیے اس کی دیوار توڑ کر کسی کے لیے پکی دیوار بنا کر مالکانہ تصرف کر کے اس پر لینٹرز ڈال کر اپنے مکان وغیرہ کی چھت کو قائم کرنا ہرگز جائز نہیں ہے تمام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ پڑوسیوں کو اس پر مجبور کریں کہ وہ مسجد کی دیوار اور زمین سے اپنا قبضہ چھوڑ دیں۔  
أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد الخ. (الدر المختار، كتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو حارب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ۶/۵۴۸، كراچی ۴/۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۱ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۹۳)

## مسجد کے ماتحت مدرسہ یا دینی ہال بنانا

**سوال [۷۷۳۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قوم راعین برادری میں ایک مسجد عمر فاروق کا کام چالو ہے جب مسجد کا کام چالو کیا تو ہم نے بہت سے دیندار اور پیش اماموں کو بلایا تھا، ان کے سامنے ہم نے یہ بات رکھی کہ ہم مسجد و منزل کی بنوائیں گے، نیچے ہال ہوگا اور اوپر کی منزل پر مسجد ہوگی ان سب لوگوں نے یہ کہا کہ مسجد کی بنیاد زمین پر رکھی گئی ہے، یعنی محراب کا پتھر زمین پر رکھا گیا ہے، اس لیے آپ کو نماز کی جماعت کے لیے پیش امام کو نیچے ہی کھڑا کرنا پڑے گا، یعنی جماعت نیچے ہی

ہوگی، زیادہ نمازی ہونے پر اوپر کی منزل پر نمازی جاسکتے ہیں، امام نیچے ہی کھڑا ہوگا، جماعت اوپر کی منزل پر نہ ہوگی، نیچے کی منزل کا ہال مسجد ہی میں رہے گا، مگر قوم کا ارادہ یہ ہے کہ ہال کے اندر مدرسہ بنا دیا جائے گا اور کبھی ضرورت پڑنے پر اس ہال میں برات یا جماعتوں کو بھی ٹھہرایا جائے گا، جلسہ وغیرہ بھی کرائیں گے، کئی لوگوں نے اعتراض کیا کسی آدمی نے ان کو یہ کہہ دیا کہ نیچے کے محراب کو دیوار کی شکل میں بند کر دیا ہے، نیچے محراب نہیں رہا، بلکہ ایک دیوار بن گئی، اسی محراب پر اوپر کی منزل پر دوسرا محراب بن جائے گا، یہ لوگ امام کو اوپر کھڑا کر کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں، آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہم کو پوری تفصیل کے ساتھ جواب دینے کی مہربانی کریں کہ کیا:

- (۱) اوپر کی منزل پر امام نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟
- (۲) کیا نیچے کے ہال کے محراب کو بند کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟
- (۳) ہال کو مدرسہ یا برات یا جلسہ کے یا آئی ہوئی دینی جماعتوں کے سونے کے واسطے کام میں لے سکتے ہیں؟ جواب جلد دینے کی مہربانی کریں۔

المستفتی: حاجی ماسٹر علی محمد بھنوں راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر پہلے سے اس جگہ پر مسجد تھی اور نئے سرے سے دوبارہ دو منزلہ مسجد بنائی جا رہی ہے جیسا کہ سوالنامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نیچے کی منزل کی محراب کو ختم کر کے دیوار بنائی جائے اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ پرانی مسجد کی جگہ پر از سر نو نئی تعمیر کے موقع پر یہ پروگرام بنا ہے، کہ نیچے ہال رکھا جائے اور اوپر مسجد بنائی جائے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو قیامت تک وہ مسجد ہی رہتی ہے، اس لیے اوپر نیچے دونوں حصے مسجد ہی ہوں گے، نیچے کے حصے کو برات وغیرہ ٹھہرانے کے لیے یا قومی پروگرام وغیرہ کے لیے یا مدرسہ کے لیے متعین کرنا جائز نہیں ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الإمام، والثانی أبداً إلی

قیام الساعة وبہ یفتی . (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فیما لو خرب المسجد أو غیرہ، زکریا

۵۴۸/۶، کراچی ۴/۳۸۴، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۵۹۵، قدیم ۱/۷۴۸) اور گروہاں پہلے سے کوئی مسجد نہیں تھی بلکہ نئی زمین لے کر نئی مسجد کا پروگرام بن رہا ہے تو تمام چندہ دہندگان یا زمین دینے والوں کے مشورہ سے ایسا پروگرام بنانے کی گنجائش ہے کہ نیچے کے حصہ کو خارج مسجد کر دیا جائے اور اس کو مدرسہ کی شکل دے کر محلہ کے بچوں کو وہاں پر تعلیم دینا اور اوپر والے حصہ کو باضابطہ مسجد قرار دینا جائز ہے، لیکن بارات وغیرہ ٹھہرنے کے لیے اس جگہ کو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، بارات کا ٹھہرنا مفاد مسجد اور مدرسہ کے خلاف ہے، اس لیے جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ دینی جماعتوں کے ٹھہرنے اور دینی جلسہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لو جعل تحتہ حانوتا و جعلہ وقفا علی المسجد قیل لا یتحب ذلک و لکنہ لو جعل فی الابتداء ہکذا صار مسجدا و ماتحتہ صار وقفا علیہ و یجوز المسجد و الوقف الذی تحتہ و لو أنه بنی المسجد أولا ثم أراد أن یجعل تحتہ حانوتا للمسجد فهو مردود باطل و ینبغی أن یرد الی حالہ.  
(حاشیۃ الجلیبی علی التبین ۳/۳۳۰، زکریا ۴/۲۷۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۳/۳/۹ھ

۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۵۵)

## مسجد کو مدرسہ اور وضو خانہ میں تبدیل کرنا

**سوال [۷۷۳۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گلی نمبر ۳۳ بڑے احاطہ کے کنڈ پر ایک مسجد ۱۹۶۲ء میں تعمیر کی گئی تھی اس کے مشرقی حصہ میں کچھ زمین خرید کر مدرسہ قائم کر دیا گیا تھا اس کے اندر حفظ و قرآن کا سلسلہ جاری تھا جس وقت مسجد تعمیر ہوئی تھی، اس وقت مسجد کی زمین کی گہرائی تیرہ یا چودہ فٹ تھی، اس میں پلر کھڑے کر کے مسجد تعمیر کر دی گئی تھی، اور نماز شروع ہو گئی تھی، کچھ دنوں کے بعد نمازیوں کی تعداد بڑھنے پر نیچے اندر گراؤنڈ میں بھی نماز شروع کر دی گئی تھی، اب اس مسجد کو نئے سرے

سے تعمیر کرنے کے لیے شہید کر دیا گیا اور اب نئی تعمیر میں زمین پر جو جگہ مسجد کی تھی اس کو مدرسہ کی شکل میں طالب علموں کی رہائش کے لیے اور ایک سائینڈ میں وضو خانہ اور دوکانوں کے لیے دس بارہ فٹ اوپر لینٹریڈال دیا گیا ہے اور اس لینٹریڈال کو مسجد کے لیے استعمال کرنے کے لیے سوچا گیا ہے لہذا مسجد کی جگہ پر مدرسہ وضو خانہ اور دوکانوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: اہل محلہ اصلتپورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ کے متعلق مستفتیوں سے زبانی معلوم کیا گیا کہ مذکورہ مسجد کے مشرقی جانب دوکانیں تھیں اور اس کے اوپر مدرسہ کی عمارت کھڑی تھی اور مسجد کے جنوبی جانب جو پتلا راستہ جارہا ہے اس جانب دیوار تک حدود مسجد ہی میں شامل تھا، مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ اسی جانب دوکانیں وضو خانہ وغیرہ بنانے کا پروگرام ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو شرعی طور پر اس جانب دوکانیں وضو خانہ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حصہ پرانی مسجد کے حدود میں شامل تھا لہذا اس حصہ میں مسجد کے علاوہ کوئی اور کام جائز نہ ہوگا، البتہ مشرقی جانب میں جتنا حصہ پرانی مسجد سے خالی رہا ہو اس حصہ میں وضو خانہ وغیرہ بنایا جاسکتا ہے، اور جس حصہ میں پہلے دوکانیں تھیں اس میں آئندہ بھی دوکانیں بنائی جاسکتی ہیں، اور جیسے ان کے اوپر پہلے مدرسہ تھا آئندہ بھی اس کے اوپر مدرسہ بنانا درست ہوگا اور جس حصہ میں پرانی مسجد کا حجرہ تھا اس حصہ میں آئندہ بھی حجرہ وغیرہ بنانا جائز ہوگا، مگر پرانی مسجد کی جو حدود تھیں اس میں مسجد کے علاوہ کوئی اور کام کرنا اس حصہ میں سے کوئی بھی چیز مسجد کے علاوہ کسی اور کام میں لینا جائز نہیں ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم

يصدق. (شامی کتاب الوقف زکریا ۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۵۸، الموسوعة الفقهية

الکویتية ۱۲/۲۹۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

۱۴/۷/۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۶۵)



## مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا

**سوال [۷۷۳۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قطعہ آراضی مسجد کی جس پر برسوں مقدمہ بھی چلا اور آخر میں فیصلہ مسجد کے حق میں ہوا، اسی مسجد کے متصل اسلامیہ مدرسہ بھی قائم ہے مدرسہ کے بائیں جانب جگہ کی قلت ہونے کی وجہ سے مسجد نے وہ جگہ مدرسہ کو اس مقصد کیلئے وقف کر دی تاکہ تعلیم و تدریس کا مبارک کام بحسن و خوبی انجام پاسکے، مگر مدرسہ نے مسجد کی وقف شدہ زمین پر مدرسہ کی آمدنی کے لیے دکان تعمیر کروا دیئے ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا نیز وقف شدہ زمین پر دکان تعمیر کروانا درست ہے کہ نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت بالدریل فرمائیں، تاکہ کسی بھی فریق کو اشتباہ نہ رہے، اللہ آپ کو اجر عظیم سے نوازے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مسجد کے لیے وقف شدہ زمین ہے تو اس کو مدرسہ کے لیے منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر مسجد کی ملکیت کی زمین ہے تو منتقل کرنا جائز ہے مگر مدرسہ پر اس کی قیمت مسجد کو ادا کر دینا لازم ہوگا، نیز وقف کی زمین میں دکان بنانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض

الواقفين واجبة، زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۱۷)

نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے اس زمین میں مسجد مدرسہ بنانا

**سوال [۷۷۳۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک آراضی جس میں ایک کنواں تھا اور ایک نامعلوم شخص کی قبر تھی اہل محلہ کافی عرصہ سے اس میں عرس کراتے رہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ تین زمانے تک اس میں عرس ہوتا رہا، دوران عرس کسی نے اس آراضی کا دعویٰ نہیں کیا، اب اہل محلہ اس آراضی کو دینی درسگاہ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، شرع کا کیا حکم ہے؟ اور اب بھی اس آراضی کا کوئی دعویٰ نہیں ہے تو کیا طلبہ اس دینی درسگاہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ تراویح و ختم قرآن درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آراضی کسی کی ملک غصب شدہ نہیں ہے اس لیے اس میں نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہو جائے گی، نیز نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے مسجد یا مدرسہ بنانے کا جواز حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ مسجد نبوی بھی مشرکین کی قبروں پر واقع ہے اور بوسیدہ قبرستان میں مسجد بنانے کا جواز بھی کتب معتبرہ سے ثابت ہے، اس لیے درسگاہوں میں بلاشبہ نماز جائز ہو جائے گی، مگر مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجد لم أر بذلك بأسا الخ. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد

دار احیاء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا دیوبند ۳/۳۵، رقم: ۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۵ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

۱۴۱۳/۹/۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۸۳)

## مسجد کے وضو خانہ پر اسکول کا حکم

**سوال [۷۷۳۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں باہر سڑک کی طرف مسجد کی آراضی میں دوکانیں بنی ہوئی ہیں، ان کے پیچھے مسجد کا راستہ اور وضو خانہ ہے اس جگہ پر نماز نہیں ہوتی ہے، دوکانوں اور وضو خانہ کی چھت پر ایک اسکول چل رہا ہے، جس کو تقریباً سترہ سال ہو گئے ہیں وضو خانہ کی چھت کا چھبہ گلی کی

طرف نکلا ہوا ہے اور اس پر اسکول کا بیت الخلاء بنا ہوا ہے، اس اسکول کا کرایہ مسجد کے جملہ اخراجات میں آتا ہے، آپ یہ بتائیں کہ اس جگہ پر اسکول یا دوکانیں جائز ہیں یا ناجائز ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مسجد کو مکافقہ کرایہ ادا کرتے ہوں اور اسکول کا راستہ بھی بالکل الگ ہو، اور لڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم نہ ہوتی ہو بلکہ صرف لڑکوں کی یا صرف لڑکیوں کی تعلیم ہوتی ہو اور مسجد جب چاہے آسانی سے خالی کر سکتی ہو، تو اسکول کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۹۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۲۳ شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۳۲/۳۴)

۲۳/۱۰/۱۴۲۰ھ

## مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا

**سوال [۷۷۳۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی برائے مسجد خریدی گئی اور چندہ بھی مسجد کی آراضی کے عنوان سے ہی ہوا ہے، مسجد کی تعمیر اور زمین کے لیے ہی لوگوں نے چندہ دیا بجز اللہ ان پیسوں سے مسجد کے لیے زمین خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر کی گئی، مسجد کی آراضی میں چند دوکانیں مسجد کے لیے بنا دی گئیں تاکہ ان سے مسجد کی تھوڑی آمدنی ہوتی رہے اور مسجد کی ضروریات میں صرف ہوتی رہے ان دوکانوں کے اوپر کچھ کمرے بنائے گئے ہیں، جس میں جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی تعداد بھی رہتی رہی ہے، اور سہ درمی کی صفوں سے وہ صف ملی رہتی ہے پھر کچھ دنوں کے بعد ان کمروں میں اسکول چلا دیا گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) مسجد کی آراضی کی خریداری برائے مسجد ہوئی ہے اس میں اسکول چلانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسجد کی کمیٹی معقول اور مناسب کرایہ اسکول والوں سے لینا چاہے تو اس

میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟

(۳) عام مصلیوں کو اسکول کے قیام سے ناراضگی ہے نیز عام طور پر جماعتیں آتی رہتی ہیں، چونکہ بڑی مسجد ہے، اسکول میں پڑھانے والی مستورات ہیں جس کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہے۔  
المستفتی: علیم الدین قاسمی پچھی نگر دھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا درست نہیں ہاں البتہ دینی مدرسہ چلانے کی گنجائش ہے اور اسکول کی اجازت اس لیے نہیں ہے کہ اگر بعد میں وہاں دینی مدرسہ قائم کرنا چاہیں تو اسکول والے خالی نہیں کریں گے، اسکول والے ہمیشہ مسجد والوں پر غالب ہو جایا کرتے ہیں، اس لیے کرایہ لے کر بھی اسکول چلانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے، تاکہ بعد میں اختلاف اور فتنہ کا سبب نہ بن سکے اور چونکہ مدرسہ بھی ایک دینی ادارہ اور وقف کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے مدرسہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں، نیز مدرسہ قائم کرنے میں بھی شرط ہے کہ مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار اور متولی ایک ہی شخص ہو اور اگر دونوں کے ذمہ دار الگ الگ ہوں تو پھر مدرسہ پر لازم ہے کہ مسجد کو ان کمروں کا کرایہ ادا کرے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۸)

أما المال الموقوف علی المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة  
للحال فللقاضی أن یصرف فی ذلك لكن علی وجه القرض فیکون دینا  
فی مال الفیء. (ہندیہ، الوقف، قبیل الباب الثانی عشر فی الرباطات و المقابر ..... زکریا  
قدیم ۲/۶۶۴، جدید زکریا ۲/۴۱۴، الفتاویٰ التاتار خانیہ زکریا ۸/۱۹۹، رقم: ۱۱۶۳۱،

المحیط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۱۵۴، رقم: ۱۱۴۵۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

۲۲/۴/۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۸)

**خفیہ طور پر مسجد کی زمین میں ہسپتال یا اسکول بنانا**

**سوال [۷۷۳۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کروڑہ سرسیدنگر کی بڑی مسجد کے سامنے کچھ زمین مسجد ہی کی پڑی ہوئی ہے اور مسجد اور وہ زمین مکمل وقف کرنے والوں نے صرف مسجد کے لیے وقف کیا تھا، پھر بعد میں جو متولی رہا تو اس متولی نے محلہ والوں کے مشورہ سے خالی زمین پر مدرسہ قائم کیا جس میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اس وقت دو کمرے ہیں، جن میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اور دو استاذ مسجد کے اندر تعلیم دیتے ہیں کچھ زمین مسجد ہی کے سامنے خالی پڑی ہوئی ہے اب وہاں کے لوگوں میں دو پارٹی ہو گئی ایک پارٹی یہ کہتی ہے کہ مسجد کی اس زمین پر ہسپتال قائم ہوگا اور دوسری پارٹی یہ کہتی ہے کہ مسجد کی اس زمین پر مدرسہ تو قائم ہو سکتا ہے لیکن ہسپتال قائم نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ مدرسہ میں درس گاہ کی کمی ہے مسجد میں تعلیم ہو رہی ہے، نیز جن لوگوں نے وقف کیا ہے، وہ لوگ بھی ہسپتال بنانے پر راضی نہیں بلکہ مدرسہ بنانے پر راضی ہیں، آپ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیے کہ کیا مسجد کی زمین پر ہسپتال بنانا جائز ہے؟

(۲) اب کچھ لوگوں نے عدالت کے ذریعہ اپنے پیسوں کے زور سے ہسپتال کے لیے اگر گریمنٹ کر لیا ہے، تو کیا مسجد کی زمین کو خفیہ طور پر ہسپتال کے لیے اگر گریمنٹ کرانا شرعاً جائز ہے ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اہلیان محلہ سرسیدنگر بڑی مسجد کروڑہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب وہ زمین مسجد اور اس کے متعلقات کے لیے وقف ہو چکی ہے، تو اس زمین میں مسجد اور اس کے متعلقات ہی کا کام ہو سکتا ہے، اور محلہ کی مسجد کے متعلقات میں دینی تعلیم کے کتب بھی شامل ہوتے ہیں، جس میں محلہ کے بچے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، مکتب و مدرسہ باضابطہ گرچہ مسجد کے متعلقات میں نہیں آتے لیکن اقرب اجناس میں ہیں اس لیے کہ خود مسجد کے اندر بھی دینی تعلیم کا درس دینا جائز ہے، مگر مسجد کے اندر بیٹھ کر ڈاکٹر کا مریضوں کو دیکھنا اور ہر طرح کے لوگوں کی آمد و رفت قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اس لیے مدرسہ کو مسجد سے تعلق ہے، ہسپتال اور اسکول کو نہیں ہے، لہذا وہاں

باضابطہ مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے، مگر ہسپتال یا اسکول قائم کرنا قطعاً جائز نہیں، بلکہ اگر زور و بردستی سے ہسپتال یا اسکول قائم ہو جائے تو اس کو ختم کر دینا تمام مسلمانوں پر لازم ہے، لہذا جن لوگوں نے خفیہ طور پر ہسپتال کے لیے اگر یمنٹ کر لیا ہے، وہ شرعاً خائن اور مسجد کی زمین کے غاصب شمار ہوں گے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ سب مل کر ایسے لوگوں کے اختیارات سے مسجد کی اس زمین کو نجات دلائیں اور پھر کبھی ایسے لوگوں کو مسجد یا اس کی زمین پر اختیار کا موقع نہ دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۱۵۴، جدید ذکر ۹/۱۳۲)

ویجوز الدرس فی المسجد و إن کان فیہ استعمال اللبود و البواری المسبلة  
 لأجل المسجد. (البحر الرائق، کتاب الوقف فصل فی أحكام المسجد، کوئٹہ ۵/۲۵۰،  
 زکریا ۵/۴۱۹، ہندیہ، الباب الخامس آداب المسجد، زکریا قدیم ۵/۳۳۰، جدید ۵/۵۳۰)  
 قیم المسجد لایجوز له أن یبني حوانیت فی حد المسجد أو فی فئانہ  
 لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمتہ و هذا لایجوز و الفناء تبع  
 المسجد فیكون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی. (ہندیہ الباب  
 الحادی عشر فی المسجد و ما یعلق به زکریا قدیم ۲/۴۶۲، جدید ۲/۱۳۴، البحر الرائق کوئٹہ  
 ۵/۵۴۹، زکریا ۵/۴۱۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۲۲۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم  
 الجواب صحیح  
 کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۴۲۱/۵/۵  
 ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۶۶۴۱/۳۵)

## مسجد میں اسکول قائم کرنا

**سوال [۷۷۳۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد اسلامیہ کے اندر علوم عصری (انگریزی سائنس، ٹریننگ، کمپیوٹر) کا رواج ڈالنا کیسا ہے؟ اور اس سے کیا فوائد ہیں؟ اور کیا نقصانات لازم آتے ہیں، کیونکہ ایک صاحب نے اس سلسلہ میں کوشش کی اور جاری کر دیا، دیگر حضرات اس اقدام کی ستائش

کرتے ہوئے تقلید بھی کر رہے ہیں،، باضابطہ طور پر اخبار میں اس کی اشاعت بھی ہوئی، اور تائید بھی، اخبار کا زیور کس ارسال کیا جا رہا ہے اس کا مطالعہ کر کے قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اگر کوئی قباحت لازم آتی ہے تو مناسب طریقہ سے اس کی اصلاح کیسے کی جائے، اور اس کی صورت کیا ہوگی؟ کیونکہ آپ حضرات تو رہبر قوم ہیں، آپ کا قول قابل تقلید ہوگا اور آپ کا اس سے عوام کو باخبر کرنا ضروری ہوگا۔

اس سلسلے میں حقیر کے ذہن میں کچھ نکات آئے ہیں جو سامنے ہیں:

(۱) مساجد کے اندر دنیا کے اغراض و مقاصد کا بیان کرنا حتیٰ کہ گمشدہ اشیاء کا اعلان کرنا فقہاء کرام منع کرتے ہیں، تو ہنر کے لیے مساجد کی جگہوں کا استعمال کیا معنی رکھتا ہے؟  
(۲) مساجد کے اندر چندے سے اسکول کے اخراجات پورے کیسے جاتے ہیں یہ کہاں تک درست ہے؟

(۳) اسلام نے صلواتِ خمسہ کے علاوہ کچھ نوافل بھی رکھیں ہیں، اگر چہ فرض یا واجب نہیں ہیں اور آبادیوں میں اکثر جگہ خرافات رہتی ہیں، اب کوئی اللہ کا بندہ عبادت میں مشغول ہونا چاہے تو اس کے لیے مسجد ہی مناسب ہے، اور اگر وہ بھی اغراض میں استعمال ہونے لگے تو بندہ کہاں جائے؟ پھر مصلیٰ اگر بادل ناخواستہ مسجد چلا بھی جائے تو اس کا سکون غارت ہو جائے؟

(۴) عورت ہر کلاس کے وقت حاضری دے گی، تاکہ درس نہ چھوٹے، اس میں تمام حالات پائے جائیں گے، جبکہ ایام خاص میں مسجد میں داخلے ممنوع ہیں۔

(۵) تعلیم کے بعد نچے خالی اوقات میں کھیل کود بھی کریں گے، جس سے شور شرابہ ہوگا، کیا یہ درست ہے؟

(۶) بہت سی مساجد غیر آباد ہیں، آنے والے وقتوں میں مقاصد کو اول سمجھنے والے حضرات آمدنی کے واسطے شادی بیاہ و دیگر پارٹیوں میں مساجد کی جگہوں کے استعمال کرنے کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟

(۷) ادارہ میں ہر قوم و ملت کا داخلہ لینا ہوگا، روک نہیں سکتے، اور اس میں غیر مسلم

طلباء بھی ہوں گے، پاک رہیں گے یا ناپاک، خدا جانے، اسی طرح اگلے آدمی نے احتیاط سے ادارہ شروع کیا تو کوئی ضروری نہیں کہ مقلد بھی اسی احتیاط پر قائم رہے، اور نہ رہنے کی صورت میں نقصان کیا ہوگا اور فائدہ کیا؟ وہ سامنے ہے۔

(۸) ظاہری چمک کو دیکھ کر مساجد کو مقاصد دینی کے واسطے استعمال کر کے نتائج سے منہ موڑنا اور تقدس مساجد کا پامال کرنا لازم آتا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟  
المستفتی: قاری عبدالقادر قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کے اندر اسکول کی تعلیم ہرگز جائز نہیں ہے، نیز کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم تو مسجد سے خارج ہونی چاہیے نیز عورتوں کا آکر اس میں تعلیم دینا الگ سے امر فحیح ہے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کے اندر سے اسکول کی تعلیم ختم کرا دیں، اور اگر حکومت کی طرف سے اس کا انتظام کیا گیا ہے تو علاقہ کے تمام مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ حکومت سے احتجاج کر کے وہاں سے تعلیم کو ختم کرا دیں۔  
حدیث پاک میں حرمت مسجد کے خلاف تمام امور کو منع کر دیا گیا ہے، یہاں تک کہ گمشدہ اشیاء کے اعلان کو بھی منع کر دیا گیا ہے۔

عن أبی عبد اللہ مولیٰ شداد بن الہاد أنه سمع أباه ریرة یقول:  
سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد  
فلیقل: لا ردھا اللہ علیک، فإن المساجد لم تبن لهذا. (سنن أبی داؤد، باب  
النہی عن انشاد الضلال فی المسجد، النسخة الہندیة ۶۸/۱، دار السلام رقم: ۷۶۷،  
صحیح مسلم باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد، النسخة الہندیة ۲۱۰/۱، بیت  
الأفکار رقم: ۵۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۵ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۰۰)



## مسجد و مدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا

**سوال [۷۷۳۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قریہ جمال پور میں ایک آراضی تقریباً ۴۲ بیگھہ مسجد قریہ کی ملک تھی، جس وقت چک بندی سرکاری ہوئی اس وقت عوام نے اس ملک کے بدلہ ایک دوسری آراضی جو ۴۲ بیگھہ سے کم ہے اپنی مسجد اور مدرسہ نعمت پور کے لیے مقرر کرادی، چنانچہ عوام اس وقت سے یہ سمجھتی رہی ہے کہ یہ تین بیگھہ آراضی ہے جس میں دو بیگھہ مسجد جمال پور کی ہے اور ایک بیگھہ مدرسہ نعمت پور کی ہے، اب کچھ ایام سے گاؤں میں سرکاری پرائمری اسکول بنانے کا مسئلہ آیا ہے جس کے لیے جگہ تجویز پیش کرنے میں عوام میں اختلاف ہوا، بعض لوگوں نے مدرسہ کی مقبوضہ آراضی میں اسکول بنانے کی تجویز پیش کی، دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی کہ مدرسہ کی زمین میں اسکول بنانا جائز نہیں؟

بہر حال خلاصہ یہ ہوا کہ سرکاری کاغذات کی جانچ کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ آراضی جو چار بیگھہ سے کم ہے اس کے تین نمبر ہیں، جن میں ۲ نمبر مسجد قریہ کے نام ہیں، اور ایک نمبر میں سرکاری کاغذات میں اسکول فارم لکھا ہوا ہے، کسی مدرسہ کا نام درج نہیں، جبکہ عوام و خواص کے ذہن میں پہلے ہی سے مدرسہ کی سمجھی جا رہی ہے، کیا اس میں سرکاری اسکول بنوانا جائز ہے یا نہیں؟، بعض لوگ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان تینوں نمبروں میں سے ایک میں اسکول اور دوسرا مدرسہ نعمت پور کے لیے اور تیسرا نمبر مسجد قریہ کے لیے تجویز کر دیا جائے تاکہ تنازع ختم ہو جائے تو کیا ایسا کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟ گاؤں میں کچھ لوگ غیر مسلم ہریجن بھی ہیں اور بعض مسلمان بھی اسی جگہ اسکول بنانے پر بضد ہیں، شدید تنازع کا خطرہ ہے، کیا صورت بہتر ہے اور کیا مشورہ ہے؟

المستفتی: اطہر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** عوام اور غیر مسلم مدرسہ کو بھی اسکول ہی کہتے ہیں

اور جس وقت سے مدرسہ چل رہا ہے اس وقت سرکاری پرائمری اسکول کا وجود بھی نہ تھا، اور زمین کی آمدنی مدرسہ ہی کے لیے آئی ہے، اس لیے شرعاً وہ زمین مدرسہ ہی کی ہوگی، اور مدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا شرعاً جائز نہ ہوگا، اور جو مسجد کے نام سے دو بیگہ زمین ہے وہ مسجد کی ہی ملکیت ہوگی، اس میں بھی اسکول بنانا جائز نہ ہوگا، اس کے لیے وہاں کے لوگوں کو دوسری زمین تجویز کرنی چاہیے۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقہ اشرفی ص:

۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المحلة رستم اتحاد دیوبند ۶۱/۱ رقم المادة: ۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

۱۲/۵/۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۸۶)

## مسجد کی موقوفہ زمین میں اسکول بنانا

**سوال [۷۷۳۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مٹی والی مسجد کی زمین مسماة مٹیا خاتون نے مسجد کے لیے وقف کی تھی، اس میں نیچے والے حصہ میں دینی تعلیم ہوتی ہے اور مسجد ہے، کچھ لوگوں نے دینی تعلیم ختم کر کے اسکول پرائمری اسکول بنا دیا، اس میں ہندی، انگلش کی تعلیم شروع کر دی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس میں ماسٹرنیاں ہندی انگلش کی تعلیم دیتی ہیں، جبکہ یہ پوری زمین مسجد کے لیے وقف کی ہے، اب وہاں کے ذمہ داران نیچے سمیت پورے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں، کہ اسکول ختم ہو کر صرف عبادت گاہ ہی رہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مصلیان مسجد مٹیا والی اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو زمین مسجد کے لیے وقف کی گئی اس میں اسکول

بنانا یا کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے، اس میں مسجد بنانا ہی ضروری ہے، لہذا مسئلہ صورت میں اسکول ختم کر دینا ضروری ہے، اور نیچے سمیت مسجد بنانا بلا تردد جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/۲۲۲)

مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، کراچی ۴/۴۴۵، زکریا دیوبند ۶/۶۶۵)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم  
 كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۹ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۵۳۲۳/۳۳)

## کار پارکنگ کی منزل کو مسجد بنانا

**سوال [۷۷۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں پونہ میں پانچ منزلہ بلڈنگ ہے اس کے نیچے کار پارکنگ ہے، بلڈنگ کے مالک اب یہ چاہتے ہیں کہ اس پارکنگ میں مسجد بنالیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا بلڈنگ کے نیچے جو تہ خانہ کی شکل میں پارکنگ کا حصہ ہے اس کو مسجد بنایا جاسکتا ہے، اس کے اوپر رہائشی بلڈنگ ہے، اس سے مسجد کی مسجدیت پر کوئی فرق تو نہ آئے گا، اور کیا بلڈنگ کا اچھا اور گندا پانی اس مسجد کے نیچے سے پائپ لائن کے ذریعہ گزار سکتے ہیں؟ اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد شرعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زمین سے لے کر عنان آسمان تک وہ مسجد ہی ہو، مکمل وقف علی اللہ ہو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کار پارکنگ میں مسجد بنانے کی صورت میں چونکہ اوپر والوں کی رہائشی علی حالہ باقی رہے گی اس

لیے وہ جگہ مسجد شرعی نہ بنے گی، البتہ عبادت خانہ کے طور پر اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن مسجد شرعی کا ثواب اس میں نہیں ملے گا۔

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ﴾ [الجن: ۱۸]

و حاصلہ أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی أحكام المسجد، زکریا ۶/۵۴۷، کراچی ۴/۳۵۸، البحر الرائق، فصل فی أحكام المسجد، کوئٹہ ۵/۲۵۱، زکریا ۵/۴۲۱)

لأنه مسجد إلى عنان السماء و كذا إلى تحت الثرى. (شامی، کراچی ۱/۶۵۶، زکریا ۲/۴۲۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۹۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم  
کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
الجواب صحیح  
۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۳/۴۰)

## مسجد کی جگہ مندر بنانے کی حمایت کرنا

**سوال [۷۷۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب ایسے حالات ہوں کہ ایک مسجد میں فرقہ پرست غیر مسلموں نے جبراً بت رکھ کر بت پرستی شروع کر دی ہو اور اس مسجد کو منہدم کر کے باقاعدہ بت خانہ بنانے کا ارادہ رکھتے ہوں، اور اس کا اعلان عالمی سطح پر بھی کر دیا ہو اس مندر کی تعمیر کے لیے عدالت کے حکم کو توڑ کر بنا نقشہ پاس کیا اس مسجد کے ملحقہ قبرستان میں اس فرقہ پرست غیر مسلموں کے گروہ نے اس مندر کی بنیاد رکھی، جبکہ بنیاد کھودتے ہوئے مردوں کی ہڈیاں نکل آئی ہوں، اور اس حالت میں امت مسلمہ کے جذبہ ایمانی کو بھیس پہنچتی ہو اور امت مسلمہ نے عالمی سطح پر احتجاج کیا ہو، اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے ہوں۔

ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوال کے جواب سے نوازیں:  
کوئی بھی مسلمان خواہ وہ عالم ہو یا عام، مندر کی بنیاد کی وکالت کرے اور اس کو

درست قرار دے تو ایسے عالم یا عام مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا کہا جائیگا؟  
المستفتی: فضل الرحمن چودھریان، بلند شہر یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کو منہدم کرنا اور قبرستان میں مذکورہ بنیاد رکھنا اور عام مسلمان یا کسی عالم کا کسی مندر کی بنیاد کو درست قرار دینے کے لیے وکالت و حمایت کرنا ناجائز حرام ہے، اور وکیل گمراہ اور مرتکب گناہ کبیرہ ہوگا، اور تمام مسلمانوں پر اس مسجد کی سیانت لازم ہے، لیکن لڑنا اور فتنہ و خونریزی کا سبب بنالینا ہرگز جائز نہیں ہوگا، بلکہ حکومت اور سرکار کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب قدیم ۵۲۵، جدید زکریا ۵۲۷، کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۳، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۲۰ معارف القرآن ۱/۲۳۹)

﴿وَقَالَ تَعَالَى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا.﴾ [البقرة: ۱۱۴]

وتحتہ فی تفسیر الرازی: السعی فی تخریب المسجد قد یكون لوجهین: أحدهما منع المصلین و المتعبدين و المتعهدین له من دخوله فیکون ذلک تخریباً، والثانی بالهدم و التخریب. (تفسیر کبیر ۱۱/۳)  
التوکیل بالخصوص لا یجوز عند أبی حنیفة سواء کان التوکیل من قبل الطالب أو من قبل المطلوب. (فتاویٰ قاضیحان، کتاب الوکالة، زکریا جدید ۷/۳، و علی هامش الہندیة ۷/۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۱۳/۲۶)

## مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا

**سوال [۷۷۴۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا کیسا ہے؟ اور اسکول بن گیا ہے، اس کے اندر تعلیم ہندی، انگلش کی دی جاتی ہے، اور مسجد کو اسکول سے نہ آمدنی ہو رہی ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ ہو رہا ہے، بلکہ مسجد کے بیت الخلاء اور استنجاء گھر کو اسکول کے معلم اور دیگر حضرات دوکاندار وغیرہ استعمال کر کے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور جو دوکانیں ہیں ان کا کرایہ بھی اسکول کے حضرات وصول کر رہے ہیں، اور اسکول بھی مسجد کی رقم سے بنایا گیا ہے، اور ذمہ دار حضرات کوئی بھی اس طرف دھیان نہیں دیتے، اور اگر یہ سب باتیں شریعت کی نظر میں جائز نہ ہوں تو ان پر کون حضرات گنہگار ہوں گے؟ اور اب کیا صورت ہو کہ مسجد کی زمین مسجد کی دوکانیں مسجد کی بنائی جاسکیں تفصیل کے ساتھ جواب دے کر عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالستار بجنوری، معلم جامع الہدیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کی زمین پر اسکول بنانا اور ہندی اسکول کی تعلیم کے لیے اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے جب کہ مسجد کو اس کا کرایہ بھی نہ مل رہا ہو، نیز مسجد کے بیت الخلاء اور استنجاء خانہ اسکول والوں کو استعمال کرنے کا حق نہیں ہے، نیز مسجد کے پیسے سے اسکول بنانا بھی ہرگز جائز نہیں ہے، لہذا زمین اور عمارت سب مسجد کے سپرد کر دینا لازم اور واجب ہوگا، اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو مسجد اور اسکول دونوں کے ذمہ داران سخت گنہگار ہوں گے۔

أنہم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف،

مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقہ اشرفی ص: ۱۱۰،

رقم: ۲۷۰، شرح المحجلة، رستم مکتبہ اتحاد ۱/۶۱، رقم المادة ۹۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۱۳۷)

## مسجد کی زمین مندر بنانے کے لیے دینا جائز نہیں

**سوال [۷۷۴۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسلمان حافظ حاجی کے گھر کے برابر میں مندر ہے، مندر والے مندر میں ایک بڑا بت رکھنا چاہتے ہیں، اور وہ مندر والے اس حافظ حاجی کو بلا کر لاتے ہیں تاکہ وہ مندر میں بڑا بت رکھنے میں اس کو کوئی اعتراض نہ ہو، کہ مندر وقف کی جگہ پر ہے، زبردستی بنا ہوا ہے اور وہ حافظ حاجی بھی مسجد کی اراضی میں ہی رہتا ہے، وقف اسکول نے اس کو دیکھ بھال کے لیے رکھا ہے، اور وہ حافظ حاجی خوف کی وجہ سے ان کو اجازت دیدیتا ہے، بت کو نصب کرنے کی کیا اس کی اجازت جائز ہے، اور وہ شرک کرنے والا ہوا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ مسلمان حافظ حاجی کے لیے وقف کی زمین کو مندر کے لیے دیدینا اور اس میں بت رکھنے کی اجازت دینا ہرگز جائز نہیں ہے، مسجد وقف سے متعلق کمیٹی اور ذمہ داران پر لازم ہے کہ مذکورہ حافظ حاجی صاحب کو مذکورہ ذمہ داری سے معزول کر کے دوسرے قابل اعتماد شخص کو ذمہ دار بنادیں، نیز وقف بورڈ سے رابطہ کر کے مسجد کے وقف کو واپس کرنے کی سعی کریں، مذکورہ اجازت سے مذکورہ حافظ صاحب مشرک نہیں ہوں گے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۴، جدید زکریا ۱۰/۴۵۲)

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾. [الحج: ۱۸]

عن ابن عمرؓ أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ وكان يقال له ثمنغ، وكان نخلًا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندى نفيس فأردت أن أتصدق به فقال النبي ﷺ: تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث. (صحيح البخارى، الوصايا باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا..... النسحة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

أن الوقف لا يجوز بيعه ولا هبة ولا يكون ميراثا. (البنایة، الوقف اشرفیہ

دیوبند ۷/۴۲۵، قدیم ۲/۹۸۵)

متولی الوقف باع شیئا منه أو رهن فهو خیانة فیعزل أو یضم إلیه ثقة.

(فتاویٰ عالمگیری، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زکریا قدیم ۲/۱۳، جدید

۲/۳۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اربع الثانی ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۶)

## مسجد کا کچھ حصہ دوکان بنانے میں لینا

**سوال [۷۷۴۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد کا وضو خانہ توڑ کر اس میں دوکانیں بنانے کا پروگرام ہے، جس سے مسجد کی آمد میں اضافہ ہوگا، اور ان دوکانوں سے وصول ہونے والی رقم کو مسجد کے اخراجات میں خرچ کیا جائیگا، لیکن اسی کے ساتھ معلوم کرنا ہے کہ وضو خانہ کی وہ جگہ اتنی نہیں ہے جس میں دوکانیں بن جائیں، بلکہ ان دوکانوں کے لیے مسجد کے صحن میں سے تقریباً ایک صف یا اس سے کچھ زیادہ جگہ لینی پڑے گی تو کیا اس صورت میں مسجد کے صحن میں سے یہ جگہ دوکانوں کے لیے لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: دوکانیں مسجد کی رہیں گی، فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور اس کی

چھت ضرورت پڑنے پر ہر نماز کے لیے استعمال ہوگی۔

المستفتی: اراکین کمیٹی جامع مسجد قریشیان ٹھا کر دوارہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کے صحن میں سے جس حصہ کو دوکان میں

لینے کا ارادہ کیا گیا ہے، اس حصہ کو دوکان میں لینا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، خدا نخواستہ اگر اس حصہ میں دوکان کے لیے عمارت بنالی گئی ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس عمارت کو توڑ



کر کے اس حصہ کو حدود مسجد میں داخل کر لیا جائے اس لیے ذمہ داران مسجد پر لازم ہے کہ جو ارادہ کیا ہے اس کو ختم کر لیں۔

قیم المسجد لایجوز له أن یبني حوانیت فی حد المسجد أو فی فناءه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته و هذا لایجوز و الفناء تبع المسجد فیكون حکمه حکم المسجد. (ہندیہ، الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یعلق به، زکریا قدیم ۲/۶۳، جدید ۲/۱۳، محیط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۱۳۷، رقم: ۱۱۳۸۲، الفتاویٰ التاتاریخانیۃ زکریا ۸/۱۷۸، رقم: ۱۱۵۶۳)

قال الفقیہ أبو اللیث لایجوز له أن یجعل شیئا من المسجد مسکنا أو مشتغلا. (فتاویٰ قاضیخان، باب الرجل یجعل داره مسجدا ..... زکریا جدید ۳/۲۰۴، وعلی ہامش الہندیۃ ۳/۲۹۳، مجمع الأنہر، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۵۹۵، قدیم

۱/۴۷۸، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۵۱، زکریا ۵/۴۲۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۳ھ

۱۴۳۳ھ/۱۱۵

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۹۳/۳۹)

## وقف کردہ مکان کو وقف تام ہونے کے بعد بدلنا

**سوال [۷۷۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مکان فی سبیل اللہ دینی مدرسہ کے لیے وقف کیا اور مدرسہ کے متولی کے قبضہ میں دیدیا، اب اس کا ارادہ اس وقف کردہ مکان کو اپنی ملکیت میں واپس لینے کا ہے اور اس جگہ دوسرا مکان یا دوکان وقف کرنا چاہتا ہے، کیا زید کا یہ فعل از روئے شرع محمدی و فقہ حنفی درست ہے یا نہیں؟ جبکہ واقف نے وقف نامہ کی شرائط میں مندرجہ عبارت تحریر کی ہے کہ:

کہ کوئی بھی متولی یا صدر قطعہ مذکورہ کو کسی طرح بھی کسی کے حق میں منتقل کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ مدلل بیان کرنے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد طاہر رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** زید کو اپنا موقوفہ مکان واپس لینے کا حق نہیں ہے، اگرچہ وہ اس کے عوض میں دوسرا مکان دے رہا ہو، ہاں البتہ اگر مدرسہ مذکورہ کے متولی اور کمیٹی کے افراد متدین ہیں اور دوسرا مکان مدرسہ کے حق میں اول مکان کے مقابلہ میں کم درجہ کا نہیں ہے تو متولی اور کمیٹی کی اجازت سے تبادلہ کی گنجائش ہے، مذکورہ شرائط کے تغیر کی گنجائش نہیں ہے۔

وَأما الاستبدال ..... بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضى. (الدرمع الرد،

الوقف، مطلب فى استبدال الوقف و شروطه، زكريا ۶/۵۸۳، كراچى ۴/۳۸۶)

والمملك يزول ..... بقضاء القاضى ..... أن يسلمه إلى المتولى و

تحته فى الشامى أى يسلم الواقف و قفه بعد أن نصب له متوليا. (شامى،

كراچى ۴/۳۴۴، زكريا ۶/۵۲۷-۵۲۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۷۳)

## مسجد کی زمین پر فافا ہی ہسپتال قائم کرنا

**سوال [۷۷۴۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شہر کی جامع مسجد کی کافی تعداد میں دوکانیں ہیں جن کا کرایہ وغیرہ مسجد اور امام و مؤذن اور دیگر تمام اخراجات کے لیے بہت کافی و وانی ہے، بلکہ کافی روپیہ مسجد کے فنڈ میں موجود ہے، جامع مسجد کا ایک موقوفہ مکان جو کہ قبلہ کی سمت کچھ دوری پر ہے اور چونکہ یہ مکان کافی پہلے کا وقف شدہ ہے، واقف کی تحریر وقف اور اس کی نیت سے متعلق کچھ موجود نہیں ہے، جامع مسجد کمیٹی کے لوگ اس جگہ پر فافا عام کے طور پر ایک ہسپتال بنانا چاہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوگی کہ اہل خیر حضرات سے چندہ لے کر تعمیر کی جائے، مسلم ڈاکٹروں کو مہیا کیا جائے، چونکہ آج کل ڈاکٹر لوگ بہت زیادہ روپیہ علاج کے نام پر لیتے ہیں، مریضوں سے اتنا

ہی روپیہ لیا جائے جتنا اس کے علاج پر ہوتا ہے، بالخصوص ہمارے اس علاقہ میں عورتوں کی ڈیلیوری کا معاملہ بڑا سنگین ہے کہ پرائیویٹ اور سرکاری اسپتالوں میں ڈیلیوری عموماً مرد ڈاکٹر ہی کرواتے ہیں، یہ اسپتال قائم کر کے لیڈیز ڈاکٹرنی رکھ کر ڈیلیوری کا معقول انتظام کرنا ترجیحات میں سے ہوگا، اسپتال کے تمام اخراجات کے بعد اگر رقم بچے تو وہ رقم ان شاء اللہ جامع مسجد کے فنڈ میں جمع کر دی جائے گی، ان حالات کے پس منظر میں:

جامع مسجد کے اس موقوفہ مکان پر اسپتال بنوایا جاسکتا ہے؟ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ شہر کا مٹی چھوٹا شہر ہے جن میں دارالاقامہ والے ۲۷ عدد بڑے مدرسہ اور کئی مساجد میں مکاتب کا انتظام ہے۔

المستفتی: عتیق الرحمن قاسمی، کامٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسئلہ صورت میں جب مسجد کی دیگر ذرائع آمدنی مسجد کے اخراجات کے لیے کافی ہیں اور ان سے مسجد کی ضروریات بحمد اللہ پوری ہو رہی ہیں، تو اراکین کا مذکورہ مکانوں کو ہسپتال بنانا اس طرح جائز ہے کہ ہسپتال کی تعمیر کے عنوان سے مسجد کمیٹی کے اراکان چندہ کر کے ہسپتال تعمیر کریں، اور ہسپتال مع عمارت مسجد کی ملک ہو، مسجد جب چاہے اس جگہ کو کسی دوسرے مصرف میں استعمال کر سکتی ہو، اس میں کسی کو اعتراض و رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہ ہو، اور جب تک وہاں ہسپتال کی جانب سے معقول کرایہ مقرر کریں، ہسپتال انتظامیہ مسجد کو حسب ضابطہ ادا کرتی رہے۔

لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيم أن يبنى فيها بيوتا فيؤجرها.

(ہندیہ، الوقف، لباب الخامس فی ولاية الوقف، زکریا قدیم ۴/۱۴، جدید زکریا ۲/۳۸۳)

قیم بیع فناء المسجد لیتجر فیہ القوم أو یضع فیہ سرراً أجزها لیتجر فیہا الناس فلا بأس إذا كان لصالح المسجد. (البحر الرائق، کتاب

الوقف، فصل فی أحكام المسجد، کوئٹہ ۵/۲۴۹، زکریا ۵/۴۱۸، ہندیہ زکریا قدیم ۵/۳۲۰، جدید ۵/۳۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۶ صفر المظفر ۱۵۳۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۵۱/۳۹)

## غیر وقف شدہ مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً ۵۳ سال پہلے مقام جھنڈنا ضلع بلاس پور ہماچل پردیس میں پہلے تو کسی گھر میں ایک مولانا نے بچوں کو دینی تعلیم دینی شروع کی بعد میں مولانا نے چندہ وغیرہ اکٹھا کر کے دو کمرے کچی اینٹ اور گارے سے تعمیر کرایا اور بچوں کو تعلیم دینے لگے، پر جس جگہ پر یہ کمرے تعمیر کیے گئے وہ زمین آبادی کے باہر ہے جس کا مالکانہ حق کسی کے پاس نہیں تھا، اس لیے اس زمین کو وقف نہیں کہا جاسکتا، ریونیور کارڈ میں اس زمین کا اندراج آبادی ہے، جس کا خسرہ ۱۶۶۱ ہے، ریونیور کارڈ میں مدرسہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، قانون کے مطابق آبادی زمین پر جو قابض ہوتا ہے اس کو ہی سرکار مالک مانتی ہے، اسی بیچ دو تین سال شروع میں لوگوں نے مولانا کو تنخواہ دی اور بعد میں تنخواہ دینے میں اپنی مجبوری ظاہر کی، جب مولانا نے لوگوں کی اجازت سے نیچے کے دو کمرے میں دوکان شروع کر دی، اور اس کے اوپر رہائش کرنے لگے، یہ سلسلہ پچھلے پچاس سال سے آج تک جاری ہے، ان پچاس سالوں میں مولانا نے مدرسے کی مرمت بھی کروائی، تین بار چھت بدلی، فرش ڈالے، اور دوسرے کئی اور رکھ رکھاؤ کے کام کیے، اسی بیچ مولانا نے تقریباً ۲۸ سال تک امامت بھی کی مگر اس کا کوئی پیسہ نہیں لیا، اب مولانا صاحب اور لوگوں کے بیچ ان کمروں کو خالی کروانے کے بارے میں فساد ہے، مولانا ان کمروں کو خالی نہ کر کے ان کی جائز قیمت یا زمین کے بدلے میں دوسری جگہ زمین دینے کو تیار ہیں، موجودہ حالت میں یہ زمین مدرسہ کی تعمیر کے

لیے کافی نہیں ہے، اس کے دونوں طرف لوگوں کے مکان بنے ہوئے ہیں، اور ایک طرف سڑک ہے اور آس پاس کوئی زمین دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اس ٹکراؤ کو چلتے ہوئے تقریباً ۲۵ سال سے زیادہ ہو چکے ہیں اور مقدمہ فساد وغیرہ ہونے کا اندیشہ ہے، یہاں کے لوگ جن کے بیچ مولانا صاحب نے ۴۸ سال سے زیادہ وقت تک امامت کی ہے کچھ اس تنازع کا پرسکون حل چاہتے ہیں، کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت لے کر اس پیسے سے کسی کھلی جگہ پر مدرسہ تعمیر کیا جائے، علماء دین ہمیں بتائیں کہ کیا ان حالات میں مولانا سے ان کمروں کی بازار کے حساب سے قیمت لے کر ان پیسوں سے دوسری جگہ زمین کا تبادلہ کر سکتے ہیں، ایسے حالات میں جب مدرسہ کی زمین وقف نہیں ہے آپ اپنی رائے دیں کہ ان حالات میں کیا کیا جاسکتا ہے؟ جس سے اس فساد کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جاسکے۔

المستفتی: نسیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ زمین مدرسہ کے لیے وقف نہیں ہے اور جب مولانا صاحب اس کے بدلے میں مدرسہ بنانے کے لیے اس زمین کی قیمت دینا چاہتے ہیں تو اس زمین کی قیمت لے کر دوسری کھلی جگہ میں مدرسہ بنالینا جائز اور درست ہوگا۔

لو غصب أرضا فبنی فیها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها. (الاشباه والنظائر ص: ۱۴۴)

و كذا لو غصب أرضا فبنی علیها أو غرس ..... یضمن صاحب الأكثر قيمة الأقل وفي الشامية تحته: أي فلو قيمة البناء أكثر یضمن الغاصب قيمة الأرض ولا یؤمر بالقلع وهذا قول الكرخي، قال فی النهاية: وهو أوفق لمسائل الباب. (شامی، کتاب الغصب، زکریا ۹/۲۸۰، کراچی ۶/۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹ شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

۱۰/۱۹/۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۰/۱۱۲۵۸)

## مدرسہ کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا

**سوال [۷۷۴۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں ایک دینی درسگاہ ہے جو قوم مسلم کی اعانت سے قائم ہوئی ہے، مدرسہ کے ذمہ دار ناظم کو اس جگہ کی تمنا تھی کہ یہ مل جائے اس جگہ میں قاری عبد اللہ صاحب کا مکان تھا یہ قاری صاحب ناظم مدرسہ کے استاذ بھی تھے، ان کی ایک وارثہ لڑکی تھی ضرورت پر اس نے ایک ہندو کو اس زمین سے متصل جگہ کو مبلغ ساٹھ ہزار روپے میں فروخت کر دی، ناظم مدرسہ کو جب معلوم ہوا تو بڑا رنج ہوا، اس لڑکی کو اس کی سسرال سے جو علیگڑھ میں تھی، بلوایا، فرمایا بیٹی تم نے اپنے والد ماجد کی اس زمین و مکان کو ایک ہندو کو بیچ دیا، جبکہ مسلمان کو دینا چاہیے تھا، اس وارثہ نے کہا کہ میں نے سب لوگوں سے کہا لیکن کسی نے نہیں لیا، بلکہ انکار کر دیا، مجھے ضرورت تھی میں نے بیچ دیا، ناظم مدرسہ نے کہا کہ ٹھیک ہے جو ہوا وہ ہوا، یہ بقیہ زمین تم ہم کو دیدو، ہم اس میں تمہارے والد مرحوم کے نام پر مدرسہ قائم کریں گے، اس وارثہ نے کہا بہتر ہے، اگر آپ میرے والد مرحوم کے نام پر جو آپ کے استاذ بھی ہیں مدرسہ کھولیں گے تو میں اس حصہ کو جو اس مکان سے بڑا بھی ہے آپ کو چچاس ہزار روپیہ میں دیتی ہوں، ناظم مدرسہ نے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن بیٹی مدرسہ میں اس وقت سرمایہ کی کمی ہے، تیس ہزار روپیہ اور چھوڑ دو، اس وارثہ کے والد ماجد کے نام مدرسہ کھولا، اور اس کا نام مدرسہ رشیدیہ ناشر العلوم رکھا، ۱۳/۱۴ سال تک مدرسہ رشیدیہ اپنی شان و شوکت کے ساتھ ۱۲ معلوموں کی خدمات سے دینی تعلیم کو نسل لکھنؤ کے نصاب پر جس میں ہندی و انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی، گویا عصری تعلیم کے ساتھ مدرسہ چل رہا تھا، ناظم مدرسہ کی وفات کے بعد ان کے وارثین نے مدرسہ رشیدیہ ناشر العلوم کی تدفین کر کے اس کی جگہ ناظم مدرسہ کے نام کے ساتھ اس کو انگلش میڈیم، میموریل کالج دیا، جہاں پر اس تعلیم سے قرآن کی آیتوں کے خلاف کہ اللہ نے فرمایا کہ بلند کرتا ہوں ان لوگوں کے درجات جو ایمان لائے، اور جو اہل علم ہیں، اسی

طرح ”خیر کم من تعلم القرآن و علمہ“ کے خلاف کفر شرک، دہریت، یہودیت و نصرانیت کی تعلیم کو اس جگہ پر دوبالا کر دیا، حتیٰ کہ ڈانس بھی لڑکیوں کا اس میں رکھ دیا، باقاعدہ پروگرام کے تحت مسلم بچیوں کی جن کی عمریں ۱۲/۱۳ سال ہیں، نچا کر دیکھ کر، دکھلا کر دوسرے دن اخباروں میں نتائج بھیجے جاتے ہیں، اللہم احفظنا منہ۔

از روئے شریعت مطہرہ جو بھی حقانی حکم ہو اس کو تحریر کیا جائے، تاکہ فتویٰ دکھا کر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

وعدہ خلافی، مدرسہ کا نام بورڈ پرائنگٹن میڈیم کے ساتھ، جگہ و مدرسہ کے نام کی تبدیلی، ڈانس ناچ وغیرہ، دوسرے دن نتائج کا اخبار میں دینا، بے غیرتی کی حد بھی کچھ ہوتی ہے۔

المستفتی: محمد ازہر خادم جامعہ ناصر العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ نے اپنے والد صاحب سے ملی ہوئی متروکہ جائیداد کو چونکہ ۳۰ ہزار میں فروخت کر دیا ہے لہذا آپ کی اس میں ملکیت باقی نہیں رہی ہے، وہ مدرسہ کی ملکیت میں منتقل ہو گئی اور اگر مدرسہ قومی چندہ کے ذریعہ سے قائم ہوا ہے تو اس کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، اس کو مدرسہ ہی رہنے دینا لازم ہے، نیز اس میں لڑکیوں کا ڈانس وغیرہ کرنا گناہ عظیم ہے۔

إن الملكة تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البيع شرائط الانعقاد.

(شرح المحملة للأناسی ۳۰۷/۲)

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض

الواقفين واجبة، زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ

۱۴۳۳/۶/۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۶۳/۴۰)

## مدرسہ کی زمین پر سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا

**سوال [۷۷۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی بنگال میں ایک مدرسہ ہے جس میں کثیر تعداد میں علاقائی و بیرونی طلبہ تعلیم پارہے ہیں اور اس کا خرچ زکوٰۃ و صدقات اور عطیات ہی سے پورا ہوتا ہے، مذکورہ مدرسہ میں کچھ سال پہلے مدرسہ ہذا کی ضرورت کے پیش نظر زکوٰۃ و صدقات عطیات ہی کی رقم سے ایک زمین مدرسہ کے متصل ہی خریدی گئی تھی، لیکن اب گاؤں کے بعض لوگ زبردستی اس زمین کو سرکار کے حوالہ کر کے ہائی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، جبکہ اس ہائی مدرسہ میں مسلم و غیر مسلم دونوں طرح کے مدرسین و ملازمین طلبہ و طالبات ہوں گے، اس سلسلے میں اختلافات چل رہے ہیں، بعض زبردستی سرکار کے حوالہ کر کے ہائی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ دینی مدرسہ کی زمین کو کسی بھی حالت میں نہیں دیا جائیگا، بلکہ دینی مدرسہ کی زمین دینی مدرسہ ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے گی؟

المستفتی: محمد اقبال مالہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ زمین مدرسہ کے لیے خریدے جانے کی وجہ سے خالص اسی دینی مدرسہ کی زمین شمار ہوگی، بریں بنا اس زمین میں ہائی سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا جائز نہیں ہے اس زمین کو خالص دینی تعلیم کے مدرسہ میں شامل کرنا لازم ہے، نیز یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے پیسہ کے ذریعہ سے زمین خریدنا فقراء اور مساکین کی حق تلفی ہے، ہاں البتہ مجبوری کے تحت دینی مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہوں کے لیے تملیک کی گنجائش ہے۔

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقہ ص: ۱۱۰)

البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناء ووقفها على تلك



الجهة يجوز بلا خلاف تبعاً لها، فإن وقفها على جهة أخرى اختلفوا فيه والأصح أنه لا يجوز. (هنديہ، الوقف، الباب الثانی فیما يجوز وقفه و ما لا يجوز.....،

زکریا قدیم ۳۶۲/۲، جدید ۳۵۳/۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

۲۴/۷/۱۴۳۱ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۴۶)

## پرانی قبروں پر مدرسہ کا بیت الخلاء بنانا

**سوال [۷۷۵۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک مدرسہ جس کے نیچے مزار شریف ہے اور دیگر قبریں بھی موجود ہیں اور اسی مزار شریف کے اوپر پاخانہ بنا ہوا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شکیل سیدی سرانے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مزار اور قبریں بہت پرانی ہیں، میت کے

گوشت و ہڈی اکثر مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے مثلاً تیس چالیس سال کی پرانی قبریں ہیں تو پھر اس کے اوپر مکان یا مدرسہ یا مسجد بنانا جائز ہے، اور اس میں ضروریات کے بیت الخلاء وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۰۳/۱۰، جدید ڈابھیل ۳۷۴/۱۵)

ولو بلسی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه و البناء علیہ.

(هنديہ، الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۶۷،

جدید ۱/۲۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۶/۳۲۶، ۳۸/۳۴۸، ۴۰/۳۳، البنايه اشرفيه

ديوبند ۳/۲۵۳، حاشية الطحطاوى على مرقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۱/۶۱۲، تبیین

الحقائق، امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶، زکریا ۱/۵۸۹، شامی زکریا ۳/۱۴۵، کراچی ۲/۲۳۸)

وإذا بلسی المیت و صار ترابا فی قبرہ جاز نبش القبر و زرعه و البناء علیہ و غیر

ذٰلک باتفاق . (الفقه علیٰ لمذاهب الأربعة، دار الفکر ۱/۵۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

کیم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۰۳)

۱۴۱۸/۳/۱ھ

## موقوفہ قبرستان میں دوکان، کارخانہ وغیرہ کی تعمیر

**سوال [۷۷۵۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کمیٹی ہذا کے زیر انتظام علاقہ صدر میں عید گاہ کے پاس ایک قبرستان ہے جو قانونی طور سے پینتالیس سال سے بند ہے:

- (۱) اس قبرستان کی چہار دیواری میں دود یوار کو آبادی گھیرے ہوئے ہے۔
- (۲) دود یوار آبادی کے گھیرے میں ایک دیوار چوڑائی کی جانب میں قبرستان کمیٹی کے مکانات میں کرایہ دار رہتے ہیں۔
- (۳) دوسری دیوار سے لگ کر دیگر لوگ بسے ہوئے ہیں جو ان کی ملکیت کی جگہ ہے۔
- (۴) باقی دود یواروں کے اندرونی حصہ میں پندرہ بیس فٹ خالی جگہ عید گاہ کے سامنے لب سڑک ہے جہاں اب کچی اور پکی قبروں کے نشانات باقی نہیں ہیں بلکہ اب وہ جگہ ہموار ہے۔
- (۵) اس خالی جگہ پر منظمہ کمیٹی ملت کے ہنرمند افراد کی فلاح و بہبود کے لیے تعمیری کام کرنا چاہتی ہے۔

(۶) ملت کے یہ ہنرمند نوجوان مناسب جگہ نہ ملنے کی بناء پر غیر محفوظ علاقوں میں بڑی دشواریوں کے ساتھ روزی حاصل کر رہے ہیں، اب یہی لوگ اس جگہ پر کارخانے کھولنے اور دیگر کاروبار کرنے کے خواہشمند ہیں۔

(۷) ایسی حالت میں اسی پندرہ بیس فٹ خالی جگہ میں تعمیری کام کرنا کس حد تک مناسب ہے، اس نازک مسئلہ پر ہم شرعی احکام کے تحت آپ کی خدمت میں فتویٰ کی صورت

میں جاننا چاہتے ہیں کہ تمام عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائے اور آئندہ ہمارے تعمیری کام میں رکاوٹ کا سبب نہ بنے۔

- (۸) اسی قبرستان میں شریکین و غیر شریکین سماجی عناصر اخلاق سوز جرم کرنے سے بھی ہانکچاتے نہیں۔  
 (۹) مذکورہ خالی جگہ پر مزید ہماری بے توجہی رہی تو آبادی میں اضافہ کے سبب رہائشی قلت سے متاثر افراد اس پر قابض ہو جائیں گے، اور مستقبل میں ہمیں پچھتانا پڑیگا۔  
 (۱۰) اسی قبرستان میں چند پرانی قبریں شکستہ حالت میں ہیں اور چند برسوں میں یہ قبریں بھی اپنے وجود کو ختم کر دیں گی، اور نشانات بھی باقی نہیں رہیں گے، تو ابھی سے ہی ان کو منہدم کر دیں تو کیا حرج ہے؟

اس سلسلے میں آپ کی خدمت میں دست بدستہ عرض ہے کہ شرعی احکام اور وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے منصوبہ بندی کے تحت تعمیری کام اور ہنرمند افراد کی فلاح بہبود اور نیک مقاصد کے پیش نظر رہنمائی فرمائیں تاکہ کمیٹی ہذا فوری طور پر کام کر سکے، امید ہے کہ ہماری درخواست پر غور و خوض کرتے ہوئے مسئلہ اور شرعی احکام کے تحت اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے، اور منظمہ کمیٹی کے تعمیر و فلاحی مقاصد پر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ممنون و مشکور فرمائیں گے۔  
 المستفتی: سیول لائنس مسلم قبرستان کمیٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** سوالنامہ میں درج شدہ وجوہات میں مذکورہ موقوفہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں نشانات قبور مٹ چکے ہوں یا شکستہ کچی کچی قبروں کو برابر کر کے ہر صورت میں مکان و دوکان اور کارخانہ وغیرہ کی تعمیر کرنا ناجائز اور حرام ہوگا، عند اللہ سخت گنہگار ہوں گے، البتہ قبرستان شدہ شدہ لوگوں کے قبضہ میں ہو جانے کا سخت خطرہ ہو رہا ہے اور میت کی تدفین بھی وہاں نہیں ہو رہی ہے تو وہاں مسجد یا دینی مدرسہ بنا دیا جائے کسی اور کام میں استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ وقف کا تاقیامت وقف ہی رہنا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۲۷/۱، جدید زیری مطول ۱۰/۵۱۳)

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعات غرض

الواقفین واجبة، کوئٹہ ۳/۶۶۴، کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۶۶۵)  
 مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلک  
 بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لایجوز  
 لأحد أن یملکها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلى  
 المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة،  
 باب هل تنبش قبول مشرکی الجاهلیة، و یتخذ مکانها مسجدا، دار احیاء التراث العربی  
 ۴/۱۷۹، زکریا دیوبند ۳/۴۳۵، تحت رقم الحدیث: ۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم  
 کتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۱۰/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۴۰/۱۳۷)

## مزار پر لینسٹر ڈال کر مدرسہ بنانا

**سوال [۷۷۵۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
 بارے میں: محلہ اصالت پورہ میں فینسی پولیس کے سامنے گلی میں تین مزار ہیں، ان کے متعلق  
 چبوترہ بھی ہے، اہل محلہ کا خیال ہے کہ مزار کے اوپر لینسٹر ڈال کر بچوں کی دینی تعلیم کے لیے  
 مدرسہ قائم کر دیا جائے، آیا ایسا کرنا از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اگر وقف کی زمین پر مذکورہ مزار ہیں تو اہل محلہ اور ذمہ  
 داروں کے مشورہ سے اور اگر زمین ملکیت کی ہے تو اس کے مالک کی اجازت سے مزار کے اوپر لینسٹر  
 ڈال کر اس کے اوپر دینی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۷۹)  
 أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة و أقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل  
 القرية بنى فيها بناء (إلى قوله) قالوا: إن كان فى المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى  
 ذلك المكان فلا بأس به. (الهندية، الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر

والخانات، والحیاض، زکریا قدیم ۲/۲۶۷، جدید ۲/۴۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

۱۴۱۷/۳/۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۸۷۷)

## کیا قبرستان میں بنائی گئی مسجد میں پڑھی گئی نمازیں واجب الاعدادہ ہیں؟

**سوال [۷۷۵۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں مسجد بنا دی گئی ہے تو اب وہ نماز جو پڑھی جا چکی ہیں وہ اعدادہ کی جائیں گی یا نہیں؟ اور وہ ادا کی ہوئی نمازیں مقبول ہوں گی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔  
المستفتی: عبدالقیوم مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر قبریں مٹ جانے کے بعد وہاں مسجد بنائی گئی اگر قبرستان کسی کی ملکیت ہو اور مالک کی اجازت سے بنائی گئی ہے تو اب تک جو نمازیں ہو گئی ہیں سب بلا کراہت درست ہو گئی ہیں اور اگر وقف کا قبرستان ہے اور وہاں تدفین کا سلسلہ بھی باقی ہے تو وہاں مسجد بنانا درست نہیں ہے، البتہ جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعدادہ لازم نہیں ہوگا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجد لم أر بذلك بأساً. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکى الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا دیوبند ۳/۳۵، رقم: ۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۸۶)

## مدرسہ کو مسجد بنانا

**سوال [۷۷۵۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک جگہ بستی والوں نے مل کر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور ایک عمارت بنائی اسی میں پنجوقتہ نماز بھی ہوتی ہے، اور بچوں کی تعلیم بھی ہوتی ہے، بستی کے سارے بچے وہاں پڑھتے ہیں، وہاں پر جگہ اتنی ہے کہ دو صفیں لگ سکتی ہیں، اب بستی والے چاہتے ہیں کہ آگے نمبر نکال کر امام کی جگہ نکال دی جائے، تاکہ پیچھے دو کے بجائے تین صفیں لگنے لگیں، تو اس مدرسہ کی عمارت کو مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں اور اس میں منارہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر واقعاً مدرسہ میں مسجد کی ضرورت ہے تو عمارت بنانے والوں کا آپس کی رضامندی سے اس کو مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے، اور اس میں منارہ بھی بنانا جائز ہے، اور ایسی حالت میں وہ عمارت مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی، لہذا اس کا احترام بھی دیگر مساجد کی طرح کرنا ہوگا، اور مسجد بن جانے کے بعد اس کی مسجدیت کو ختم کر کے عمارت مدرسہ میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۲/۴۶۶، جدید ڈائجیل ۱۵/۴۸۷)

وبہ علم أن الفتویٰ علی قول محمد فی آلات المسجد و علی قول  
أبی یوسف فی تأبید المسجد. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فیما لو حرب  
المسجد، کراچی ۴/۳۵۹، زکریا ۶/۵۴۹، البحر الرائق زکریا ۵/۴۲۳، کوئٹہ ۵/۲۵۲،  
بزازیہ جدید زکریا ۳/۱۴۴، و علی هامش الہندیہ زکریا ۶/۶۷۰، فتح القدیر، دار الفکر  
بیروت ۶/۲۳۶، کوئٹہ ۵/۴۴۶، زکریا ۶/۲۱۹، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۴۵۸، جدید

۱۰/۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۹۸)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳/۶/۱۴۲۱ھ

## مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال [۷۷۵۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مدرسہ حنفیہ تقریباً تیس پینتیس سال سے قائم ہے، اور تعمیر شدہ ہے، کچھ جگہ خالی ہے، جس کی باؤنڈری مکمل ہے، حسب دستور مدرسہ کی آراضی جو خریدی گئی تھی اس کی رقم چندہ کر کے بذریعہ حیلہ تمملیک خرچ کی گئی اور فی الحال جو دیواریں قائم ہیں وہ چندہ جو مدرسہ کے نام وصول کیا گیا اسی رقم سے تعمیر شدہ ہیں، اب کچھ محلہ کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مدرسہ میں ایک مسجد بھی تعمیر کی جائے، جس کے تعمیر ہو جانے کے بعد محلہ والوں کی تکلیف دور ہو جائیگی، تو کیا ایسا کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا کہ جگہ مدرسہ کے واسطے خریدی گئی تھی اس میں ترمیم کرنے کا حق کسی کو نہیں، نہ جانے کتنے چندہ دہندگان مر بھی چکے ہوں گے۔

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ مدرس نشس العلوم کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ خالی زمین زکوٰۃ و صدقہ واجبہ میں حیلہ تمملیک کر کے اس کی رقم سے خریدی گئی ہے تو ایسی زمین خریدنے کے لیے اگرچہ حیلہ تمملیک فی نفسہ ممنوع تھا، لیکن جب حیلہ تمملیک کر لیا گیا ہے اور اس پیسہ سے مدرسہ کے نام زمین خرید لی گئی ہے تو مدرسہ اس کا مالک ہو چکا ہے، لہذا مدرسہ ہی کے مفاد میں اس زمین کا تصرف ہو سکتا ہے، محلہ کی مسجد کے لیے درست نہ ہوگا، ہاں البتہ مدرسہ کو اس کی قیمت ادا کر کے محلہ والے خرید کر مسجد بنائیں تو جائز ہو سکتا ہے۔

لا یجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سب شرعی. (قواعد الفقہ اشرفی

دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۳۳)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۲۷

مدرسہ کے نام سے دی گئی زمین پر مسجد اور قبرستان بھی بنانا

**سوال [۷۷۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ احقر کے چچا حضرات کی کاشتکاری کی زمین تھی احقر نے ترغیب دی مدرسہ قائم کرنے کے لیے بفضلہ تعالیٰ سب حضرات نے بخوشی اس کو قبول کر کے وقف کر دیا، الحمد للہ زمین وسیع ہے اور اس جگہ نئی آبادی بھی ہو رہی ہے، اس لیے احقر یہ چاہتا ہے کہ اس زمین میں مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد اور ایک قبرستان بھی شامل ہو جائے، تاکہ طلبہ اساتذہ و متعلقین مدرسہ کے لیے یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے، کیونکہ پرانا قبرستان غیر محفوظ اور متنازع ہے، تو احقر کا یہ اقدام شرعاً کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب واقفین نے مدرسہ ہی کے نام سے زمین وقف کی ہے تو وہ زمین مدرسہ ہی کے لیے متعین ہے، اور مدرسہ کی ضروریات میں عام طور پر مسجد میں شامل ہوتی ہے اس لیے اس میں مدرسہ کے ساتھ مسجد بنانا بلا تردد جائز ہوگا، مگر قبرستان بنانا درست نہ ہوگا، اس لیے کہ مسجد اور مدرسہ واقفین کی غرض کے دائرہ میں ہے، اور قبرستان ان کی غرض کے دائرہ میں نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ص: ۱۳۷)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ۴/۴۵، زکریا ۶/۵۴۹)

بخلاف شرط الواقف لأن مخالفة كمخالفته النص. (الأشباه قديم ص: ۱۹۲)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، كتاب الوقف، كوئته ۵/۲۱۵، زکریا ۵/۳۶۰)

يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، کراچی ۴/۳۵۹، زکریا ۶/۵۴۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۱۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

۱۲/۲/۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۸)



## وقف شدہ غیر مستعمل کنواں پر مدرسہ کی تعمیر کرنا

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد بہت پرانی تھی، اور اسی سے متصل دکن طرف مدرسہ کی عمارت تھی جب مسجد کی توسیع کا ارادہ ہوا تو مدرسہ کی عمارت ختم کر کے تقریباً ۱۰ ارفٹ دکن طرف مدرسہ کی زمین میں مسجد کشادہ کرائی گئی اور مسجد کی آخری دیوار بنادی گئی کہ یہ دیوار حد فاصل ہے، اتر طرف مسجد اور دکن طرف مدرسہ ہے اور اب مدرسہ کی جدید عمارت مدرسہ کے دکن آخری باؤنڈری پر پچھم پورب بنی ہوئی ہے، پرانے مدرسہ کی عمارت مسجد میں شامل کیے جانے کے بعد اب مدرسہ کی باقی زمین اتری جانب بحیثیت صحن باقی ہے اور اسی صحن میں مسجد کی جانب مغرب و دکن مدرسہ کا بنا ہوا بیت الخلاء و پیشاب خانہ ہے اور اسی کے بالکل سیدھ میں جانب مشرق ایک کنواں تھا، جو پچیس تیس سال سے بند ہے، کیونکہ اب واٹر ورکس اور چا پاگل کے ذریعہ پانی ملتا ہے، اب موجودہ زمانہ میں کنواں کی کوئی ضرورت نہیں رہی یہ کنواں اب مدرسہ کی باؤنڈری کے اندر ہے جس پر مدرسہ کے لوگ کمرہ بنا رہے ہیں، جو لینڈنگ تک جا کر رک گیا، کہ یہ کنواں مسجد کا ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر درست نہیں، جبکہ پرانے اور عمر لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں رفاہ عام کے لیے تھا، جس سے محلہ کے ہندو و مسلمان سبھی پانی بھرتے تھے، نیز وہ لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں اس لیے یہاں بناتا تھا کہ محلہ کے لوگ اور مسجد کے لوگ بھی اس کا پانی استعمال کریں گے، اور مسجد کے اتر جانب مسجد میں چا پاگل لگ گیا ہے، جس سے مصلیان مسجد اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں اسی سے دو تین فٹ جانب اتر اور مسجد کے جانب دکن پندرہ سولہ سال قبل کا بنا ہوا ایک باورچی خانہ ہے موجودہ کمیٹی سے قبل جو کمیٹی تھی انہیں حضرات نے استنجا خانہ اور باورچی خانہ بنوایا تھا جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا اب موجودہ کمیٹی نے بند کنویں پر تعمیر شروع کی تو اس پر یہ اعتراض کہ یہ مسجد کا ہے۔

اگر سابقہ کمیٹی یہی کام کرتی تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا نیز سابقہ کمیٹی نے یہ جو باورچی خانہ بنوایا ہے تو توسیع شدہ مسجد کی آخری دیوار کی باؤنڈری جب پورب جانب مسجد کی

باؤنڈری میں ملے گی، تو یہ دیوار باورچی خانہ کے اندر سے گذرے گی، جس کا اکثر حصہ دھن جانب مدرسہ میں اور کچھ حصہ اتر جانب مسجد میں پڑے گا، اور وہ کنواں اس باروچی خانہ کے دھن دو تین فٹ کے بعد ہے جو بند تھا جس پر تعمیر کی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کنواں مسجد کا ہے یا جو بھی کنواں مسجد کے قریب ہوتا ہے وہ مسجد ہی کے لیے وقف ہوتا ہے جبکہ مسجد کے لیے وقف کا کوئی ثبوت نہیں اور کیا اس پر مدرسہ کی تعمیر شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عبداللہ غفر اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب پرانے اور معمر لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں رفاہ عام کے لیے تھا، کسی کے لیے مخصوص نہیں تھا، اور اب لوگوں کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، نیز مسجد میں پانی کا انتظام بھی ہو گیا، تو اگر اس کنواں کا واقف یا اس کی اولاد موجود معلوم ہے تو اس کو حق ہے چاہے مسجد میں دیدے یا مدرسہ میں دیدے اور اگر واقف کی اولاد میں کوئی موجود نہیں یا معلوم نہیں، تو وہ کنواں لقطہ کے حکم میں ہوگا، اور مدرسہ کی تعمیر اس پر صحیح و درست ہو جائیگی مسجد کے قریب ہونے سے مسجد کا نہیں سمجھا جائے گا۔

حوض فی محلۃ خرب فصار بحیث لاتمکن عمارتہ و استغنی أهل المحلۃ عنہ إن کان یعرف واقفہ یكون له إن کان حیا و لورثته إن کان میتا و أن کان لا یعرف واقفہ فهو كاللقطة فی أیدیہم یتصدقون به علی فقیر ثم یبعه الفقیر ینتفع بالثمن . (ہندیہ، کتاب الوقف الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یتغنی عنہا، زکریا قدیم ۲/۴۷۹، جدید زکریا ۲/۴۱۹، تاتارخانیہ زکریا ۸/۱۹۷، رقم: ۱۱۶۲۸، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۵۲، زکریا ۵/۴۲۲، الفتاویٰ البزازیہ جدید زکریا ۳/۱۴۵، و علی ہامش الہندیہ زکریا ۶/۲۷۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۴۱)

## مدرسہ کی زمین پر مسجد تعمیر کرنے کا حکم

**سوال [۷۷۵۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ مفتاح العلوم کیلئے گاؤں والوں نے ڈیڑھا ایکڑ زمین چندہ کر کے خریدی ہے جو مکمل مدرسہ کے نام پر ہے لیکن وہ جگہ شہر میں آچکی ہے، اس لیے اس جگہ کے اطراف چند مسلم احباب کے مکانات ہیں اور انہوں نے مدرسہ کے ذمہ داروں کے منع کرنے کے باوجود اس جگہ پر چندہ کر کے مسجد تعمیر کی ہے، کیا اس جگہ پر نماز درست ہوگی جبکہ مدرسہ کے ذمہ داروں نے کہا کہ آپ اس ضلع میں دوسری جگہ خرید لیں اس کی مالی امداد کے لیے مدرسہ والے آپ کا تعاون کریں گے، لیکن انہوں نے اس کو مانا نہیں، اور جبراً اس جگہ پر مسجد کی تعمیر ہوئی ہے، شرعی حکم اس سے متعلق کیا ہے؟

المستفتی: شبیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مدرسہ کی ملکیت کی زمین میں ذمہ داران کی اجازت اور مدرسہ کی ضرورت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا ایسا ہے جیسا کہ غصب کی زمین میں مسجد تعمیر کی گئی، اور غصب شدہ زمین میں مسجد تعمیر کرنے سے مسجد صحیح ہو جاتی ہے لیکن اس مسجد میں اس وقت تک نماز پڑھنا مکروہ گا، جب تک ذمہ داران مدرسہ سے حقوق مدرسہ کے لین دین کا معاملہ صاف نہ کر لیا جائے سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ جب وہاں مدرسہ بھی بننا ہے، تو مسجد کو مدرسہ کے ذمہ داروں کی تولیت میں دیدیا جائے، اور مدرسہ اور مسجد دونوں کے ذمہ دار ایک ہی ہو جائیں۔

و حکمہ: وجوب رد المغصوب إن كان قائما و مثله إن كان هالكا أو

قیمتہ. (البحر الرائق، کتاب الغصب، کوئٹہ ۱۰۸/۸، زکریا ۱۹۶/۸)

ووجوب رد عينه في مكان غصبه إن كانت باقية، والضمان لو هلك

ففى المثلى كالكيلى و الوزنى و العددى المتقارب يجب مثله، فإن انقطع المثل  
تجب قيمته. (ملقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ۷۸/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۸۴/۳۷)

۱۴۲۵/۳۷ھ

## گرام سماج کی زمین میں مدرسہ بنانا

**سوال [۷۷۵۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں عید گاہ سے متصل آبادی یعنی گرام سماج کی کافی زمین پڑی ہوئی ہے اسی میں ایک طرف سرکاری اسکول بھی بنا ہوا ہے، ہم لوگوں کی رائے ہے کہ اس گرام سماج کی زمین میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے، کیونکہ اس جگہ میلہ بھی لگتا ہے، جس سے خانہ خدا کی عظمت پامال ہوتی ہے، نیز اس میں کچھ لوگوں نے کوڑا ڈالنے اور اپنے گھورے بنانے شروع کر دیئے ہیں، اگر ہم نے وہاں مدرسہ قائم نہ کیا تو وہ زمین میلے ٹھیلے، کوڑا گوبر ڈالنے کی نذر ہو جائے گی، تو کیا ہم ایسی جگہ میں مدرسہ قائم کر سکتے ہیں، نیز اس میں موجودہ پردھان کی اجازت بھی شرط ہے یا نہیں؟ عدم اجازت کی صورت میں ہم مدرسہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** گرام سماج کے ذمہ دار کی اجازت کے بغیر وہاں مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں، اگر پردھان ہی گرام سماج کا ذمہ دار ہے تو اس کی اجازت لازم ہے۔ سلطان اذن لأقوام أن يجعلوا أرضاً من أرض الكورة في مسجدهم، ويزيدوا فيه و يتخذوا حوائيت موقوفة على مسجدهم؟ قال الفقيه أبو بكر الإسكاف: إن كانت البلدة فتحت عنوة جاز أمره. (تاتارخانیة، زکریا ۸/۱۶۰ رقم: ۱۱۵۰۷)

عن عمرو بن یثروئی قال: خطبنا رسول اللہ ﷺ فقال ألا! ولا یحل

لامرئ من مال أخیه شیء إلا بطیب نفس منه. (مجمع الأنهر، باب الغصب و حرمة مال المسلم، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۱)

عن سماک قال سمعت علقمة بن وائل یحدث عن أبیه أن النبی ﷺ: **اقطعه أرضا بحضر موت.** (ترمذی، أبواب الأحکام، باب ماجاء فی القطائع،

النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۷، دار السلام رقم: ۱۳۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۵۲)

## موقوفہ بوسیدہ قبرستان پر دینی مدرسہ بنانا

**سوال [۷۷۶۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک موقوفہ قبرستان ہے اور اس قبرستان کے ایک جانب سے سرکاری روڈ ہے، اور اس روڈ کے کنارے پر قبرستان کی زمین پر لوگوں نے مکانات بنوالیے تھے، کمیٹی کے لوگوں نے لڑ بھڑ کر ان مکانات کو ختم کر دیا، اب اس جگہ پر پیلہ قائم کر کے دینی مدرسہ کے بچوں کی تعلیم اور رہائش کے لیے کمرہ بنانے کا پروگرام ہے، یہ جائز ہوگا یا نہیں، یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جس جگہ پر کمرہ بنانے کا پروگرام ہے اس جگہ پر سیکڑوں سالوں سے تدفین عمل میں نہیں آئی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** موقوفہ قبرستان میں سیکڑوں سال سے تدفین کا سلسلہ بند ہے اور لوگوں کے ناجائز قبضہ کا خطرہ ہے، اور قبرستان کے اس حصہ میں تدفین کا سلسلہ بھی باقی نہیں رہے تو ایسی زمینوں پر مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۹۷)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنی قوم علیها مسجداً لم أر بذلک بأساً. (قولہ) فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی

المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار احیاء التراث العربی ۴/ ۱۷۹، زکریا دیوبند ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸)

والمقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملکا لأربابها فإذا عادت ملکا يجوز أن یبني موضع المسجد دارا و موضع المقبرة مسجدا. (فتح الملهم، مکتبه اشرفیه ۲/ ۱۱۸) ألا ترى أن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرا للمشركين فنبش و اتخذ مسجدا. (تاتارخانیة زکریا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، والوالحیة، مکتبه دار الإیمان ۳/ ۹۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۹ رذی الحجۃ ۱۴۳۴ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰/ ۱۱۳۴۷)

## مدرسہ کی آراضی کو مزار میں شامل کرنا

**سوال [۷۷۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی جو مدرسہ اسلامیہ کے نام سے وقف ہے اور اس میں مدرسہ میں پڑھنے والے طلبہ قیام پذیر بھی ہیں، اب کچھ حضرات اسی آراضی کو مزار شریف کی توسیع کے لیے اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں، واضح رہے کہ واقف نے متولی اول کو جو خود صاحب مزار ہیں یہ اختیار دیا تھا، کہ متولی اول ہی صرف ایک دو قبر کی اجازت دے سکتے ہیں، اب تین قبریں اس جگہ پر موجود ہیں، ان کے علاوہ متولی ثانی وغیرہ کو کسی قبر کے بنانے کا اختیار نہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ آراضی کو مزار شریف میں شامل کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ عدم جواز کی صورت میں جو لوگ بغض ہو کر اس کو شامل کرنا چاہیں تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟ مدلل و مفصل جواب دیں۔

المستفتی: اختر نوری چاند پوری بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب مذکورہ آراضی مدرسہ کے لیے وقف ہے اور واقف نے بوقت وقف صرف ایک دو قبر کی اجازت دی تھی اور تین قبریں اس جگہ پر بن گئیں تو منشا واقف کے مطابق اب آئندہ اس میں مزید قبروں کی اجازت نہ ہوگی، لہذا مذکورہ آراضی کا کوئی بھی حصہ مزید مزار کے لیے دینا اور اس میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا، مدرسہ ہی میں استعمال کرنا لازم ہوگا۔

ولايجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد. (شامی، کتاب الوقف،

مطلب: لايجوز الرجوع عن الشروط، زكريا ۶/۶۸۵، كراچی ۴/۴۵۹)

أما إذا قال الواقف على أن لفلان ولاية الاستبدال فمات الواقف لا يكون لفلان ولاية الاستبدال بعد موت الواقف إلا أن يشترط الولاية بعد وفاته، وليس للقيم ولاية الاستبدال إلا أن ينص له بذلك. (هنديہ، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف، زكريا قديم ۲/۴۰۰، جديد ۲/۳۷۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۰/زی قعدہ ۱۴۲۴ھ

۲۰/۱۱/۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۹۳)

## مدرسہ کی جگہ پر قبرستان بنانا

**سوال [۶۲-۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں ایک مہتمم صاحب نے مدرسہ کی زمین میں کمیٹی کے مشورہ سے ایک قبرستان بنایا تاکہ اگر کسی طالب علم یا استاذ کا انتقال ہو جائے تو اس میں دفن کیا جاسکے، واضح رہے کہ یہ زمین مدرسہ کے لیے لوگوں سے چندہ کر کے خریدی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مہتمم صاحب کا مذکورہ عمل کیسا ہے؟ کوئی حرج تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد عبدالقدوس مدرسہ شاہی مراد آباد

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مدرسہ کے نام سے جو چندہ کیا جاتا ہے اس چندہ کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں خرچ کرنا لازم ہے، اور مدرسہ کے چندہ کے پیسہ سے خریدی ہوئی زمین کو قبرستان بنانا جائز نہیں ہے، بلکہ اس زمین کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں استعمال کرنا لازم ہے، چاہے مدرسہ کے لیے کمرہ یا درسگاہ بنائیں یا مدرسہ کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنائیں اور اگر قبرستان بنانا ہو تو قبرستان کے لیے الگ سے چندہ کریں، یا کوئی صاحب خیر اپنی زمین دینے کے لیے بخوشی پیش کش کرے تو درست ہے، اور اس کی خلاف ورزی خیانت ہے۔

بعث شمعاً فی شہر رمضان الی مسجد فاحترق و بقی منہ ثلثہ أو دونہ لیس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع، ولو كان العرف في ذلك الموضوع أن الإمام والمؤذن يأخذ من غير صريح الإذن في ذلك فله ذلك. (البحر الرائق، کتاب الوقف فضل فی أحكام المسجد کوئٹہ ۲۵۰/۵، زکریا ۴۱۹/۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

۱۴۳۱/۲۶

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۳۷/۳۹)

## مدرسہ کو منتقل کرنا

**سوال [۷۷۶۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چند آدمیوں نے اپنی زمین اس لفظ کے ساتھ مدرسہ کو دی کہ ”ہم مدرسہ کو یہ زمین دیتے ہیں“ تو کیا اس لفظ سے زمین وقف ہوگئی یا نہیں؟۔

(۲) مدرسہ کے متصل ایک صاحب کا پلٹری فارم (مغربی فارم) ہے جس کی بدبو کی وجہ سے مدرسہ کو وہاں سے منتقل کرنا از حد ضروری ہے تو کیا اس زمین کو فروخت کر کے اس قیمت سے مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں، اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ زمین صرف کاشت ہی کے قابل رہ جاتی ہے، اور اس سے منشاء معظین فوت ہو رہا ہے حالانکہ معظین نے یہ زمین



تعلیم و تربیت کے لیے دی ہے، اور اس صورت میں زمین اس قابل نہیں رہ جاتی، اس صورت میں معطلین کو سخت تکلیف ہوگی، تو کیا زمین کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** زمین دینے والوں کا یہ کہہ کر دینا کہ ہم نے یہ زمین مدرسہ کو دی ہے اگر اس سے مدرسہ کے نام بطور وقف دینے کی نیت رہی ہو اور عرف میں بھی یہی ہوتا ہو تو ایسی صورت میں وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہوگئی ہے اور اگر اس سے مدرسہ کو بطور عطیہ دینے کی نیت رہی ہو تو وہ زمین مدرسہ کی ملکیت میں ہوگئی ہے اور سوالنامہ میں اس جگہ پر مدرسہ چلانے کی دشواریاں پیش کی گئی ہیں کہ مرغی فارم کی بدبو کی وجہ سے طلبہ اور مدرسین کا وہاں پر پڑھنا اور پڑھانا بڑا مشکل ہے اور بدبو کی وجہ سے بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں زمین چاہے وقف کی گئی ہو یا مدرسہ کی ملکیت میں دی گئی ہو دونوں صورتوں میں اس زمین کو بیچ کر اسی پیسہ سے کسی مناسب جگہ پر متبادل زمین خرید کر مدرسہ بنا لیا جائے، اور اس میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ معطلین کے مقصد اور منشاء کے مطابق جاری کر دیا جائے تو جائز ہے۔

ذکر ہلال عن ابي حنيفة إذا قال جعلت أرضي هذه للفقراء إن كان

هذا في تعارفهم وقفا كان وقفا. (تاتارخانیہ زکریا ۷/۸ رقم: ۱۱۰۶۷)

مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما يجوز إذا كان في محلة أخرى

خيرا وبالعكس لا يجوز. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستبدال،

کراچی ۴/۳۸۶، زکریا ۶/۵۸۶، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۷۶، البحر

الرائق کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳)

وكذلك سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا خربت عن انقضاء

الموقوف عليهم جاز استبدالها یاذن الحاكم بأرض أو دور أخرى تكون

وقفا مكانها. (إعلاء السنن، باب إذا خرب المسجد أو الوقف لم يعد إلى ملك الوقف

ولا يباع، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۳/۲۴۷، کراچی ۱۳/۱۱۲)

لا يجوز استبدال العامر إلا في الأربع لو شرطه الواقف (إلى قوله) الرابعة:

أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن صعقا. (الدر المختار مع الشامی، مطلب:

لايستبدل العامر إلا فی أربع كراچی ۴/۳۸۸، زکریا ۶/۵۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۶ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

۱۴۳۴ھ/۱۷

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۲۶/۴۰)

## مسجد و مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا

**سوال [۷۷۶۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک قطعہ آراضی مسجد و مدرسہ کے لیے خریدی گئی، مدرسہ اسلامیہ اسکول کے نام رجسٹری ہوئی، کل زمین اسلامیہ اسکول کے نام خریدی گئی اب وہ افتادہ پڑی ہے وہاں اس میں کسی قسم کی تعمیر نہیں ہوئی، لیکن وہاں آس پاس آبادی ہوگئی، اس وجہ سے اسے بیچ کر دوسری جگہ زمین لینا چاہتے ہیں تاکہ مدرسہ آبادی سے علاحدہ بنا کر بچوں کی تعلیم و تربیت اچھی ہو سکے، اور شہری مسموم فضا سے محفوظ رہیں تو کیا اس زمین کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوالفضل آگرہ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ زمین افتادہ پڑی ہے اور کسی قسم کی تعمیر

نہیں ہوئی ہے اور مسجد مدرسہ کے لیے وہ جگہ مناسب نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس زمین کو فروخت کر کے اس کے بدلے میں دوسری مناسب جگہ خرید کر یا تبادلہ کر کے مسجد و مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اول وہلہ میں مسجد مدرسہ کے نام سے نئی زمین کی رجسٹری کرانا لازم ہے، تاکہ آئندہ کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

مبادلة الوقف بدار آخر إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة

أخرى خيرا وبالعكس. (شامی، کتاب الوقف مطلب: فی شروط الاستبدال، کراچی

۳۸۶/۴، زکریا ۶/۶، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۵۷۶، البحر الرائق  
کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ رزی الحجہ ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۳۸/۲۰)

## مدرسہ کی زمین پر اسکول کھولنا

**سوال [۷۷۶۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زمین مسلم یتیم خانہ کے لیے وقف کردی اور چندہ کر کے لوگوں نے یتیم خانہ تیار کر لیا، اور تھوڑے ہی دنوں تک یتیم خانہ چلا تھا کہ کسی وجہ سے بند ہو گیا یا کم بچے پڑھنے لگے، تو اتنے میں اچانک زید کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد اس کے لڑکے ماجد نے اس یتیم خانہ میں اپنے باپ کے نام ایک اسکول تیار کر لیا، جس میں مسلم وغیر مسلم، سکھ عیسائی وغیرہ کے بچے تعلیم حاصل کرنے لگے، تو کیا اس یتیم خانہ کی زمین پر اسکول کھولنا اور دوسری قوم کو تعلیم دینا، اور بچوں کی فیس سے جو بھی آمدنی ہو اس کو تھوڑا بہت یتیم خانہ کے اوپر خرچ کر کے (یعنی دکھاوے کے لیے) باقی اپنی ضروریات میں خرچ کرنا اور اسکول کے نام پر سال میں ایک مرتبہ انگریزی ڈانس کرانا، جبکہ مسلمان ان حرکتوں سے ناراض ہیں، کیا صحیح ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: اور دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت وہاں کے مسلمان یہ چاہ رہے ہیں کہ اب اسکول بند ہو اور شروع سے صرف یتیم بچے یہاں پڑھیں، اور چلانے کے لیے سب تیار ہیں، لیکن ماجد کے مالدار ہونے کی وجہ سے اور بااثر آدمی ہونے کی وجہ سے لوگ کچھ نہیں بول سکتے ہیں، کہ ہم پھنس جائیں گے، اور سارا بوجھ اس پر آجائے گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** دینی تعلیم کے لیے یتیم خانہ کے وقف کی زمین

میں دینی تعلیم ہی ہونا لازم ہے، ماجد نے جو اسکول کھولا ہے وہ ناجائز قبضہ ہے، اسکول کو ختم کر کے مسلمان یتیم بچوں کی دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا جائے، واقف نے دینی تعلیم کے لیے وقف کیا ہے اور واقف کی غرض کی رعایت لازم ہوتی ہے۔

و أن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة

غرض الواقفین، واجبة کراچی ۴/۵/۴۴، زکریا ۶/۶۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۹۸)

## قبرستان میں پلر لگا کر اس پر مسجد بنانا

**سوال [۷۷۶۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نئی مسجد محلہ حیات نگر سیوہارہ میں مسجد سے ملا ہوا قبرستان ہے مسجد کو وسیع کرنے کے لیے لوگ قبرستان والوں سے اجازت لے کر قبرستان میں ستون کھڑا کر کے اوپر مسجد بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ قبرستان میں قبریں موجود ہیں، آیا قبرستان کے اوپر مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور قبر کے اوپر مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور مسجد اس کے اوپر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر محلہ حیات نگر سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ قبرستان مملوکہ ہے تو ایسی

صورت میں مالکوں کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے کہ قبرستان میں اونچے اونچے قد آدم پلر اٹھا کر اس کے اوپر لینئر ڈال کر مسجد بنالی جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ بھی جاری رہے، لہذا سوالنامہ میں قبرستان کے اوپر پلر قائم کر کے توسیع مسجد کا جو پروگرام ظاہر کیا گیا ہے وہ مالکوں کی اجازت اور فتوؤں سے حفاظت کی شرط پر جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/۵۹۳، احسن الفتاویٰ ۶/۴۰۹)

فإن قلت هل يجوز أن تبني المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها (إلى قوله) لا يجوز تملكه لأحد فمعناها على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تبتش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، وهكذافى المحيط البرهاني، المجلس العلمى ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) و المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجداً وغير ذلك. (عمدة القارى، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۹۳)

## قبرستان کی آراضی میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال [۷۷۶۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ محلہ نودھا کے ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں پر کافی دور تک کوئی مسجد نہیں ہے، نمازیوں کی آسانی کے لیے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں ہمارے محلہ میں ایک بہت پرانا سادات کا قبرستان ہے، راستہ سے متصل قبرستان کی ایسی زمین ہے جہاں کوئی قبر نہیں ہے، اور نہ ہی قبر کا کوئی نشان باقی ہے اور محلہ کے اسی نوے سال کی عمر کے معمر حضرات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی یاد میں یہاں پر کوئی قبر نہیں دیکھی اس جگہ پر ہم لوگ قبرستان کی کمیٹی اور سبھی حضرات کی رضامندی سے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، قبرستان کی اس آراضی میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اگر قبرستان کی وہ زمین جس میں مسجد بنانے کے لیے سب لوگ رضا مند ہیں اس میں ساٹھ ستر سال سے دفن کا سلسلہ بند ہے اور وہاں دفن کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں قبرستان کے تمام ذمہ داران اور کمیٹی کے افراد اور بااثر لوگوں کے اتفاق رائے سے مسجد کی تعمیر کرنا جائز اور درست ہے، اس لیے کہ مسجد بھی من جملہ اوقاف میں سے ایک وقف ہے اور عبادت کی جگہ ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و يتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۱۷۹ زکریا ۳/ ۴۳۵ تحت رقم الحدیث ۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۶۵۰۶)

## بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال [۷۷۶۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت پرانا قبرستان جس کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی جگہ ایسی نہ ہوگی جس میں کوئی قبر نہ ہو اس کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کر لی گئی ہے، کیا اس مسجد میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر فرقان علی براچہ پور سیوہارہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اگر قبریں پرانی ہو چکی ہیں اور میت کے اجزاء کے مٹی بن جانے کا غلبہ نظر ہو تو اس کو برابر کر کے مسجد بنا کر نماز ادا کی جائے تو بلا کراہت نماز

درست ہو جائے گی، چنانچہ مسجد نبوی بھی مشرکین کی بوسیدہ قبروں پر واقع ہے۔  
**قال أنس: فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه حرب وفيه نخل فأمر النبي ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخراب فسويت وبالنخل فقطع فصفو النخل قبلة المسجد.** (بخاری شریف، الصلاة باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، النسخة الهندیة ۱/۶۱، رقم: ۴۲۴، ف: ۴۲۸)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۴۹)

## بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال [۶۹۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کے شمالی جانب جہاں پر کوئی قبر نہیں ہے لیکن بعض لوگوں کا قول ہے کہ دو تین قبریں یہاں پر تھیں، اسے برابر کر کے ۱۹۸۹ء میں دوکانیں بنائی گئیں اور انہیں دکانوں پر ۲۰۱۱ء میں ایک مسجد تعمیر کی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ مسجد بنانا صحیح ہے یا نہیں اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** بوسیدہ قبرستان میں مسجد بنانا بلاشبہ جائز اور درست ہے لیکن دوکانیں بنانا جائز نہیں، اس لیے جس مسجد کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اس کے نیچے کی دوکانوں کو بھی مسجد ہی میں شامل کر لینا چاہیے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم اشرفى ديوبند ۲/ ۱۱۸)

وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: **وَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ** (الحج: ۱۸). (البحر الرائق، الوقف، فصل فى أحكام المسجد زكريا ديوبند ۵/ ۲۱، كوئٹہ ۵/ ۲۵۱، شامى، مطلب فى أحكام المسجد زكريا ۶/ ۴۷، كراچى ۴/ ۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالى اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
کیم ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶/۲۰: ۱۱۳۷)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۳۳/۱۱/۱

## قبرستان کی زمین کو مسجد میں صرف کرنا

**سوال [۷۷۷۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی جائداد کو مسجد میں صرف کرنا یا اس میں نل وغیرہ لگوانا یا آپس میں تقسیم کرنا، کمیٹی والے ہوں یا عام مسلمان ہوں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** موقوفہ قبرستان کی جائداد قبرستان کی ضرورت سے زائد نہ ہو یا وہاں قبریں موجود ہوں تو قبرستان کی جائداد کو مذکورہ تصرفات میں سے کسی میں بھی تصرف کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۳۳، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۲، فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۳۸۷)

شرط الواقف کنص الشارع الخ. (الأشباه و النظائر قدیم ص: ۱۷۰)  
أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی کوئٹہ ۳/ ۶۶۴، زکریا ۶/ ۶۶۵،

کراچى ۴/ ۴۴۵)



البتہ قبرستان اگر کسی کی ملکیت کا ہے تو اس کی اجازت سے مذکورہ تمام تصرفات جائز ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ/۱، ۲۸۹، کفایت المفتی قدیم/۷، ۱۲۳، جدید مطول/۱۰، ۵۱۲)

لو بلی المیت و صار ترا با جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه و البناء علیہ. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل في التعزير، زكريا ديوبند ۵۸۹/۱، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶، الدر المختار کوئٹہ ۱/۶۶۲، کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۴۵، البحر الرائق کوئٹہ ۱/۹۵، زکریا ۲/۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۶/۲۴)

## قبرستان کی خالی جگہ میں اتفاق رائے سے مسجد بنانا

**سوال [۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عام قبرستان ہے جو کہ پوری برادران قریش کی ہے جو اوقاف بورڈ میں بھی درج ہے، اور وقتاً فوقتاً اوقاف بورڈ والے اس کی محافظت کے لیے آتے جاتے ہیں، اسی قبرستان میں برادری کے کچھ لوگ نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور کچھ برادری کے لوگ مسجد کی تعمیر کے سخت مخالف ہیں، آیا اس صورت میں اس عام قبرستان میں مسجد بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر عام قبرستان ہے اور جہاں مسجد بنانے کا ارادہ ہے وہاں پر کوئی ایسی قبر نہیں ہے جس کے میت کے اجزاء موجود ہونے کا ظن غالب ہو اور نہ آئندہ قبرستان کو اس زمین کی ضرورت ہے تو بلا اختلاف کے تمام مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ سے مسجد بنانے کی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً (الی قولہ) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى

المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و يتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم اشرفی دیوبند ۲/۱۸۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۰۷)

## قبرستان کی افتادہ زمین میں مسجد بنانا

**سوال [۷۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسی جگہ جہاں عرصہ دراز قبل قبرستان کی جگہ آبادی میں نکل گئی تھی، اس کے باوجود لوگ دفن کرتے رہے لیکن ۲۵ سال سے اب تک کوئی نئی قبر نہیں بنی ہے، گرام پردھان کی طرف سے مسجد کے نام اس جگہ کی رسید دس سال قبل کاٹ دی گئی تھی، اور وہاں پر مسجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے، تو وہاں مسجد بنانا اور اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ زمین قبرستان کے لیے وقف تھی اور اس میں دفن کا سلسلہ مدت دراز سے ختم ہو چکا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں پچیس سال سے دفن کا سلسلہ ختم ہونے کا ذکر ہے، اور اس جگہ کے کسی کے قبضہ میں جانے کا خطرہ ہے اور غرض واقف کے مقاصد حاصل نہیں ہو پارہے ہیں تو ایسی صورت میں اس جگہ پر قبرستان کے ذمہ داروں کے مشورہ سے مسجد کا تعمیر کرنا جائز اور درست ہے اس لیے کہ اوقاف میں سے مسجد اعلیٰ درجہ کا وقف ہوتا ہے اور واقف کی غرض اور مقاصد میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلی قولہ) فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب

هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۱۷۹، زکریا

۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملہم کتاب المساجد اشرفیہ ۲/ ۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ العلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵/ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

۱۴۲۶/۲/۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۸۲)

## قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا

**سوال [۷۷۷۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: (۱) مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے قبرستان کی جگہ تین حصوں میں ہے اور قبرستان کے تینوں حصے مسلم آبادی کے بیچ میں ہیں، اور پورے قبرستان کی دیوار سے حد بندی کر دی گئی ہے، جس کی وجہ سے زمین کے ضائع ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے، قبرستان کے تینوں حصوں میں سے ایک حصہ معصوم قبرستان کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے قریب میں مسلمانوں کی آبادی تھی، جنہوں نے بائیس سال پہلے قبرستان ٹرسٹ سے معصوم قبرستان کے ایک کنارے پر پانچ چھ فٹ کے گڑھے (کھائی) پر مسجد مدرسہ تعمیر کی اجازت مانگی تھی کہ مسجد کی چھت کا کچھ حصہ اور کچھ دیواریں اور ستون اور بیت الخلاء مسمار (کمزور) حالت میں ہونے کی وجہ سے مرمت کرنے کی اجازت دی جائے اور ساتھ میں مسجد کے دونوں طرف گیلری بنانے اور جماعت کے لیے دو نئے کمرے کی اجازت دی جائے، یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ جگہ ۱۹۹۱ء میں ایک روپے کے کرائے کے ٹوکن پر دی گئی تھی۔

نوٹ: اراکین مسجد کا اجازت نامہ سوال کے پرچے کے ساتھ شامل ہے۔

سوال یہ ہے کہ (۱) جو جگہ خالص قبرستان کے نام سے وقف ہو اس کو دوسرے

ٹرسٹ کو مسجد یا مدرسہ بنانے کے لیے دے سکتے ہیں؟

(۲) ۱۹۹۱ء میں ۲۵۰ فٹ لمبی اور ۱۲۵ فٹ چوڑی جگہ اس وقت کے ٹرسٹ صاحبان

نے صرف ایک روپے کے کرائے پر مدت متعین کیے بغیر دی تھی، اتنی جگہ کو ایک روپے کے

کرائے پرائرسٹ صاحبان کو مدت متعین کیے بغیر دینے کا شریعت نے اختیار دیا ہے؟  
 (۳) اردگرد کی زمینوں کو دیکھتے ہوئے ابھی اس زمین کی قیمت (جو ایک روپے کے ٹوکن پر دی گئی ہے) کئی گنا زائد بنتی ہے تو کیا ابھی اسی ایک روپے کے کرائے کو برقرار رکھیں یا بڑھا سکتے ہیں؟

(۴) مسجد کمیٹی کے کہنے کے مطابق مسجد کے کچھ حصے کمزور ہو گئے ہیں تو کیا قبرستان ٹرسٹ صاحبان پرانی عمارت کی مرمت اور نئی تعمیر کی اجازت دے سکتے ہیں؟

(۵) قریب میں مسجد کی جگہ خرید کر مسجد بنا دی جائے، تو پرانی مسجد کے نام والی عمارت کو جب تک باقی رہے مدرسہ کی غرض میں استعمال کیا جاسکتا ہے؟

(۶) کیا قبرستان کے نام سے وقف جگہ پر مسجد تعمیر کرنا درست ہے؟  
 (۷) اور اگر عمارت بنا دی ہو تو وہ شرعی مسجد کے حکم میں شمار ہوگی، جس میں ستائیس نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے یا پھر عبادت خانہ شمار ہوگی؟

(۸) اگر عبادت خانہ شمار ہوتی ہو تو اس صورت میں عمارت پر مسجد لکھنا درست ہے یا عبادت خانہ؟

(۹) اگر عبادت گاہ ہے تو اس صورت میں سامنے زمین خرید کر مسجد بنا کر وہاں نماز پڑھنا درست ہے یا پھر عبادت گاہ میں ہی پڑھے؟ اکثر لوگ بائیس سال سے مسجد سمجھ کر ہی وہاں نماز ادا کر رہے ہیں؟

(۱۰) اگر قبرستان کے ٹرسٹ صاحبان اس جگہ کو پہلی صورت پر لانے کے لیے مسجد کمیٹی سے جگہ خالی کرنے کی گزارش کریں تو اس صورت میں ٹرسٹ صاحبان از روئے شرع گناہگار ہوں گے یا نہیں؟

(۱۱) قبرستان کے قرب و جوار میں مسجد کے لیے جگہ کا انتظام ہو سکتا ہو تو قبرستان کی جگہ کو (جو جگہ قبرستان کے غرض سے ہی وقف ہے) مسجد کی غرض میں مشغول رکھا جاسکتا ہے؟  
 آپ سے گزارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں۔

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سارے سوالات کا حاصل یہ ہے کہ قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جیسے قبرستان وقف ہوتا ہے اس سے اعلیٰ درجہ کا وقف مسجد ہوتی ہے اور قبرستان کے مقابلے میں وقف کو مسجد کا ثواب زیادہ ملتا ہے اس لیے قبرستان کی فاضل زمین پر جس میں دفن نہ ہو رہا ہو، اس پر کمیٹی کے مشورہ سے مسجد شرعی بنانا بلا تردد جائز اور درست ہے، اور پھر مسجد سے کرایہ وصول کرنا درست نہیں ہوگا تا کہ مسجد مکمل طور پر وقف علی اللہ ہو جائے اور وقف کے لیے صدقہ جاریہ بن کر کے قیامت تک ثواب کا سلسلہ جاری ہو جائے اور اس مسجد سے متصل ضمناً قرآن کی تعلیم کے لیے مکتب کا کمرہ بنایا جائے تو یہ بھی وقف ہے اور اس سے بھی صدقہ جاریہ کا ثواب وقف کو ملتا رہے گا، اس لیے وہاں کے سارے مسلمانوں کو اس بات پر متفق ہو کر مسجد کا تعاون کرنا چاہیے اور آپس میں اختلاف اور انتشار پیدا نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ مسجد نبوی جو دنیا کے سارے مسلمانوں کا مرجع ہے، پرانے قبرستان کے اوپر ہی بنی ہے اور ساتھ میں اصحاب صفہ کے لیے مدرسہ صفہ کا چبوتہ بھی اسی کے اوپر قائم ہے، ممکن ہے کہ اس جواب سے وہاں کے سب مسلمان اختلاف کو ختم کر کے مسجد کے تعاون میں متفق ہو جائیں۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربى اور ۱۷۹/۴، زكريا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ديوبند ۱۸/۲)

الثامنة فى وقف المسجد أيجوز أن يبني من غلته منارة قال فى الخانية معزيا إلى أبى بكر البلخى إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، كتاب الوقف كوثه ۵/۲۱، زكريا

دیوبند ۵/۰/۳۶ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۰/۱۱۳۰۲)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶/۱۱/۱۴۳۳ھ

## قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانے کا حکم

**سوال [۷۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے لوگوں نے آج سے تقریباً بیس برس قبل بالاتفاق قبرستان میں ایک مدرسہ کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھی تھی، لیکن اس بنیاد پر تعمیری کام شروع نہیں ہوا تھا کہ اچانک حالات میں تبدیلی آئی اور گاؤں میں اختلاف ہو گیا، اور دو فریق بنام دیوبندی و بریلوی وجود میں آگئے یعنی کچھ لوگ دیوبندیت کے نام سے موسوم ہوئے اور کچھ بریلویت کے نام سے اور دونوں فریقوں کے قبرستان ایک ہی رہے، اور بریلوی مکتب فکر نے اپنا مدرسہ الگ بنا لیا، اور دیوبندی مکتب فکر نے الگ بنا لیا، اور وہ بنیاد جو قبرستان میں رکھی گئی تھی، جوں کی توں رہی، بریلویوں نے اپنا مدرسہ مسجد میں بنا لیا اور دیوبندیوں نے الگ جگہ لے کر اپنا مدرسہ بنا لیا، اتفاق کی بات یہ ہے کہ دیوبندیوں کے مدرسہ کی جگہ اسی مدرسہ کے بالکل برابر میں ملی جس کی بنیاد سب لوگوں کے اتفاق سے رکھی گئی تھی، اور دیوبندی مکتب فکر کے مدرسہ کا نام ”مدرسہ ابی بن کعب“ رکھا گیا، اور مدرسہ ابی بن کعب کا راستہ بھی قبرستان کے درمیان سے ہو گیا اور پہلا والا مدرسہ جس کی بنیاد بیس برس قبل رکھی گئی تھی وہ سارا کا سارا بالکل مدرسہ ابی بن کعب کے سامنے آ گیا، اور مدرسہ ابی بن کعب کے طلبہ اس بنیاد کے احاطہ میں کھیلنے لگے، جو قبرستان میں رکھی گئی تھی، پھر ایک دن ایک سرکاری ملازم (پٹواری) نے آ کر دیکھا تو اس نے قبرستان کے اس حصہ کو مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان قرار دیدیا اور کاغذات میں بھی اسی طرح لکھ دیا کہ یہ زمین مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان ہے، اور اس کے علاوہ بقیہ زمین قبرستان ہے، اور اس بات کا علم لوگوں کو چند ماہ بعد ہوا اور آہستہ آہستہ

یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی، جب بریلویوں کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے تحصیل سے پورے قبرستان کے کاغذات لے لیے، اور یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ زمین مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان نہیں ہے، بلکہ یہ قبرستان کی زمین ہے، اور قبرستان ہی کی رہے گی، جب ان ساری باتوں کا علم مدرسہ ابی بن کعب کے مہتمم صاحب کو ہوا، تو انہوں نے کہا کہ میں برس قبل جب بالاتفاق یہاں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی تھی تو یہ مدرسہ ہی کی رہے گی، بھلے ہی قبرستان کی زمین میں ہو، اور میں اسے مدرسہ ہی مانوں گا، بھلے ہی اس بنیاد پر مدرسہ تعمیر نہ ہوا ہو، جب کہ گاؤں کے تمام لوگ حتیٰ کہ دیوبندی حضرات بھی حضرت مہتمم صاحب مدرسہ ابی بن کعب کے خاندان کے علاوہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب میں برس قبل والی بنیاد پر مدرسہ تعمیر نہیں ہوا تھا اور حالات خراب ہو گئے تھے، تو اب اس بنیاد کو ختم کر کے اس بنیاد کے بلے سے اور کچھ اور سامان منگا کر قبرستان کی چہار دیواری کرا دی جائے، اور مہتمم صاحب اور ان کے خاندان والے اس کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ گاؤں کے حالات اس وجہ سے کشیدگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

تو آپ سے مطلوب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں مہتمم مدرسہ ابی بن کعب کا اس طریقہ پر اپنی من مانی کرنا اور پورے گاؤں کے حالات کے خراب ہونے کا باعث بنا صحیح ہے یا نہیں؟ حالانکہ پورے گاؤں کے لوگ، خواہ وہ دیوبندی ہوں یا بریلوی، مہتمم صاحب کے خاندان کے علاوہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس بنیاد پر جب مدرسہ تعمیر نہ ہو سکے، تو اس بنیاد کو اکھاڑ کر قبرستان کی چہار دیواری کرا دی جائے، اور قبرستان کا وہ حصہ جو مدرسہ ابی بن کعب کے سامنے آ گیا ہے اور جسے مدرسہ ابی بن کعب کا کھیل کا میدان قرار دیا گیا ہے اسے قبرستان ہی رکھا جائے، واضح رہے کہ جب سے ان دونوں فرقوں (دیوبندی، بریلوی) کا وجود ہوا ہے اسی وقت سے بریلوی مکتب فکر کے قبضہ میں مسجد ہے، اور دیوبندی مکتب فکر کے قبضہ میں عید گاہ ہے اور دیوبندیوں نے اپنی مسجد اختلاف کے وقت (جو تقریباً ۱۵ یا ۱۶ برس قبل بنام دیوبندی و بریلوی ہوا تھا) الگ بنائی تھی اور آج تک جملہ وہ دیوبندی کے قبضہ میں ہے۔

لہذا آپ حضرات سے درخواست ہے کہ مذکورہ مسئلہ کو سمجھ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں مع حوالہ جات جواب عنایت فرمائیں تاکہ ضرورت کے وقت مراجعت کی جاسکے، خصوصاً

درج ذیل سوالات کے جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں:

(۱) حضرت مہتمم صاحب کا اس طریقہ پر زور دینا اور اپنی من مانی کرنا کس حد تک درست ہے؟

(۲) مدرسہ کی بنیاد جو بیس برس قبل رکھی گئی تھی اس کا اکھاڑنا کہاں تک درست ہے؟

(۳) مذکورہ فی السوال مضمون کی صورت میں حضرت مہتمم صاحب کا ساتھ دینا چاہئے

یا ان لوگوں کا جو مہتمم صاحب کے مخالف ہیں؟

(۴) مہتمم صاحب کا ساتھ دینے میں ساتھ دینے والا گنہگار تو نہیں ہوگا؟

(۵) قبرستان کی زمین میں مدرسہ بنانا از روئے شرع کیسا ہے؟ جب کہ یہ قبرستان

وقف شدہ ہے؟

(۶) مہتمم صاحب کا ساتھ نہ دینے والے لوگوں کا ملامت اور لعن طعن کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ساتھ دینے سے مراد یہ ہے کہ جس طریقہ سے مہتمم صاحب قبرستان میں وضع

شدہ بنیاد پر مدرسہ بنانے کے قائل ہیں اسی طرح دوسرے حضرات بھی ہوں، اور اس معاملہ

میں مہتمم صاحب کا تعاون کر رہے ہوں۔

المستفتی: حاجی محمد انتظار صاحب جہانگیر پور ضلع غازی آباد یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** موقوفہ قبرستان میں اگر فاضل زمین پڑی ہوئی ہے

جس میں تدفین کی ضرورت نہیں ہے یا قبرستان بالکل پرانا ہو چکا ہے جس میں تدفین کا سلسلہ

بالکل بند ہو چکا ہے تو اس میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے اس لیے کہ مسجد اور

دینی مدرسہ بھی وقف کی ہی ایک قسم ہے اور اگر قبرستان میں فاضل زمین موجود نہیں ہے جس

میں تدفین کی ضرورت نہ ہو یا پرانا بوسیدہ قبرستان نہیں ہے جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو چکا

ہو بلکہ تدفین کا سلسلہ جاری ہو تو اس میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے اور سوالنامہ سے

واضح ہوتا ہے کہ شروع میں جس جگہ پر مدرسہ کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھی گئی تھی وہ قبرستان سے



فاضل زائد زمین ہے آپس کی رنجش اور اختلاف کی وجہ سے وہ مدرسہ نہیں بن سکا اور وہ زمین خواجواہ افتادہ پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اگر اس حصہ میں مدرسہ یا مسجد بن جائے تو واقف کو صدقہ جاریہ کے اعتبار سے ثواب ملنے کا سلسلہ جاری ہو جائے، مسئلہ شرعی تو یہی ہے جیسا کہ مسجد نبوی بھی مشرکین کے پرانے قبرستان کے اوپر بنی ہوئی ہے جو ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

عن أنس بن مالک قال قدم النبي ﷺ المدينة ..... وكان يحب أن يصلى حيث أدر كنه الصلاة ويصلى في مرابض الغنم وأنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلى ملاء بنى النجار فقال يا بنى النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز وجل قال أنس فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه حرب، وفيه نخل فأمر النبي ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالحرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبله المسجد وجعلوا عضادتيه الحجارة وجعلوا ينقلون الصخر وهم يرتجزون والنبي ﷺ معهم وهو يقول اللهم لا خير إلاخير الآخرة فاغفر الأنصار والمهاجرة. (بخاری شریف، الصلاة باب هل ينش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، النسخة الهندیة ۱/۱۶، رقم: ۴۲۴، ف: ۴۲۸)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیہ دیوبند ۲/۱۸)

کاش کہ لوگوں میں اختلاف نہ ہوتا اور سیاسی رنگ نہ پکڑتا اور مسجد اور مدرسہ کی عمارت تعمیر ہو جاتی تو بہتر ہوتا، لیکن محض کھیل کا میدان قرار دینا غرض واقف کے خلاف ہے، باقی اختلاف اور فتنہ سے بچنے کا طریقہ اختیار کرنا حتی الامکان لازم ہے، کسی کا ساتھ دینا نہ دینا اس طرح ذاتیات سے متعلق کچھ لکھنا منصب افتاء کے مناسب نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۳۳)

## بہت پرانی قبروں پر مسجد بنانا

**سوال [۷۷۷۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع عتین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک آراضی پلاننگ کرنے کے لیے خریدی اس آراضی کے ایک گوشہ میں کچھ پرانی پکی قبریں بنی ہوئی ہیں، تقریباً دو ڈھائی سو گز آراضی اندازہ کر کے قبرستان ہوگی انہوں نے چھوڑ دی بقیہ فروخت کر دی، اب وہاں آبادی ہوگئی، آبادی کے لیے مسجد کی ضرورت ہے، زید نے کہہ دیا کہ اگر علماء شریعت کی روشنی میں اجازت دیں تو محلہ والے مسجد بنالیں، میں یہ آراضی مسجد کو دیدوں گا، مقامی بزرگ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی یہاں کسی کو دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اندازاً وہ قبریں لگ بھگ سو سال پرانی ہو سکتی ہیں تو کیا اس آراضی پر مسجد بن سکتی ہے؟

المستفتی: رضوان قادر دیبا سرائے سنجھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر بہت پرانی قبروں کا نشان ہے اور بڑی عمر کے لوگوں نے اپنی زندگی میں وہاں دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ بہت پرانی قبریں ہیں، لہذا وہاں کے مسلمانوں اور ذمہ داروں کے مشورہ اور اتفاق سے، یا اس زمین کے مالک کی اجازت سے اس کے اوپر مسجد بنانا شرعی طور پر جائز ہے اور حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی جس جگہ پر بنی تھی وہ بھی اسی طرح پرانی قبروں کی جگہ تھی۔

هل يجوز أن تبني المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن

القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة،

باب ہل تنبش قبور مشرکی الجاہلیة و يتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴،  
زکریا ۳/۳۵ ۴۲۸: رقم، فتح الملہم کتاب المساجد اشرفیہ ۱۱۸/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲ صفر المعظم ۱۴۲۹ھ  
الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۲/۲/۱۴۲۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۴۹)

## مملوکہ قبرستان میں توسیع مسجد با جازت مالکان

**سوال [۷۷۷۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری ملکیت کا آبائی قبرستان واقع سرانے حسینی بیگم متصل مسجد کھجور والی میں لوگ قبریں منہدم کر کے مسجد کی توسیع کر رہے ہیں، اس ذیل میں آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ شریعت محمدی کے تحت اس اقدام کا کیا جواز ہے فریقین متفق ہیں کہ اس مسئلہ کا فیصلہ آنجناب کے فتوے پر ہوگا؟

المستفتی: مظفر الدین محمد نئی پستی محمد روڈ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب قبرستان ملکیت کا ہے تو مالکان قبرستان کی اجازت سے توسیع مسجد میں شامل کر لینا درست ہے جبکہ قبروں میں میت کے اجزاء باقی نہ رہنے کا ظن غالب ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۴۸۹، جدید ڈائجسٹ ۱۴/۵۱۱، کفایت المفتی قدیم ۱۲۳/۱، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۲)

لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه والبناء علیہ. (تبيين الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، قبیل فصل فی التعزیه، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۴۶۲، زکریا دیوبند ۱/۵۸۹، الدر مع الرد کوئٹہ ۱/۶۶۲، کراچی ۲/۲۳۳، زکریا ۳/۳۸، البحر الرائق کوئٹہ ۲/۹۵، زکریا ۱/۲۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۴ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۶۰)

## بوسیدہ قبروں کو مسجد کی توسیع میں داخل کرنا

**سوال [۷۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غالباً دو سال پرانی آراضی قبرستان کی ہے، جس میں قبرستان قائم ہے حد بندی کیساتھ، اور لوگ یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد، اعزہ و اقرباء یہاں پر مدفون ہیں اس کے قریب مسجد ہے اس مسجد کو شہید کر کے پندرہ فٹ آراضی قبرستان کی لے کر مسجد کی توسیع کی جا رہی ہے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ قبرستان کی آراضی مسجد میں لے سکتے ہیں یا نہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: پھنقد خاں سالار پور پوسٹ اتر اسی کلاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر قبرستان بوسیدہ ہو گیا ہے جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے تو مالک کی اجازت سے قبرستان کی جگہ کو مسجد کی توسیع میں شامل کرنا شرعاً درست ہے۔  
جاز زرعه والبناء علیہ إذا بلی وصار ترابا. (در مختار علی الشافعی، کتاب الصلاة،

باب صلاة الجنائز، مطلب: فی دفن الميت، زکریا ۳/۴۵، کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۲۳۳،

الموسوعة الفقهية الكويتية ۶/۳۲۶، ۳۴۸/۳۸، ۳۴۸/۴۰، ۱۳۳/۴۰، البنایة اشرفیہ دیوبند ۳/۲۵۳)

**فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور

مشرک کی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، دار احياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۳۵،

رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

۱۵/۱/۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۰۲/۳۵)

## پرانے قبرستان میں مسجد بنا کر نماز پڑھنا

**سوال [۷۷۷۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جہاں پر تقریباً پینتیس سال قبل قبرستان تھا، اب وہاں پر مسجد ہے جس میں نماز پڑھنا جگانہ ادا کی جاتی ہے اب عوام کا کہنا ہے کہ یہ جگہ قبرستان کی ہے، لہذا اس میں نماز پڑھنا کیسے جائز ہوگا؟ وہاں پر مسجد کا بننا کیسا ہے؟ اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟  
المستفتی: محمد اعظم ٹانڈہ بادی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** پرانا قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہو اس میں مسجد تعمیر کرنا بلاشبہ اور بلا تردد جائز ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنا بلاشبہ اور بلا کراہت جائز اور درست ہے، چنانچہ مسجد نبوی جس میں ریاض الجنت بھی شامل ہے، پرانے قبرستان کے اوپر تعمیر کی گئی ہے اس میں جو قبریں تھی ان کو برابر کر دیا گیا اور کھجور کے پرانے بیڑ بھی تھے ان کو کاٹ کر کے مسجد نبوی کے لیے ستون کا کام لیا گیا تھا، لہذا بوسیدہ قبرستان کے اوپر تعمیر مسجد کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

عن أنس بن مالك قال قدم النبي ﷺ المدينة ..... وكان يحب أن يصلي حيث أدر كتفه الصلاة ويصلي في مرائب الغنم وأنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلى ملاء بنى النجار فقال يا بنى النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا: لا والله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز وجل قال أنس فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه خرب وفيه نخل فأمر النبي ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبله المسجد وجعلوا أعضادتيه الحجارة وجعلوا ينقلون الصخر وهم يرتجزون والنبي ﷺ معهم. (بخارى شريف، الصلاة باب هل نبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، النسخة الهندية ١/١٦١، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

هل يجوز أن تبني المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقفنم أوقف المسلمين لدفن موتاهم

لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/ ۱۸۱) إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامى، الوقف، مطلب: مراعات غرض

الواقفين واجبة، كوئته ۳/ ۴۶۴، كراچى ۴/ ۴۴۵، زكريا ۶/ ۶۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالى أعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

۱۲/۱۲/۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۹۰/۳۹)

## قبرستان کی خالی زمین پر عبادت گاہ بنانا

**سوال [۷۷۷۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی آراضی میں مسجد یا عید گاہ بنانا چاہتے ہیں اور نعشیں دفن ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن کچھ حصہ میں پندرہ بیس سال سے کوئی نعش دفن نہیں ہوئی تو اس خالی حصہ میں عبادت گاہ بنانا اور اس میں نماز فرض یا واجب ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران الحق خادم معارف القرآن، گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کا جو حصہ تدفین سے خالی پڑا ہوا ہے اور آئندہ بھی اس کی ضرورت نہیں تو قبرستان کی کمیٹی اور ذمہ داران کی اجازت سے اس حصہ پر مسجد یا عید گاہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، اور نماز فرض و واجب کا ادا کرنا بھی درست ہے۔

هل يجوز أن تبني المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن

القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن

موتاہم لایجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و يتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا ۳/۳۵،

رقم: ۴۲۸، فتح الملہم کتاب المساجد اشرفیہ ۱۱۸/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ  
۱۲/زی قعدہ ۱۴۲۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۴۸)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۳/۱۱/۱۴۲۳ھ

## پندرہ سال پرانی قبروں کو ختم کر کے مسجد بنانا

**سوال [۷۷۸۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان میں ایک مسجد پہلے سے آباد ہے جو نماز جمعہ کے لیے نا کافی ہے، مسجد کی توسیع ہو رہی ہے، محراب کے بائیں جانب تقریباً دس پندرہ سال پرانی تین کچی قبریں ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ قبروں کو ختم کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں، موجودہ محراب کو جو اس وقت بیچ میں نہیں ہے باقی رکھا جائے یا ختم کر کے درمیان میں کر دیا جائے، جہاں قبریں بنی ہوئی ہیں؟

المستفتی: اشراق احمد آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفیہ قبرستان میں مسجد بنی ہوئی ہے جن قبروں کا سوالنامہ میں ذکر ہے اگر ان قبروں کے اندر میت کے مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو اور ان کے اقرباء یا دیگر کسی کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو تو ایسی صورت میں قبرستان کے ذمہ داروں کی مرضی سے اور میت کے وارثین کی بھی مرضی سے ان قبروں کو برابر کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز اور درست ہے، اور محراب مسجد کی اگلی صف کے بیچ میں ہونا مسنون ہے۔

إن الميت إذا بلى فصار تراباً جاز زرعه و البناء عليه. (ہندیہ، الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۶۷، جدید ۱/۲۲۸، شامی زکریا ۳/۱۳۸، کراچی ۲/۲۳۳، ۲۲۳۸)

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و يتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملہم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/۱۸۱)

إن المحراب إنما بنى علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة. (شامی زکریا ۲/۴۱۴، کراچی ۱/۶۴۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۶/۱۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۳/۴/۱۴۳۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۷۶/۴۰)

## قبرستان یا میونسپل بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

**سوال [۷۷۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جو آراضی قبرستان کے لیے وقف کی گئی ہو اور اس میں لوگوں کو دفن کیا جاتا ہو اس میں بغیر واقف کی اجازت کے مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) جس آراضی کا مالک گرام سماج یا میونسپل بورڈ ہو اس جگہ پر مسجد تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں، ان دونوں اداروں میں برداران وطن اور مسلمان دونوں شامل ہوتے ہیں ایسی صورت میں صرف مسلم ممبران کی اجازت کافی ہوگی یا دونوں کی اور اس جگہ کو بغیر معاوضہ لینا



درست ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ قبریں نہ ہوں بلکہ امام جس جگہ کھڑا ہوگا اس کے سامنے قبریں موجود ہوں مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حسن مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) اگر واقف زندہ ہے اور وہ تعمیر کی اجازت نہیں دیتا ہے یا واقف زندہ نہیں ہے لیکن پوری زمین صرف قبرستان کے لیے وقف ہوئی ہے اور پورا قبرستان اب بھی دفن کے کام میں آ رہا ہے ایسا نہیں کہ قبرستان بوسیدہ ہو چکا ہو اور تازہ دفن بھی نہ ہوتا ہو بلکہ تازہ دفن کا سلسلہ باقی ہے تو ایسے قبرستان میں مسجد بنانا غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض

الواقفین واجبة، کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۶۶۵)

(۲) گرام سماج کی زمین اس کی اجازت کے بغیر اور میونسپل کی زمین اس کی اجازت کے بغیر تعمیر مسجد کے کام میں لانا جائز نہیں ہے، اگر تعمیر کر لیا ہے تو کسی طرح اجازت حاصل کرنا یا قیمت ادا کر دینا لازم ہے۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغیر إذنه. (قواعد الفقہ اشرفی

ص: ۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة، رستم مکتبہ اتحاد ۱/۶۱، رقم المادة ۹۶)

(۳) جہاں مسجد بنانے کا پروگرام ہے اگر وہ زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اور نہ ہی وہاں پر کوئی ایسی قبر ہے جس کے اعضاء خاک نہ ہوئے ہوں تو وہاں مسجد بنانے کی گنجائش ہے اور محراب کے سامنے اگر قبریں ہیں تو سامنے اگر دیوار حائل ہو جائے تو نماز میں کسی قسم کی کراہت لازم نہ آئے گی، ہاں البتہ دیوار حائل نہ ہو بلکہ کھلا چھوڑ دیا جائے تو نماز میں کراہت آئے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ رقم ۱/۲۸۷، جدید ڈائجیل ۱۵/۳۵۰)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر

بذلک بأسا. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملہم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/۱۱۸) فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۹۵)

## قبرستان میں مسجد یا کار پارکنگ بنانا

**سوال [۷۷۸۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قطعاً قبرستان جس میں تقریباً ۶۰/۶۰ سال سے کوئی دفن نہیں ہوا ہے اور ایک عرصہ سے وہاں مچھلی بازار اور کبوتر بازار بھی لگتا ہے اس کی چہار دیواری کرا دی گئی ہے اب وقف کمیٹی کے لوگ پلر کھڑے کر کے لینٹریڈال کراس پر کمرے بنا کر ایک دینی مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، نیچے کچی زمین پر کار اسکوٹر پارکنگ بنانا چاہتے ہیں تاکہ مسجد و مدرسہ کے اخراجات پورے ہوتے رہیں، تو کیا یہ جائز ہے اور بہتر ہے اگر بہتر نہیں ہے تو اور کوئی راستہ بتائیں، اگر ہم اس جگہ کو خالی چھوڑتے ہیں تو کچھ لوگ اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟

المستفتی: نجم الحسن تمبا کووالان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جس مقوفہ قبرستان میں تقریباً ۶۰/۶۰ سال سے مردوں کے دفن کرنے کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبرستان کے اس حصہ کے اسی طرح خالی پڑے رہنے کی صورت میں وقف کمیٹی کے باہم مشورہ سے وہاں دینی مدرسہ یا مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، اور چونکہ مذکورہ قبرستان مقوفہ ہے اس لیے وہاں کار پارکنگ بنانا جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ واقف کی منشاء کی خلاف ورزی ہوگی، جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے ہاں البتہ نیچے کے حصہ کو بھی مدرسہ یا مسجد کے حصہ میں شامل کرنا جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف ہوتا ہے اسی طرح مسجد

بھی وقف ہوتی ہے، اور مدرسہ بھی وقف کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۵/۳۵۹)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني قوم عليها مسجدا لم أر  
بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم  
لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها  
إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز  
تمليكه لأحد فمعناها على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تبيش  
قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/۱۷۹، زكريا  
۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/۱۱۸)

وأما المقبرة الدائرة إذا بينى فيها مسجد ليصلى فيه فلم أر فيه بأسا،  
لأن المقابر وقف وكذا المسجد فمعناها واحد. (عمدة القارى، دار إحياء  
التراث العربى ۴/۱۷۴، زكريا ۳/۴۳۵، تحت رقم الحديث ۴۲۸)

سئل الأوزجندى عن المقبرة فى القرى إذا اندرست ولم يبق فيها أثر  
الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا! ولها حكم  
المقبرة. (فتاوى عالمگیری، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر والخانات، زكريا  
قديم ۲/۴۷۰، ۴۷۱، زكريا جديد ۴/۴۱۶، الفتاوى التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۹، رقم:  
۱۱۶۰، المحيط البرهاني، المجلس العلمى ۹/۱۴۵، رقم: ۱۱۴۱۴)

شرط الواقف كنص الشارع فى وجوب العمل به وفى المفهوم  
والدلالة. (قواعد الفقه اشرفى ديوبند ص: ۸۵، رقم: ۱۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ  
الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۴/۲/۱۴۳۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۱۶/۳۹)

**قبر برابر کر کے مسجد کی صف میں شامل کرنا**

**سوال [۷۷۸۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک مسجد بنائی ہے اور وہ مسجد قبرستان کے کنارے ہے اور مسجد کے آگے ایک قبر ہے کیا اس کو برابر کر کے صف بنا دی جائے اور اس کے اوپر نماز ہوگی یا نہیں؟ قبر توڑ کر مسجد کے حدود میں داخل کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد مشتاق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر اس قبر کے اندر میت کے مٹی بنجانے کا ظن غالب ہو چکا ہے بایں طور کہ قبر بہت پرانی ہے تو قبرستان کے ذمہ داران کی اجازت سے اس کو برابر کر کے مسجد میں شامل کر لینے کی گنجائش ہے نیز اس کی وجہ سے آپس میں کسی قسم کا فتنہ بھی نہ ہونا چاہیے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا ۴۳۵/۳، رقم: ۴۲۸، فتح

الملہم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۱۱۸/۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰/۱۱/۱۴۱۲ھ

۱۰/۷/۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۲۷)

## قبرستان میں مسجد و مدرسہ کی تعمیر کی شرعی حیثیت

**سوال [۷۷۸۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میرے گاؤں میں دو قبرستان ہیں، ایک قبرستان گاؤں کے بالکل متصل ہے بلکہ اب آبادی کے درمیان آچکا ہے جس میں آج سے تقریباً پچیس تیس سال قبل تدفین عمل میں آئی تھی، گاؤں کے قریب والے قبرستان میں لوگوں کے گندگی پھینکنے کی وجہ سے اس میں تدفین کا عمل عرصہ تیس سال سے موقوف ہے، اور اب ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ دوسرا بڑا قبرستان صاف ستھرا تدفین کے لیے گاؤں سے تھوڑی ہی دور پر موجود ہے، تو کیا اس

قبرستان میں مسجد ودینی مدرسہ تعمیر کر سکتے ہیں، جہاں پر اب قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں، جس میں لوگ غلاظت اور گندگی پھیلتے ہیں اور گھور لگاتے ہیں، اور گاؤں کی آبادی کافی وسیع ہو رہی ہے، اس عرصہ میں چند سالوں سے اس علاقہ میں تعمیر مسجد کے لیے جگہ کی تلاش جاری ہے تو اس قدیم قبرستان پر جہاں قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں اور نہ اس میں تدفین ہوتی ہے اگر مسجد ودینی مدرسہ تعمیر کرتے ہیں تو یہ قبرستان غلاظت و گندگی اور ناجائز قبضوں سے محفوظ ہو جائے گا، اور نمازیوں کے لیے مسجد کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی، حکم شرع باحوالہ کتب فقہ سے واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد آزاد بیگ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس قبرستان میں ۳۰/۲۵ رسال سے تدفین کا عمل

نہیں ہوا ہے اور نہ ہی اس میں آثار قبر موجود ہیں بلکہ وہ مٹ چکے ہیں اور اس کو کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ بنا لیا گیا ہے تو اس جگہ میں مسجد اور دینی مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہے۔

فإن قلت: هل يجوز أن تبني المساجد على قبور المسلمين؟ قلت:

قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فاذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.

(عمدة القاری، الصلاة، باب هل تبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱/۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملمہ، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/۱۱۸، ہکنا فی فتاویٰ التاتاریخانیہ زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۰۵۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

۱۴۳۳/۱/۲۰

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۴۱)

## ۳۱ رسال سے خالی پڑے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنانا

**سوال [۷۷۸۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان محلہ بروالان دھر گھاٹ اشی کل اسکول رام گنگا کے کنارے واقع ہے، ۱۹۸۰ء کے فساد میں اس قدیم قبرستان میں فرقہ پرست عناصر نے لوگوں کو تدفین کرنے سے روک دیا اور آس پاس کے زیادہ تر مسلمان یہ علاقہ چھوڑ کر دوسری جگہوں پر چلے گئے، تقریباً ۳۱ رسال سے اس قبرستان میں کوئی تدفین نہیں ہوئی، اور قبرستان کے کچھ حصہ پر غیر مسلموں نے ناجائز مکانات تعمیر کر لیے، باقی بچی آراضی پر کوڑا کباڑا پھیلا دیا، پرانی قبریں اس وجہ سے مفقود ہو گئیں ہیں۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ قبرستان کے دوسرے کنارے پر ۲۶۰ گز جگہ مزید قبرستان کے لیے ہے کیا اس جگہ کے کچھ حصہ پر مسجد اور دینی مدرسہ تعمیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ۲۶۰ گز زمین میں کوئی بھی قبر نہیں ہے، تو کیا شریعت رو سے مسجد و مدرسہ تعمیر ہو سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** پرانا قبرستان جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو چکا ہو اس میں مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنا بلاشبہ جائز ہے، اسی طرح قبرستان کی وہ جگہ جس میں ابھی تک تدفین نہ ہوئی ہو اور وہ جگہ خالی پڑی ہو اس میں بھی مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عن أنس بن مالك قال قدم النبي ﷺ المدينة ..... وكان يحب أن يصلي حيث أدر كتبه الصلاة ويصلي في مرائب الغنم وأنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلى ملاء بنى النجار فقال يا بنى النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا والله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز وجل قال أنس فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين فنبشت ثم بالخراب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبله المسجد وجعلوا عضاديته الحجارة وجعلوا ينقلون

الصخر وهم يرتجزون والنبی ﷺ معهم . (بخاری شریف، الصلاة باب هل نبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، النسخة الهندیة ۱/۶۱، رقم: ۴۲۴، ف: ۴۲۸) لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن یملکها فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمین . (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیة ۲/۱۱۸، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۹۴/۳۹)

## قبر کو مسما کر کے اس پر مسجد یا مدرسہ بنانا

**سوال [۷۷۸۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: قبر کو مسما کر کے اس کے اوپر مسجد یا مدرسہ یا مکان بنوانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبر کو مسما کر کے اس پر کسی قسم کی تعمیر کرنا ناجائز نہیں

ہے، البتہ اگر وہاں عرصہ دراز سے اموات دفن نہ کیے جاتے ہوں اور زمین بھی مملوکہ ہو تو ایسی صورت میں مالک یا ذمہ دار حضرات وہاں مسجد یا مدرسہ یا مکان وغیرہ کسی بھی طرح کی تعمیر کر سکتے ہیں اور اگر وہ قبرستان موقوفہ ہو اور طویل عرصہ سے اس میں مردے بھی دفن نہ ہوتے ہوں تو اہل محلہ کی اتفاق رائے سے وہاں صرف مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے اور ذاتی تصرف

کر کے وہاں مکان وغیرہ بنوانا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۶، ۱۹۷/۱، جدید ڈائجیل ۳۵۳/۱۵، امداد الفتاویٰ ۲/۹۷، احسن الفتاویٰ ۶/۲۰۹)

لو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه و البناء علیہ۔ (تبيين الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، قبیل فصل فی التعزیه، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶، زکریا دیوبند ۱/۵۸۹، الدر مع الرد کوئٹہ ۱/۶۶۲، کراچی ۲/۲۳۳، زکریا ۳/۱۳۸، البحر الرائق کوئٹہ ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و يتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/۱۱۸، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۳/۷/۱۴۱۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳/رجب المرجب ۱۴۱۷ھ  
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۲/۵۹۴۵)

## پرانے قبرستان میں مدرسہ و مسجد قائم کرنا

**سوال [۷۷۸۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعہ آراضی ہے جو پہلے کبھی قبرستان تھا لیکن ایک صدی سے زائد عرصہ سے اس زمین میں تدفین کا عمل بند ہے اس زمین کا خسرہ نمبر ۴۷۲ ہے، اس نمبر کی



آراضی میں ایک مسجد اور مدرسہ ہے وقف بورڈ میں مدرسہ و مسجد کا وقف نمبر تو ملتا ہے مگر یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کیا ہے یا نہیں؟

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ آراضی مسجد و مدرسہ وقف کہلائے گی مذکورہ آراضی کو مدرسہ و مسجد کے لیے کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

المستفتی: اقرار احمد محلہ ملکان کرپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جیسے قبرستان وقف ہوتا ہے ایسا ہی مسجد اور مدرسہ بھی وقف ہوتے ہیں، لہذا ابوسیدہ قبرستان میں جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر شرعی طور پر جائز اور درست ہے اور وقف بورڈ میں ان زمینوں کا صرف وقف کے طور پر مل جانا کافی ہے، مسجد اور مدرسہ کی تفصیل کی ضرورت نہیں، بخاری شریف میں روایت ہے کہ مسجد نبوی بھی پرانے قبرستان میں ہی تعمیر ہوئی ہے اس لیے مسجد اور مدرسہ جس حالت میں ہیں اسی حالت میں باقی رکھنا ضروری ہے اور ہر مسلمان کو مسجد اور مدرسہ کا تعاون کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت، ۱۵، ۱۵۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/۱۱۸، ہکذا فی فتاویٰ التاتاریخانیة زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرہانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ رزی الحجہ ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۳۴/۴۰)

## افتادہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا

**سوال [۷۷۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان ہے اس قبرستان کے چاروں طرف غیر مسلموں کی آبادی تھی اس وقت بھی اس قبرستان میں مردے دفنائے جاتے تھے کچھ لاوارث مردے دفن ہونے کی وجہ سے اور ان کی دہشت اور بدبو کی وجہ سے اس وقت کے غیر مسلموں نے ضلع مجسٹریٹ کو درخواست دی (اس میں لکھا تھا کہ اس قبرستان کے آس پاس کوئی بھی مسلمان نہیں ہے، بدبو دار مردے دفن ہونے کی وجہ سے ہمارے بچوں میں دہشت اور خوف بیٹھ گیا ہے) اسی وجہ سے ضلع مجسٹریٹ نے مردے دفنانا بند کر دیا تھا، جو اب موجودہ حالات میں قانون کی طرف سے کوئی روک نہیں ہے، اب اس قبرستان کے ارد گرد مسلمانوں کی آبادی پھیل گئی ہے کچھ لوگوں نے شہادت دی کہ اہل محلہ کی جانب سے اس قبرستان میں صفائی کا کام چل رہا ہے تاکہ دوبارہ مردوں کو دفنایا جائے، اہل محلہ کے بچپس فیصد لوگ قبرستان چاہتے ہیں اور کچھتر فیصد لوگوں کی رائے ہے کہ: (۱) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کراہل محلہ کے لیے شادی ہال بنایا جائے۔

(۲) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر دینی مدرسہ بنایا جائے۔

(۳) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کرا سکول بنایا جائے۔

یہ قبرستان تقریباً چالیس سال سے بند تھا اس قبرستان کے چاروں طرف گندے پانی کے پرنا لے کھلے ہوئے ہیں لوگ، اپنی دیگر ضروریات کی چیزیں گائے، بھینس، جزیٹرو وغیرہ قبرستان کی جگہ پر استعمال کر رہے ہیں، یہی کچھتر فیصد لوگوں کی رائے ہے، قبرستان کا خسره نمبر ۱۸۱ ودف ۹۸۳ ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان اگر افتادہ ہو جائے اور اس میں تدفین کی

ضرورت نہ ہو یا تدفین کا سلسلہ بند ہو جائے تو ایسے قبرستان میں صرف مدرسہ اور مسجد قائم

کرنے کی اجازت ہے، اور ذمہ داران قبرستان کے مشورے سے ایسا کرنے کی گنجائش ہے کہ پلر قائم کر کے اوپر مسجد یا مدرسہ قائم کر لیا جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ جاری رہے، اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف کی قسم میں سے ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف کی قسم میں سے ہیں، لیکن قبرستان کو پاٹ کر اس کے اوپر شادی ہال بنانا یا ہسپتال بنانا، یا اسکول بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تینوں چیزیں وقف کی قسم میں سے نہیں ہیں، اور مسجد و مدرسہ وقف کی قسم میں سے ہیں اس لیے ان کی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين . (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/۱۱۸، ہکذا فی فتاویٰ التاتاریخانیة زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرہانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۵۰/۷۷)

## بوسیدہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا

**سوال [۷۷۸۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبر سے ٹیک لگانا اور اوپر چڑھنا منع ہے مگر پرانے قبرستان میں کاشت ہو جاتی ہے اور مسجد و مدرسہ بھی تعمیر ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں ان مردوں کو تکلیف نہیں ہوتی ہوگی، اور کیا وہ مردے کہیں اور منتقل ہو جاتے ہیں؟

(۲) پرانے قبرستان جہاں پر قبریں ظاہر نہ ہوں تو وہاں پر مسجد و مدرسہ یا دوکان و مکان بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) ان مردوں کا تعلق اس مٹی کے ساتھ ہوتا ہے چاہے اس پر عمارت ہی کیوں نہ تعمیر کر لی گئی ہو قیامت کے دن وہ وہیں سے اٹھائے جائیں گے، لیکن عالم ثانی و برزخ میں تکلیف و راحت کا تعلق اصالتاً روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم کو جو مٹی بن چکا ہوتا ہے اس کا احساس نہیں ہوتا ہے، اسی وجہ سے عمارت بنانے اور کھیتی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

کما استفید من الشامی: لو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه و البناء علیہ. (تیسین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، قبیل فصل فی التعزیه، مکتبہ امدادیہ ملتان ۶/۱، ۲۴، زکریا دیوبند ۱/۵۸۹، الدر مع الرد کوئٹہ ۱/۶۶۲، کراچی ۲/۲۳۳، زکریا ۳/۱۳۸، البحر الرائق کوئٹہ ۲/۱۹۵، زکریا ۱/۳۴۱)

(۲) ایسے پرانے قبرستان ہوں کہ ان میں دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبریں بھی سب پرانی ہو چکی ہیں تو اس میں ذمہ داران قبرستان کے مشورہ سے مسجد یا مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے، مگر مکان اور دوکان بنانا جائز نہیں ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين (إلى قوله) جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد، دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملہم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۲/۱۱۸، ہکذا فی فتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البیروانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

۲/۴/۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۹۶)

## دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مردے دفن کرنا یا مسجد بنانا

**سوال [۷۷۹۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے تقریباً ۸۰ سال قبل گاؤں سے باہر کچھ زمین تقریباً تین بیگھہ ہندو مسلمان زمینداروں کی تھی، طاعون کے زمانہ میں بغیر زمینداروں کی اجازت کے اس میں کچھ لوگوں نے مردے دفن کرنے شروع کر دیئے، زمینداروں نے اس پر اعتراض کیا آخر مقدمہ قاضی عبدالغنی صاحب کے یہاں کر دیا، انہوں نے قبرستان تسلیم نہیں کیا اس کے بعد مان سنگھ مجسٹریٹ کے یہاں مقدمہ کر دیا انہوں نے مردے دفن کرنے کی اجازت دیدی، یہ بڑوں سے سنا ہے، اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے، مردے اس میں دفن ہوتے رہے، اب تقریباً ۲۰ سال سے دفن کرنا ترک کر دیا، اب اس میں کھتے پڑے ہوئے ہیں، ایک کنارہ پر مسجد تعمیر کر دی ہے اور جو باقی ہے اس میں اکثر لوگوں کی رائے اسلامی مدرسہ کی ہے، اب اس کی چہار دیواری کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس کی ایک سمت میں آبادی ہے، اس کا راستہ بالکل بند ہو جائے گا، لوگوں نے آبادی کو راستہ دینے سے عذر کر دیا ہے، کہ قبرستان میں راستہ جائز نہیں ہے، جبکہ مدت دراز سے آبادی کا راستہ اسی جگہ سے ہے، ایسی شکل میں راستہ کی اجازت ہو سکتی ہے کہ نہیں جبکہ دو سمتوں میں انہیں لوگوں نے پختہ عام راستے اور ایک سمت میں خام راستہ بنا دیا ہے؟

المستفتی: اصغر علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مسئلہ میں غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر مردہ دفن کرنا یا مسجد و مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۴۲، جدید زکریا مطول ۳۱۵/۱۰)

فإن شرط الواقف التأیید والأرض إذا كانت ملكا لغيره فللمالك

استردادها وأمره بنقض البناء. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مناظرۃ ابن الشحنة مع شیخہ، زکریا ۶/۵۹۱، کراچی ۴/۳۹۰)

لیکن اگر اس مالک نے مسجد یا مدرسہ بنانے کی اجازت دیدی ہے تو اس میں مسجد یا مدرسہ بنانا جائز ہے، قبرستان میں جب قبر کے نشانات مٹ چکے ہوں، اور میت بھی مٹی بن چکی ہو تو اس کے احکام قبرستان کے احکام نہیں ہوں گے اور اس میں راستہ وغیرہ بنانا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۰۳/۱۵، ۳۲۱/۱۵، جدید ڈبھیل ۱۵/۳۷۷، ۳۹۲)

کما جاز زرعه والبناء علیہ إذا بلی و صار ترابا. (در مختار زکریا ۱۴۵/۳، کراچی ۲۳۸/۲)

آبادی کے دونوں جانب لوگوں کے آنے جانے کے لیے کچے کچے راستے موجود ہیں تو بلا ضرورت مذکورہ زمین میں راستہ بنانے سے اجتناب کرنا چاہیے، اور اس پرانے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنالینا زیادہ بہتر ہوگا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد دار، إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۱۱۸/۲، ہکذا فی فتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۸۸/۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرہانی،

المجلس العلمی بیروت ۱۴۴/۹، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۶/۱۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۸۳)

## نجی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر

سوال [۷۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک نجی قبرستان ہے جو کچھ حضرات کا مشترک ہے، سر دست وہ آبادی کے بالکل درمیان میں آچکا ہے، چاروں طرف آبادی ہے درمیان میں قبرستان آنے کی وجہ سے چونکہ جگہ خالی پڑی ہوئی ہے تو لوگوں نے اسی میں غلاظت اور گندگی ڈالنی شروع کر دی ہے، کافی زمین میں کوڑے کے ڈھیر لگے ہیں اب اس صورت حال کے پیش نظر ہم لوگ چاہتے ہیں کہ اس قبرستان کے کچھ حصہ میں جہاں قبریں بالکل نابید ہو چکی ہیں ایک دینی مدرسہ مکتب کی شکل میں قائم کر دیں جس کی وہاں سخت ضرورت بھی ہے اور اس میں باقی قبرستان کی حفاظت بھی ہے لہذا آجناب سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کے فیصلے سے آگاہ فرمائیں کیا ایسے قبرستان میں مدرسہ بنا سکتے ہیں؟

واضح رہے کہ کچھ عرصہ قبل قبرستان کی کچھ زمین مسجد کو بھی دیدی گئی ہے اب یہ چاہتے ہیں کہ اسی کے متصل ایک مدرسہ تعمیر کریں؟

المستفتی: شمس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ قبرستان کے مشترک مالکان موجود ہیں، لہذا ان کی اجازت سے وہاں دینی مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۱۸، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۰۶)

وذكر أصحابنا أن المسجد إذا خرب و دثر لم و يبق حوله جماعة، و المقبرة إذا عفت و دثرت، تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً، أو موضع المقبرة مسجداً و غير ذلك. (عمدة القارى، لصلاة، باب هل تنبش قبول مشركى الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/۱۷۹، زكريا ديوبند ۳/۴۳۵، تحت رقم الحديث ۴۲۸، فتح الملهم، اشرفيه ديوبند ۲/۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ

۱۴/۱۲/۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۲۲)





جس میں پچاسوں سال سے کوئی قبر نہیں ہے اور نہ ہی قبر کے نشانات ہیں، مذکورہ آراضی پر قبر کھودنے والا جو کہ چوکیدار بھی تھا، کے مکانات بنے ہوئے تھے، جس کو کمیٹی وقف ۵۲ نے ساڑھے چھ لاکھ روپیہ دے کر خالی کرایا تھا، نیز اسی مذکورہ آراضی کی ایک جانب لکڑی کی ٹال بھی تھی، جس کو کمیٹی نے چالیس ہزار روپیہ دے کر خالی کرایا تھا، اس پر بھی کوئی قبر نہیں ہے، سرکاری نالہ اور سڑک سے متصل نگرنگم کی طرف سے ایک راستہ نمازیوں اور دفن میں آنے جانے والے حضرات کے لیے بنا ہوا ہے جس پر نگرنگم کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، راستہ اور سرکاری نالہ کے درمیان قبرستان کی دیوار کھڑی ہے جس میں وضو خانہ وغیرہ بنا ہوا ہے۔

قبرستان وقف ۵۲ کی کمیٹی جو کہ مدرسہ کی بھی کمیٹی ہے اتفاق رائے سے تعلیمی ضرورت کی بناء پر راستہ وضو خانہ کے اوپر دس فٹ اونچا پلہ کھڑا کر کے درسگاہیں، طلباء کے لیے رہائشی کمرے تعمیر کر رہی ہے جبکہ نیچے کا حصہ اپنی ہیئت پر باقی ہے۔  
کیا قبرستان کی مذکورہ زمین پر درسگاہیں رہائشی کمرے تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟  
کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوانامہ میں لکھی ہوئی صورت حال اور واقعہ کے مطابق موقوفہ قبرستان کے کنارے کے جس حصہ پر دفن کا سلسلہ پچاسوں سال سے بند ہے، اور وہ زمین ایسی ہی پڑی ہوئی ہے اس میں پلہ قائم کر کے دینی مدرسہ کی ضرورت کا کمرہ بنانا جائز اور درست ہے اس لیے کہ دینی مدرسہ کی ضرورت کا کمرہ بھی کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ بھی وقف ہی میں شامل ہے اس لیے یہ غرض واقف کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے واقف کو ثواب پہنچنے کا سلسلہ جاری رہے گا، اس لیے کمرہ بنانے کا مذکورہ منصوبہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/۹۷۵)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر  
بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم

لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين . (عمدة لقارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۱۷۹/۴، زكريا ۴۳۵/۳، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۱۱۸/۲، هكذا فى فتاوى النатар خانية زكريا ۱۸۸/۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ۱۴۴/۹، رقم: ۱۱۴۱۱)

المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فاذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المقبرة مسجدا و غير ذلك . (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۱۱۸/۲، و مثله فى الهندية زكريا قديم ۴۶۹/۲، جديد ۴۱۶/۲، الفتاوى الولولجية ۹۱/۳، دار الإيمان سهارنيور)

فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين . (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۱۱۸/۲) فقط والله سبحانه و تعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۴ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۵۸/۲۰)

پرانا موقوفہ قبرستان کو ناجائز قبضے سے بچانے کے لیے اس پر دینی مدرسہ بنانا

**سوال [۷۷۹۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کے ایک کنارے کا حصہ یوں ہی افتادہ پڑا ہوا ہے، اس میں لوگوں کے قبضہ کرنے اور عمارت بنانے کا خطرہ ہے اس جگہ پر کمیٹی کا ارادہ ہے کہ دینی مدرسہ کا کمرہ بنادیا جائے تاکہ اس میں دینی تعلیم ہو سکے، اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی رہائش ہو سکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کے ایک کنارے کا حصہ جو یوں ہی افتادہ پڑا ہوا ہے اور اس میں لوگوں کے عمارت بنانے کا خطرہ بھی ہے تو ایسی زمین پر دینی مدرسہ کے

لیے کمرہ بنانا کہ دینی تعلیم ہو سکے اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ رہائش اختیار کر سکیں درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/۵۷۹، جدید فقہی مسائل ۲/۲۹۷)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناها على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/۱۷۹، زكريا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ۲/۱۱۸، هكذا فى فتاوى التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمى بيروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱)

والمقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المقبرة مسجدا وغير ذلك. (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/۱۱۸، عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/۱۴۹، زكريا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸)

ألا ترى أن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين فنبتش واتخذ مسجدا. (تاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، والولوالحجة دار الايمان ۳/۹۱، المحيط البرهاني المجلس العلمى بيروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱، هندية زكريا قديم ۲/۴۶۹، جديد ۲/۴۱۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رزی الحج ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۴۸)

افتادہ قبرستان کو غلاظت پھینکنے کی وجہ سے مدرسہ میں منتقل کرنا

سوال [۷۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک قبرستان افتادہ ہے عرصہ دراز سے وہاں پر کوئی دفن نہیں ہوا ہے وہاں لوگوں نے غلاظت ڈالنی شروع کر دی ہے، جس کی وجہ سے انتہائی گندگی رہتی ہے اور اس برادری کے افراد وہاں پر ایک دینی درس گاہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کیا اس جگہ مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟  
المستفتی: عبدالرحمن قاسمی، ٹھا کردوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر قبرستان کسی قوم یا جماعت کا وقف کردہ ہے اور بعد میں واقفین کی غرض کے مطابق دفن نہیں ہو رہا ہے، بلکہ دفن کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، تو اس میں مدرسہ یا مسجد بنا کر واقفین کی روح کو ثواب پہنچانا جائز ہے، بلکہ افضل ہے ایسی صورت حال میں مدرسہ یا مسجد بنانا غرض واقف کے خلاف عمل نہیں ہوگا، بلکہ کارِ ثواب سے خالی رکھنا ہی غرض واقف کی مخالفت ہے کیونکہ جب قبرستان افتادہ ہو اور قبریں بوسیدہ ہو جائیں اور باقاعدہ دفن کا سلسلہ باقی نہ رہے ایسے قبرستان میں فقہاء و محدثین نے تعمیر کو جائز ثابت فرمایا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۳، امداد الفتاویٰ ۲/۹۷۷)

**إذا بلی المیت وصارت اربا یجوز زرعه والبناء علیہ.** (شامی، کتاب الصلاة قبیل مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور، کراچی ۲/۲۳۳، زکریا ۳/۱۵۵، ۳/۱۳۸، در مختار کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۱۴۵، تبیین الحقائق، ملتان ۱/۲۴۶، زکریا دیوبند ۱/۵۸۹، ہندیہ زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸، الفقہ علی مذاہب الأربعة، دار الفکر بیروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق کوئٹہ ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸،

فتح الملہم، کتاب المساجد، اشرفیہ ۱۱۸/۲، ہکنا فی فتاویٰ التاتارخانیۃ زکریا ۸/۱۸۸،

رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرہانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱

نیز سوالنامہ کے مسئولہ قبرستان سے متعلق ۱۹ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ کو واقعہ کے خلاف سوال کی نوعیت بدل کر عدم جواز کا فتویٰ حاصل کیا گیا ہے۔

سوال میں لکھا گیا تھا کہ مذکورہ افتادہ قبرستان میں قبریں اتنی تعداد میں ہیں کہ کوئی جگہ خالی نہیں ہے بعد میں دوسری نوعیت کے سوال آنے پر احقر اور جامع الہدیٰ کے مفتی حضرت مفتی عبدالرؤف نے از خود جا کر دیکھا تو اس میں کوئی قبر دیکھنے میں نہیں آئی صرف ایک پختہ پرانی قبر کے نشانات باقی ہیں اور کچھ نہیں، اس لیے ۱۹ شوال ۱۴۰۹ھ کو خلاف واقعہ سوال کے جواب میں جو فتویٰ شاہی کے دارالافتاء سے حاصل کیا گیا ہے وہ مذکورہ قبرستان کے حق میں قابل عمل نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۶۱/۲۵)

## قبرستان کی جگہ مدرسہ بنانا

**سوال [۷۷۹۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی زمین ہے، جنوب اور دھن کی طرف سڑک ہے دونوں جانب کچھ لوگوں نے قبضہ کر کے اپنے مکانات اور ایک لمبی چوڑی مارکیٹ دوکانوں کی بنیادی ہے اور جنوب کی جگہ ہے جس کو بعض لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ رشوت لے کر وہ زمین دیدی جائے لیکن کچھ سمجھ دار لوگوں نے یہ سوچا ہے کہ اس زمین میں (یعنی قبرستان) کی زمین کے کچھ نیچے کے حصے میں دوکانیں نکال دی جائیں اور اوپر کے حصے میں مدرسہ اسلامی لائبریری کھول دی جائے جو کرایہ پر دیدی جائے اور اگر اس جگہ کچھ نہیں بناتے ہیں تو غیر لوگ قبضہ کر لیتے ہیں پھر نہ مسلمانوں کے قبضے میں رہتی ہے بلکہ اس میں جھگڑا پیش آجاتا ہے، وہ ایک ایسی ہستی ہے

کہ جہاں نہ مدرسہ ہے نہ دین کا کام ہوتا ہے لہذا کوئی درمیان راستہ نکلتا ہو تو واضح طور پر تحریر فرما کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں، جہاں مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا ہے اس جگہ قبریں نہیں بلکہ قبرستان کی زمین خالی ہے، اندر کے حصے میں قبریں ہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ایسے قبرستان کی چہار دیواری کر کے حفاظت کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، اس کو دفن ہی کے کام میں استعمال کرنا لازم ہے، لیکن اگر چہار دیواری کے باوجود حفاظت ممکن نہیں ہے تو مدرسہ قائم کر کے دینی تعلیم کے کام میں استعمال درست ہو سکتا ہے ورنہ غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوگا، اور جن لوگوں نے قبرستان کی زمین دہالی ہے وہ سب سخت گنہگار ہوں گے ان پر زمین واپس کرنا لازم ہے۔

إنہم صرحوأبأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شلمی، کتاب الوقف،

مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۵۴۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۹۵/۲۶)

**ذاتی قبرستان میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کرنے کے لیے مکتب بنانا**

**سوال [۷۷۹۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ہم برادران اپنے ذاتی قبرستان کو ۹۰ فٹ اونچائی پر پٹا کر اس پر تحفیظ القرآن و دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیں کہ اس ارادے سے قبرستان کو پائنا شرعاً جائز ہے، اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

المستفتی: اقبال حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر قبرستان خاندان والوں کی ذاتی ملکیت کا ہے تو خاندان کے سب لوگوں کے اتفاق اور رضامندی سے اس قبرستان کے ۹/۸ فرٹ اونچائی پر لینٹر ڈال کر تحفظ القرآن یا دینی تعلیم کے لیے مکتب یا مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے اس میں دو کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں، نیچے تدفین کا سلسلہ بھی جاری رہے اور اوپر تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ (مستفاد: نظام الفتاویٰ ۴/۲۰۷، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/۳۶۰)

ومن بنی سقایۃ للمسلمین أو خاننا یسکنہ بنو السبیل أو رباطا أو جعل أرضه مقبرة لم یزل ملکہ عن ذلک حتی یحکم بہ حاکم عند أبی حنیفة لأنه لم یقطع عنه حق العبد. (فتاویٰ تاتارخانیہ، کتاب الوقف، الفصل الثانی والعشرون فی الرباطات والمقابر، زکریا ۸/۱۸۵، رقم: ۱۱۵۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۳۰ شوال المکرم ۱۴۳۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۰۴/۳۹)

## بوسیدہ قبرستان میں اسکول بنانا

**سوال [۷۷۹۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع عین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک پرانی مسجد ہے، اس کے شمال میں قبرستان تھا جنوب میں بھی اور صدر دروازہ مشرق پر بھی تینوں طرف قبریں تھیں، قبرستان بستی میں آجانے کی وجہ سے تدفین بند ہو گئی تھی اس مسجد اور قبرستان کی دیکھ بھال ایک صاحب مسمی حکیم محمد اشرف صاحب مرحوم کرتے تھے، اور وہی متولی تصور کیے جاتے تھے، مسجد اور قبرستان نائیکان کہلاتا تھا، خدا جانے یہ مسجد اور قبرستان ان کی تولیت میں داد الہی تھا یا اور کسی استحقاق کی بنا پر، اس قبرستان کے جنوبی حصے پر کلٹری کی دوکان موصوف کیا کرتے تھے، جب نمازی تعداد میں بڑھ گئے اور دین کا شغف ہوا تو مسجد کے شمال کی جانب ایک حجرہ بنا دیا گیا اور مدرسہ قائم کیا گیا ۱۹۴۵ء میں ایک نمازی حاجی حمید اللہ کو دینی شغف

غالب ہوا اور وہ درس و تدریس میں لگ گئے، قدیم متولی نے ان کو انتظام مدرسہ اور مسجد بطور مہتمم سپرد کر دیا، مدرسہ بنام تعلیم القرآن نانک رائے شیر کوٹ ۱۹۴۵ء سے چل رہا ہے، باہر کے طلبہ کا بھی بندوبست ہے، حجرہ مسجد کی توسیع میں آگیا، اور جانب شمال ایک عمارت پختہ برائے مدرسہ حاجی حمید اللہ کے اہتمام میں تعمیر ہو گئی، اور مدرسہ کی حد بندی کے لیے پیڑ جو قبرستان کے حدود میں کھڑے ہوئے تھے کاٹ کر ان کو فروخت کر کے حد بندی بھی کر دی گئی، اب قدیم متولی کا انتقال ہو گیا، ان کی قبر بھی مسجد کے دروازہ کے باہر بنا دی گئی اور ایک قبر ان کے خاندان کی جنوب مسجد بنا دی گئی، جب مسجد کی توسیع ہوئی تو قدیم متولی کی قبر مسجد کے احاطہ میں آگئی اور دوسری قبر مسجد کے حدود سے باہر ہے، جانب جنوب جب توسیع کی ضرورت پیش آئی تو قدیم متولی کے وارثین حائل ہوئے اور بخوشی توسیع نہیں ہونے دی، جدید متولی اور نمازیوں نے توسیع کر لی، اور تنازعہ مقدمہ عدالت میں داخل ہو گیا، مقدمہ حاجی حمید اللہ جیت گئے، اس کے جانب مشرق اور جنوب متولی حمید اللہ اور مدار المہام ٹھیکیدار عنایت اللہ اور نائب مہتمم حال عبدالشکور نے دوکان تعمیر کرا دیں، اور کچھ حصہ میں ملحقہ مسجد بجانب مغرب و جنوب مدرسہ یا اسکول کی عمارت تعمیر کرا دی، اس میں رقم پرانے مدرسہ کی صرف ہوئی، اور دوکانوں کا کرایہ مسجد میں لگنے لگا، اور مدرسہ یا اسکول میں تعلیم ہونے لگی، اب کچھ اشخاص کو اعتراض ہے کہ مسجد کی جائیداد میں مدرسہ قائم نہیں ہو سکتا، ناجائز ہے اب شرعاً کیا حکم ہے؟

جبکہ یہ قبرستان تھا اور اب بھی قبریں موجود ہیں، ایک مسجد کے صحن میں اور ایک مسجد کے باہر جنوب میں مسجد کی حد سے باہر ہے یہ جگہ بذریعہ عدالت حاصل ہوئی، کہ عطا کردہ نہ خرید شدہ ہے، جس طرح کرایہ دوکان مسجد میں لگ رہا ہے، مدرسہ یا اسکول بھی کرایہ دے تو یہ کیسا ہے؟ اور جو رقم تعمیر میں صرف ہوئی ہے وہ کرایہ میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا مسجد کی سمجھی جائے گی؟ یا قابل واپسی ہے؟ یا یہ عمارت جو مدرسہ یا اسکول کے جنوب میں ہے اور پرانے مدرسہ کی رقم لگی ہے مہتمم صاحب کی نیت کو مدنظر رکھتے ہوئے عمارت مدرسہ کی شرعاً سمجھی جائے گی؟ شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: منجانب کمیٹی انجمن تعلیم القرآن شیر کوٹ بجنور



## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ پرانے قبرستان میں مسجد تعمیر کی گئی ہے اور اس کے بعد مسجد سے متصل زمین میں مدرسہ یا اسکول قائم کیا جا رہا ہے، تو اس سلسلے میں شرعی حکم یہ ہے کہ قبرستان بوسیدہ ہونے کے بعد جب فن کا سلسلہ موقوف ہو جائے تو مسلمانوں کی رائے سے ایسے پرانے قبرستان میں مسجد یا دینی مدرسہ قائم کرنا جائز ہے لیکن اسکول قائم کرنا جائز نہیں ہے، اور سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ زمین مسجد کی نہیں ہے، بلکہ قبرستان کی ہے اس لیے مسجد کی طرف سے مدرسہ پر اشکال نہیں ہونا چاہیے، ہاں البتہ اگر اسکول قائم کیا جا رہا ہے تو اعتراض صحیح ہے اور سب پر ضروری ہے کہ اسکول کا سلسلہ وہاں سے منقطع کرادیں۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناها على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۱۷۹/۴، زكريا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملمه كتاب المساجد اشرفيه ۱۱۸/۲، هكنا فى فتاوى التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمى بيروت ۱۴۴/۹، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۱ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۶/۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۷۳/۳۵)

## بوسیدہ قبرستان میں لڑکیوں کا اسکول بنانا

**سوال [۷۷۹۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) منسلک فتویٰ الف ۶۷۷۳/۵ کی روشنی میں مذکورہ عمارت میں جو کہ قبرستان ملاحقہ مسجد میں تعمیر ہوگئی ہے اور قدیمی مدرسہ تعلیم القرآن قائم کردہ ۱۹۴۵ء ملاحقہ مسجد بجانب شمال اس کے تحت اگر دوسری جانب جنوب ایک مدرسہ جس میں دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم دونوں دی جائیں اور قانونی مجبوری بھی درپیش ہو اور ملت کی تعلیمی مشکلات کا ازالہ بھی ہو ایسی صورت میں مدرسہ یا ادارہ قائم ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) جبکہ مذکورہ عمارت تینوں متولیان کے ایما و منشاء سے برائے تعلیم تعمیر کی گئی ہے اور رقم قدیمی مدرسہ کی صرف ہوئی، منسلکہ فتویٰ کی صورت میں یہ عمارت مسجد کی ہو جائے گی تو اس صرف شدہ رقم کو مسجد مدرسہ کو دے گی یا نہیں؟

(۳) جبکہ قبرستان کی زمین میں دوکانیں تعمیر کر کے اس کا کرایہ مسجد کو دیا جا رہا ہے تو کیا اس عمارت کو بھی کرایہ پردے کر اس کی آمدنی سے صرف شدہ رقم مدرسہ والی مدرسہ کو دی جائے گی یا نہیں؟ یا اگر مدرسہ یا ادارہ کرایہ دار بن کر اس عمارت کو استعمال کرے اور کرایہ کی آمدنی سے مدرسہ کی رقم اگر واپس ہوئی ہے تو اس میں محسوب ہو سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** آپ نے فتویٰ کے جواب کے بعد جو دو بارہ سوالات کیے ہیں ان سوالات کو ہم نے جناب منشی عبدالرشید صاحب شیرکوٹی جنہوں نے موقع محل کو اچھی طرح دیکھا ہے اور حالات سے بھی واقف ہیں سے پوری تفصیل معلوم کی اور معلومات کے بعد ہم کو جو صحیح بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہی ہے کہ بوسیدہ قبرستان میں پہلے مسجد بنی ہے اس کے بعد اس سے متصل خالص دینی مدرسہ بنا ہے پھر اس مدرسہ کے پیسے سے ایک دوسری جانب لڑکیوں کا اسکول قائم کیا گیا ہے اگر اصل ماجرا اور خلاصہ واقعہ ایسا ہی ہے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ مذکورہ بوسیدہ قبرستان میں مسجد و مدرسہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، مگر جو لڑکیوں کا اسکول قائم کیا گیا ہے وہ قطعاً جائز نہیں ہے، جب وہ عمارت مدرسہ کے پیسے سے بنائی گئی ہے تو وہ عمارت مدرسہ کی ملکیت ہے اس میں خالص دینی تعلیم ہو سکتی ہے لہذا

اسکول والے وہ عمارت مدرسہ کو واپس کر دیں، تاکہ اس میں قرآن کریم کی تعلیم ہو سکے، اور سائٹڈ میں جو دوکانیں بنائی گئی ہیں اس کی آمدنی مسجد یا مدرسہ کو حاصل ہو جائے یہ درست ہے، لیکن وہاں دنیوی تعلیم کے لیے اسکول کا سلسلہ قطعاً مناسب نہیں ہے، اگر کرایہ دے کر بھی وہاں اسکول قائم کیا جاتا ہے تو بعد میں اس کا اثر اچھا نہیں رہتا، اسکول والے مدرسہ والوں پر غالب آجاتے ہیں اس لیے وہاں اسکول جاری نہ رکھا جائے، بلکہ صرف قرآن کریم کی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بھی وقف کی ایک قسم ہے۔

هل يجوز ان تبني المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/۴، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم کتاب المساجد اشرفیہ ۱۱۸/۲، هکذا فی فتاوی التاتارخانیة زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۱/۹۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳/رجب المرجب ۱۴۲۱ھ

۱۳/۷/۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۳۱)

## افتادہ قبرستان میں مکتب بنانا اور عید کی نماز ادا کرنا

**سوال [۷۸۰۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان جو سالوں سے ویران پڑا ہوا ہے تقریباً تیس چالیس سال سے اس میں میت کو دفنایا بھی نہیں جاتا ہے، قبر کے کوئی آثار بھی اس میں نہیں ہیں اب گاؤں والے

اس جگہ میں مکتب بنانا چاہتے ہیں اور اس میں عید کی نماز بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔  
اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس جگہ پر اس طرح کا کوئی بھی کام جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** پرانا اور ویران قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو کبھی اور ذمہ دار کے مشورہ سے اس پر مسجد یا مدرسہ قائم کرنا درست اور جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان از قبیل وقف ہوتا ہے اسی طرح مساجد و مدارس بھی از قبیل وقف ہوتے ہیں اور اگر قبرستان ملکیت کا ہے تو مالکوں کی اجازت سے مسجد یا مدرسہ اس پر قائم کرنا جائز ہے۔ (مستفاد انوار رحمت ۱۳۲)

هل يجوز أن تبني المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم:  
لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۱۷۹/۴، زكريا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۱۱۸/۲، هكنا فى فتاوى التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۰۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمى بيروت ۱۴۴/۹، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رزی الحجہ ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۳۷/۲۰)

## پرانے قبرستان میں عید گاہ بنانے کا حکم

**سوال [۷۸۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین گورستان کے نام سے موسوم ہے، البتہ اس وقت کے عمر رسیدہ

حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں کبھی بھی دفن و قبر دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے البتہ سنی ہوئی بات یہ ہے کہ آباء و اجداد اس زمین کو دفنانے اور قبر دینے میں استعمال کرتے تھے، اور ان حضرات کا زمانہ بھی سو سال سے پہلے کا ہے، اسی وقت سے مذکورہ زمین گورستان کے نام سے موسوم ہے، فی الحال لوگ اس زمین میں بیت الخلاء کا کام لیتے ہیں، نیز سباطہ قوم بھی بنی ہوئی ہے مزید دیگر طرح طرح کا کام اس سے لیا جاتا ہے۔

معلوم ہو کہ یہ زمین وقف کی بھی نہیں ہے اب ہم لوگ اس زمین میں عید گاہ بنانا چاہتے ہیں لہذا شرعاً عید گاہ بنانا درست ہو گا یا نہیں؟

المستفتی: الہام منڈل مرشد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مذکورہ زمین وقف کی نہیں ہے بلکہ فرد واحد کی ملکیت ہے یا کسی قبیلہ اور خاندان کی ملکیت ہے تو اس فرد یا خاندان کے موجودہ لوگوں کی اجازت سے عید گاہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہوگا، نیز اس میں مدرسہ اور مسجد بنانا بھی جائز ہوگا۔

جاز زرعه و البناء علیہ إذا بلی و صار ترابا. (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب: فی دفن المیت کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۱۴۵، شامی کراچی ۲/۲۳۳، ۲۴۵، زکریا ۳/۱۳۸، ۱۵۵، تبیین الحقائق امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶، زکریا ۱/۵۸۹، ہندیہ زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸، الفقہ علی مذاہب الأربعة، دار الفکر بیروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق کوئٹہ ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۱)

**والمقبرة إذا عفت و درسرت تعود ملکا لأربابها فإذا عادت ملکا یجوز أن ینبی موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجداً و غیر ذلک.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، تکملة فتح الملهم کتاب المساجد اشرفیہ ۲/۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

۱۴۱۲/۲/۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۲۳/۲۷)

## عید گاہ کی توسیع کے لیے قبرستان کی جگہ لینا

**سوال [۷۸۰۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں گودھنا کی عید گاہ کی توسیع ہونا ضروری ہے، عید گاہ کا کچھ حصہ جٹی روڈ میں شامل ہو گیا ہے اس لیے چھوٹی پڑ جاتی ہے، عید گاہ کے متصل قبرستان ہے جس میں نئی اور پرانی ہر طرح کی قبریں ہیں اور یہ قبرستان بھی بہت پرانا نہیں ہے، عید گاہ بننے کے بعد ہی بنایا گیا تھا، جدھر توسیع ہونی ہے ادھر بھی نئی پرانی قبریں ہیں، اور توسیع ہونے کے بعد بھی جو جگہ بچے گی اس میں قبرستان رہے گا، تدفین کا عمل ہوتا رہے گا، گاؤں کے لیے ایک دوسرے قبرستان کا انتظام ہو گیا ہے، اکثر لوگوں کی تدفین وہیں ہونے لگی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان حالات میں جبکہ قبرستان کا دوسری جگہ بھی نظم ہو گیا ہے، تدفین میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، اس عید گاہ کے قریب والے قبرستان میں توسیع عید گاہ کا کام کرا لیا جائے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسئلہ صورت میں چونکہ دفن کے لیے دوسرا قبرستان موجود ہے، جہاں تدفین کا عمل اس کے مقابلے میں زیادتی کے ساتھ ہو رہا ہے، اور وہاں کے لوگ اس کو عید گاہ میں شامل کرنے پر راضی و متفق ہیں اور کوئی فتنہ وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہے تو عید گاہ میں شامل کر لینا درست ہے، البتہ نئی قبروں کو اس وقت تک ہموار کرنے کی گنجائش نہیں ہے جب تک اس کے اندر کی میت کے مٹی ہو جانے کا ظن غالب نہ ہو جائے۔

ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه و البناء علیہ . (ہندیہ الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم

۱/ ۱۶۷، جدید ۱/ ۲۲۸، تبیین الحقائق زکریا ۱/ ۵۸۹، امدادیہ ملتان ۱/ ۴۶۱، حاشیہ

الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتب دیوبند ص: ۶۱۲)

وأما المقبرة الدائرة إذا بنی فیها مسجداً لیصلی فیہ فلم أر فیہ بأساً،

لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى

۱۷۹/۴، زكريا ۳/۴۳۵ تحت رقم الحديث: ۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۸/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

۱۴۳۲/۴/۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۹۳/۳۹)

## قبرستان کی وقف شدہ زمین میں عید گاہ بنانا

**سوال [۷۸۰۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے گاؤں موضع اہرولی ضلع اعظم گڑھ میں ایک میرے خاندان کی مشترکہ زمین ہے جس کے کچھ حصے میں غیر معلوم زمانے سے کچھ لوگ مردوں کی تدفین کرتے تھے اور باقیہ حصہ زمین کو لوگ اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرتے تھے، مگر چند سال قبل خاندان مذکورہ کے جملہ افراد نے باتفاق رائے باقیہ حصہ زمین کو جس میں تاحال کوئی قبر نہیں ہے، قبرستان کو دیدیا، اور اس اضافہ حصے کے ساتھ پورے قبرستان کی گھیرا بندی کرا دی، اور اس وقت پوری زمین قبرستان کے احاطے میں ہے اور اس کیفیت پر چند سال گذر جانے کے بعد خاندان مذکورہ کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس اضافی حصہ میں کوئی قبر نہیں ہے لہذا اس اضافی حصے میں عید گاہ کی تعمیر کر دی جائے اور خاندان مذکورہ ہی کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب ہم نے اس کو ایک بار قبرستان کے نام وقف کر دیا تو وہاں عید گاہ کی تعمیر کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا باقیہ حصہ زمین کو قبرستان کے لیے وقف کر دینے کے بعد شرعی نقطہ نظر سے اس میں عید گاہ کی تعمیر ہو سکتی ہے؟

المستفتی: محمد ارشد القاسمی اہرولی اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو جگہ قبرستان کے لیے وقف کر دی گئی ہے وہ

جگہ مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے اور وہ زمین قبرستان کی ہوگئی ہے اس جگہ کو عید گاہ میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ جب تک اس جگہ پر تدفین کا سلسلہ شروع نہ ہو اس وقت تک کے لیے عارضی طور پر وہاں پر عید کی نماز پڑھنا جائز ہوگا، اس لیے کہ عید کی نماز سال بھر میں صرف دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے، اور یہ نماز قبرستان کی زمین پر کنارے کھلی فضا پر کھیتی کی زمین پر کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہے، مگر عید گاہ کے نام پر وقف کو منتقل کرنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۲۶، جدید ڈبھیل ۱۵/۳۶۳)

إن المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلا يجوز استعماله في غيره. (عالمگیری مع حاشیہ قدیم ۲/۴۷۱، جدید زکریا ۲/۴۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کاتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ  
۱/الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۹۶

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۸/۳/۶ھ

## پرانے قبرستان کو جنازہ گاہ بنانا

**سوال [۷۸۰۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں میں چک بندی کے زمانے سے قبل ایک قبرستان ہے، لیکن اب اس قبرستان میں تقریباً تین سال سے گاؤں کی کوئی میت دفن نہیں ہوتی ہے، اب وہاں پر کسی قبر کا نشان بھی باقی نہیں ہے، کیونکہ میتوں کی تدفین کا سلسلہ جدید قبرستان میں ہو رہا ہے، پرانے قبرستان پر لوگ غاصبانہ قبضہ کر رہے ہیں، پھر منفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ پرانے قبرستان میں نماز جنازہ ہو جایا کرے کیونکہ میت کی نماز جنازہ کے لیے گاؤں میں کوئی جگہ نہیں ہے، تو کیا پرانے قبرستان میں نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟ ایسا جواب دیں جو مدلل اور باحوالہ ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے کوئی جگہ مخصوص کر لی جائے یا کوئی قبروں سے خالی جگہ ہو اور نماز پڑھتے وقت قبر سامنے نہ آتی ہو تو قبرستان



میں نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے، لہذا پرانا بوسیدہ قبرستان کہ جس میں قبروں کے نشان تک نہیں رہے، اس میں نماز جنازہ بلا تردد درست ہے۔

ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة..... وأنها لا تكرر في مسجد أعد لها وكذا في مدرسة ومصلى عيد. (طحطاوی علی المراقی، قدیم ص: ۳۲۶، دار الکتب دیوبند ۱/۹۵، الدر مع

الرد کراچی ۱/۳۸۰، زکریا ۲/۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ رذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۷۲)

## ویران قبرستان میں وقتی طور پر قربان گاہ بنانا

**سوال [۷۸۰۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پرانا قبرستان موجود ہے چک بندی کے اندر کچھ زمین قبرستان کے لیے ملی جو کہ پرانے قبرستان سے بالکل ملی ہوئی ہے اس لیے قبرستان کے اندر بھی کچھ قبر دیدی گئی ہے جبکہ زیادہ حصہ ابھی خالی ہے، اور قبرستان کی کچھ زمین بغل کے کھیت والے قبضہ کیے ہوئے ہیں اب سوال یہ ہے کہ اس گاؤں میں پہلے سے قربانی ہوتی ہے لیکن اس کے لیے کوئی مستقل جگہ نہیں ہے، بلکہ جہاں چاہا کر لیا لیکن اب حکومت اس کے لیے زمین مانگ رہی ہے کہ زمین دکھائیے کہ قربانی کہاں کریں گے، تو گاؤں والوں کے سامنے چند باتیں ہیں:

(۱) اتنی مالی حالت مضبوط نہیں ہے کہ مستقل کہیں زمین بڑے جانوروں کی قربانی

کیلئے خرید لیں۔

(۲) اگر قربانی نہیں کرتے ہیں تو پھر حکومت بعد میں قربانی نہیں کرنے دے گی۔

لہذا گاؤں والے یہ سوچ رہے ہیں کہ جو زمین قبرستان کی خالی ہے اس میں یا پھر جو

لوگ قبضہ کیے ہوئے ہیں وہ زمین قبرستان کی کسی طرح ان لوگوں سے خالی کرا کے اور اس زمین کی چوہدی کرا کے باؤنڈری بنا کر کے اس میں قربانی کریں تو کیا اس زمین میں قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟  
اور قربانی کی کھال کی قیمت سے قربانی کی جگہ یا قربانی کی چوہدی کے لیے اینٹ وغیرہ لاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: برکت اللہ دیویاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** لوگوں کے قبضہ کیے ہوئے حصہ کو ان سے چھڑوا کر اس میں قربان گاہ وقتی طور پر بنانے کی گنجائش ہے اور جب قبرستان کو اس کی ضرورت پڑے گی تو اس کو خالی کر کے قبرستان کو واپس کرنا ہوگا۔

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر و أجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذلك قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان فلا بأس به و بعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه . (هنديہ، الوقف، الباب الثاني عشر فی الرباطات والمقابر والخانات والحياض، زكريا قديم ۲/۴۶۷، جديد ۲/۴۱۶)

(۲) قربانی کی کھال کی قیمت سے قبرستان کی چوہدی وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس پیسہ کو فقیر غریب کو صدقہ کر دینا لازم ہے۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدرهم تصدق بثمانه .

(شامی، کتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۷۵، کراچی ۶/۳۲۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۸/ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ

۱۱/۱۱/۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۰۷۰۳)

## قبرستان کی زمین میں لیٹرین کا گٹر بنانا

**سوال [۷۸۰۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ قائم کی بیرمچھلی بازار میں ایک مکان ہے جس کے شمال میں قبرستان ہے اور کاغذات میں بھی قبرستان ہی درج ہے، اب مالک مکان اس قبرستان میں لیٹرین کا گٹر بنانا چاہتے ہیں جبکہ گٹر کے لیے گڑھا کھودا گیا ہے، تو وہاں پرانی قبریں نکلی ہیں اور ہڈیاں بھی اس کے باوجود گٹر بنانا چاہتے ہیں تو یہ گٹر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مالک مکان کے لیے اپنے لیٹرین کا گٹر قبرستان میں بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، نیز گٹر کی کھدائی میں میت کی ہڈیاں نکلنے کا بھی ذکر ہے، یہ میت اور اہل قبر کے ساتھ سخت بے حرمتی ہے، شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی ہے۔

فعلى هذا ما ذكره أصحابنا في كتبهم من إن وطء القبور حرام وكذا النوم عليها ليس كما ينبغي فإن الطحطاوى هو أعلم الناس بمذاهب العلماء ولا سيما بمذهب أبي حنيفة..... قلت لكن قد علمت أن الواقع في كلامهم التعبير بالكره لا بلفظ الحرمة وحينئذ فقد يوفق بأن ما عراه الإمام الطحطاوى إلى أئمتنا الثلاثة من حمل النهي على الجلوس لقضاء الحاجة يراد به نهى التحريم. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، قبل مطلب: فی وضع الجريد ونحو الأس على القبور، زکریا دیوبند ۱۵۵/۳، کراچی ۲/۲۴۵، حاشیہ

الطحطاوى على مراقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ص: ۶۲۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

۱۲/۳/۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۹۰/۳۷)

## بوسیدہ قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز ہے اس کو کس کام میں لایا جائے؟

**سوال [۷۸۰۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز بنا ہوا تھا، گنداپانی اس میں جمع ہو جاتا تھا، کئی بار اس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا مگر کچھ دن محفوظ رہا پھر وہی حالت شروع ہو گئی، اس کی حفاظت کسی طرح ممکن نہیں تھی، پھر محلہ کے کچھ لوگوں نے اس کو بیچنے کا اعلان کر دیا لیکن کامیاب نہ ہوئے، پھر محلہ کے دوسرے لوگوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک چھوٹا مکتب بنا دیا جائے تاکہ چھوٹے چھوٹے بچے تعلیم حاصل کرتے رہیں، پھر سب کے مشورہ سے مدرسہ قائم کر دیا گیا، بنیادیں بھر کر ایک میٹر بھراؤ ڈلو کر دیواریں کھڑی کر کے چھت ڈال دی گئی، اب اس میں ۲۵۰ طلبہ تعلیم پاتے ہیں اب مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسی حالت میں اس جگہ مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کو اسی طرح گندگی ڈالنے کے لیے چھوڑ دیں جبکہ حفاظت اس کے علاوہ ممکن نہیں اور قریب ہے کہ لوگ اس میں گھر بنالیں، اور جو لوگ قبرستان کو گند کرتے ہیں یا وہاں کوئی کام کرتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: نذیر احمد ڈڑھیال، راجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) جب قبرستان بالکل پرانا اور بوسیدہ ہو جائے اور اس میں دفن کا سلسلہ ختم ہو جائے تو پورے قبرستان میں یا اس کے بعض حصہ میں لوگوں کے ناجائز قبضہ کا سلسلہ شروع ہو جائے اور ایسے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنا لینا چاہیے، تاکہ وقف کا قبرستان وقف ہی کے مصرف میں استعمال ہوتا رہے اور مسجد و مدرسہ بھی وقف ہی ہے اس لیے وہاں پر مسجد بنا نا بھی جائز ہے اور مدرسہ بنا نا بھی جائز ہے۔ (مستفاد:

ایضاح المسائل ۱۴۳، محمودیہ قدیم ۱۴/۱۴۸، جدید ڈبھیل ۱۵/۳۵۹)

هل يجوز أن تبني المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكنا فى فتاوى التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمى بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۲) جو لوگ قبرستان کو گند کرتے ہیں اور اس میں دیگر غلط کام کرتے ہیں ان کا یہ فعل شرعاً ناجائز ہے، لہذا ان کو اس سے باز آنا چاہیے۔

ولايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الدائرة فلو كان فيها حشيش يحش و يرسل إلى الدواب ولا ترسل الدواب فيها. (البحر الرائق، الوقف، فصل فى أحكام المسجد، كوئته ۵/ ۲۵۴، زكريا ۵/ ۲۶، ہندیہ زکریا قدیم ۲/ ۴۷۱، جدید ۲/ ۴۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۶۷۳۰)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۹/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

قبرستان میں مسجد کا کمرہ بنا کر فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا

**سوال [۷۸۰۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے بغل میں کوئی قبر یا قبرستان ہے اس کے اوپر مسجد کے ذمہ دار حضرات نے ایک کمرہ بنایا ہے اور اس کمرہ میں بال و بچے کے ساتھ رہنا سہنا جبکہ قبر نیچے ہے کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر موقوفہ قبرستان میں ایسا ہو رہا ہے، تو ناجائز

اور مکروہ تحریمی ہے۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن يخصص القبر، وأن يقعد عليه، و أن يبنى عليه. (صحيح، مسلم، فصل فى النهى عن تخصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهنديّة ۳۱۲/۱، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰)

ويكره أن يبنى على القبر أو يقعد عليه أو ينام أو يؤطأ عليه أو يقضى عليه حاجة الإنسان من بول أو غائط. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز زكريا ۵۸۷/۱، امداديه ملتان ۲۴۶/۱، هنديہ زكريا قديم ۱۶۶/۱، جديد ۲۲۷/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۶/۲۳)

## صدیوں پرانی قبر کو برابر کر کے اس پر مکان تعمیر کرنا

**سوال [۷۸۰۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک آراضی خریدی اس آراضی میں ایک کافی زمانہ پرانی صدیوں عرصہ کی ایک قبر یعنی ہدیہ ہے زید اس آراضی میں مکان بنا نا چاہتا ہے اور وہ قبر (ہدیہ) اندر آ رہی ہے، تو زید اس قبر یعنی ہدیہ کو مسمار کر کے اور اس کو ہموار کر کے بالکل نام و نشان مٹا کر اس پر اپنا مکان بنا سکتا ہے یا نہیں اور اس کو مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں اور زمین کا بیع نامہ داخل خارج نقشہ وغیرہ پاس اور منظور کرایا گیا ہے نگر پالیکا سے اور یہ قبر (ہدیہ) بھی خرید شدہ آراضی میں موجود ہے جو کہ زید کی ملکیت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب وہ قبر پرانی ہے اور صاحب قبر کے اجزاء کا مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے تو مالک زمین کو پختہ قبر کو ختم کر کے زمین کو ہموار کر کے اس پر تعمیر کرنا جائز اور درست ہے۔

وإذا بلى الميت وصار تراباً يجوز زرعه والبناء عليه. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائزۃ قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور، زکریا ۱۵۵/۱، ۱۴۵، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۳۸، ۲۳۳، تبیین الحقائق امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶/۲ زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ  
 الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۳۳۳۰

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۲۲/۴/۱۴۱۳ھ

## مملوکہ زمین میں ساٹھ سالہ پرانی قبر پر تعمیر کرنا

**سوال [۷۸۱۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک رہائشی مکان میں ۱۹۵۰ء میں مکان مالک کے انتقال ہونے پر ان کی تدفین اسی مکان میں اس وجہ سے کر دی گئی کہ اس وقت شہر میں کرفیولگا ہوا تھا ان کے وارثین سے وہ مکان تقریباً ۱۹۴۰ء میں میرے والد سخاوت اللہ مرحوم نے خرید لیا تھا، وہ قبر آج بھی کچی حالت میں موجود ہے، میں اپنے مکان کی تعمیر نو کرانے جا رہا ہوں، کیا میں اس قبر پر کمرہ وغیرہ بنا سکتا ہوں استعمال کر سکتا ہوں، اس کی کیا صورت ہوگی، اب تقریباً ساٹھ سال پرانی قبر ہو چکی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اپنی مملوکہ زمین میں جو پچاس ساٹھ سالہ قبر ہے اس قبر کو برابر کر کے رہائشی کمرہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے۔

وإذا بلى الميت وصار تراباً يجوز زرعه والبناء عليه. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائزۃ قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور زکریا ۱۵۵/۱، ۱۴۵، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۳۸، ۲۳۳، تبیین الحقائق امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶/۲ زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۲)

ولو بلى الميت وصار تراباً جاز ..... والبناء عليه. (ہندیہ، الباب

الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۶۷، جدید ۱/۲۲۸،

تبیین الحقائق امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶، زکریا ۱/۵۸۹، البناية اشرفیہ دیوبند ۳/۲۵۳)

کمال یتصرف فی ملکہہ ما شاء. (شرح المحلۃ رستم اتحاد ۱/۶۵۴، رقم

المادة: ۱۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۰۴/۳۹)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴/۳/۱۴۳۳ھ

## زیر ملکیت قبرستان کو اپنی ضرورت میں صرف کرنا

**سوال [۷۸۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہم نے اپنے دادا کو اپنی زمین میں دفن کیا تھا، جس کو کافی عرصہ ہو گیا اب ہم اس زمین کو تقسیم کر رہے ہیں اور دادا کی قبر راستہ اور کچھ بنیاد کے نیچے آ رہی ہے، اس طویل عرصہ میں قبر کافی خستہ اور بوسیدہ ہو چکی ہے، کیا ایسی صورت میں اس قبر کو راستہ میں لاسکتے ہیں یا نہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب زمین آپ کی ملکیت ہے اور قبر اتنی پرانی

اور بوسیدہ ہو چکی ہے کہ جس سے میت کے مٹی ہو جانے کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں مالکان زمین اس کو برابر کر کے اپنی ہر ضرورت (راستہ، تعمیر، کھیتی وغیرہ) میں استعمال کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: محمود یقینیم ۱۵/۳۲۱، ۱۰/۳۰۳، ۷/۲۳۸، جدید ڈائجسٹ ۱۵/۳۹۱، ۳۷۲، ۳۸۰)

جاز زرعه و البناء علیہ إذا بلی المیت و صار ترابا. (شامی، کتاب الصلاة،

باب صلاة الجنائز، زکریا ۳/۱۴۵، کراچی ۲/۲۳۸، البحر الرائق کوئٹہ ۲/۱۹۵، زکریا

۲/۳۴۲، تبیین الحقائق امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶، زکریا ۱/۵۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۰۳/۳۵)



## قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا

**سوال [۷۸۱۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک آراضی قبرستان کی ہے وہاں موجودہ قبریں ہیں زید نے قبرستان کے اندر کئی تورکھدوائی اور آگ جلا کر دیکیں بھی پکانی گئیں، تورکھدوتے وقت ہڈیاں وغیرہ بھی نکل آئیں ان کو دفن کر دیا گیا۔

(۲) زید نے وہاں شامیانے کرسی وغیرہ لگا کر لوگوں کے کھانے کا نظم بھی کیا خوب چلت پھرت بھی ہوئی کیا قبرستان کے اندر اس طرح کے پروگرام کرنے کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جواز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، لہذا وہاں تورکھدوا کر دیکیں پکانا شامیانے اور کرسی وغیرہ لگا کر لوگوں کے کھانے کا نظم کرنا اور چلنا پھرنا جائز نہیں ہے، ایسے لوگوں کو توبہ کرنا چاہیے اور آئندہ کے لیے ایسے کام نہ کرنے کا عہد کر لینا چاہیے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۶/۱۶، ۴۷۶/۲، ۴۲۱/۲، ۲۳۶/۷، جدید ڈائجیل ۱۵/۳۹۵، ۳۹۳، ۳۹۴، کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۳)

عن جابر قال: نہی رسول ﷺ أن یخصص القبر، و أن یقعد علیہ، و أن یبنی علیہ. (صحیح مسلم، فصل فی النہی عن تخصیص القبر و البناء علیہ، النسخة الہندیة ۱/۳۱۲، بیت الأفكار، رقم: ۹۷۰)

و عن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ أنه یکرہ أن یبنی علیہ بناء من بیت أو قبۃ أو نحو ذلک لمامر من الحدیث آنفا، و کذا یکرہ و طئہ و الجلوس علیہ کذلک. (کبیری قدیم، فصل فی الجنائز ص: ۵۵۵ لاہور ص: ۵۹۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۷/۵/۲۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۱۰/۳۸)

## قبرستان کی جگہ پر اپنا کارخانہ بنانا

**سوال [۷۸۱۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی حدود میں پانچ قبریں بنی ہوئی تھیں، ایک شخص نے ان قبروں کو ہموار کر کے عین اسی جگہ پر اپنا ذاتی کارخانہ تعمیر کر لیا اور اس کی آمدنی اپنے ہی مصارف میں استعمال کرتا ہے اس شخص کا یہ عمل شرعی نقطہ نظر سے کیسا ہے؟

المستفتی: وصی الدین میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو شخص خود قبرستان کا مالک نہیں ہے اس کا قبرستان کے کسی بھی حصہ کو ذاتی استعمال میں لگانا جائز نہیں ہے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں پر لازم ہے کہ وہاں سے کارخانہ ہٹا کر اس جگہ کو قبرستان میں شامل کریں اور اگر دفن کا سلسلہ وہاں ختم ہو چکا ہے، تو اس جگہ کو مسجد یا دینی مدرسہ کے کام میں لگالیں۔ (مستفاد: مفتی ۱۲۷/۷)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي الخ. (قواعد الفقه

اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۲/۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۷)

## قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنے، لکڑیاں ڈالنے، وغیرہ کا حکم

**سوال [۷۸۱۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنا اور قبروں پر لکڑیاں ڈالنا اور مکان بنانا اور مویشی باندھنا اور قضاء حاجت کرنا اور قبروں پر تو الیاں کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: مسعود احمد خاں کاش گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنا قبروں پر لکڑیاں ڈالنا، مکان بنانا، مویشی باندھنا، اور قضاء حاجت کرنا نیز قبروں پر تو الیاں کرانا یہ سب اعمال ناجائز ہیں، اہل محلہ پر لازم ہے کہ قبرستان کو ایسے لوگوں سے پاک کریں اور اگر گنجائش ہو تو سب مل کر قبرستان کی چہار دیواری کر دیں تاکہ قبرستان دوسروں کے ناجائز قبضہ سے محفوظ ہو جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ دا بھیل ۱۵/۳۸۳)

عن جابر قال: نهى النبي ﷺ أن تجصص القبور وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة تجصیص القبور و الكتابة علیها، النسخة الهندیة ۱/۲۰۳، دار السلام، رقم: ۱۰۵۲)

عن ابن مسعود یقول: لأن أظأ علی جمرة أحب إلی من أن أظأ علی قبر رجل مسلم. (المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ۹/۳۲۱، رقم: ۹۶۰۵)

وكره وطؤها بالأقدام. (حاشیة الطحطاوی عن مراقی الفلاح، دار الكتاب دیوبند ۶۲۳) وكره أن يوطأ علی القبر یعنی بالرجل أو يقعد علیه أو يقضى علیه حاجته. (الفتاویٰ التاتارخانیة، الفصل الثانی الثلاثون، الجنائز، القبر والدفن، زکریا ۳/۷۳، رقم: ۳۷۴۰، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ۳/۹۴، رقم: ۲۴۸۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۲ھ/۶/۲۶

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۷۰/۲۰)

**قدیم قبرستان کو طعام گاہ بنانا**

**سوال [۷۸۱۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک قبرستان میں تقریباً پچاس سال سے کوئی میت دفن نہیں ہوئی وہاں میز، کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا صحیح ہے یا غلط؟ جس پر لوگ کرکٹ وغیرہ بھی کھیلتے ہیں اور جہاں پر لوگ مٹی اور روٹہ ڈالتے ہیں لیکن اس جگہ کو لوگ کھانا کھلانے میں استعمال کو غلط قرار دیتے ہیں، اور نقطہ چینی کرتے ہیں جبکہ محلہ میں کوئی بھی اتنی بڑی جگہ نہیں ہے جسے کھانا کھلانے کے لیے استعمال کیا جاسکے، وہاں کھانا پکوانا نہیں ہے، صرف کھانے کے استعمال میں لانا ہے، لہذا مجبوری کے تحت اس جگہ کو استعمال کرنے کا خیال کیا گیا ہے تو اس جگہ کو استعمال کرنا صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: محمد طاہر سیفی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کو کھانا کھلانے وغیرہ کے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ قبرستان قدیم کیوں نہ ہو، اگر اس میں دفن کا سلسلہ بند ہو گیا ہے تو وہاں پر مسجد یا مدرسہ بنا کر دینی کام کا سلسلہ جاری کر دینا چاہیے۔

إن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض

الواقفین، واجبة ذکر کیا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۵۵)

## پرانے قبرستان کو شادی ہال بنانا

**سوال [۷۸۱۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے محلہ کے پاس میں ایک جگہ بڑی ہوئی ہے اور ایک کونے میں مٹی کا ڈھیر لگا ہوا ہے لوگ اس کو حظیرہ سمجھ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرستان ہے، لیکن تقریباً سو سال سے وہاں کوئی دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جس میں کچھ زمین پڑوسی کسانوں نے جوت لی ہے، اور باقی پر بھی قبضہ کرنے کا ارادہ ہے اور وہاں پر کچھ لوگ کوڑا گوبر وغیرہ بھی

ڈالتے ہیں، اور وہاں پر نالی کا گندہ پانی بھی جا رہا ہے، اب سارے اہل محلہ کا مشورہ یہ ہے کہ اپنے روپے سے اس جگہ کو ۵/۵ فٹ بھراؤ ڈال کر ہال بنا دیا جائے جس کی آمدنی مدرسہ کو دی جائے گی، اور مدرسہ میں بیرونی طلبہ کے لیے کھانے کا بھی انتظام ہے، آیا اہل محلہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین، سرائے سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس جگہ کا ذکر سوالنامہ میں ہے، وہ پرانے زمانے کا قبرستان ہے، اب اگر محلہ کے لوگ متفق ہو جاتے ہیں اور وہاں فن کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو اس زمین پر شادی ہال بنانا تو جائز نہ ہوگا البتہ مسجد یا مدرسہ کی عمارت بنانا جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف کا ہوتا ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف کا ہوتا ہے۔

هل يجوز أن تبني المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكنا فى فتاوى التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۰۹۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمى بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۹ھ/۲/۱۱

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱/صفر/المظفر ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۳۷)

## بوسیدہ قبرستان میں شادی ہال اور ہسپتال بنانا

**سوال [۷۸۱۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں ایک پرانا قبرستان ہے جو پچھلے کئی سالوں تقریباً ۵۶ سال سے بند ہے، جہاں اب تدفین نہیں ہوتی ہے، اکثر قبریں منہدم بھی ہو گئی ہیں جن کے نشانات باقی نہیں رہے ساتھ ہی کچھ قبریں بچی بھی ہیں جو باقی ہیں، مقامی لوگوں کے قول کے مطابق یہاں کچھ بزرگوں کے مزارات موجود ہیں، یہ وقف کی جائیداد ہے اس قبرستان کی زمین پر نگرال کمیٹی ہے جس نے ایک حصہ پر شادی ہال (میرج گارڈن) بنایا ہے اور اس شادی ہال کو ایک غیر مسلم کو ٹھیکے پر دے دیا ہے جس پر غیر مسلم شادی و دیگر پروگراموں میں ناچ گانے باجے ڈھول بجاتے ہیں جبکہ وہاں مسلمانوں کی قبریں ہیں، اسی نگرال کمیٹی نے دوسرے حصہ پر ایک ہسپتال بنایا، جس میں مسلم غیر مسلم کا علاج ہوتا ہے، اسی قبرستان کے زمین کے کونے میں پوجا پاٹ بھی کرتے ہیں ساتھ ہی شراب خوری بھی ہوتی ہے اس زمین کے نیچے حصہ پر ۲۶ دوکانیں بنا کر مسلم غیر مسلم کو اجرت پر دی ہیں اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

- (۱) کیا قبرستان کی زمین پر شادی ہال (میرج ہال) بنانا اور غیر مسلم کو کرایہ پر دینا اس پر ناچ گانے باجے، ڈھول تاشہ بجانا، ہون کوٹڈ پوجا پاٹ و شراب خوری کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور اس زمین پر بنے شادی ہال کا بنانا جائز ہے یا شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟
- (۲) قبرستان کی زمین پر ہسپتال بنانا جائز ہے یا اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟
- (۳) قبرستان کی زمین پر بنی دوکانوں کا مسلم اور غیر مسلم کو اجرت پر دینا جائز ہے یا شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) مذکورہ میرج ہال کو مندرجہ بالا لہو لعب اور تمام حرام خرافات کے ساتھ باقی رکھا جائے گا یا منہدم کیا جائے گا، شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: انتظامیہ کمیٹی کڑھاؤ گھاٹ اندور

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر وقف کا قبرستان ہے اور قبرستان بوسیدہ ہو چکا ہے تو اس میں نہ شادی ہال بنانا جائز ہے اور نہ ہی ہسپتال بنانا، ہاں البتہ اس میں مسجد بنانا یا قرآن و حدیث کی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا جائز ہے، اس لیے کہ مسجد اور مدرسہ بھی از قبیل اوقاف ہیں جو اوقاف کی غرض کے مطابق ہے، اور مسجد اور مدرسہ کا ثواب وقف کو ملتا رہے گا اور شادی ہال اور ہسپتال از قبیل اوقاف نہیں ہوتے ہیں نیز شادی ہال میں طرح طرح کی خرافات بھی ہوتی ہیں، اس لیے جائز نہیں ہے لہذا شادی ہال یا ہسپتال کے نام سے جو عمارت بنائی گئی ہے اسے مسجد یا دینی مدرسہ میں تبدیل کر دینا چاہیے، اور جو دوکانیں بنی ہوئی ہیں ان دوکانوں کو مسجد یا مدرسہ کی آمدنی کے لیے متعین کر دینا چاہیے۔

إنہم صر حوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب:

مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۵۰)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد.

(عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملہم کتاب المساجد اشرفیہ ۲/۱۱۸، ہکذا فی فتاویٰ التاتاریخانیہ زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط

البرہانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۴ھ/۸/۱

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۱۴)

## قبرستان کے اوپر لینئر ڈال کر روڈ بنانا اور بدلے میں دوسری زمین لینا

**سوال [۷۸۱۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دہلی لکھنؤ روڈ کی توسیع ہو رہی ہے جس میں فور لائن کی سڑک بن رہی ہے اس میں مسلمانوں کے قبرستان کا کچھ حصہ آ رہا ہے، حکومت چاہتی ہے کہ قبروں کے اوپر کچھ اونچائی سے سڑک بن جائے اور قبریں جوں کی توں محفوظ رہیں کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جو قبرستان روڈ کی توسیع کی وجہ سے روڈ کے درمیان آ گیا ہے اس قبرستان کو اس کی حالت پر باقی رکھ کر اوپر سے لینئر ڈال کر روڈ بنایا جائے اور مسلمانوں کو اس کے بدلے دوسرا قبرستان دیدیا جائے تو شرعاً مجبوری میں اس کی گنجائش ہے۔

أرض الوقف إذا غصبها غاصب و أجرى عليها الماء حتى صارت بحراً لا تصلح للزراعة يضمن قيمتها، و يشتري بها أرضاً أخرى فنكون وقفاً مكانها، وكذا أرض الوقف إذا قل نزلها بحيث لا تحتل الزراعة ولا تفضل غلتها عن مؤنتها ويكون صلاح الأرض في الاستبدال بأرض أخرى، وإن كان لا كذلك، بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بضمن الوقف ما هو خير منه مع كونه متفعلاً به . (اعلاء لسنن، كتاب الوقف باب يجوز وقف العقار والنور ..... كونه ۱۳/۱۶۱، دار الكتب العلمية لبنان ۱۳/۱۸۷، ۱۸۸۴ تحت رقم الحديث ۴۵۲۸، الولولجية دار الايمان ۳/۹۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴/۱۹۵)

**قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يحد بضمنها أرضاً أخرى هو أنفع للفقراء وأكثر ريباً كان له أن يبيع هذه الأرض و يشتري بضمنها أرضاً أخرى يجوز رحمة الله استبدال الأرض بالأرض . (قاضیخان، الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً ..... زكريا جديد ۳/۲۱۰، قديم ۳/۳۰۰، بزازیہ زكريا جديد ۳/۱۳۴، و على هامش الهندية ۶/۲۵۴، المحيط البرهاني المجلس العلمي ۹/۲۵ رقم:**



۱۱۰۱۹، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۶۳/۸ رقم: ۱۱۲۱۵، مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت ۵۷۶/۲، الموسوعة الفقهیة الكويتیة ۱۹۷/۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ العلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۲/۴۰)

## قبروں کو مٹا کر پختہ راستہ بنانا

**سوال [۷۸۱۹]:** (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی قبروں پر پختہ راستہ بنا کر ان کا نشان مٹایا جائے اور اس راستہ پر مستقل طور پر چلا جائے تو یہ عمل شرعاً کس حد تک جائز ہے؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان کی قبروں کے نشانات مٹا کر اس پر پختہ راستہ بنانا اور مستقل گذرگاہ بنا لینا ناجائز ہے، ایسا کرنے والے سب گنہگار ہوں گے، مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس حرکت سے لوگوں کی روک تھام کریں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۰، ۱۳۲/۷، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۰۸، ۵۲۰)

**عن جابر قال:** نہی رسول اللہ ﷺ أن تجصص القبور، وأن یکتب علیہا وأن ینسی علیہا وأن تؤطأ. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراہیة

تجصیص القبور والکتابة علیہا، النسخة الهندیة ۱/۲۰۳، دار السلام، رقم: ۱۰۵۲)

**ویکره أن ینسی علی القبر أو یقعد علیہ أو ینام علیہ أو یوطأ علیہ.**

(ہندیہ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا جدید ۱/۲۲۷،

قدیم ۱/۱۶۶، تبیین الحقائق امدادیہ ملتان زکریا ۱/۵۸۷، امدادیہ ملتان ۱/۲۴۶)

**فعلى هذا ما ذكره أصحابنا في كتبهم من وطء القبور حرام.** (شامی،

قیل مطلب: فی وضع الجرید ونحو الأس علی القبور، کوئٹہ ۱/۶۶۷، کراچی ۲/۲۴۵،

زکریا ۳/۱۵۵، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتب دیوبند ۶۲۳)  
 ویکرہ القعود علی القبر، ولو وجد طریقا فی المقبرة وهو یظن أنه طریق  
 أحدثوا لایمشی فی ذلك. (قاضیخان زکریا جدید ۱/۱۲۲، و علی هامش الہندیة ۱/۱۹۵)  
 یکرہ المشی فی طریق ظن أنه محدث حتی إذا لم یصل إلی قبرہ إلا  
 بوطاء قبر ترکہ. (الدر مع الرد کراچی ۲/۲۴۵، زکریا ۳/۱۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۳/۲۴-۷)

## پختہ راستہ بناتے وقت قبر آجائے تو کیا کریں؟

**سوال [۷۸۲۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
 بارے میں: کہ اگر کسی جگہ قبرستان ہے، پختہ راستے توڑنے پر قبر کا نشان یا گڑھ یا تختے وغیرہ  
 پائے جائیں تو اس جگہ قبر بنائی جائے یا راستہ پختہ بنا دیا جائے، شرع کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اس جگہ اگر گزرگاہ وغیرہ بن جانے کا خطرہ ہو تو

قبر کا نشان بنا دینا بہتر ہے۔

عن جابر قال: نہی رسول اللہ ﷺ أن تجصص القبور، وأن یکتب  
 علیہا وأن ینسب علیہا وأن تؤطأ. (سنن الترمذی، الحناظر، باب ماجاء فی کراہیة

تجصیص القبور والکتابة علیہا، النسخة الہندیة ۱/۲۰۳، دار السلام رقم: ۱۰۵۲)

کرہ وطؤها بالآقدام لما فیہ من عدم الاحترام. (حاشیة الطحطاوی علی

مراقی الفلاح قدیم ۱/۳۴۲، دار الکتب دیوبند ۱/۶۲۳، شامی زکریا ۳/۱۵۵، کراچی

۲/۲۴۵) فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۳/۲۴-۷)

## قبرستان عامہ کی چہار دیواری توڑ کر لب سڑک دوکان بنانا

**سوال [۷۸۲۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر روڑکی آبادی کے اعتبار سے ایک بڑی جگہ ہے، مسلمان اچھی تعداد میں آباد ہیں، اس شہر میں صرف ایک قبرستان ہے، شہر کے پورے مردے اس میں دفن ہوتے ہیں، اس کی جانب جنوب ایک پختہ ڈامر کی سڑک ہے اور قبرستان کی یہ جانب اپنی حد سڑک سے چند فٹ کے فاصلہ پر دیوار سے جو کہ قد آدم ہے محفوظ ہے، اور یہ دیوار کچھ دن پہلے منتظمین نے عام مسلمانوں کے تعاون سے تعمیر کی تھی، اور قبرستان کے اس حصہ سے متعلق نہ کوئی جھگڑا ہے اور نہ ہی دیوار سے محفوظ ہونے کی بنا پر حکومت یا اعیانہ کے قبضہ کا بظاہر کوئی خوف ہے اور اکثر قبرستان و عیدگاہ وغیرہ ہندوستان میں چہار دیواری سے محفوظ ہیں اور صاف سی بات ہے کہ قبرستان کو کسی آمدنی کی بھی ضرورت نہیں ہوا کرتی، اگرچہ وقتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اس قبرستان کو آم کے درختوں کے پھلوں سے بھی آمدنی ہوتی ہے اور اگر نہ بھی ہو تو ان کو عمومی چندہ سے بہت آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے جس کی مثالیں یہاں پر موجود ہیں، ان حالات میں جنوب کی جانب لب سڑک قبرستان کی دیوار کو توڑ کر اس دیوار سے اندر کی جانب جس میں پرانی قبریں بھی ہیں اگر بالفرض محال نہیں ہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ قبرستان کے اس حصہ میں آئندہ قبریں بنائی جاسکتی ہیں، منتظمین قبرستان اس جگہ پر تقریباً تیس دوکانوں کا منصوبہ بنا کر تعمیر شروع کریں تاکہ ان کے کرایہ سے آمدنی حاصل ہو سکے، بقول منتظمین قبرستان کے فنڈ میں پیسہ بھی نہیں ہے، یہ تعمیر قرض لے کر یا پیشگی کرایہ حاصل کر کے پوری کی جائے گی جس سے بلاوجہ قبرستان پر قرض کا بار بھی ہو جائے گا، جبکہ قبرستان کا شرعی مقصد اور منشاء و مصرف مردوں کا دفن کرنا ہے نہ کہ مارکیٹ بنانا۔

لہذا شریعت کی روشنی میں بتلایا جائے کہ منتظمین کا ان دوکانوں کی تعمیر کا منصوبہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بعض لوگ علماء سے معلومات کرنے کے بعد اس تعمیر میں رکاوٹ کر رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو ایسی تعمیر کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ بنیاد وغیرہ کی کھدائی پر مردوں کی ہڈیاں وغیرہ بھی نکلی ہیں جس

سے مردوں کی بے حرمتی معلوم ہوتی ہے، ان دوکانوں سے ہونے والی آمدنی کو کیا کسی دوسرے وقف یعنی مدرسہ، مسجد، مسافر خانہ، پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرحیم روڑکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قبرستان موقوفہ برائے دُفن میں غرض واقف کے خلاف دوکانیں تعمیر کرنا ناجائز ہے، قبروں کی ضرورت کے لیے دوکانوں کو توڑ کر اس پر شرعاً قبریں بنائی جاسکتی ہیں، جو لوگ علماء سے معلومات کر کے رکاوٹ ڈال رہے ہیں وہ حق پر ہیں، تعمیر کرنے والے ناحق، ناجائز کام کر رہے ہیں، نیز جو انتظامیہ غرض واقف اور حکم شرع کے خلاف کرے اس کو معزول کر کے دوسری انتظامیہ قائم کرنا لازم ہے، اس کی آمدنی مسجد، مدرسہ، مسافر خانہ پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵۸۷/۲)

إنہم صر حوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب

مراعاة غرض الواقفين واجبة، کوئٹہ ۳/۶۶۴، کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۶۶۵)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة و أقبروا فيها (إلى قوله) وبعد ما بنى لواححتاجوا إلى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه. (فتاویٰ قاضیخان، الوقف، فصل فی المقابر والرباطات، زکریا جدید ۳/۲۱۹، وعلی ہامش الہندیہ ۳/۳۱۳، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۶۶۷، جدید ۲/۴۱۶)

وإنما تثبت ولاية الاستبدال بالشرط وبدون الشرط لا تثبت.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۱۹۸)

ولا يولي إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز.

(الدرمع الرد، مطلب: شروط المتولى کوئٹہ ۳/۴۲۱، کراچی ۴/۳۸۰، زکریا ۶/۵۷۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۲۰۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۵۰)

## ۶ باب المساجد

### مسجد کا محافظ کون اور مسجد شرعی کی حد

**سوال [۸۸۲۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اللہ کیلئے مسجد بنائی جاتی ہے، مسجد کا محافظ کون ہے مسلمان؟ (۲) مسجد میں پاخانہ، پیشاب گھر کیوں ہے، کسی مسجد میں پاخانہ پیشاب گھر اوپر اور کسی مسجد میں نیچے ہے؟

المستفتی: ریاض الدین شیدی سرانے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) مسجد اللہ کا گھر ہے اس کا تحقیق محافظ بھی وہی ہے۔

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ﴾ [الحج: ۱۸]

لیکن مسجد کی حفاظت جہی ہو سکتی ہے جب اس میں پانچوں وقت نماز پڑھی جائے اور

اس کو آباد رکھا جائے۔

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ﴾

[التوبہ: ۱۸]

مسجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں، وہی محافظت کرتے ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کی

عبادت کرتے ہیں۔

(۲) مسجد شرعی وہ ہے جو جماعت خانہ کے حدود میں ہے جہاں تک صفیں بچھائی

جاتی ہیں یا صفوں کے نشان بنائے جاتے ہیں یا مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے جہاں تک حدود

مسجد میں داخل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اس حدود کے اندر وضو خانہ، پیشاب خانہ، بیت الخلاء

وغیرہ کسی قسم کا تصرف جائز نہیں ہے اور اس حدود سے باہر وضو خانہ غسل خانہ، پیشاب گھر،

بیت الخلاء، امام ومؤذن کے کمرے وغیرہ کوئی بھی چیز بنانا جائز ہے، نیچے کی منزل میں بھی جائز ہے اور پر کی منزل میں بھی جائز ہے، لیکن آپ کا سوال واضح نہیں ہے کہ بیت الخلاء، پیشاب گھر کس حصہ میں بنانے کے متعلق سوال ہے اگر شرعی مسجد کے حدود سے باہر ہے تو جائز ہے، آپ کا شبہ کرنا درست نہیں ہے۔

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحة أى المسجد جاز. (در مختار، الوقف، مطلب فی أحكام المسجد، زکریا ۶/۵۴۷، کراچی ۴/۳۵۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۰۲/۳۷، مجمع الانهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۹۴، قدیم ۱/۷۴۷)

وفی تقریرات الرافعی تحت قول لمصالحة: لیس بقید بل الحكم كذلك إذا كان ينتفع به عامة المسلمين علی ما أفاده فی غاية البیان. (الرافعی فی آخر الشامی، زکریا ۶/۸۰، کراچی ۴/۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۱۷/۳۵)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۱/۶/۵ھ

## مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار کون؟

**سوال [۷۸۲۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں اب بابر کی مسجد تحریک نے ایک پیچیدہ صورت اختیار کر لی ہے کیونکہ بعض نام نہاد مسلمانوں نے اس سے اختلاف کرنا شروع کر دیا ہے جس کی بنا پر عام مسلمانوں میں مختلف شبہات پیدا ہو رہے ہیں، لہذا مسلمانوں کو بابر کی مسجد کی حفاظت کے لیے احتجاج اور مظاہرے کرنا اور اس کی حفاظت کے لیے میدان عمل میں آنا من حیث المذہب ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: لیتق احمد خان جمالی، رابع پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے البتہ لڑنا جھگڑنا اور فتنہ برپا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کی صیانت و حفاظت کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا اور حکومت ہی سے احتجاج کرنا لازم ہے۔  
(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مکتوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۴۷)

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ﴾  
[التوبہ: ۱۸] ﴿فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم﴾

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۳)

موجودہ زمانے میں کسی مسجد کو مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی سے موسوم کرنے کا حکم

**سوال [۷۸۲۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) کے ناموں پر کسی اور مسجد کا نام بھی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ٹائٹل بادل میں مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا ہے بعض حضرات کو اس نام پر اعتراض ہے اس لیے کہ مساجد ثلاثہ کی فضیلت اور خصوصیت ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ نام باقی رکھا جائے یا اس کو تبدیل کیا جائے؟

المستفتی: جلیس احمد ٹائٹل بادل، راجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** شرعاً اس نام میں جواز کی گنجائش ہے لیکن اس طرح عام مساجد کے نام رکھنے سے عام لوگوں کے دلوں میں مساجد ثلاثہ کی جو عظمت ہے اس میں آہستہ آہستہ خفت ہو جائے گی مثلاً جس مسجد کا نام مسجد اقصیٰ رکھا جائے اس کے قرب الاشعور بچے جن کے کانوں میں غنغوان حواس سے محلہ کی مسجد کے لیے مسجد اقصیٰ کا لفظ پڑتا

رہے گا، تو بعد میں عاقل بالغ ہونے پر جب اہل مسجد اقصیٰ کا نام آئے گا تو وہ عظمت دلوں میں نہیں ہوگی، جو ہونا چاہیے تھی، اس لیے ایسا نام رکھنا بہتر نہیں ہے فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۱۹/۲۷)

## حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت کہاں کہاں ہے؟

**سوال [۷۸۲۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ جو حدیث میں ہے کہ بیت اللہ پر روزانہ ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ان میں سے چالیس بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ حرم شریف میں کہیں بھی نماز پڑھیں تو ان نیکیوں کے حقدار ہوں گے یا خاص خانہ کعبہ کے اندر یا حطیم میں نماز پڑھنے پر یہ نیکیاں ملیں گی؟

المستفتی: انیس احمد نہٹور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حدیث مبارک میں جو چالیس رحمتیں بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے ذکر کی گئی ہیں وہ حدیث شریف اپنی جگہ درست ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ينزل الله على أهل المسجد مسجد مكة كل يوم عشرين و مائة رحمة، ستين منها للطائفين، و أربعين للمصلين و عشرين منها للناظرين. (المعجم الأوسط، دار الفكر ۴/ ۳۸۱، رقم: ۶۳۱۴، و هكذا في الترغيب و الترهيب للمندري ۲/ ۱۲۲، رقم: ۱۷۱۴)

حرم شریف میں کہیں بھی نماز پڑھنے سے یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، خواہ حطیم کے اندر نماز پڑھے یا اس کے باہر نماز پڑھے، اس لیے کہ حطیم اور اس سے خارجی حصہ سب ہی



مسجد حرام کے حدود میں داخل ہیں اس لیے کہ اس میں خانہ کعبہ کے اندر کا حصہ مراد نہیں ہے، بلکہ مسجد حرام اور مطاف مراد ہے، اس لیے کہ نماز کی جگہ مسجد حرام ہی ہے اور کعبۃ اللہ کے اندر کا حصہ تو قبلہ ہے یہ الگ بات ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر بھی نماز جائز ہے۔

لما كان الاعتبار للتسمية عندنا لم يختص ثواب الصلاة في مسجده عليه الصلاة والسلام بما كان في زمنه. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب شروط لصلاة، مطلب: ما زيد في لمسجد النبوي هل يأخذ حكمه زكريا ۲/۱۰۷، کراچی ۱/۴۲۶) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ رذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۳۲)

## کیا حرمین شریفین میں نماز کی فضیلت عورتوں کے لیے بھی ہے؟

**سوال [۷۸۲۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ آیا ہے اس میں مرد اور عورت باہم شریک ہیں، یا صرف مرد کو ہی ثواب ملے گا جیسا کہ خطاب حکیم الاسلام میں ہے؟  
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اس کے بارے میں علامہ منذری نے الترغیب والترہیب میں یہی لکھا ہے کہ حرمین شریفین میں نماز کی جو فضیلت آئی ہے وہ مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کا اپنے گھروں اور قیامگاہوں میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

إن قول النبي ﷺ صلاة في مسجد النبي ﷺ تعدل ألف صلاة في غيرها من المساجد إنما أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء. (صحيح

ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۲/۸۱۴، ۸۱۵، رقم الباب: ۱۷۷)

اور علامہ شامی نے نقل فرمایا ہے کہ پورے حدود حرم اور حدود مکہ اور حدود مدینہ منورہ

میں سے کہیں نماز ادا کی جائے تو فضیلت حاصل ہو جائے گی، لہذا منذری وغیرہ نے جو عورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے یہ باقاعدہ مسجد حرام میں جا کر ادا کرنے سے استثناء ہے، مگر حدود حرم میں اپنی قیامگاہ میں فضیلت کا استثناء نہ ہوگا۔

بل المشہور عند أصحابنا أنه یعم جمیع مکة بل جمیع حرما الذی یحرم صیدہ۔ (شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیہا مطلب: فی أفضل المساجد، زکریا ۴۳۲/۲، کراچی ۱/۶۵۹)

اور اپنی قیامگاہ میں بے حجابی اور فتنہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور مسجد میں جانے میں خطرہ ہے۔  
مامن مصلی للمرأة خیر من بیتها إلا فی حج أو عمره إلا امرأة قد ینست من البعولة۔ (مجمع الزوائد، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۳۵)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ  
۲۰ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۵۱/۲۹)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۲۰/۱۰/۱۴۲۴ھ

کعبۃ اللہ کے چاروں طرف کا مطاف اور مسقف عمارت بھی مسجد حرام ہی ہے

**سوال [۷۸۲۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت مفتی سعید احمد صاحب نے تحفۃ القاری ۳۸۲/۸ پر فتح مکہ کے عنوان کے ذیل میں لکھا ہے کہ ”مسجد حرام“ درحقیقت کعبہ شریف کا نام ہے اور اس کے ارد گرد جو مطاف ہے وہ مسجد کا حصہ نہیں اس کو مسجد مجازاً کہا جاتا ہے، لہذا مفتی صاحب سے سوال ہے کہ کیا مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارت واقعی مسجد نہیں ہے؟ باحوالہ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** قرآن مقدس میں کعبۃ اللہ کو مسجد حرام کہا گیا ہے مگر کتب احادیث و تفاسیر میں ایسی صریح عبارات نہیں ملی جس میں یہ بات واضح کی گئی ہو کہ مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارتیں مسجد نہیں ہیں، بلکہ کعبۃ اللہ کے مسجد حرام ہونے

کے ساتھ ساتھ مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارت بھی مسجد حرام ہی میں داخل ہیں، اور جمہور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کعبۃ اللہ کی چاروں طرف کا مطاف اور عمارت بھی حقیقی طور پر مسجد حرام ہے۔

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة: ۱۴۹]

قلت: قد روى ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رض أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

قال: البيت قبله لأهل المسجد والمسجد قبله لأهل الحرم والحرم قبله لأهل الأرض في مشارقها و مغاربها من أمتي . (تفسير قرطبي، مكتبة دار الكتب العلمية ۱۰۶/۲، تفسير قرطبي بيروت ۱۵۹/۲)

إنما ذكر الحرم أو المسجد دون الكعبة مع أنها هي القبلة إشارة إلى أن

الواجب على النائي استقبال جهة الكعبة دون عينه. (تفسير مظہری زکریا ۱/۱۶۰) وفي ذكر المسجد الحرام الذي هو محيط بالكعبة دون الكعبة مع أنها القبلة التي دلت عليها الأحاديث الصحاح إشارة إلى أنه يكفي للبعيد محاذاة جهة القبلة. (روح المعاني زکریا ۲/۱۴)

فالمراد بالمسجد الحرام حينئذ الحرم سماه المسجد الحرام لأن

كله مسجد. (تفسير مظہری زکریا ۵/۳۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۰/۴۰)

## کیا ایک دفعہ نماز پڑھنے سے شرعی مسجد بن جائے گی

**سوال [۷۸۲۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک صاحب خیر نے اپنی سکنائی اراضی مسجد کے نام سے چھوڑ دی تھی چند حضرات کے ذریعہ معلوم بھی ہوا کہ ماضی میں اسی اراضی پر نماز بھی ادا کی گئی لیکن بشکل مسجد کوئی تعمیر

نہیں ہوئی، اب کافی عرصہ سے یہ آراضی خالی نہیں پڑی ہے بلکہ قریب کے رہنے والے اس کو استعمال کر رہے ہیں، اس وقت موقع پر آراضی مذکورہ پندرہ یا بیس میٹر مربع ہے کیا اس آراضی میں مسجد ہی تعمیر کرائی جائے، یا اس کو فروخت کر کے کسی دوسری مسجد میں رقم لگا دی جائے؟ قرآن وحدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب صاحب خیر نے اپنی مذکورہ زمین مسجد کے لیے دیدی ہے اور اس میں اس کی اجازت سے باقاعدہ نماز بھی پڑھی گئی ہے تو وہ زمین شرعی مسجد بن چکی ہے اس لیے اس میں صرف مسجد ہی بن سکتی ہے اس کو فروخت کرنا یا اس کو حرمت مسجد کے خلاف دیگر مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا اور شرعی مسجد ہونے کے لیے بشکل مسجد تعمیر شرط نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يساع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذی القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح أط النسخة الهندية ۱/ ۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

ولو اتخذ أرضه مسجدا ليس له الرجوع فيه ولا بيعه وكذا لا يورث عنه. (تبيين

الحقائق، كتاب الوقف، فصل ومن بنى مسجدا لم يزل ملكه، زكريا ۴/ ۲۷۲، املاديه ملتان ۳/ ۳۳۰)  
رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوما أن يصلوا فيها بجماعة (إلى قوله)  
أحدها إن أمرهم بالصلاة فيها أبدا نصابا أن قال صلوا فيها أبدا أو أمرهم  
بالصلاة مطلقا ونوى الأبد ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجدا

لومات لا یورث عنہ الخ. (فتاویٰ عالمگیری، الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد و ما يتعلق به، زکریا جدید ۲/۴۰۹، قدیم ۲/۴۵۵، المحيط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۸، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۷، رقم: ۱۱۴۹۹)

وفی البحر: الصحیح أنه یصیر مسجدا. (البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۴۸، زکریا ۵/۱۶۶، قاضیخان زکریا جدید ۳/۲۰۲، وعلی ہامش الہندیة ۳/۲۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۰۹/۲۵)

ذاتی زمین میں مسجد بنا کر نماز کی اجازت دینے سے کیا مسجد شرعی ہو جائے گی؟

**سوال [۸۲۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے ایک زمین اپنے پیسہ سے خریدی مکان کے نام سے، محکمہ گورنمنٹ سے اس کو بنانے کا اجازت نامہ لیا، نقشہ میں مکان اور مسجد کچھ نہیں لکھنا پڑتا، بلکہ بلڈنگ ہی لکھتے ہیں، اور بغیر کسی اور سے چندہ لیے بنا لیا ہے ابھی بہت کچھ کام باقی ہے مگر نماز نہیں ہو رہی ہے، اپنے اہل محبت بھائی زیادہ ہیں اس لیے کوئی اس مسجد میں نماز کے لیے نہیں آتے ایک صاحب بھی مکان بنا رہے ہیں، رہنے پر ایک دو وقت آتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کسی اور سے چندہ نہیں لیا ہے پتہ نہیں نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) ایک صاحب کہتے ہیں کہ وقف نہیں کیا اس لیے نماز ہونے میں شک ہے؟ ہم نے مسجد سب کے لیے بنائی ہے، میں روکتا نہیں ہوں بلکہ بلاتا ہوں نماز کے لیے، کمیٹی بنانے میں صدر سکریٹری کے لیے جھگڑے ہوئے پولیس آئی، لگتا ہے کہ مسجدوں میں ان لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے، جماعت نہیں جاتی، وہ اپنا پروگرام کرتے ہیں، برائے کرم اوپر کے دونوں مسئلوں پر شرعی اعتبار سے اور قانونی اعتبار سے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: حافظ شوکت علی فریدنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) دوسروں سے چندہ کیے بغیر ذاتی پیسہ سے بنائی گئی مسجد، شرعی مسجد کے حکم میں ہے، اس میں نماز اور جماعت کرنا درست ہے۔

(۲) جب زمین کے مالک نے مسجد بنا کر اپنا قبضہ اٹھا لیا اور ہر ایک کو آنے کی اجازت دیدی اور اذان و نماز شروع ہوگئی تو اب وہ بغیر صریح وقف کے اذان و نماز کی اجازت سے وقف شدہ شرعی مسجد ہوگئی، اس صورت میں مسجد شرعی میں نماز اور جماعت کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

وفي الذخيرة: و بصلاة جماعة يقع التسليم بلاخلاف حتى أنه إذا بنى مسجدا و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجدا. (شامی، الوقف، مطلب: فی أحكام المسجد، زکریا دیوبند ۵/۶، ۵۴۵، کراچی ۴/۳۵۶، البحر الرائق ۵/۲۴۸، زکریا ۵/۴۱۶، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶، الفتاویٰ التاتاریخانیة زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۶۴۷)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۷/۳۶۲۷ھ

**نو تعمیر مسجد کو مسجد کا حکم کب حاصل ہوگا؟**

**سوال [۷۸۳۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد نئی تعمیر ہو رہی ہے اس کو مسجد کا حکم کب سے دیا جائیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نئی تعمیر شدہ مسجد کو مسجد کا حکم اس وقت حاصل ہوگا جب اس میں نماز باجماعت شروع ہو جائے۔

التسليم فى المسجد أن تصلى فيه جماعة بإذنه - إلى - ويشترط مع

ذَکَکَ اَن تَکون الصلَاةُ بِاَذَانٍ وَّ اِقَامَةٍ جَهْرًا لَا سِرًا، لَوْ جَعَلَ رَجُلًا وَّاحِدًا مَوْذِنًا وَّ اِمَامًا وَّ اَقَامَ وَّ صَلَّى وَّ حُدِّدَ صَارَ مَسْجِدًا بِالْاِتِّفَاقِ. (هنديہ، لوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، زکریا قدیم ۲/۴۵۵، جدید ۲/۴۰۸، الفتاویٰ التاتاریخانیة زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۶۰۳/۴۱)

## کیا مسجد شرعی ہونے کے لیے وقف ضروری ہے؟

**سوال [۷۸۳۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مسجد میں نماز جائز ہونے کے لیے زمین کا وقف ہونا ضروری ہے، اگر کسی نے اپنی زمین میں مسجد بنا کر اجازت عام دیدی یا کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے مسجد بنائی اور اس میں نماز ہو رہی ہے کیا نماز اس میں جائز ہے یا نہیں؟ یا نماز جائز ہونے کے لیے باضابطہ لکھنؤ سے وقف کرانا ضروری ہے، یا گورنمنٹ کے کھاتے میں وقف کا اندراج ضروری ہے؟

المستفتی: محمد منصور احمد محلہ رحمت نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نماز میں مسجد کا ثواب حاصل کرنے کے لیے شرعی مسجد ضروری ہے، اور شرعی مسجد کے لیے وقف ہونا لازم ہے اور کسی شخص کا اپنی زمین میں مسجد بنا کر یہ کہہ دینا کہ میں نے اس کو مسجد بنا دی ہے شرعی مسجد ہونے کے لیے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کافی ہے، اور اگر لوگوں نے نماز پڑھنا شروع کر دی ہے تو تمام فقہاء کے نزدیک مسجد ہو جائے گی اور اگر لوگوں کو مسجد بنانے کی اجازت دیدی ہے اور لوگوں نے مسجد بنا کر نماز شروع کر دی ہے تو بھی سب کے نزدیک وہ شرعی مسجد ہو جائے گی اور شرعی وقف اور مسجد

ہونے کے لیے لکھنویا گورنمنٹ کے کھاتے میں اندراج لازم نہیں ہے۔

ويزول ملكه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا  
عند الثانی و شرط محمد و الإمام الصلاة فيه بجماعة. (الدر المختار، الوقف،  
مطلب فی أحكام المسجد، زکریا ۶/۶ - ۵۴۶ - ۵۴۴، کراچی ۳۵۵/۴ - ۳۵۷، وھکذا  
فی الھندیة زکریا قدیم ۳۵۵/۲، جدید ۴۰۸/۲، الفتاوی التاتارخانیة زکریا ۱۵۶/۸،  
رقم: ۱۱۴۹۵، المحيط البرھانی، المجلس العلمی ۱۲۴/۹، رقم: ۱۱۳۳۶)

ولا يتم الوقف حتى يقبض ..... ففي المسجد بالإفراز. (الدر المختار، مطلب:  
شروط الوقف علی قولھما کراچی ۳۴۸/۴، زکریا دیوبند ۵۳۴/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم  
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۰)

## مسجد کے لیے وقف شدہ زمین پر مسجد بنانا

**سوال [۷۸۳۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی جناب حاجی اچھن صاحب ولد حاجی بنیاد حسین صاحب کی واقع محلہ گونیاں باغ میں ہے جس پر کافی لمبے عرصہ سے نگر پالیکا کا ناجائز قبضہ ہے اور اس پر کوڑا وغیرہ پڑتا ہے، حاجی اچھن صاحب محلہ پیرزادہ میں رہتے ہیں یہ ہمیشہ سے اس آراضی کے ذمہ دار ہیں حاجی اچھن صاحب نے اس مقبوضہ جگہ پر مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے، جس کا متولی جناب عاقل بھائی ولد جناب یوسف بھائی تل والے کو بنایا ہے، آپ سے التماس ہے کہ آپ اس تحریک کو پڑھ کر شریعت کے اعتبار سے فتویٰ دیں کہ اس آراضی پر مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس علاقہ میں کافی دور تک کوئی مسجد نہیں ہے جس سے اس محلہ کے لوگوں کو نماز ادا کرنے کے لیے بہت دور جانا پڑتا ہے، اس لیے اہل محلہ نے اس تحریک کو مضبوطی کے ساتھ چلانے کے لیے قدم اٹھایا ہے، مہربانی کر کے جواب تحریر کریں۔



## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** حاجی اچھن صاحب نے جب اس زمین کو مسجد کے واسطے وقف کر دیا ہے تو اس پر مسجد تعمیر کرنا بلا تردد درست ہے، لیکن پہلے اس زمین سے نگر پالیکا کا قبضہ اٹھانا چاہیے، تاکہ آئندہ مشکلات نہ کھڑی ہو جائیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۹۳/۱۰، ڈبھیل ۳۹۱/۱۴)

ولو قال داری للمسجد أو أعطيتها له صح و يكون تمليكا فيشترط التسليم. (ہندیہ، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی، زکریا قدیم ۶۰/۲، جدید ۴۱۲/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۸۳۹)

## وقف تام ہونے سے قبل اس پر مسجد تعمیر کرنا

**سوال [۷۸۳۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی حیات میں ہی سوگن زمین اپنے چار بچوں میں تقسیم کر کے ان سب کے نام کر دی تھی، جن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں سب سے چھوٹی بیٹی کی وفات ہو جاتی ہے اس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے سامنے یہ وصیت کر دی تھی کہ اگر میں اپنا نکاح ہونے سے پہلے مر گئی تو میرے نام پے جو مکان ہے وہ مسجد کے نام وقف کر دیا جائے، اور میرا سارا سامان کسی غریب لڑکی کی شادی میں جہیز کی شکل میں دیدیا جائے میں تم لوگوں میں سے کسی کو نہیں دوں گی، اس نے یہ وصیت اس لیے کی تھی کہ اس کے سگے عزیز رشتہ دار اس کے ساتھ بدسلوکی کیا کرتے تھے، اس کا نکاح کہیں نہیں کرتے تھے، بالآخر اس نے اپنے گھر والوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ایک دن خود سوزی کر لی، یہاں تک کہ اس نے اسپتال میں بھی دم نکلنے سے پہلے یہی بیان دیا کہ میرا مکان مسجد

کے نام کرنا میرے کسی بھائی بہن وغیرہ کو مت دینا، اس کے اس بیان کے گواہ متوفیہ کے دونوں بھائی اور بہن رشتہ دار اور محلہ کے چند لوگ ہیں، اس کے انتقال کے چالیسویں کے بعد حاجی بدر الدین صاحب سلنڈر والے کے یہاں ایک پنچایت بیٹھی اس میں تقریباً پینتالیس آدمی موجود تھے، جن میں خاص خاص آدمی یہ ہیں، کاٹھ والے ملاجی عرف بھورے بھائی، نواب علی، حاجی رئیس صاحب، رفیق بھائی، لٹڈ چودھری، راجہ بابو وغیرہ، اور خود حاجی بدر الدین صاحب بھی موجود تھے، ان سب لوگوں نے متوفیہ کے دونوں بھائی ریاست اور لیاقت اور بہن عشرت سے کہا کہ مرنے والی کے مال اور مکان کے سب سے پہلے حقدار تم تینوں ہو تو تم تینوں میں سے جس کو چاہئے اور جتنا چاہیے بتا دو تو اس پر تینوں نے یہ جواب دیا کہ مرنے والی نے جو وصیت کی ہے اسی پر عمل کیا جائے تو لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وصیت تھی، تو ان تینوں نے بتایا کہ ہماری بہن شروع سے کہتی تھی کہ میرا مکان مسجد کو دیا جائے، اور میرا سامان کسی غریب لڑکی کو بطور جہیز دیا جائے اور ان تینوں نے کہا کہ ہمیں نہ تو اس کے سامان میں سے کچھ چاہیے، اور نہ اس کے مکان میں سے ہمیں اس میں سے لے کر گھر گار نہیں ہونا ہے، ہمیں خدا کو جواب دینا ہے، ہم اس کو ثواب پہنچانے کے لیے اس کی وصیت پر عمل کریں گے۔

ان کی اس بات پر وہاں موجود لوگوں نے واہ واہ کی اور مبارکباد دی اور سب لوگ خوش ہوئے، کہ اس سے اچھی بات کیا ہے؟ بہر حال پنچایت نے ان کی اس بات پر عمل کیا، سامان تو غریب لڑکی کی شادی میں بطور جہیز دیدیا گیا، اور اس وقت مسجد کو مکان کی ضرورت نہیں تھی، تو اس میں تالا لگوادیا، کہ جب ضرورت پیش آئے گی تو تالا کھول کر وقف بورڈ کے ذریعہ پکا کام ہو جائے گا، اور اس وقت تحریری طور پر کوئی بیان یا دستخط نوٹ نہیں کیے، اس امید پر کہ پنچایت بے فکر تھی، کہ پینتالیس آدمیوں کے سامنے انہوں نے متوفیہ کی وصیت پر عمل کرنے کا اقرار کیا ہے، اور مسجد کو دینے کا وعدہ کیا ہے، یہ لوگ اپنے قول و قرار اور عہد و پیمان سے نہیں پھریں گے، اور نہ مکر کریں گے، اور نہ مسجد کے مال کے ساتھ دھوکہ بازی کریں گے، اب ایک سال بعد قریب ہی کی مسجد کے پیش امام کو مکان کی ضرورت پڑی تو پنچایت کے لوگوں نے متوفیہ کے دونوں بھائیوں اور بہنوں کو بلا کر وہ مکان مسجد کے نام وقف کرنے کی بات کی

اور تالا کھلوانے کے لیے چابی مانگی تو اب دونوں بھائی ریاست اور لیاقت اپنے قول و قرار سے پھر گئے، اور چابی دینے سے انکار کر دیا، لیکن بہن عشرت رضا مند ہے تو جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا ہمیشہ متوفیہ کی مذکورہ بالا زبانی وصیت کرنے کے بعد اور دونوں بھائیوں کے قول و قرار کرنے پھر مکر کے بعد بھی از روئے شرع دونوں بھائی اس مکان متوفیہ کے حصہ دار بن سکتے ہیں؟ اور کیا قبضہ کر کے اپنے تصرف میں لاسکتے ہیں، اگر وہ سہیم و متصرف نہیں ہو سکتے تو ان کے مکر کے اور انکار کرنے کی صورت میں اہل محلہ اور اراکین کمیٹی جبراً اس مکان کا تالا توڑ کر مسجد کے لیے وقف کرنے کے شرعاً مجاز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟، یا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ شرعی یا قانونی ہو تو رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ مکان کے ایک تہائی حصہ میں مرحومہ کی وصیت نافذ ہوگی اور وہ حصہ مسجد کے لیے وقف ہوگا، کیونکہ ایک تہائی میں وصیت کا نفاذ وراثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہے۔

عن عامر بن سعد عن أبيه قال: مرضت، فعداني النبي ﷺ فقلت: يا رسول الله ﷺ أدع الله أن لا ير دني على عقبى، قال: لعل الله يرفعك و ينفع بك ناسا، قلت: أريد أن أوصي، و إنما لي ابنة، قلت: أوصي بالنصف، قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث، و الثلث كثير أو كبير، قال: فأوصي الناس بالثلث و جاز ذلك لهم. (صحيح البخاري، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ۱/۳۸۳، رقم: ۲۶۶۳، ف: ۲۷۴۴)

وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يحز الوارث ذلك لا الزيادة

عليه إلا أن تجيز وراثته بعد موته وهم كبار. (شامی زکریا ۱۰/۳۳۹، کراچی ۶/۶۵۰)

البتہ دیگر دو تہائی میں مسجد کی طرف سے قبضہ نہیں ہوا اور وارثین اپنے وعدے اور اقرار پر برقرار نہیں رہے، لہذا ان دو تہائی میں مسجد کے لیے وقف تام نہیں ہوا، اس بنا پر ان دو تہائی میں وراثہ کی ملکیت باقی ہے، ان کی رضامندی کے بغیر اس پر زبردستی قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

عن القاسم أن رجلا استأذن ورثته أن يوصى بأكثر من الثلث، فأذنوا له، ثم رجعوا فيه بعد ما مات، فسئل عبد الله عن ذلك، فقال: ذاك النكرة لا يجوز. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۹/۲۳۷، رقم: ۹۱۶۱، مسند الدارمی، دار المغنی للنشر و التوزیع ۴/۲۰۳۶، رقم: ۳۲۳۷)

ولا يتم الوقف حتى يقبض لم يقل للمتولى لأن تسليم كل شيء بما يليق به، ففي المسجد بالإفراز وفي غيره بنصب المتولى وبتسليمه إياه ابن كمال. (شامی الوقف، مطلب: شروط الوقف علی قولہما زکریا ۶/۵۳۴، کراچی ۴/۳۴۸)

اور جو وارث اپنے اقرار پر باقی ہے دو تہائی میں سے اس کے حصہ کے بقدر مسجد کے لیے وقف ہوگا، لہذا بہن عشرت کی رضامندی سے اس کا حصہ مسجد کی ملک ہو جائے گا۔

عن الحسن في الرجل يوصى بأكثر من الثلث فرضي الورثة قال: هو جائز. (مسند الدارمی، باب فی الذی یوصی بأكثر من الثلث، دار المغنی ۴/۲۰۳۶، رقم: ۳۲۳۷)

إذا أجاز بعض الورثة جاز عليه بقدر حصته. (شامی زکریا ۱۰/۳۴۰، کراچی ۶/۳۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۹ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۰۲/۳۲)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۰/۹/۹ھ

## مسجد اور اس کے متعلق چند مسائل

**سوال [۷۸۳۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چند لوگوں نے مل کر مسجد کے لیے ایک زمین خریدی اور لوگوں نے دوسرے محلے کے ایک عالم صاحب کو اپنا سرپرست بنا لیا، عالم صاحب نے اور محلے کے سارے لوگوں نے چندہ کر کے اس زمین کو لکھا لیا، قانونی دشواریوں کی وجہ سے وہ زمین عالم صاحب ہی کے نام رجسٹری ہو گئی، اور اس میں پنجوقتہ نماز شروع ہو گئی، ہم پنجوقتہ نمازیوں نے اپنی بستی کے

بڑے مدرسہ کے مفتی صاحب کو امام بنا لیا، دو سال ہو رہے ہیں ان کو امامت کرتے ہوئے، انہوں نے مؤذن کا بھی انتظام کر دیا، جو مدرسہ کے طالب علم ہیں، مفتی صاحب کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھاتے ہیں، تنخواہ کا کوئی نظم نہیں ہے، دو چار لوگ مل کر تقریباً پانچ سو روپیہ دیتے ہیں، لیکن کوئی ضروری نہیں دیدیا تو رکھ لیا کوئی مطالبہ نہیں، ایک دو لوگوں کے علاوہ محلہ کے سارے لوگ اور پنجوقتہ نمازی مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہتے ہیں، کئی مرتبہ امام کے بدلنے کی بات آئی، سارے لوگوں نے کچھ کو چھوڑ کر کے انکار کر دیا اور سب نے کہا کہ ہماری مسجد کے امام مفتی صاحب ہی رہیں گے، ہم لوگوں نے صرف یہ سوچا کہ مفتی صاحب کے رہنے میں استفادہ زیادہ ہو سکتا ہے، چنانچہ فجر کے بعد درس قرآن بھی ہوتا ہے، دوسری جانب سرپرست عالم صاحب کو مدرسہ اور اس کے ذمہ داران سے کچھ ذاتی رنجش ہے، اور مفتی صاحب سے سرپرست کا کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن پھر بھی مدرسہ سے رنجش کی وجہ سے وہ ہماری مسجد میں مفتی صاحب کی امامت کے مخالف ہیں، جبکہ مدرسہ علاقہ و اطراف میں بہت مشہور ہے، مدرسہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہے، مخالفین میں ایک دو لوگ ہی محلہ کے ہیں، جو عقیدۂ بریلوی ہیں، خود سرپرست عالم صاحب اہل حق اپنے کو کہتے ہیں لیکن امامت کے مسئلہ میں پنجوقتہ نمازیوں اور اہل حق کی بات نہ مان کر کرے بدعتیوں اور بریلویوں کے ہمراہ ہیں، لہذا مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے عنایت فرمائیں:

(۱) جو مسجد چندہ سے تعمیر کی گئی ہے اور سرپرست عالم کے نام درج ہو گئی جو محلہ سے

دو دوسرے محلہ میں رہتے ہیں کیا ان کا مسجد میں حق ملکیت ہے؟

(۲) کیا سرپرست کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ پنجوقتہ نمازیوں اور اہل محلہ کی باتوں

اور مشوروں کو نظر انداز کر دے محض اس لیے کہ اس مسجد کی زمین اس کے نام درج ہے؟

(۳) ایسے امام کو جس سے اکثر نمازی و محلہ والے خوش ہوں کیا ان کو امامت سے

ہٹایا جاسکتا ہے جبکہ سرپرست کے سوا اہل حق میں سے کوئی مخالفت نہ کرتا ہو اور ہر حال میں

مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہتے ہوں؟

(۴) یہ شکایت کرنا کہ امام چونکہ نیاز فاتحہ نہیں کرتے لہذا امامت کے حقدار نہیں ہیں؟

(۵) کچھ لوگ غیر محلّہ کے ہیں، مسجد میں بیجا مداخلت کرتے ہیں ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

(۶) سرپرست کا بغیر عذر شرعی کے امام کی مخالفت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: شمس عالم بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱) جو زمین اہل محلّہ کے چندہ کی رقم سے خریدی

گئی اور مسجد کی تعمیر کی گئی اور مصلحتاً عالم صاحب کے نام سے رجسٹری ہو گئی تو شرعی طور پر عالم صاحب اس زمین یا مسجد کے مالک نہیں ہوئے، اور نہ ہی اس میں ان کا مالکانہ تصرف کرنا جائز ہے اور اب اہل محلّہ کو چاہیے کہ عالم صاحب کے نام سے رجسٹری منسوخ کر کے مسجد کے نام سے وقف نامہ مکمل کرائیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قیدیم ۳۱۱/۱۵، جدید ڈا بھیل ۱۴/۵۴۹)

(۲) اہل محلّہ اور اکثر نمازیوں کے مشورہ کو سرپرست کا محض اس لیے نظر انداز کر دینا کہ مسجد کی زمین خود ان کے نام ہے جائز نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازیوں کے مشوروں کو سنیں پھر آپس میں کسی ایک رائے پر سبھی حضرات متفق ہو جائیں اور مسجد کی جو زمین ان کے نام ہے فوراً اس سے اپنا نام کٹوا کر مسجد کے نام کر دیں، مسجد کی زمین کا کسی فرد کے نام ہونا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قیدیم ۳۱۱/۱۵، جدید ڈا بھیل ۱۴/۵۴۹)

**فإن اختلفوا اعتبر أكثرہم.** (در مختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا

۲/۲۹۷، کراچی ۱/۵۵۹)

(۳) جب تمام اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازی مفتی صاحب کی امامت سے خوش ہیں تو

مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہیے، محض سرپرست اور چند بدعتیوں کی مخالفت کی وجہ سے انہیں امامت سے معزول کرنا صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/۲۵۱)

**إن القوم إذا عینوا مؤذنا و إماما کان أصلح مما نصبہ البانی فہو**

**أولیٰ.** (شامی، الصلاة، باب الأذان، قبیل مطلب ہل باشر النبی ﷺ الأذان بنفسہ، زکریا

۲/۷۱، کراچی ۱/۴۰۰)

(۴) نیاز فاتح کرنا خود بدعت ہے اور اس پر داروگیر کرنا خلاف شریعت عمل ہے، ایسے لوگوں

کی بات پر عمل کرنا گناہ اور معصیت ہے اس لیے ایسے لوگوں کی بات پر عمل نہ کیا جائے اور نہ ہی امام کو امامت سے معزول کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/۲۵۱، عزیز الفتاویٰ ۱۲۲، مداد المفتیین ۱۵۷)

(۵) امام مقرر کرنے کا حق اہل محلہ اور نچووقتہ نمازیوں کا ہے اس میں غیر اہل محلہ کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے۔

وإن تنزاع فی نصب الإمام و المؤذن مع أهل المحلۃ إن كان ما اختاره أهل المحلۃ أولى من الذى اختاره البانى فما اختاره أهل المحلۃ أولى! (الأشباه قديم ص: ۱۴۱)

(۶) امام جب مفتی اور عالم ہے اور اس میں کوئی شرعی خرابی بھی نہیں اور اکثر اہل محلہ اس سے خوش ہیں تو سرپرست کو بلا عذر شرعی امام کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے۔

الأحق بالإمامة الأعم بأحكام الصلاة صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفتوحش. (در مختار، الصلاة، باب الإمامة، زکریا ۲/۲۹۴، کراچی ۱/۵۵۷، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند ۲۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۳۸۲۲/۱۲۲  
الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۳۷/۲۲۲/۱۲۲

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۲۲۲/۱۲۲)

## مسجد شرعی بننے کے بعد نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا

**سوال [۸۳۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے دادا، پردادا نے ایک مسجد بنائی جو اپنی ذاتی آراضی اور اپنی جیب خاص سے تیار کرائی امام کی تنخواہ اور مسجد کے جملہ اخراجات وہی لوگ اپنی جیب سے پورا کرتے چلے آئے ہیں لیکن بنانے والے کی یہ نیت نہیں تھی کہ اس میں صرف ہم تنہا ہی نماز پڑھا کریں گے بلکہ یہ نیت تھی کہ سب اہل محلہ اور مسلمان نماز ادا کریں گے، اور سینکڑوں برس سے ادا کرتے چلے آئے ہیں البتہ مسجد اور امام کے جملہ اخراجات بنانے والوں کے خاندان

والے ہی برداشت کرتے ہیں اب زید کے دادا، پردادا جو مسجد بنانے والے تھے وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اب زید وغیرہ کبھی کبھی نمازیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ ہماری مسجد ہے اس میں نماز پڑھنے مت آؤ، اس شکل میں جبکہ زید اپنی مسجد میں تمام نمازیوں کو نماز پڑھنے سے منع کرے تو عام نمازیوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

(۲) عام نمازیوں کی نماز میں کچھ نقص تو نہیں آتا، جبکہ زید وغیرہ اپنی مسجد میں آنے کو اور نماز پڑھنے کو منع کرتے ہیں؟

(۳) کیا زید کو کہنے کا حق ہے کہ یہ صرف ہماری مسجد ہے اس کو ہم نے بنایا ہے جبکہ بناتے وقت یہ نیت تھی کہ سب نماز پڑھیں گے؟

(۴) اگر زید ہٹ دھرمی سے اس مسجد میں عوام کو نماز پڑھنے سے روکے یہ دھونس دے کر کہ مسجد ہماری ہے تو زید وغیرہ گنہگار ہوں گے؟

(۵) عام نمازی اس مسجد میں آکر نماز ادا کرتے رہیں، زید کے کنبے کی پرواہ نہ کریں یا کسی اور مسجد میں جا کر نماز ادا کریں؟

المستفتی: اقبال احمد شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر زید کے دادا پردادا نے اللہ تعالیٰ کے واسطے شرعی مسجد بنائی تھی اور اس وقت عام مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے چکے تھے تو مذکورہ مسجد شرعی مسجد بن چکی ہے، زید یا کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرے، منع کرنے والے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو بہت بڑا ظالم اور گناہ گار قرار دیا ہے۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾ [البقرة: ۱۱۴] ﴿

ولیس لورثتہ منعہم۔ (شامی الوقف، مطلب: فی أحکام المساجد، زکریا



مذکورہ مسجد میں تمام مسلمانوں کو آزادانہ نماز پڑھنے کا حق ہے اس میں وارثین کا کوئی حق اس طرح باقی نہیں رہا ہے کہ وہ کسی کو نماز پڑھنے سے منع کیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ شوال المکرمہ ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۵۰)

دو سو سال پرانی مسجد جس کے موقوفہ ہونے کا ثبوت نہ ہو موقوفہ کہلائے گی؟

**سوال [۷۸۳۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد دو سو سال پرانی ہے پہلے یہاں قبرستان تھا سو سال سے اس آراضی میں تدفین کا عمل نہیں ہوتا ہے اس مسجد کے دوطرف اسی خسرہ نمبر ۲۲ کی خالی آراضی ہے دوطرف مسجد کی دوکانیں بنی ہوئی ہیں، وقف بورڈ میں یہ مسجد و آراضی دوکانیں نمبر ۸/۱۰۷۸۳ شیش گران و مردہ گان کے نام سے درج ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کیا یا نہیں؟  
المستفتی: شیخ شکران، دملکان، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مذکورہ آراضی کے موقوفہ ہونے کے لیے اتنا ثبوت کافی ہے کہ مسجد شرعی اس میں قدیم زمانہ سے بنی ہوئی ہے اور خالی زمین میں تدفین کا سلسلہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ یہ جگہیں دفن کے لیے وقف ہیں، اور وقف بورڈ میں اس جائیداد کے وقف نمبر کامل جانا بھی مذکورہ جائیداد کے وقف کے ثبوت کے لیے کافی ہے، اور مسجد کے دائیں بائیں جو خالی زمینیں پڑی ہوئی ہیں جن میں دفن کا سلسلہ جاری نہیں ہے اس میں مسجد کی توسیع کی بھی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً (إلى قوله) فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه

لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة، و یتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۱۷۹، زکریا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملہم، کتاب المساجد اشرفیہ ۲/ ۱۱۸، ہکذا فی فتاویٰ التاتاریخانیة زکریا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرہانسی، المجلس العلمی بیروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱، ہندیہ زکریا قدیم ۲/ ۴۶۹، جدید ۲/ ۴۱۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۷)

الجواب صحیح  
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
 ۱۸/ ۵/ ۱۴۳۲ھ

## کیا عید گاہ مسجد کے حکم میں ہے؟

**سوال [۷۸۳۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عید گاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ راجح قول کیا ہے؟  
 المستفتی: محمد یوسف میوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** عید گاہ بہت سے احکام میں باتفاق علماء مسجد کا حکم رکھتی ہے، نیز نفس عبادت گاہ ہونے کی حیثیت سے بھی عید گاہ انتہائی حرمت و عظمت کی حامل ہے، جس طرح موقوفہ عید گاہ میں کھیل تماشہ کشتی وغیرہ کرنا ناجائز ہے، اسی طرح اس کو گانے باجے کی جگہ بنالینا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۸)

وَأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء وأن انفصل الصفوف رفقا بالناس لا في حق غيره به يفتى نهائية. (در مختار مع الشامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکرہ فیہا، زکریا ۲/ ۴۳۰، کراچی ۱/ ۶۵۷)

وَأما المتخذ لصلاة العيد فالمختار أنه مسجد في حق جواز الإقتداء وإن انفصلت الصفوف و فيما عدا ذلك فلا رفقا بالناس. (ہندیہ زکریا قدیم ۲/ ۴۵۶، جدید ۲/ ۴۰۹)

البتہ حائضہ و نفساء وغیرہ کے لیے عید گاہ میں داخل ہونا جائز ہے، اس اعتبار سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۰/۷۳۱۰)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۷/۷/۱۴۲۲ھ

جہاں سے سارے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ان کی مساجد کا حکم

**سوال [۷۸۳۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ملکی حالات کے پیش نظر بہت سی بستیاں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو گئے، مسجدیں ویران ہو گئیں، اب ایسی شکل میں کیا صورت ہے کہ مسجدیں محفوظ رہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کو مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور وقف بورڈ میں اس کا اندراج کر دیا جائے، بعض کا خیال ہے کہ ان کا تمام ملبہ مع ایک فٹ زمین کے اکھاڑ لیا جائے، بہر حال آراء مختلف ہیں شریعت مطہرہ کے نزدیک کیا صحیح شکل ہے ان مساجد کی حفاظت کی؟ اور یہ کہ گناہ بھی لازم نہ آئے؟ اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کیا فرماتے ہیں؟ جواب باصواب سے نواز کر سائل کو ممنون و مشکور فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** ایسی مساجد کا وقف بورڈ سے رجسٹریشن کر دینا

لازم ہے اور رجسٹرڈ کرانے کے بعد ان مساجد میں تالا لگا دیا جائے اور یہ مساجد تاقیامت مسجد ہی کی حکم میں ہوں گی، ان کا ملبہ اور مٹی اکھاڑنے سے مسجد کا حکم ختم نہیں ہوگا۔

ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یقی مسجدا عند الإمام و الثانی ابدالی قیام

الساعة. (الدر المختار الوقف، مطلب: فیما لو خرب المسجد أو غیرہ زکریا ۵۴۸/۶، کراچی ۳۵۸/۴،

معجم الأنهر دار لکنت العلمیة بیروت ۵۹۵/۲، مصری قدیم ۷۴۸/۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵/صرف المظفر ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۳۷/۲)

## مسجد شرعی بنا کر داماد کے نام رجسٹری کرنا

**سوال [۷۸۳۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک رشتہ دار حاجی صاحب سے کچھ لوگوں نے جو گاؤں کے اڈے کے قریب رہتے ہیں، مطالبہ کیا کہ وہ اپنی طرف سے اڈے پر مسجد بنوادیں، جس سے مسافروں کو بھی سہولت ملے گی، اور ہم جو اڈے کے قریب رہتے ہیں، آسانی سے اس میں نماز پڑھ سکیں گے، حاجی صاحب نے اڈے پر ایک پلاٹ خریداجو میرے لڑکے کے نام رجسٹری ہوا، یہ حاجی صاحب کا داماد ہے اس پلاٹ میں سامنے کی جانب غرب مسجد تعمیر ہوئی، مسجد کی عمارت میں دونوں جانب تھوڑا تھوڑا حصہ خارج مسجد رکھا گیا، اسی طرح باہر کے صحن کے دونوں طرف کچھ حصہ چھوڑا گیا ہے، اور سامنے چند دوکانوں کی بنیادیں ہیں جو حاجی صاحب کی لڑکی جو میرے بیٹے کے نکاح میں ہے کے واسطے ہیں۔

مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو ایک دینی اجتماع کا انعقاد کر کے جس میں دو بڑے عالم امیر شریعت ہریانہ پنجاب و ہماچل حضرت مولانا صدیق صاحب اور دارالعلوم میوات (نوح) کے شیخ الحدیث مدظلہم بھی شریک ہوئے تھے، اس میں حاجی صاحب نے اعلان کرایا کہ یہ مسجد میں نے اللہ کے واسطے بنوائی ہے اور میں اس کو تمام مسلمانوں کے لیے عبادت کی خاطر وقف کرتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح سے بانی مسجد کا اعلان کرنا شرعاً معتبر ہے، یا معتبر نہیں؟ اور چونکہ انتظامی امور حاجی صاحب نے اپنے داماد حافظ قاری محمد اسلم صاحب کو سپرد کیے ہیں جو اس مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں اور بنیوقتہ نمازوں کی امامت کرتے ہیں اس لیے وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نباہ رہے ہیں، اگر زمین اپنے نام سے کاغذات میں اتروائی جائے تو خدشہ یقینی ہے کہ جھگڑا لوگوں منتظم کو بے دخل کر سکتے ہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحیم بڈگدوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حاجی صاحب کا مسجد بنا کر اس کے وقف کا اعلان کرنا شرعاً درست ہے اور اب یہ مسجد اللہ وقف ہو چکی ہے۔

ویزول ملکہ عن المسجد والمصلیٰ بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجداً.  
(الدر المختار علی هامش رد المحتار، الوقف، مطلب: فی أحكام المسجد زکریا  
۶/۵۴۴، ۵۴۶، کراچی ۴/۳۵۵، ۳۵۷، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۴۸، زکریا ۵/۱۶،  
ہندیہ زکریا قدیم ۲/۳۵۵، جدید ۲/۴۰۸)

البتہ وقف تام ہو چکنے کے بعد کسی فرد خاص کے نام رجسٹرڈ کرنا یا رہنا جائز نہیں، اس لیے مسئلہ صورت میں اب داماد کا نام رجسٹرڈ سے ختم کرا کر تولیت میں منتقل کرا دینا ضروری ہے، کہ داماد کو مسجد کا متولی بنا دیا جائے، تو یہ جائز ہے۔ (مستفاد: رجیمہ قدیم ۹/۲۳۶)

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلاً، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذي القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن أى لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك أى لا يقبل التملك لغيره. (شامی زکریا ۶/۵۳۹، کراچی ۴/۳۵۱، ۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۸۹)

## مسجد کی زمین اپنے نام رجسٹری کرانے کا حکم

**سوال [۷۸۴۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اولہ ضلع میں تعلقہ پاتورکا ایک چھوٹا سا قصبہ کھٹی ہے جہاں پر مسلم اکثریت ہونے کی وجہ سے اللہ کی عبادت اور نماز کے لیے بستی میں ایک مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی تو پرانے بزرگوں نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، وہاں پر ۱۹۵۲ء تک امام اور مؤذن کی تنخواہ کا انتظام اور مسجد کا نظم و نسق تو جیسا تیسرا چلتا رہا، لیکن غریب بستی ہونے کی وجہ سے پریشانی ہونے لگی، قدیم بزرگ گلاب خان، زور آرخان، محمد خاں نامدار خان نے اپنی کھیتوں میں سے ۱۹۵۲ء میں مسجد کی آمدنی اور امام و مؤذن کی تنخواہ اور دیگر اخراجات کے لیے ۱۱ ایکڑ ۳۸ گنٹے زمین کے لیے عطیہ کیے، اور ۱۹۵۲ء میں ٹرسٹ بنا کر اس میں کھیتی کو نواد کر دیا گیا، ٹرسٹیوں نے اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری جناب اکبر علی صاحب کو دی، جنہوں نے دیانت داری سے اس ذمہ داری کو ۱۹۷۶ء تک انجام دیا، ان کے انتقال کے بعد ان کے داماد جناب عبدالمناف صاحب امر پوری کو بلا کر ذمہ داری سونپی گئی، محترم موصوف نے ۱۹۷۹ء میں سات بار میں (ہیرنی پتر) پر اپنا نام لین کر کے لکھوالیا ۱۹۸۰ء میں کرٹا قاعدہ کے ذریعہ پوری کھیتی اپنے نام کر لی، جبکہ بستی کو اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں ہوئی، مسجد کا نظم و نسق اور امام و مؤذن کی تنخواہ کا انتظام برابر جاری رہا۔

۱۹۹۶ء میں عبدالمناف صاحب کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند عبدالقدیر صاحب انہوں نے بھی ۲۰۰۰ء کے بعد امام و مؤذن اور مکتب و دیگر انتظامات کے لیے خرچ کرنا بند کر دیا، جو غریب بستی کے مسلمانوں نے کیا اور آج تک کرتے چلے آ رہے ہیں، دیگر جو بھی مسجد کے لیے چندہ ہوتا ہے مثلاً شادیوں کے موقع پر دولہا، دولہن والوں سے کچھ مخصوص رقم اور نکاح میں حاضرین سے عمومی چندہ جو آڈٹ وغیرہ کے خرچ کے نام سے لیا جاتا ہے وہ بھی انہیں صاحب کے پاس رہتا، لیکن مسجد کا تقریباً ۲۰۰۰ء سے ۱۳ سال کا آڈٹ نہیں ہوا اور ۲۰۰۰ء میں ہی مسجد کے کھیت پر پائپ لائن کے لیے ۵۰۰۰۰ پچاس ہزار روپے کو آپرٹیو

بینک سے قرض لیے جو نہ بھرنے کی صورت میں بینک کی جانب سے کھیت کی ضبطی اور ہراسی کی ڈھونڈی بھی پورے گاؤں میں دو مرتبہ ہوئی۔

۲۰۰۷ء میں گورنمنٹ کی اسکیم کے تحت یہ قرض کی اصل رقم معاف ہوئی، لیکن بیاض کی رقم تھی وہ دہلی سے سعید خاں، لعل خان، شیخ ناظم، حاجی بلدار خاں صاحب، عبدالشریف سے لاکر موصوف کو دیا کہ مسجد کے کھیت کو کلیئر کرو، غریب بستی ہونے کی وجہ سے اور مہنگائی کی زیادتی کی وجہ سے امام و مؤذن صاحب کی تنخواہوں میں بھی اضافہ اور بجلی بل اور پانی کا انتظام اور دیگر انتظامات میں بستی والوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جس کی بنا پر بستی کے ذمہ داروں نے مسجد کے کاغذات وغیرہ کی معلوم نکالی تو پتہ چلا کہ کھیت موصوف کے نام ہو چکا ہے، جس پر بستی کے لوگوں میں غصہ کی لہر بیدار ہو گئی، لیکن ذمہ داروں نے سمجھایا کہ ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والے لوگ ہیں، سارے کاغذات کی زیر کس کاپی اس عرضداشت کے ساتھ جوڑی جا رہی ہے آپ خود ہمیں ان کاغذات کی تحقیقات کے بعد فیصلہ کریں۔ آپ کے فرزند عبدالقادر صاحب اس وقت گاؤں کے اندر موجود ہیں ان کا موبائل نمبر 9923341231 ہے آخر میں آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں وقف کیا ہوا کھیت کو اپنے نام کر لیں اور خود اس سے فائدہ اٹھانا کیا جائز ہے؟ اور عبدالمناف صاحب مرحوم کو اللہ کی شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بستی کے غریب ہونے کی بنا پر چند اہل خیر حضرات نے مسجد کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اپنی اپنی کھیتیاں وقف کر دیں، اور یکے بعد دیگرے متولیان حضرات نے بخوبی اس ذمہ داری کو نبھایا لیکن جناب عبدالمناف صاحب نے اس میں خیانت کی، اور مسلمانوں کو دھوکہ دے کر مسجد کی وقف زمینوں کو اپنے نام منتقل کر لیا ہے، شرعاً اس دھوکہ دھڑی سے وہ وقف کی زمین کا مالک نہیں ہوگا، علاقہ کے بااثر لوگوں کو بیچ میں پڑ کر کے وقف کی زمین کو مسجد کے لیے بحال کرنا لازم ہے، اور ایسے خائن متولی کو مسجد کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دینا لازم ہے، اور اس کے

بعد کسی ایک فرد کو مسجد کی ذمہ داری نہ سونپی جائے؛ بلکہ اس کی ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں مختلف خاندان کے مختلف المرازج لوگ شریک رہیں، تاکہ آئندہ کبھی ایسی نوبت نہ آنے پائے کہ مسجد کی زمین میں خیانت ہو سکے۔

فإذا تم و لازم لا یملک و لا یعار ولا یرهن و تحته فی الشامیة: لایکون مملو کا لصاحبه ولا یملک ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة ..... تملیک الخارج عن ملکہ. (شامی زکریا ۶/۵۳۹، کراچی ۴/۳۵۲)

ولو کان خائنا ینزع منه و یولیہ غیره سواء شرط الواقف الولاية لنفسه أولا. (مجمع الأنهر، دار الکتب العملیة بیروت ۲/۶۰۴، مصری قدیم ۱/۷۵۳، وھکذا فی شامی ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، بزازیہ ۳/۱۳۴، وعلی هامش الھندیة ۶/۲۵۳، البحر الرائق زکریا ۵/۴۱۱، کوئٹہ ۵/۲۳۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶/۱۲ یقعدہ ۱۴۳۳ھ

۱۶/۱۱/۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۴/۴۰)

## مسجد سے دستبرداری یا منتقلی

**سوال [۷۸۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس پر غیر مسلم قبضہ کرنا چاہتے ہیں، مسلم اگر اس کی حفاظت کرنا چاہیں تو ان کے کافی تعداد میں شہید ہو جانے کا یقین ہے، ایسی صورت میں مسجد کی حفاظت کی جائے یا مسجد سے دستبردار ہو جائے؟

زید کہتا ہے کہ ابن ماجہ میں حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا خون کعبہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے، اسی طرح فقہاء کی کتابوں میں بوقت ضرورت مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے مذکورہ مسجد سے دست بردار ہونا مناسب ہے، زید کی بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔



باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے، البتہ لڑنا جھگڑنا ہرگز جائز نہیں بلکہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کی سیانت کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ آمَنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ . [التوبہ: ۱۸] ﴿

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
 ۱۱ رذی الحجہ ۱۴۱۰ھ  
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۵۴)

## گھر کے مقابلے میں مسجد کی جماعت میں شرکت کا حکم

**سوال [۷۸۴۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نسبت بزرگ ایک صاحب کے مکان میں تشریف فرما تھے، کھانے کی مصروفیت کی وجہ سے مسجد کی جماعت چھوڑ دی اور صاحب مکان کے یہاں ہی ان بزرگ نے اور ان کے مریدین اور متعلقین نے جماعت کی، ایک دوسرا بھی مسجد میں نماز کے لیے چلے گئے، ان مسجد جانے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا، کہ ایک شیخ وقت عالم دین کے پیچھے نماز چھوڑ کر مسجد کی جماعت میں شریک ہوئے جبکہ جماعت تو یہاں مکان پر بھی ہوئی ہے اس سلسلے میں شرعاً فیصلہ فرمائیں، کیا طریقہ بہتر ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملتا، اور جن لوگوں نے گھر میں شیخ کے ساتھ نماز نہ پڑھ کر مسجد کی جماعت میں شرکت کر لی ہے وہی لوگ فضیلت کے زیادہ مستحق ہیں اور مقامی لوگوں کا

مسجد کی جماعت کو بالقصد بلا عذر ترک کر کے شیخ ہی کے ساتھ کسی کے گھر میں نماز پڑھنے کو زیادہ افضل سمجھنا جہالت اور گمراہی کا سبب ہے، کتنا بڑا شیخ اور ولی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ غیر مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابلہ میں مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھنا بہر حال زیادہ افضل ہے۔

وإن صلی أحد فی بیتہ بالجماعة لم ینالوا فضل الجماعة التي تكون فی المسجد لزیادة فضیلة المسجد و تکثیر جماعته و إظهار شعائر الإسلام و هكذا فی المكتوبات أی الفرائض لو صلی جماعة فی البیت علی هیئة الجماعة فی المسجد نالوا فضیلة الجماعة و هی المضاعفة بسبع و عشرين درجة لكن لم ینالوا فضیلة الجماعة الکائنة فی المسجد، فالحاصل أن کل ما شرع فیہ الجماعة فالمسجد فیہ أفضل لما اشتمل علیه من شرف المكان و إظهار الشعائر و تکثیر سواد المسلمین و ائتلاف قلوبهم. (کبیری اشرفیہ دیوبند ۴۰۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۴۰)

## مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب کب حاصل ہوگا

**سوال [۷۸۴۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں کی بہ نسبت مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ۲۵/۲۷ گنا ہے اس سلسلے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا مذکورہ ثواب جماعت کے ساتھ پڑھنے پر ہے، یا تنہا نماز پڑھنے پر بھی ہے، اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مقید نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ مسجد میں جماعت چھوٹے پر لوگ مسجد سے باہر جماعت کر لیتے ہیں تو اس صورت میں مسجد میں تنہا نماز پڑھنا بہتر ہوگا یا مسجد کے باہر جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا اور اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مقید ہے تب تو ظاہر ہے کہ مسجد میں جماعت چھوٹے پر مسجد سے باہر جماعت کر لینا بہتر ہوگا؟ مفصل و مدلل جواب سے نوازیں۔

## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** یہاں پر تین صورتیں ہیں (الف) حدیث شریف میں ۲۵/۱ یا ۲۵/۲ درجہ جو ثواب مذکور ہے یہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے ساتھ خاص ہے، کہ پچیس یا ستائیس درجہ ثواب اسی وقت ملے گا جب کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کی گئی ہو، اور جن روایات کے اندر جماعت کی فضیلت پچیس یا ستائیس درجہ بیان کی گئی ہے وہاں مسجد کی جماعت مراد ہے، اگرچہ ان روایات میں مسجد کی قید صراحت سے نہیں، لیکن ابن ماجہ کی روایت میں مسجد کی قید صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس لیے ان روایات میں مسجد ہی کی جماعت مراد ہے۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع و عشرين درجة وفي رواية: بخمس و عشرين درجة. (بخاری شریف، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، النسخة الهندية ۱/۸۹، رقم: ۶۳۶، ف: ۶۴۵، رقم: ۶۳۷، ف: ۶۴۶)

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة الرجل في بيته بصلاة، و صلاته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاة. (ابن ماجہ، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة، في المسجد الجامع، النسخة الهندية ۱۰۲، دار السلام رقم: ۱۴۱۳، المعجم الأوسط، دار الفكر ۵/۱۸۵، رقم: ۷۰۰۸)

(ب) مسجد میں جماعت چھوٹ جانے پر اگر مسجد کے علاوہ گھر وغیرہ میں جماعت سے نماز پڑھنا ہے تو مسجد میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں بہتر اور افضل ہے، کیونکہ دیگر مقامات میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، لیکن دیگر مقامات کی جماعت کی فضیلت اتنی نہیں ہے جتنی مسجد کی جماعت کی فضیلت ہے، لہذا اگر مسجد کی جماعت چھوٹ جائے اور مسجد کے علاوہ کسی پھاٹک یا ہال میں جماعت ہو رہی ہے تو مسجد کے اندر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں وہاں جا کر کے جماعت سے نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

و الصلاة جماعة في البيت وفي السوق أولى من الانفراد. (فتح الباری،

الأذان، باب فضل صلاة الجماعة اشرفیہ دیوبند ۱۷۲/۲، تحت رقم الحدیث ۶۴۷، دار الفکر ۱۳۵/۲، دار الریان للتراث قاہرہ ۱۵۹/۲

فإن كان يفعلها في البيت في جماعة وفي المسجد منفردا كان فعلها

في البيت في جماعة أولى. (أعلام الساجد بأحكام المساجد ص: ۳۷۵)

(ج) مسجد کی جماعت ہو جانے کے بعد حدود مسجد کے اندر اہل محلہ کے لیے جماعت ثانیہ کرنا جس طرح مکروہ ہے اسی طرح مسجد سے متصل خارج مسجد حصہ میں بھی اہل محلہ کے لیے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ حدود مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کی جو علت ہے وہی علت مسجد سے متصل خارج مسجد حصہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں پائی جاتی ہے، ہاں البتہ اہل محلہ کے علاوہ دیگر مقامات سے آنے والے مسافرین کے لیے حدود مسجد سے متصل خارجی حصہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، لہذا اگر مسجد کی جماعت چھوٹ جائے تو مسجد سے متصل خارجی حصہ میں دوسری جماعت قائم نہ کی جائے، اور ایسی جگہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے مسجد میں تنہا نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے ایسے حالات میں اگر جماعت سے نماز پڑھنا چاہے تو مسجد سے دور کسی ایک جگہ میں جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لا يؤدى إلى تقليل الجماعة، لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذ ولأن حق المسجد لم يقض بعد لأن قضاء حقه على أهله. (بدائع الصنائع زكريا

۳۸۰/۱، کراچی ۱/۱۵۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۷/۷/۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/۷/۱۴۲۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۵۴)

محراب سے آگے کا حصہ مسجد میں شامل نہیں

سوال [۷۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک جگہ ہے جہاں مسجد بنانے کا ارادہ ہے اور معتکفین کے لیے ایک کمرہ کا بھی انتظام ہے، جو امام کے کھڑے ہونے کی جگہ سے آگے پڑ رہا ہے تو کیا وہ مسجد کے حکم میں رہے گا، اور معتکفین اس میں قیام کر سکتے ہیں، واضح رہے کہ مذکورہ کمرہ بقیعہ ایام میں امام کی رہائش کے لیے استعمال ہوگا؟ مدلل و مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محبوب الرحمن اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ میں جس کمرہ کا ذکر کیا گیا ہے اور نقشہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے وہ محراب سے باہر ہے، اور محراب سے باہر کا حصہ حدود مسجد کے دائرے میں نہیں آتا، اس لیے وہ خارج مسجد میں شمار ہوگا، اور اس حصہ میں معتکف کا قیام جائز نہ ہوگا، نیز اس کمرہ کے بنانے کا مقصد بھی امام کی رہائش ہے اور اعتکاف کے لیے حدود مسجد کے اندر ہی رہنا لازم ہے۔

**فہو البت فی المسجد مع نية الاعتکاف.** (ہندیہ، الصوم، الباب لسابع فی الاعتکاف زکریا قدیم ۲۱۱/۱، جدید ۲۷۴/۱، قاضیخان ۱۳۸/۱، و علی ہامش الہندیہ ۲۲۱/۱، الدر مع الرد زکریا ۳/۲۹، کراچی ۲/۴۴۰، الموسوعة لفقہیة الکویتیة ۲۰۹/۵، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح قدیم ۳۸۱، دار لکتاب دیوبند ۶۹۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۱/۹/۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۴۲۱ھ  
(الف فتاویٰ نمبر: ۶۸۶۳/۳۵)

## قبرستان کے بچوں بیچ بنی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم

**سوال [۷۸۴۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قدیم قبرستان ہے جس میں تدفین عرصہ دراز سے بالکل بند ہے، اور اس قبرستان کے بیچ میں ایک قدیم مسجد ہے جس کے ارد گرد پرانی کچلی قبریں بھی ہیں اور اس مسجد میں

پنجوقتہ نماز باجماعت و جمعہ بھی ہوتا ہے، شرعاً ایسی مسجد میں نماز پنجگانہ و نماز جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟  
المستفتی: محمد اقبال رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے اگر یہ مسجد ایسے قبرستان میں ہے جو شہر یا قصبہ یا بڑے گاؤں کے بیچ میں ہے یا اس کے فناء میں ہے، چھوٹے دیہات میں نہیں ہے تو اس مسجد میں نماز پنجگانہ اور جمعہ کا ادا کرنا جائز اور درست ہے اور مسجد کے قبلہ کی طرف جو قبریں ہوں ان قبروں سے متصل اگر جانب قبلہ میں جنگل ہو اور مسجد میں نماز پڑھتے وقت وہ قبریں بالکل سامنے ہوں تو ایسی صورت میں نماز کے وقت ان جنگلوں کو بند کر دیا جائے، یا کیڑا وغیرہ ڈال دیا جائے، تو بہتر ہے۔

لا تکرہ الصلاة فی جهة قبر إلا إذا کان بین یدیه، بحیث لو، صلی  
صلاة الخاشعین وقع بصره علیه. (شامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ  
فیہا، زکریا دیوبند ۲/۲۵۴، کراچی ۱/۶۵۴، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار  
الکتاب دیوبند ۳۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۲۷/۸/۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۴ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۸۷)

## بابری مسجد کی حفاظت کے لیے تحریک چلانا

**سوال [۷۸۴۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بابری مسجد کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے جو قدم اب تک اٹھے ہیں یا آئندہ اٹھائیں اور ان کو اس سے جانی و مالی نقصان ہو تو کیا از روئے شرع مطہرہ مسلمانوں کا یہ فعل درست ہوگا یا نہیں؟ اور کیا بابری مسجد کی حفاظت میں مرنے والے مسلمان شہید ہوں گے یا نہیں؟  
المستفتی: لئیق احمد جمال نگر، راجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اگر غیر مسلموں کی طرف سے اقدام ہو اور مسلمان مدافعت کی سعی کریں اور اسی اثناء میں کوئی مسلمان مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو وہ شرعی طور پر شہید کہلائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۵-۴۷)

الشہید من قتله المشرکون۔ (ہدایہ، الصلاة، باب الشہید اشرفی دیوبند ۱/۱۸۳) ہو کل مکلف مسلم طاہر..... قتل ظلما بغير حق الخ۔ (در المختار، باب الشہید زکریا ۳/۱۵۸، ۱۵۹، کراچی ۲/۲۴۷)

اور ہندوستان جیسے ملک میں ایسا اقدام ہرگز جائز نہیں ہے کہ جس سے مسلمانوں کی جان و مال تباہ ہو جائے، بلکہ حکمت عملی سے کام لینا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹۱/۷، جدید زکریا مطول ۱۰/۴۲۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۳)

**کیا بابری مسجد کے لیے چلائی جانے والی تحریک اسلامی ہے؟**

**سوال [۷۸۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بابری مسجد کی حفاظت کے لیے اگر کوئی تحریک چلائی جائے تو وہ اسلامی تحریک ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** ایسی تحریک جو مسلمانوں کی خونریزی اور جان و مال کی تباہی کا باعث نہ ہو بلکہ اس سے محض حکومت اور سرکار کو ظلم والی قانونیت پر بیدار کرنا مقصد ہو تو ایسی تحریک جائز اور مذہبی و اسلامی تحریک کہلائی جاسکتی ہے، اور جو تحریک مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہو وہ قطعاً جائز نہیں ہے، اور اس پر ابھارنے والے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

ويتقدم إلى من يؤمره أن لا يحمل المسلمين على مهلكة ولا يأمرهم

بدخول مطمورۃ يخاف أن يقتلوا تحتها فإن فعل ذلك فقد أساء ويستغفر  
الله تعالى'. (إعلاء السنن، كتاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه مع كل امير برأو  
فاجر كوئنه ۴/۱۲، دار الكتب العلمية بيروت ۶/۱۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۸۳/۲۶)

## بابری مسجد کی اراضی تا قیامت مسجد ہے

**سوال [۷۸۴۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ساڑھے چار سو سال پرانی بابری مسجد میں کچھ شریکوں نے تنازع کھڑا کیا کہ یہ مسجد دوسرے فرقہ کی عبادت گاہ توڑ کر جبراً طریقے سے ناجائز تعمیر کی گئی ہے جس پر وقف بورڈ کے مسلمانوں نے مزاحمت کی اور عدالتوں میں مقدمات اب تک زیر سماعت ہیں، تقریباً ۴۳ سال قبل شریکوں نے مسجد کے اندر رات کی تاریکی میں چوری سے مورتیاں رکھ دیں، لیکن مسلمان پر امن طریقے سے قانونی چارہ جوئی کرتے رہے، تقریباً چھ سال قبل بابری مسجد کا دروازہ کھول کر شریکوں کو پوجا کی عام اجازت مل گئی، اس صورت میں کیا وہ مسجد رہی یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

اب ملک کی سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرکزی حکومت کی یقین دہانیوں کے باوجود شریکوں نے بابری مسجد کو شہید کر دیا اس صورت میں کیا مسلمانوں کا مسجد سے استحقاق ختم ہو گیا؟

مسلمانوں کا اصرار و یقین ہے کہ مسجد دوبارہ تعمیر کر کے مسلمانوں کو اس میں نماز کی مکمل آزادی دی جائے، ہندوستان کی مرکزی حکومت یا ریاستی حکومت اگر بابری مسجد کو دوبارہ تعمیر کرتی ہے تو کیا شرعی طور پر یہ جائز ہوگی یا نہیں اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مسجد کی تعمیر کے لیے شرعی طور پر کیا شرائط و احکامات ہیں اس کے منبر کی سیڑھیوں کی تعداد کتنی ہو؟



## باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق: (۱)** مسجد کے اندر مورتی رکھنا کسی حال میں کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے، مسجد میں مورتی رکھنے والا بہت بڑا ظالم شمار ہوگا، تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حکومت سے قانونی چارہ جوئی کر کے وہاں سے مورتی کو نکلوا دیں، نیز مسجد میں اگر جبراً مورتی رکھ دی گئی ہے، تو مورتی اندر موجود ہونے کی وجہ سے مسجد کے مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا، مسجد اپنی جگہ تا قیامت باقی رہے گی، اگر مسلمانوں کو وہاں سے مورتی ہٹانے کی کسی طرح قوت حاصل نہ ہو تو مورتی ہوتے ہوئے بھی اس میں نماز پڑھنا بلا کسی کراہت کے جائز اور درست ہے۔

وجود نار بین المصلی و بین قبلتہ فی الجملة و أحسن من هذا عندی  
 أن يقال: لم يفصح المصنف في الترجمة: بکراهة ولا غيرها في حتمل أن  
 يكون مراده التفرقة بين من بقى ذلك بينه و بين قبلته وهو قادر على إزالته  
 أو انحرافه عنه و بين من لا يقدر على ذلك فلا يكره في حق الثاني. (فتح  
 الباری، باب من صلی و قدماہ تنور، دار الفکر ۱/۵۲۸، اشرفیہ ۱/۶۹۵ رقم الباب ۵۱)

نیز مسجد کے شہید کر دیئے جانے کے بعد مسلمانوں کو وہاں پر دوبارہ مسجد کی عمارت تعمیر کرنے کا ہمیشہ حق باقی رہتا ہے، چاہے مسلمان خود بنائیں یا حکومت کے توسط سے بنائیں، ہر حال میں بنانا جائز اور درست ہے، اور ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حکومت سے مسجد کی سیانت کا مطالبہ اور مانگ کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲)

نیز جو زمین ایک مرتبہ مسجد بن جائے وہ تا قیامت مسجد ہی کے حکم میں رہتی ہے، اس پر چاہے عمارت قائم رہے یا نہ رہے، وہاں پر مسلم آبادی موجود ہو یا ویران ہو جائے، ہر حال میں وہ زمین مسجد کے حکم میں رہتی ہے، اور سورہ جن کی آیت ”وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ“ سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، حتی الامکان وہاں سے مورتی ہٹا دینا لازم ہے، نیز اس کے بدلے میں اگر دوسری جگہ مسجد بنا دی جائے تو شہید شدہ مسجد کے اوپر سے مسجد کا حکم ختم نہ ہوگا، بلکہ اس کے اوپر سے مسجد کا حکم ختم ہونے کے لیے کوئی بھی

صورت نہیں ہے، نیز کسی مسلمان کو یہ حق ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہے کہ مسجد جیسے اللہ تعالیٰ کے گھر کو یہ کہہ کر اغیار کے حوالے کر دے کہ یہ مسجد ہم آپ کو دیدیتے ہیں، نیز مسجد چاہے آباد ہو یا ویران، ہر حال میں کسی مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا جائز نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي

خَرَابِهَا. [البقرة: ۱۱۴] ﴿

اور سیکولر حکومت میں ہر قوم و ملت کو اپنے پرسنل لاء کی حفاظت اور دفع ظلم کے لیے حکومت سے مطالبہ کرنا قانون کے خلاف نہیں ہے، اس لیے قانون کا احترام باقی رکھتے ہوئے بابر می مسجد کی بازیابی اور اسی پرانی جگہ پر دوبارہ مسجد تعمیر کر دینے کا مطالبہ کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور مسجد کے منبر میں تین سیڑھیوں کا ہونا مسنون ہے، اگر منبر نہ بھی ہو تب بھی مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (مستفاد: امداد المقتنین ۳۷۴)

ومنبرہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ثلاث درج غیر المسماة بالمستراح. (شامی، کتاب

الصلاة، باب الجمعة مطلب: فی حکم المرقی بین یدی الخطیب کراچی ۱/۲، ۶۱، زکریا

۳/۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۵۴)

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳/۷/۱۴۱۳ھ

کیا مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے؟

سوال [۷۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شریعت مطہرہ میں مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہرگز نہیں ہے۔

ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني  
أبدا إلى قيام الساعة و به يفتى. (الدر المختار مع الرد، الوقف، مطلب: فيما لو خرب  
المسجد أو غيره زكريا ديوبند ۶/ ۵۴۸، كراچی ۴/ ۳۵۸، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية  
بيروت جديد ۲/ ۵۹۵، قديم ۱/ ۷۴۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۳/۳۱۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۲ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۳)

چالیس دن نماز نہ پڑھنے یا مورتیاں نصب کرنے سے مسجد ریت ختم نہیں ہوتی

**سوال [۷۸۵۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے  
بارے میں: (۱) بعض نام نہاد مولوی یہ کہتے ہیں کہ جس مسجد میں چالیس روز تک نماز نہ  
پڑھی جائے وہ مسجد ہی نہیں رہتی تو کیا ان مولویوں کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟  
(۲) معلوم ہوا ہے کہ باہری مسجد میں مورتیاں نصب کر دی گئی ہیں تو ایسی صورت  
میں وہ مسجد رہی ہے یا نہیں؟

المستفتی: لیتن احمد جمال نگر، راجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** (۱-۲) ہرگز درست نہیں، بلکہ ایک دفعہ مسجد بن  
جاتی ہے تو تاقیامت مسجد ہی رہتی ہے اگرچہ اس میں نماز بھی نہ ہوتی ہو اس کا احترام عام مسجد کی  
طرح لازم ہے۔

ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني  
أبدا إلى قيام الساعة و به يفتى. (الدر المختار مع الرد، الوقف، مطلب: فيما لو خرب  
المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ۶/ ۵۴۸، كراچی ۴/ ۳۵۸، مجمع الأنهر، دار الكتب  
العلمية بيروت جديد ۲/ ۵۹۵، قديم ۱/ ۷۴۸، البحر الرائق كوئٹہ ۵/ ۲۵۱، زكريا

۵/۴۲۱، تاتارخانیہ زکریا ۸/۱۶۴، رقم: ۱۱۵۱۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۲ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۶/۴/۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۳)

واقف نے اگر وقف کے وقت نیچے دوکان وغیرہ کی نیت کی اور اوپر مسجد بنانے کی تو یہ درست ہے؟

**سوال [۷۸۵۱]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ محلہ یوسف چوک ٹانڈہ بادی ضلع رامپور میں ایک خالی زمین پڑی ہوئی تھی، جس کی لمبائی تقریباً چالیس فٹ اور چوڑائی انیس فٹ ہے، اس زمین کے مالک محمد شمشاد (جو کہ شہر میرٹھ میں رہتے ہیں) نے یہ زمین مسجد کے نام وقف کر دی ہے اس مسجد کا نام تاج مسجد رکھا گیا ہے، جس کا سنگ بنیاد یکم ستمبر ۸۹ء بروز جمعہ کو جناب مولانا محمد نسیم صاحب شیخ الحدیث مدرسہ جامع الہدیٰ کے دست مبارک سے رکھا گیا، جس کی تعمیر معمار کر رہے تھے، کہ اچانک خیال پیدا ہوا اور محلہ والوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مسجد کے نیچے کچھ دوکانیں اور ایک گودام اور غسل خانہ اور وضو خانہ اور باقی سبھی ضرورت کی چیزیں بنادی جائیں اور اوپر مسجد تعمیر کر دی جائے، یہ اس لیے سوچا گیا کہ موجودہ جگہ مسجد کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے، کیونکہ سارا کام نیچے والے حصہ میں ہو جائے گا، اوپر والے حصہ میں صفوں میں اضافہ ہو جائیگا، جس سے کافی لوگ نماز پڑھ سکیں گے، اوپر جس معمار کا ذکر کیا گیا وہ بیچ سے ہی کام چھوڑ کر چلا گیا، کیونکہ وہ اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتا تھا، اب معمار رامپور شہر سے بلایا گیا ہے وہی تعمیر کا کام کر رہا ہے، اب کچھ لوگ اعتراض کر رہے ہیں کہ آپ لوگ دوکانیں مسجد کے نیچے کیوں نکال رہے ہیں، یہ غلط ہے، اور مسجد نیچے ہی بننی چاہیے، جبکہ مسجد کے اوپر والے اثاثہ مسجد کی بنیاد پر ہی رکھی گئی ہے، جو کہ مسجد کی اصل بنیاد ہے، کام ابھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ پایا ہے لہذا آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس مقدمہ پر کافی غور و خوض کر کے اس مسئلہ کے صحیح حل سے مستفید فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر مسجد کے لیے وقف کرنے والے شمشاد احمد نے نیچے دوکانیں اور اوپر مسجد بنانے کی اجازت دی ہے تو ابتدائی تعمیر میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، اور اگر واقف کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے تو صرف مسجد بنانا لازم ہوگا، دوکانیں وغیرہ بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز فقہاء نے مسجد کی آمدنی کے لیے دوکان بنانے کی تو اجازت دی ہے لیکن غسل خانہ و پیشاب خانہ، وضو خانہ کی اجازت نہیں دی ہے، نیز جو دوکانیں کرایہ پر دی جائیں ان کو ایک کرایہ دار کو مستقل طور پر کرایہ دار بنا کر دیدینا جائز نہیں ہے، اس میں مسجد کا نقصان ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے ہر سال کرایہ دار کو بدلنے کو لازم قرار دیا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۰/۷، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۲۷، امداد الفتاویٰ ۲/۲۸۹)

قال أبو جعفر: الفتوى على إبطال الإجارة طويلة و معقود و تحته إنا نبطلها صيانة للوقف على الفقراء و المساكين أكثر من سنة لا يجوز. (عقود رسم المفتی قدیم ص: ۹۶)

لو جعل تحته حانوتا و جعل وقفا على المسجد قيل لا يستحب ذلك ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجدا و ماتحته و قفا عليه و يجوز المسجد و الوقف الذي تحته و لو أنه بنى المسجد أو لا ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل الخ. (حاشیة چلبی علی الزیلعی، کتاب الوقف، فصل و من بنی مسجدا لم یزل ملکہ، امدادیہ ملتان ۳/۳۳۰، زکریا ۴/۲۷۱)

و أما مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۴۵/۴۵)

**کیا مسجد میں مالکانہ تصرف کا حق ہے؟**

**سوال [۷۸۵۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد گھیر ملا ملوک کی جنوبی دیوار بارہ فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی ہے، اس دیوار میں سے ۸ فٹ اونچی اور تین فٹ چوڑی ڈاٹ نکال کر ایک دوکان بنائی ہے، اس دیوار کے اوپری حصہ کو بالکل نہیں چھیڑا گیا ہے، اور نہ ہی مسجد کی چہار دیواری میں کوئی تصرف کیا گیا ہے، صرف سڑک کی جانب سے یہ ڈاٹ نکال کر اور دیوار کے ساتھ افتادہ زمین پر یہ دوکان تعمیر کی گئی ہے تاکہ مسجد کے مصارف میں کام آسکے، کیا شرعی طور پر ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خالد حسین رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** صورت مسئلہ میں تعمیر چونکہ مسجد کے کسی حصہ یا دیوار پر نہیں کئی گئی ہے بلکہ بارہ فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی دیوار میں سے آٹھ فٹ چوڑی ڈاٹ نکال کر یہ تعمیر کی گئی ہے اس لیے یہ ”درالمختار کتاب الوقف جز ثانی کے اس مسئلہ کے تحت نہیں آتی.....“ ”ما لو تمت المسجدیۃ ثم أراد البناء منع علیہ ولو علی جدار المسجد“۔

نیز مسئلہ مذکورہ میں مسجد کی چھت یا دیوار پر عمارت بنانے کی اس وجہ سے ممانعت کی گئی ہے کہ اس سے مسجد کی عظمت و احترام میں کمی آتی ہے، اور صورت مسئلہ کی تعمیر سے مسجد کی عظمت و توقیر میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، نیز مسجد کی دیواروں کو مسجد نہیں کہتے ہیں، جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں صفحہ ۲۴۱ پر تحریر کیا ہے:

والمسجد لغة محل السجود و شرعاً المحل الموقوف للصلاة فیہ.

لہذا مسجد کی زمین سے کچھ حصہ لے کر دوکان یا مکان بنانا جائز نہیں ہے، لیکن مسجد کی دیوار سے کچھ حصہ لے کر جس سے مسجد کی عظمت و حرمت مجروح نہ ہو مسجد کے مصالح اور آمدنی کے لیے تعمیر کرنا جائز ہے، خصوصاً مسجد کے وسائل کی کمی و مصارف کی پیشی و گرانہی کے دور کو مد نظر رکھتے ہوئے لیکن تعمیر اہل محلہ کے اتفاق و اتحاد سے ہونا چاہیے۔

عبدالہدیٰ خان عنی عنہ امام مسجد مسٹن گنج رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد یت کامل ہو جانے کے بعد دیوار مسجد میں

بھی واقف یا غیر کے لیے دوسرے تصرفات جائز نہیں ہیں، چاہے منافع مسجد کے لیے کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ احترام مسجد کے خلاف ہے، جو لوگ دیوار مسجد میں دیگر تصرفات کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے، نیز جتنی چوڑی دیوار ہے مکمل مسجد ہی کی دیوار کہلائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۵۰۱، جدید ڈائجیل ۱۲/۵۶۷)

وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لا يتركه  
و في جامع الفتاوى: إذا قال: عنيت ذلك فإنه لا يصدق فإذا كان هذا في الواقف  
فكيف بغيره فمن بنى بيتا على جدار المسجد وجب هدمه ولا يجوز أخذ الأجرة  
الخ. (البحر الرائق كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد زكريا ۵/۴۲۱، كوئنه ۵/۲۵۱)  
ولا يوضع الجذع على جدار المسجد ولو كان من أوقافه. (البحر  
الرائق، فصل في أحكام المسجد، زكريا ۵/۴۱۹، كوئنه ۵/۲۵۰، هكذا في الدر المننقى  
۱/۷۵۵، شامى، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد كوئنه ۳/۴۰۶، كراچى  
۴/۳۵۸، زكريا ۶/۵۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالى اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۱۲ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۸۵۷)

کسی شخص کا اپنی مسجد میں آنے سے روکنا اور اس میں نماز جمعہ و عیدین کا حکم

**سوال [۷۸۵۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی مسجد میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے، اور شدت اختیار کرتا ہے، علماء امت کے نزدیک اس مسجد میں جمعہ و عیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: زید مسجد کا متولی ہے۔

المستفتی: محمد فاروق مظاہری نورپور ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد اگرو وقف کی زمین پر وقف شدہ ہے تو جمعہ و عیدین و ہجگا نہ جائز ہے، البتہ ایسے نمازیوں کو روکنا جو فتنہ و فساد کا باعث نہ ہوں سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا﴾ [البقرة: ۱۱۴]

ہاں مسجد میں فتنہ و فساد اور نمازیوں کو ایذا پہنچانے والوں کو روکنا جائز ہے، بشرطیکہ روکنے والا ایسا شخص ہو جس کا روکنا فساد میں زیادتی کا باعث نہ ہو۔

ويمنع منه وكذا كل مؤذ ولو بلسانه، وفي الشامي: وكل من آذى الناس بلسانه وبه يفتي. (السر المختار مع لشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: في الفرس في المسجد، كراچی ۱/۶۶۱، ۶۶۲، زکریا ۲/۴۳۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ رزی تعدہ ۱۴۰۸ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۹۵۸/۲۴)

## مسجد کو اپنی جا گیر سمجھنا

**سوال [۷۸۵۴]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کی بارہ ہیکٹھ زمین ”ملک“ نام تھی، نواب رامپور کی طرف سے آزادی ہونے پر وہ زمین فخر الدین کے نام گورنمنٹ کی طرف سے ہو گئی، وہ کچھ دنوں امام بھی رہے اس کے بعد انہوں نے وہ زمین فروخت کر دی اس وقت وہ مسجد کچی تھی، مسجد کے نمازیوں میں حاجی عبدالشکور صاحب بھی تھے، ان کا کاروبار فیل تھا، ایک دن انہوں نے فجر کی نماز کے بعد یہ دعا کی کہ اگر میرا کاروبار صحیح چل پڑے تو میں یہ مسجد کچی بنوادوں گا، اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور انہوں نے حسب وعدہ مسجد پختہ بنوادی، اس کے بعد حاجی عبدالشکور صاحب اور



ان کے لڑکے نے لوگوں سے کہا کہ ہم سے مسجد کی جو خدمت ہو سکی ہم نے کی اب آپ لوگ بھی اس مسجد کا تعاون کریں تو اسی وقت سے نمازی لوگ چندہ سے اس کی مرمت کر رہے ہیں، اور لگ بھگ تیس سال سے چندہ سے مسجد کا کام چل رہا ہے۔

اب حاجی عبدالشکور کے لڑکے عبدالحمید صاحب کہتے ہیں کہ میں جو چاہوں گا وہ ہوگا جس کو چاہوں گا رکھوں گا تو کیا باعتبار شرع ان کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** حاجی عبدالشکور صاحب یا ان کے لڑکے عبدالحمید صاحب کو اپنے پیسے یا لوگوں کے چندہ سے مسجد کو پختہ بنا دینے سے شرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جو چاہیں کریں، اور جس کو چاہیں رکھیں اور جس کو چاہیں نہ رکھیں، کیونکہ اس طرح بنا دینے سے وہ مسجد کے مالک نہیں ہو سکتے، مسجد تو اللہ کی ملکیت میں ہوتی ہے اس کا کوئی بھی مالک نہیں ہوتا، اور امور مسجد مسجد کی کمیٹی کے مشورہ سے طے کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۳۱، جدید زکریا مطول ۱۰/۲۳، ۲۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۹۴، جدید ڈائجیل ۱۴/۳۶۸)

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ [الحج: ۱۸]

و عندہا حبس العین علی حکم ملک اللہ تعالیٰ علی وجہ تعود منفعتہ الی العباد فیلزم ولا یباع ولا یوہب ولا یورث کذا فی الہدایۃ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الاول، زکریا قدیم ۲/۳۵۰، جدید ۲/۳۴۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۶/۱۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۴۷۶)

**واقف کے ورثاء کا یہ دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے**

**سوال [۷۸۵۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عبدالکریم نامی ایک شخص نے ۱۹۰۸ میں اپنی زمین میں ایک مسجد تعمیر کی اور اس کو وقف

کردیا، ۱۹۵۹ء میں باجارت متولی حوض کی تعمیر عمومی چندہ سے ہوئی، ۱۹۶۲ء میں برآمدہ کی تعمیر بھی عمومی چندہ سے ہوئی، چالیس سال کے بعد ۲۰۰۳ء میں مسجد کی کمیٹی تشکیل دی گئی متولی صاحب نے کمیٹی کو ۸۰۰ روپے کا مسجد کو مقروض بنایا، قرضہ کی ادائیگی کمیٹی نے مسجد کی مقوفہ جائیداد کی آمدنی سے کر دی، مسجد کی دیگر ضروریات مثلاً مؤذن کی تنخواہ وغیرہ نماز جمعہ سے قبل عمومی چندہ سے پوری ہوتی ہیں، کمیٹی کے لوگ حضرات مصلین کی پریشانی کی وجہ سے مسجد کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں، متولی صاحب یہ کہتے ہیں کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے، تو کیا متولی صاحب کا مسجد کو اپنی ملکیت قرار دینا صحیح ہے؟ یا اپنی ملکیت بنا کر مسجد کی تعمیر کو روکنا جائز ہے؟ جبکہ نمازیوں کو پریشانی ہو رہی ہے، ایسی صورت میں مسجد کے اخراجات کی ذمہ داری متولی صاحب کی ہے؟ یا کمیٹی ذمہ دار ہے؟ کمیٹی کو متولی صاحب کے سامنے حساب پیش کرنا ضروری ہے یا نمازیوں کے سامنے حساب پیش کیا جائیگا، جبکہ کمیٹی نے ۹ سال کی مدت میں پوری دیانتداری و ذمہ داری سے کام کیا ہے، اور مقوفہ زمین میں دس دوکانیں بھی تعمیر کرائی ہیں، مسجد کے اخراجات بحسن و خوبی پورے ہوئے ہیں، فی الحال خاصی رقم بھی موجود ہے، ایسی صورت میں متولی اور کمیٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: حاجی محمد عرفان خزانچی موتی مسجد ٹانڈہ بادلہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جب واقف نے زمین مسجد کے لیے وقف کر دی اور اس پر مسجد تعمیر ہو کر نماز شروع ہو گئی تو اس کے وقف کی تکمیل ہو چکی اور وقف کی تکمیل کے بعد واقف کی ملکیت کسی طرح باقی نہیں رہتی، اور واقف اور اس کے ورثاء کا اس میں کسی طرح کا مالکانہ اختیار باقی نہیں رہتا، لہذا بعد میں کسی بھی زمانہ میں بھی واقف کے وارثین میں سے کسی کا اس طرح دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے، اس میں کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے، یہ درست نہیں ہے، ایسا دعویٰ باطل ہے، اگر واقف کے وارثین میں سے کوئی اس کی تولیت کا حق صحیح طور پر ادا نہیں کرتا ہے، تو مسجد کی کمیٹی کے لیے، مسجد کی ترقی

اور منافع کا کام کرنا جائز ہے، اور مسجد کا حساب و کتاب متولی کے سامنے بھی پیش کرنا چاہیے، اور نمازیوں کے سامنے بھی پیش کرنا چاہیے، تاکہ حساب و کتاب میں کسی قسم کا اشکال نہ رہے، اور مسجد کی توسیع اور تعمیر میں ہر مسلمان کو تعاون کرنا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنني استغدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضياف وابن السبيل ولذي القربى، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۴)

إن الوقف لم يبق على ملك الواقف ولا ينتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالى الذي لا ملك فيه لأحد سواه وإلا فالكل ملك لله تعالى واستحسن في الفتح قول مالك رحمة الله: أنه حبس العين على ملك الواقف فلا يزول عنه ملكه لكن لا يباع ولا يورث ولا يوهب مثل أم الولد والمدير. (شامی، کتاب الوقف کراچی ۴/۳۳۸، ۳۳۹، زکریا ۶/۵۲۱، ۵۲۱)

ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه. (الهداية ۴/۱۱۱، كراچی پاکستان مكتبه بشرى ۲/۶۳۷، اشرفيه ديوبند، هندية زكريا قديم ۲/۳۵۰، جديد ۲/۳۴۶، تارخانيه زكريا ۸/۳/رقم: ۱۱۰۵۶)

ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع ولا يورث عنه يعنى بعد صحته بشرطه. (فتح القدير، فصل و اذا بنى مسجدا لم يزل ملكه، دار الفكر بيروت ۶/۲۳۵، زكريا ۶/۲۱۸، كوئته ۵/۴۴۵) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم

الجواب صحیح

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ

۱۹/۱۱/۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۳۸/۴۰)

فتنہ برپا کرنے والے کو مسجد سے روک دیا جائے تو کیا اس میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے؟

**سوال [۷۸۵۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے چار سال ایک مسجد میں امامت کی، اب امامت چھوڑ کر بینک میں ملازمت اختیار کر لی، مسجد مذکور میں زید کے چھوڑنے کے بعد بکر کو امام رکھ لیا گیا، ایک روز زید (امام اول) مسجد کے حجرے میں بکر (امام ثانی) کے پاس آ کر بیٹھ گیا، زید کو مسجد کے حجرہ میں دیکھ کر مسجد کی کمیٹی کے صدر نے زید سے کہا، آپ جب یہاں سے چلے گئے تو مسجد کے حجرے میں آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، جب بھی آپ مسجد میں آئیں، نماز پڑھ کر چلے جایا کریں یا جس سے بھی کوئی بات کرنی ہو مسجد ہی میں کریں مگر مسجد کے حجرے میں داخل نہ ہوں، اس بات پر زید نے مسجد کی کمیٹی کے صدر کو بے تحاشہ گالیاں دیں، بلکہ مار پیٹ کا ارادہ کر لیا، لیکن صدر صاحب خاموش ہو گئے، اور زید نے یہ دھمکی دی کہ میں پھر سے پہلی تاریخ سے بینک کی ملازمت چھوڑ کر یہاں پر آؤں گا، اور نماز پڑھاؤں گا، اور مسجد کے حجرے کا تالا توڑ دوں گا، میں دیکھتا ہوں کہ مجھ کو کون روکتا ہے، زید سے بھی سب لوگ ڈرتے ہیں، کیونکہ بد معاش لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، داڑھی بھی کٹاتا ہے، لباس وغیرہ خلاف شرع استعمال کرتا ہے، اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زید آ کر امام ثانی بکر سے مار پیٹ کرے اور حجرے کا تالا توڑ دے اور مسجد میں فساد ہو جائے، پولیس میں اطلاع دے کر زید کو بذریعہ پولیس مسجد میں آنے سے منع کر دیا گیا، گورنمنٹ کالونی میں مسجد ہے، اگر مسجد میں ذرا بھی فساد ہو اتو گورنمنٹ مسجد کو بند کر سکتی ہے، آپ یہ تحریر فرمائیں کہ مسجد مذکور میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے تو نماز جمعہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر جی این شیخ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور آئندہ واقعی

زید سے مسجد میں فتنہ و فساد کا خطرہ ہے، اور مسجد و مصلیوں کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے کی غرض سے زید پر مسجد میں آنے سے پابندی لگادی گئی ہے تو جب تک فتنہ کا خطرہ باقی رہے گا اس وقت تک کے لیے پابندی جائز رہے گی اور اذن عام کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ مسجد میں بلا کراہت جمعہ و نماز پنجگانہ درست ہوگی، اور جب زید سے فتنہ کا خطرہ نہ رہے گا تو پابندی ختم کر دینی لازم ہوگی۔

والذی یضر إنما هو منع المصلین لا منع العدو . (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب: فی قول الخطیب، قال الله تعالیٰ: اعوذ بالله من الشیطان الرجیم کراچی ۱۵۲/۲، زکریا ۲۵/۳، منحة الخالق علی البحر الرائق کوئٹہ ۱۵۱/۲، زکریا ۲۶۴/۲، مجمع الأنهر قدیم ۱۶۶/۱، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۲۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۶/۲۴)

بے پردگی اور دیگر منکرات سے بچنے کے لیے مسجد کا دروازہ اور کھڑکی بند کرنا

**سوال [۷۸۵۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں دیوار قبلہ میں ایک دروازہ اور چند کھڑکیاں لگائی گئی ہیں مگر اس دروازہ اور کھڑکیوں سے جو کلب سڑک ہیں، آنے جانے والے اور گزرنے والے لوگ دکھائی دیتے ہیں، جس سے نمازیوں کے خشوع و خضوع میں فرق پڑتا ہے، اور اس دروازہ سے کئی بار مسجد کا سامان بھی چوری ہو چکا ہے، یہ دروازہ وغیرہ ایک دو آدمیوں نے اپنے مکان کے قریب ہونے کی وجہ سے اپنی سہولت کے لیے کھولا تھا، جبکہ تمام نمازی مسجد کے اصل دو دروازوں سے ہی آتے ہیں، جو بڑے دروازے ہیں ان دروازوں اور کھڑکیوں سے عورتوں کی بے پردگی بھی ہوتی ہے، جو باعث نزاع ہے، فی الحال ان کو تالا لگا دیا گیا ہے، اور فتنہ کو بند کرنے کے لیے ان کو بند کرنا ہی بہتر بلکہ ضروری ہے، لہذا از روئے شرع کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں دو آدمیوں کی

ضرورت کی وجہ سے بند دروازہ کھولنا جائز ہے یا بند رکھنا ضروری ہے؟

المستفتی: تسلیم احمد کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** جبکہ مسجد کو اس دروازہ کی ضرورت نہیں ہے اور اس دروازہ کی وجہ سے مسجد اور اس کا سامان غیر محفوظ ہے، نیز اس دروازہ اور کھڑکیوں سے عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے اور دیگر مصلیٰ حضرات بھی اس پر رضامند نہیں ہیں تو ایسی صورت میں ان مختلف وجوہ کی بنا پر اہل محلہ کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس دروازہ اور کھڑکیوں کو بند کر دیں، تاکہ مسجد اور اس کے سامان کی بھی حفاظت ہو سکے اور نزاع وغیرہ کا بھی امکان باقی نہ رہے، اور نمازیوں کے خشوع و خضوع میں بھی کسی طرح کا فرق نہ آئے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۵۹۵، امداد المفتیین ۹۳، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۰۹/۱۵، جدید اڈبھیل ۱۴/۵۵۶)

و کرہ غلق باب المسجد إلا لخوف علی متاعه به یفتی (در مختار) وفی الشامیة: لأن المدار علی خوف الضرر. (شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مطلب فی أحكام المسجد، کراچی ۱/۶۵۶، زکریا ۲/۴۲۸، البحر الرائق کوئٹہ ۲/۳۳، زکریا ۲/۵۹، فتح القدير مع الكفاية، دار الفكر بیروت ۱/۴۲۱، زکریا ۱/۴۳۵، کوئٹہ ۱/۳۶۷، ہندیہ زکریا قدیم ۱/۱۰۹، جدید ۱/۱۶۸)

کرہ مرور مار فی الصحراء و فی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الأصح أو مرورہ بین یدیه الی حائط القبلة فی بیت و مسجد صغیر. (شامی، مطلب إذا قرأ قوله تعالى جدد الخ، زکریا ۲/۳۹۸، کراچی ۱/۶۳۴، فتح القدير، دار الفكر بیروت ۱/۴۰۶، کوئٹہ ۱/۳۵۴، زکریا ۱/۴۱۶، طحطاوی قدیم ۱۸۸، جدید دار الكتاب دیوبند ۳۴۲، البحر الرائق کوئٹہ ۲/۱۷، زکریا ۲/۲۹)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲۵۴)

## ہال کو عارضی طور پر مسجد بنانا

**سوال [۷۸۵۸]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ کافی بڑی آبادی ہے ماشاء اللہ تین مسجدیں ہیں، اور مدرسہ بھی ہے، جس میں مقامی طلبہ کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ بیرونی طلبہ بھی مقیم رہتے ہیں، ایسی آبادی میں ایک کالونی کے نام سے کافی بڑی آبادی ہے وہاں پر کئی سال سے مسجد کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، کئی مرتبہ لوگوں کا ارادہ ہوا لیکن کچھ برادران وطن کا ذہنی تعصب، فرقہ واریت اور سیاست آڑے آگئی، اور مسلمان حضرات کثیر تعداد کے باوجود کامیاب نہ ہو سکے، اتفاق سے ایک عالم ایک شیخ کامل کے مجاز ہیں، انہوں نے اسی کالونی میں ایک جگہ خرید لی، جو ان کی ذاتی ہے اور اپنے صرفہ سے انہوں نے ہال کی شکل میں اس کو تعمیر کرا دیا، اور نزل بیت الخلاء، وضو خانہ وغیرہ سب انہوں نے اپنے ذاتی صرفہ سے تیار کرا دیا ہے اور ان کا مقصد اس جگہ میں صبح آٹھ بجے سے ایک بجے تک بڑی لڑکیوں کے لیے دینی تعلیم (ضمناً عصری تعلیم) کا بھی نظم کرنا (چنانچہ الحمد للہ اسی کالونی کی تقریباً ۳۵ لڑکیاں پردہ کے ساتھ آکر قرآن پاک وغیرہ پڑھ رہی ہیں) پڑھانے والیاں بھی ماشاء اللہ عالمہ فاضلہ ہیں بالکل اسی جگہ کے برابر میں ساکنہ ہیں باقی وقت میں ازظہر تا عصر یا از مغرب تا عشاء تعلیم بالغان کا ارادہ ہے، اور از عصر تا مغرب مجلس ذکر و وعظ (خانقاہی نظام) ان عالم صاحب نے اپنی اس ذاتی جگہ کا نام خانقاہ رکھا ہے، مساجد کے زیادہ دور ہونے کی وجہ سے کالونی کے لوگوں کی خواہش ہے کہ ہم اس خانقاہ میں اذان پڑھ کر پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کر لیا کریں، عالم صاحب کا کہنا ہے کہ جب تک اللہ کرے باقاعدہ مسجد کا انتظام ہو عارضی طور سے اس ہال کو مسجد بنا لیں مجھے تو کوئی اشکال نہیں ہے شرعی اجازت ضروری ہے، شرعاً بتلایا جائے کہ اس ہال کو عارضی طور پر مسجد بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ یہ عالم صاحب یہاں سے تقریباً ایک کلو میٹر دور مدرسہ میں مدرس ہیں اور وہیں پر مدرسہ میں ہی ان کی اور ان کے بچوں کی رہائش ہے؟

المستفتی: محمد زید علی ڈھکے جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** نماز کسی بھی جگہ بلا کراہت درست ہو جاتی ہے، مذکورہ ہال میں بھی نماز درست ہو جائے گی، لیکن مسجد شرعی کا ثواب نہیں ملے گا، اور مسجد شرعی کا ثواب ملنے کے لیے اس جگہ کا خالصتاً اللہ کے لیے وقف ہو جانا لازم ہے اور حق العبد کا مکمل طور پر منقطع ہو جانا لازم ہے، اس لیے اس وقت تک مسجد کا ثواب نہیں ملے گا جب تک اس جگہ کا مالک کلی طور پر باضابطہ مسجد کے لیے اس کو وقف نہیں کرے گا۔

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾. [الحج: ۱۸] ﴿

حاصلہ ان شرط کو نہ مسجد ان یكون سفله و علوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى 'وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ تَعَالَى'. (البحر الرائق، الوقف، فصل فی احکام المسجد، کوئٹہ ۲۵۱/۵، زکریا ۴۲۱/۵، شامی زکریا ۵۴۷/۶، کراچی ۳۵۸/۴)

والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالى: وَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ الخ. (فتح القدیر، زکریا ۲۱۸/۶، کوئٹہ ۴۴۴/۵، دار الفکر ۲۳۴/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۳۳ھ/۲۶

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
۶/صفر/المظفر ۱۴۳۳ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۶۳/۲۰)

کسی ہال میں باجماعت نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملتا

**سوال [۷۸۵۹]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو سو گز کے قریب جگہ میں ایک بڑی عمارت ہے جس میں اوپر والا حصہ رہائش گاہ ہے، صاحب مکان نے اوپر والے حصے کو ایک شخص کو کرایہ پر دے رکھا ہے، جو جمع بیوی بچوں کے رہتا ہے لیکن نیچے والا حصہ جو ایک ہال کی شکل میں ہے وہ خالی ہے، عرصہ دس سال



ہو ان کی مجلس لگتی ہے اور پھر دو تین روز کے بعد وہ چلے جاتے ہیں، اس پس منظر میں صاحب مکان نے اس ہال میں بیچ وقتہ نماز پڑھنی شروع کی جس کے لیے وہ مستقل امام بھی رکھے ہوئے ہیں جس میں پانچوں وقت اذان اور باجماعت نماز ہوتی ہے، سوائے جمعہ کے اور وہ آج خانقاہ کے نام سے مشہور ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

- (۱) اس جگہ نماز پڑھنے سے دیگر مسجدوں میں نماز کے برابر ثواب ملے گا یا نہیں؟
- (۲) صاحب مکان اگر کبھی اس جگہ سے نماز کا سلسلہ ختم کر کے جگہ اور مکان کو اپنے استعمال میں لانا چاہیں تو لاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شفیق الرحمن، مغل پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** سوالنامہ میں جس ہال کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہال شرعی مسجد نہیں ہے، اور نہ ہی مسجد کے لیے وقف ہے، اور اس میں مسجد کا ثواب بھی نہیں ملے گا، بلکہ عارضی عبادت خانہ ہے اور اس قسم کے عارضی عبادت خانے بڑے بڑے کارخانوں اور مسلم فیکٹریوں میں بھی ہوتے ہیں، سب لوگ وہاں اکٹھے ہو کر باجماعت نماز پڑھتے ہیں، اور بعض جگہ امام و مؤذن بھی متعین ہوتے ہیں اس کی وجہ سے نماز کی جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی ہے، وہ بدستور مالک کی ملکیت ہوتی ہے اس میں مالک کو پورا اختیار رہتا ہے جس طرح چاہے تصرف کرے، چاہے اس کو بیچ دے۔

وإن أمرهم بالصلاة شهراً أو سنة ثم مات يورث لأنه لا بد من التأييد والتوقيت ينافيه ومقتضى هذا أن لا يصير مسجداً فيما إذا أطلق. (فتح القدير، الوقف فصل في أحكام المساجد، زكريا ۶/۲۱۸، دار الفكر ۶/۲۳۵، كوئٹہ ۵/۴۴۵، البحر الرائق كوئٹہ

۵/۲۴۸، زكريا ۵/۴۱۶، النهر الفائق دار الكتب العلمية ۳/۳۲۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

۱۴۲۳/۶/۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۵)

## سہ منزلہ عمارت کے مالک کا دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کرنا

**سوال [۷۸۶۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سہ منزلہ ایک عمارت ہے اس کا مالک دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کر دے تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اور مسجد مسجد شرعی کہلائے گی کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالقادر دیوبندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے فقہی جزئیات کو سامنے رکھ کر کافی طویل بحثیں کی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس طرح کی متعدد منزلوں والی عمارت میں سے کسی ایک منزل کی عمارت کو مسجد شرعی کے لیے وقف کر دیا جائے تو اوپر اور نیچے کی منزلوں کو بھی مسجد کی ملکیت کے لیے دینا لازم ہے، اور انسان کی ملکیت کے حق کو پوری طرح ختم کرنا ضروری ہے، بدوں اس کے کوئی بھی منزل مسجد شرعی نہیں بن سکتی، لہذا مذکورہ صورت کہ صرف دوسری منزل کو مسجد شرعی کے لیے وقف کر کے اوپر اور نیچے کی منزل کو مالک کا اپنی ملکیت میں رکھنا یہ جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اوپر نیچے کی منزل کو بھی مسجد کی ملکیت میں دیدے، اور مسجد ان منزلوں کو کرایہ پردے کر اس کی آمدنی اپنی ضروریات میں صرف کرے، اور اپنے متعلقہ اخراجات پورے کرے تو شرعاً یہ صورت جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۲۸۳-۲۸۵)

ومن جعل مسجداً تحتہ سرداب أو فوقہ بیت - إلی قولہ - ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز، قال ابن الہمام: إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لصاحب المسجد فإنه يجوز، إذ لا ملک فیہ لأحد، بل هو من تنمیم مصالح المسجد. (فتح القدير، كتاب الوقف فصل و إذا بنی مسجداً، دار الفکر ۶/۲۳۴، کوئٹہ ۵/۳۴۴، زکریا ۶/۲۱۸)

وإذا جعل تحتہ سرداباً لمصالحه أي المسجد جاز کمسجد القدس، قال

ابن عابدین الشامی تحتہ: و بہ صرح فی الإسعاف فقال: و إذا كان السرداب أو العلولمصلح المسجد أو كانا وقفاً علیہ صار مسجداً. (شامی، مطلب: فی أحكام المسجد زکریا ۶/۵۴۷، کراچی ۴/۳۵۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۲۰۲، مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۹۴، قدیم ۱/۷۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

۱۲/۳/۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۳۹)

## مدرسہ کی دیوار پر لینئر ڈال کر نماز پڑھنا

**سوال [۷۸۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مدرسہ تعمیر شدہ ہے لہذا مدرسہ کی متصل آراضی کو تعمیر نو مسجد کے لیے خرید لیا گیا ہے چچا نیکہ مسجد کو از سر نو تعمیر کیا جاتا، تعمیر کرتے وقت مدرسہ کی تین گز لمبی دیوار پر مسجد کی دیوار تعمیر کرائی گئی ہے اور اس پر لینئر ڈال دیا گیا ہے، اب ایسی حالت میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۲) کچھ حضرات نے مسجد میں نماز پڑھنے سے اعتراض کیا تو مسجد کے ذمہ داروں نے مدرسہ کو پندرہ ہزار روپے اس دیوار کی قیمت ادا کر دی، لہذا رقم دینے کے بعد نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد شیر کوٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد نے مدرسہ کی جو زمین اپنے حدود میں دوران تعمیر داخل کر لی ہے وہ ذمہ داران مدرسہ کی اجازت کے بغیر یا اس کی قیمت ادا کیے بغیر جائز نہیں تھا، لیکن جب بعد میں مسجد نے اس زمین کی قیمت ادا کر دی ہے تو وہ زمین مسجد کی ملکیت ہو چکی ہے، لہذا اب پوری مسجد شرعی مسجد ہو گئی اب اس میں کہیں بھی بلا کر اہت نماز پڑھنا جائز ہے، یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب مسجد و مدرسہ کا نظام بالکل الگ الگ ہو اور اگر دونوں کا نظام ایک ہو مسجد مدرسہ کے تابع ہو تو ایسی صورت میں منجانب مسجد مدرسہ کو

اس زمین کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

أرض وقف علی مسجد و جنبہ أرض فأرادوا إلحاق شیء من الأرض بالمسجد جاز ولكن یرفعون إلی الحاکم لیأذن لهم فی ذلك و کذا مستغل الوقف کالدار والحانوت. (فتاویٰ بزازیہ، الوقف، الفصل الرابع فی

المسجد وما یتصل به زکریا جدید ۱۴۳/۳، وعلی هامش الہندیۃ ۶/۲۶۸، ہندیہ زکریا قدیم ۲/۴۵۶، جدید ۲/۴۰۹، فتح القدیر دار الفکر ۶/۲۳۵، زکریا ۶/۲۱۸، کوئٹہ

۵/۴۴۵، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۵۵، زکریا ۵/۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۴۴۴)

## صحن مسجد، برآمدہ اور چھت پر جماعت

**سوال [۷۸۶۲]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں مصلیٰ کی اصل جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ پر نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ چھت وغیرہ اور صحن میں بھی کیونکہ اس پر بہت سے لوگ چرچے کر رہے ہیں کہ دوسری جگہ نماز نہیں ہوتی؟  
المستفتی: عبداللطیف پیرزادہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وبالله التوفیق:** صحن مسجد اور برآمدہ بھی جماعت خانہ میں داخل ہے، لہذا اسمیں جماعت کرنا بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح چھت پر بھی اگر جماعت خانہ بنا ہوا ہے تو اس میں بھی گرمی کی وجہ سے جماعت کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۱۶، مجدد زیر کما مطول ۳/۳۰۳) اور اگر جماعت خانہ چھت پر بنا ہوا نہیں ہے تو نیچے کے جماعت خانہ کو چھوڑ کر چھت پر جماعت کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ، ولهذا إذا اشتد الحر یکرہ

أن يصلوا بالجماعة فوفقه إلا إذا ضاق المسجد . (ہندیہ، الکراہیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد ..... زکریا قدیم ۳۲۲/۵، جدید ۳۷۲/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ  
کیم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ  
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۲۰۷۷)

الجواب صحیح  
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ  
۱۴۱۷/۳/۲۷

## ایسی جگہ پر مسجد بنانا جس کے نیچے کاروبار ہوتا ہو

**سوال [۷۸۶۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ایسی جگہ کا رہنے والا ہوں جہاں پر اکثریت بدعتیوں کی ہے اور دیوبندی خیالات کی کوئی مسجد قریب میں نہیں ہے، لہذا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک مسجد تعمیر کریں، لیکن ہم کو کوئی جگہ نہیں مل رہی ہے، صرف ایک ایسی جگہ مل رہی ہے جس کا مالک یہ کہہ رہا ہے کہ میں اس شرط کے ساتھ یہ جگہ فروخت کر رہا ہوں کہ نیچے کی جگہ میں اپنا کاروبار کروں گا، اور اوپر کی جگہ کو میں تم کو فروخت کرتا ہوں، تو کیا ایسی جگہ پر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟  
المستفتی: محمد فیصل۔ جمپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** جس جگہ مسجد بنائی جاتی ہے وہ حصہ زمین تحت اثری سے لے کر ساتویں آسمان تک مسجد ہی کی ملک ہو جاتا ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس جگہ کے نیچے یا اوپر ضروریات و مصالح مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز بنانا جس میں آداب مسجد کی خلاف ورزی ہوتی ہو، ناجائز ہے، لہذا مذکورہ صورت میں مسجد شرعی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس جگہ کو خرید کر اوپر نیچے مکمل طور پر وقف کیا جائے اور جہاں پر نیچے دوکانیں وغیرہ ہوں اور اوپر مسجد ہو وہاں یہ لازم ہے کہ وہ بھی مسجد کی ملکیت ہو اور حق عبد اور ملکیت عبد کا اس سے منقطع ہو جانا لازم ہے۔

قال و من جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بیت و جعل باب

المسجد إلى الطريق و عزله عن ملكه فله أن يبيعه و إن مات يورث عنه لأنه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقا به ..... والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالى: 'وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ' مع العلم بن كل شيء له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو انقطاع حق كل من سواه عنه وهو منتف فيما ذكره ۵. (فتح القدير، الوقف، فصل و إذا بنى مسجدا لم يزل ملكه..... كوئته ۵/۴۴۵، زكريا ۶/۲۱۸، دار الفكر ۶/۲۳۵)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه، أي المسجد جاز كمسجد القدس ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتا و جعل باب المسجد إلى طريق و عزله عن ملكه لا يكون مسجدا وله يبيعه يورث عنه خلافا لهما، تحته في الشامية: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا و قفا عليه صار مسجدا، شرنبلالية: قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً ان يكون سفله و علوه مسجد لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: 'وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ' (الجن: ۱۸) بخلاف ما إذا كان السرداب و العلو موقوفا لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية. (در مختار مع الشامى، الوقف، مطلب: فى أحكام المسجد زكريا ۶/۵۴۷، كراچى ۴/۳۵۷، وهكذا فى البحر الرائق كوئته ۵/۲۵۱، زكريا ۵/۴۲۱، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۹۴، قديم ۱/۷۴۷)

وقد رد فى الفتح ما بحثه فى الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلى نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بأنه غير صحيح (إلى قوله) ولا سيما ما يترتب على ذلك من تقدير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه.

(شامى زكريا ۶/۵۴۸، كراچى ۴/۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالى اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

۲۹/۱۲/۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۰۹)

## فرم میں مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

**سوال [۷۸۶۳]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد سلیم منصور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، لہذا کسی فرم کے مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ فرم میں کام کرنے والے کسی مسلمان کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے سے روکے، جبکہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے میں عذر شرعی میں سے کوئی عذر نہ ہو۔

وإن صلی أحد فی البیت بالجماعة لم ینال فضل جماعة المسجد .  
(شامی، الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث التراویح، زکریا ۲/۴۹۵، کراچی ۲/۴۵)

**فصل یسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شیئا منها مطر و برد شدید و خوف ظالم و ظلمة شدیدة فی الصحیح و حبس و عمی و فلیح و قطع و سقام و إقعاد و رجل و وحل و شیخوخة و تکرار فقه بجماعة تفوته و حضور طعام تتوقه نفسه و إرادة سفر و قیامة بمریض و شدة ریح لیلا لا نهارا .** (حاشیة الطحطاوی علی المراقی دار الکتاب دیوبند ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ

۱۴۲۷/۶/۱۴

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۱۸)

## جماعت خانہ کی جگہ پر زبردستی دوکان بنانا

**سوال [۷۸۶۵]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جو لوگ زبردستی اور ہٹ دھرمی میں جماعت خانہ کی جگہ میں دوکان وغیرہ بنانا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا کسی حدیث وغیرہ میں ایسے لوگوں کے بارے میں کوئی وعید ہے، اگر ہے تو تحریر فرمادیں، تاکہ وہ وعید سن کر خدا کا خوف کریں اور اس طرح کی حرکت سے باز آجائیں، اور مسجد میں ذاتی تصرف نہ کریں؟

المستفتی: محمد نعیم تاجپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** مسجد اور جماعت خانہ کی جگہ پر دوکان وغیرہ بنانا اور اس میں ذاتی تصرف اور مالکانہ قبضہ کرنا حرام و ناجائز اور غضب کرنا ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ لوگ ناجائز و حرام کے مرتکب ہیں، لہذا تمام اہل محلہ پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو نکال باہر کر دیں، حدود مسجد کے اندر کسی قسم کا دنیوی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ متولی یا مسجد کے ذمہ داروں میں سے ہے تو وہاں کے لوگوں پر لازم ہے کہ اس کو ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/۲۸۱، جدید ڈابھیل ۱۲/۵۵۰)

عن رسول اللہ ﷺ أنه نهى ..... وعن البيع والشراء فيه. (ترمذی شریف، الصلاة باب فيها وفي كراهية البيع والشراء ..... في المسجد النسخة، الهندية ۷۳/۱، دار السلام رقم: ۳۲۲)

قيم المسجد لا يجوز له أن يبنى حوانيت في حد المسجد أو في فائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمة و هذا لا يجوز. (هنلية، الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، زكريا قديم ۲/۶۲۲، جديد ۲/۱۳۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۶/۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۷۵)

**جس جگہ پر تین سال نماز پڑھی جائے اس پر بیت الخلاء بنانا**

**سوال [۷۸۶۶]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے



بارے میں: کہ ایک جگہ مسجد کے لیے خریدی گئی، مسجد سے متصل مزید جگہ تھی اس لیے ٹرٹیان مسجد نے اس خریدی ہوئی جگہ کو شرعی مسجد طے نہیں کیا بلا طے کئے تین سال تک اس جگہ اس خیال سے نماز پڑھتے رہے کہ جب متصل کی جگہ خریدی جائے گی، اس وقت دونوں جگہوں کو ملا کر شرعی مسجد طے کی جائے گی، اور صحن بیت الخلاء وضو خانہ وغیرہ کس جگہ ہوگا، طے کیا جائے گا، متصل کی جگہ تین سال کے بعد صاحب مکان نے مسجد کے لیے وقف کر دی، اس کے بعد اب دونوں جگہوں کو ملا کر تعمیر کام شروع کیا گیا، سوال یہ ہے کہ جو زمین تین سال پہلے خریدی گئی تھی اور اس پر تین سال تک نماز بھی ہوتی رہی تو اب اس جگہ وضو خانہ بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم تھلہہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** کوئی بھی جگہ اس وقت تک مسجد شرعی نہیں ہوتی ہے جب تک اس کو مسجد شرعی بنانے کے لیے ذمہ داران کی طرف سے مکمل ارادہ نہ ہو جائے، اور نماز باجماعت غیر مسجد میں بھی درست ہو جاتی ہے، لہذا پہلے والی جگہ اب تک مسجد شرعی نہیں بنی، اس لیے دوسری جگہ کو ملا کر حسب مناسب دونوں جگہ کو ایک ساتھ شامل کر کے ایک مسجد شرعی کی تعمیر کی جاسکتی ہے، اور وضو خانہ، غسل خانہ، پیشاب گھر، بیت الخلاء وغیرہ جس طرف بھی مناسب سمجھیں بنانا جائز ہے۔

وإذا بنى مسجداً لا يصير مسجداً حتى يقر بلسانه أنه مسجد لا يباع ولا يوهب ولا يورث وفتح الباب و أذن فيه و أقيم و أذن للناس بالدخول فيه عامة فيصر مسجداً إذا صلى بجماعة فيه. (تاتارخانیة، الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد زکریا ۱۵۶/۸ رقم: ۱۱۴۹۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

۱۴۳۴/۴/۳۰

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۸۱/۴۰)

## قدیم نمازگاہ میں بیت الخلاء بنانا

**سوال [۷۸۶۷]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عباسیوں والی مسجد میں کچھ تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، مسجد کی دائیں جانب قدیم نمازگاہ کے نیچے دو یا ڈھائی فٹ دیوار کے بیچ میں استنجاء خانہ بنایا جا رہا ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

**الجواب وباللہ التوفیق:** زمین کا جو حصہ ایک دفعہ جب شرعی مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اس کے بعد قیامت تک کے لیے اس حصے کے اوپر یا نیچے پیشاب خانہ، غسل خانہ، بیت الخلاء وغیرہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اگر کسی نے غلطی سے بنا لیا ہے تو اسے توڑ کر ختم کر دینا لازم ہے۔  
و کرہ تحریمًا الوطء فوقہ والبول والتغوط، لأنه مسجد إلى عنان

السماء وفي الشامیة: وكذا إلى تحت الثرى، بقى لو جعل الواقف تحته بيتا  
للخلاء هل يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحا.

(شامی، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، زکریا ۲/۴۲۸، کراچی ۱/۶۵۶)

وفي تقريرات الرافعي: الظاهر عدم الجواز و ما يأتى متنا لا يفيد الجواز،

لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا

بجعل بيت الخلاء تحته. (تقريرات رافعي زکریا ۲/۸۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۷/۷/۱۴۲۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۳۷)

